مصنفہ

جناب مولوی محمد صادق صاحب سماٹری مرحوم

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ

(سورۃ الانعام آیت ۹۱)

حقانیتِ احمدیت

اپنے احمدی احباب بالخصوص نوجوانوں کیلئے علمی تحفہ
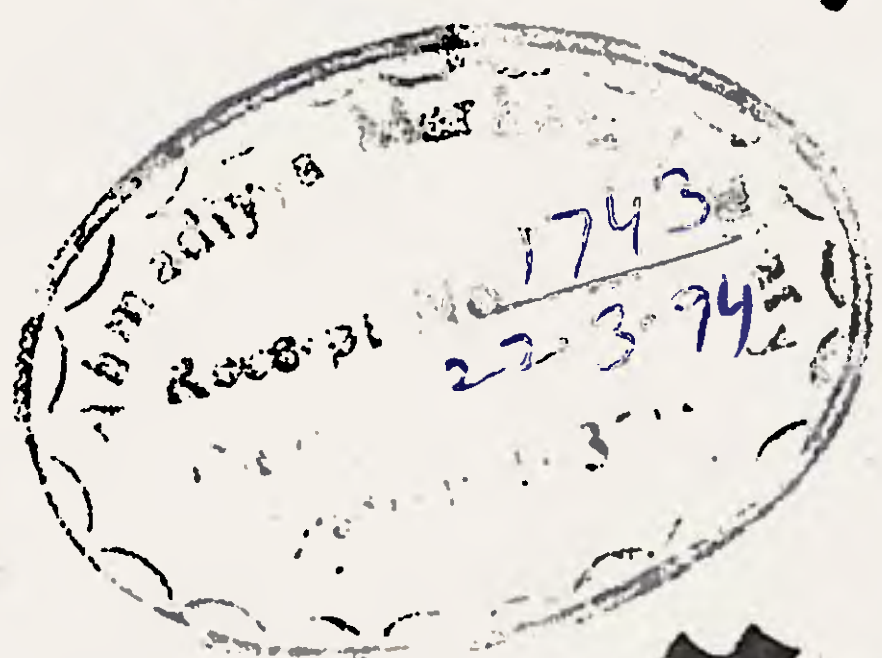
از

مکرم مولانا محمد صادق سماٹری

سابق رئیس التبلیغ انڈونیشیا و ملیشیا

ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ (پاکستان) ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست کتاب

تمہید

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	انسان اور عقل و فکر	۵
۲	نبوت کی ضرورت (چھ حوالجات)	۶
۳	نبوت کی خواہش (آٹھ حوالجات)	۸
۴	کیا نبوت مانگنا منع ہے۔	۱۰
	فصل اوّل	
	نبی کی تعریف	۱۱
۵	مفسرین کا اختلاف تعریف میں	۱۲
۶	انقطاع نبوت کی غلطی کی وجہ	۱۴
۷	کیا ہر نبی کو کتاب دیگئی؟ نہیں!! (دس حوالجات)	۱۵
	انبیاء اور کتب کی تعداد	۱۶
	نبی اسرائیل کے کئی نبی صرف تجدید کے لیے بھیجے گئے (حوالہ نمبر ۵ و نمبر ۶ و نمبر ۷ و نمبر ۸)	//
	شریعت ایک زائد امر ہے۔	۱۸
۸	نبی اور رسول کی حقیقی تعریف (۱۱۔حوالجات)	//
۹	ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے (۸۔حوالجات)	۲۱
۱۰	حدیث تعداد انبیاء پر جرح	۲۴

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۱۱		بعض ضروری امور کی یاد دہانی (۱۲ حوالجات)	۲۶
	۱	نبی حقیقی	"
	۲	نبی کامل	"
	۳	جزوی نبوت	"
	۴	ذاتی اور عرضی نبوت	۲۷
	۵	اصل اور تابع نبی	"
	۶	متبوع نبی باپ اور تابع نبی بطور بیٹا (نمبر۷ و نمبر۸)	"
	۷	ایک نبی دوسرے کا خلیفہ (نمبر۹ و نمبر۱۰)	۲۸
	۸	ظلی اور طفیلی مرتبہ (نمبر۱۱ و نمبر۱۲)	"

فصل دوم

نبی کے متعلق بعض ضروری باتیں

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۱۲	۱	نبی اور ولی میں فرق	۳۰
۱۳	۲	کیا کوئی عورت نبیّہ ہوئی	۳۱
۱۴	۳	کیا نبی معصوم ہوتا ہے؟ ہاں!	۳۲
۱۵	۴	وہ امور کیا ہیں جو نبی میں پائے جانے ضروری ہیں۔	۳۵
۱۶	۵	کیا ہر وحی کی تبلیغ ضروری ہے؟ نہیں!	۳۶
۱۷	۶	کیا نبی کیلئے پہلے ہی مفصل پیشگوئی کا ہونا ضروری ہے؟ نہیں!	۳۹
۱۸	۷	نبی کا کسی کافر کی پناہ لینا	۴۱
۱۹	۸	نبی کا لکھنا اور پڑھنا	۴۴
۲۰	۹	نبی کی ملازمت یا مزدوری کرنا	۴۶
۲۱	۱۰	نبوت وہبی ہے یا کسبی؟؟	۴۸
۲۲	۱۱	بعثت انبیاء کی اغراض	۵۲
۲۳	۱۲	دعویٰ کے متعلق تفصیل کا تدریجی علم	۵۶
۲۴	۱۳	نبی کی ذات میں عوارض بشریہ (بارہ باتیں)	۶۰

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۲۵	۱۴	مختلف دعاوی اور نام	۶۶
۲۶	۱۵	کیا نبی ہر اختلاف کا فیصلہ دیتا ہے؟	۷۱
۲۷		بعض اہم امور	۷۳
	۱	جب نص موجود ہو تو قیاس استعمال نہ ہوگا۔	
	۲	اجماع منسوخ نہیں ہوتا؛	
	۳	ایک اجتہاد کے ذریعہ دوسرا اجتہاد رد نہیں ہوتا	
	۴	چاروں مذاہب (مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی) کی تقلید کی بناء شک پر ہے۔	۷۴
	۵	ان مذاہب کی تقلید، مہدی کے زمانہ میں ختم ہو جائیگی۔	
۲۸	۱۶	کیا نبی شعر کہہ سکتا ہے؟ (۱۲ حوالجات)	۷۴
۲۹	۱۷	کیا نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا؛	۷۸
۳۰	۱۸	کافر کو حکم بنانا	۸۰
۳۱	۱۹	نبوت کا چھن جانا، جائز نہیں	۸۳
۳۲	۲۰	نبی کی مخالفت (دس قابل غور باتیں)	۸۷
۳۳	۲۱	انبیاء کے ظہور کے لیے کوئی علاقہ مخصوص ہے؟	۹۳
		فصل سوم نبی کی سچائی کے کچھ معیار	۹۶
۳۴		امام رازی رحمہ اللہ کے بیان کردہ دو معیار ا۔ معجزہ دکھانا۔ ب۔ پاک تعلیم دینا اور پاک انقلاب برپا کرنا،	
۳۵	۱	معجزہ کی تعریف (چھ حوالجات)	
	۲	معجزہ اور کرامت (پانچ حوالجات) خلف اور سلف میں حد فاصل زمانہ پانچویں صدی	
	۳	معجزہ کی قسمیں	۱۰۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴	اخبار غیبیہ معجزات میں شامل ہیں	۱۰۱
۵	ایک عام بات کا خاص حالت میں معجزہ ہونا	۱۰۲
	غیب کی تعریف	۱۰۴
۶	صرف تحدی شدہ امر ہی معیار ہو سکتا ہے	"
۷	ضروری نہیں کہ معجزہ کسی پہلے معجزہ کی طرح ہو	۱۰۵
۸	نشان طلب کرنے کا صحیح طریق	"
۹	کثرت معجزات شرط نہیں	۱۰۶
۱۰	وعیدی پیشگوئیاں اور ان کا ٹل جانا۔	۱۱۰
	عذاب کی دو قسمیں	
۱۱	پیشگوئی کے سمجھنے میں ملہم اجتہادی غلطی کر سکتا ہے۔	۱۱۳
	مجمل تعلیم کے متعلق بھی غلط فہمی کا امکان ہوتا ہے	۱۱۴
۱۲	پیشگوئی میں اصل سے کبھی اس کا خلیفہ اور اولاد بھی مراد ہوتی ہے	۱۱۶
۱۳	معجزہ کا زمانہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔	۱۱۷
	قرآن کریم معجزہ عظیم ہے۔	۱۱۸
	قرآن پاک کے وجوہ اعجاز (چار)	۱۲۰
	فصاحت وبلاغت کے ایک دو نمونے	۱۲۱
	امام وقت کی پیشگوئیاں	۱۲۳
	تفسیر قرآن کا معجزہ	۱۲۶
	پیر گولڑوی صاحب کا غیر مناسب رویہ	۱۲۷
	اعجاز المسیح کی تصنیف	"
	مولوی فیضی صاحب کا ناکام ہونا	۱۲۸
	عربی زبان کا علم مسیح موعود کو الہاماً دیا گیا	۱۲۹
	مسیح موعود کا علمی معجزہ ظل قرآن ہے	۱۳۰
۱۴	قبولیت دعا کا معجزہ	۱۳۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	ہر دعا کا قبول ہونا ضروری نہیں	۱۳۴
	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشان	"
۱۵	مدعیٔ الوہیت اور معجزات	۱۳۵
۱۶	معجزہ اور شعبدہ میں فرق	۱۳۶
۱۷	معجزات میں اخفاء کا پہلو بھی ہوتا ہے۔	۱۳۸
	معیار صداقت دوم	
	معیار (ب) پاک تعلیم اور پاک انقلاب	۱۴۰
۱	حزب اللہ اور حزب الشیطان	
۲	خدا کی معیت (آٹھ حوالجات	۱۴۱
۳	کامل اور مکمل لوگ (نبی)	۱۴۳
۴	روحانی انقلاب برپا کرنا (انبیاء کا کام)	۱۴۵
۵	اکثریت اور اقلیت کا سوال (دس حوالجات)	۱۴۶
۶	جماعت اور سوادِ اعظم (دس حوالجات کہ سوادِ اعظم سے مراد اکثریت نہیں)	۱۴۹
۷	جماعۃ کا مفہوم حدیث نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں (ایک امام کا ہونا ضروری)	۱۵۲
۸	الٰہی جماعت اور اس کے نشان (دس نشان)	۱۵۴
	ایک وہم کا ازالہ (امام کا قریشی ہونا ضروری نہیں)	۱۵۶
۹	مجددین اور نزول مسیح (نزول مسیح اور خروج مہدی کی احادیث متواترہ)	۱۵۹
۱۰	پاک تعلیم کا نمونہ	۱۶۱
	خدا سے تعلق قائم کرو	
	بندگانِ خدا سے سلوک	
	قرب الٰہی کیسے حاصل ہوتا ہے۔	
	حقیقی نجات کیا ہے؟	۱۶۴

صفحہ	مضمون		نمبر شمار
۱۶۵	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرو		
۱۶۶	کون مسیح موعودؑ کی جماعت میں سے ہے؟ اور کون نہیں		
۱۶۸	غیر قوموں کی ریس نہ کرنے کی ہدایت		
	معیار صداقت سوم		
	دعا اور مباہلہ		
۱۶۹	حلف اُٹھانا	۱	۳۷
۱۷۴	عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج	۲	
۱۷۵	مباہلہ کی شرائط (پانچ)		
۱۷۶	مسیح موعود علیہ السلام کے حلفیہ بیان	۳	
۱۷۹	مباہلہ کا چیلنج	۴	
۱۸۲	مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ آخری فیصلہ کی حیثیت	۵	
۱۸۶	مولوی ثناء اللہ صاحب کا انجام		
۱۸۸	مولوی ثناء اللہ صاحب کو ایک اور چیلنج جو آخری ہے		
	معیار صداقت چہارم		
۱۹۱	کاذب مدعیٔ نبوت ناکام مرتا ہے		
	آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا کے معیار کا مفہوم		۳۸
۱۹۳	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام		
۱۹۴	آپ کی خدا سے ایک خاص دعا		
	فصل چہارم		
	خاتم النبیین کی تفسیر		
۱۹۶	ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں	۱	۳۹
۱۹۷	احادیث نزول مسیح متواتر ہیں	۲	۴۰
۱۹۸	احادیث متواترہ کا انکار کفر ہے (پانچ حوالجات)	۳	

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
	۴	اہل السنۃ والجماعۃ کے چاروں مذاہب کا عقیدہ کہ مسیح موعود ظاہر ہوں گے۔	۱۹۹
	۵	معتزلہ اور جہمیہ کا عقیدہ (انکار نزول مسیح)	۲۰۱
	۶	نہضۃ العلماء انڈونیشیا کا فتویٰ کہ نزول مسیح ختم نبوت کے منافی نہیں۔	۲۰۳
	۷	ابن عربیؒ نے خاتم النبیین کے صرف یہ معنے کئے ہیں کہ آپ کی شریعت نے دوسری شرائع کو ختم کیا۔	۲۰۵
	۸	امام ملا علی القاری کے بیان کردہ معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شرعی نبی یا ایسا نبی جو امتِ مسلمہ سے نہ ہو نہ آئیگا۔	۲۰۶
	۹	حضرت عبدالکریم جیلانی خاتم النبیین کے معنے بیان کرتے ہیں کہ آپ کامل شریعت لائے آپ کے بعد کوئی شریعت نہ آئیگی۔	″
	۱۰	علامہ زرقانی نے خاتم النبیین کے معنے بیان کئے ہیں پیدائش اور اخلاق میں سب انبیاء سے احسن۔	″
	۱۱	صوفیاء کرام کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ نبی جو سب سے بلند آخری مرتبہ پر فائز ہو۔	″
	۱۲	مولانا نانوتوی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ پر مراتب کمال اس طرح ختم ہوئے جس طرح بادشاہ پر مراتب حکومت۔	۲۰۷
۴۱		ایک ضروری سوال اور اس کا جواب (خاتم کے معنے زمانہ کے لحاظ سے آخری کیوں نہیں؟)	″
۴۲		خاتم النبیین کے بعد کسی امتی نبی کا آنا ممنوع نہیں (مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عبدالحی لکھنوی کے اقوال)	۲۰۹
۴۳	۱۳	خاتم النبیین کے ایک معنی اور۔ (از علامہ عبدالغنی نابلسی و مولانا محمد قاسم نانوتوی و شیخ عبدالوہاب شعرانی کے اقوال)	″
۴۴		شیعوں کا عقیدہ کہ تمام انبیاء واپس آئیں گے۔	۲۱۱

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۴۵		حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنی علماء کے نزدیک۔	۲۱۲
		از شیخ ابن عربی صاحب ، از ملا علی القاری صاحب	
		از نواب نورالحسن صاحب	
۴۶		حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی اور آپ کا دعویٰ	״
۴۷		امتی کے معنی اور درجات	۲۱۶
		امتِ دعوت اور امتِ اجابت	۲۱۷
		امت میں امتی نبی آئینگے (علامہ المراغی)	
		حقیقی امتی کے مدارج (امام غزالی کا حوالہ)	۲۱۸
۴۸		موعود عیسیٰ علیہ السلام کی کیا حیثیت ہوگی؟	״
	۲	اگر موعود عیسیٰ مسیح ناصری ہیں تو قرآن کریم اور اسلام کی تعلیم کس سے حاصل کرینگے؟ (اس بارہ میں علماء کا اختلاف)	۲۲۱
	۳	نبی عیسیٰ علیہ السلام خود امتی نہیں بن سکتے۔	۲۲۳
۴۹		مسیح ابن مریم علیہ السلام وفات پا گئے ہوئے ہیں۔	۲۲۴
	۱	آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ	
	۲	اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم	
	۳	حدیث نبی هَلْ خَلَا نَبِيٌّ قَبْلِي ؟	
	۴	حدیث نبوی اِنَّ عِيْسٰى اَتٰى عَلَيْهِ الْفَنَاءُ	
	۵	آیت وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	
	۶	حدیث کہ عیسیٰؑ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔	
	۷	حدیث۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو؟	
	۸	حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خطبہ کہ حضرت عیسیٰ کی روح اٹھائی گئی	۲۲۸
۵۰		آئمہ اور علماء کرام جنہوں نے وفات مسیح کی گواہی دی۔	
	۱	حضرت امام مالک رحمہ اللہ	״

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
	۲	امام ابن حزم	
	۳	علامہ ابن القیم	
	۴	علامہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف	
	۵	علامہ الجبائی	
	۶	علامہ شیخ محمد عبدہ صاحب سابق مفتی مصر	
	۷	الاستاذ الکبیر مصطفیٰ المراغی مصری	
	۸	استاذ عبدالکریم الشریف	
	۹	علامہ محمد عبیداللہ سندھی	
	۱۰	سید قطب، علامہ محمود شلتوت سابق مفتی مصر و سید رشید رضا، سابق مفتی مصر وغیرہم	۲۳۰
		مولوی مودودی صاحب کا مبہم قول و عقیدہ	۲۳۲
		غلام احمد صاحب پرویز اور علامہ مشرقی، مولانا ابوالکلام آزاد اور سر سید مرحوم کا عقیدہ کہ عیسیٰؑ وفات پا گئے۔	۲۳۳
۵۱		دفع الی اللہ کے معنی	
		کیا خدا آسمان پر ہے؟	
		"خدا کی طرف یا آسمان کی طرف اٹھایا جانا" کے معنے (چھ حوالجات)	
۵۲		عیسیٰ علیہ السلام کا رفع کس عمر میں ہوا (اختلاف)	۲۳۹
۵۳		نزول کے معنی (ہمارا ایک چیلنج اور درخواست)	۲۴۱
۵۴		"آسمان سے نزول" کے معنی (دس حوالجات)	۲۴۳
۵۵		مُردے دنیا میں واپس نہیں آتے (دس دلائل)	
		قبر میں زندگی کا حال	
۵۶		مسئلہ نزول عیسیٰ متشابہات میں سے ہے (آٹھ حوالجات) لہٰذا اس کی تعبیر واقعات سے ہوگی۔	۲۵۳

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۵۷		اس پیشگوئی کا ظہور اور وقوع (آٹھ حوالجات)	۲۵۷
۵۸		مہدی ہی مسیح موعود ہوگا (دس دلائل)	۲۶۰
	۱	حدیث لا المهدی اِلاَّ عیسی	
	۲	حدیث عیسی بن مریم اماماً مهدیاً	
	۳	حدیث بخاری و اِمَامُکُم مِنکُم	
		حدیث مسلم فَاَمَّکُم مِنکُم	
	۴	کبار اہل السنت کا قول	
	۵	شیعوں کا عقیدہ امام مہدی کے عیسیٰ سے مشابہ ہونے کے متعلق	
	۶	صوفیاء کرام کا قول کہ مہدی عیسیٰ کا بروز ہوگا۔	
	۷	مسیح اور مہدی کی مماثلت (کام وصفات میں)	
	۸	مہدی اور مسیح کو خلیفۂ رسول مانا گیا ہے اور حدیث کے مطابق ایک وقت میں صرف ایک خلیفہ ہونا چاہیئے۔	
	۹	ائمہ اربعہ کا اتفاق کہ ایک وقت میں ایک امام ہونا چاہیئے۔	
	۱۰	قرآن مجید کے مطابق خدا تعالیٰ خلفاء سلسلہ موسویہ کی طرح اس امت میں بھی خلفاء پیدا کریگا۔ امت کے خلفاء سابق امتوں کے خلفاء سے مشابہ ہوں گے کوئی سابق خلیفہ امت میں نہیں آسکتا	۲۶۵
۵۹		نصوص کو ظاہر پر محمول کرنا چاہیئے۔	۲۶۹
		عیسیٰ یا ابن مریم کا نام	۲۷۱
۶۰		مشبہ کو مشبہ بہ کا نام دینا، عرب کا عام طریق (دس مثالیں)	
۶۱		بروز کی حقیقت	۲۷۵
	۱	بروز کے معنے نمبر ۱ تا نمبر ۴	
	۲	کبھی اسے "علی قدمہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔	۲۷۶
	۳	کبھی اسے "ظِلّ" بھی کہہ دیا جاتا ہے۔	

صفحہ	مضمون		نمبر شمار
	ظل اور اصل میں اشد مشابہت		
	ظل سے اصل کی صفات کا پتہ لگ سکتا ہے		
۲۷۹	نبی کریم کا ابوالانبیاء اور سید المرسلین ہونا تقاضا کرتا ہے کہ آپ کی روحانی اولاد (امت) میں انبیاء اور مرسل ہوں ورنہ یہ صرف دعویٰ ہوگا۔	۴	
۲۸۲	نبی بحیثیت سورج کے اور اس کے مخلصین بطور ستاروں اور چاند کے ہوتے ہیں۔	۵	
	امتِ محمدیہ میں نبی		
۲۸۴	تاویل کی اہمیّت		۶۲
	تاویل دراصل قبولیت کی فرع ہے۔	۱	
	بعض دفعہ تاویل ضروری ہوتی ہے۔	۲	
۲۸۵	تاویل کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہنا چاہیئے (اجماع)	۳	
۲۸۶	اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے خوارج کو کافر نہیں قرار دیا	۴	
"	مؤوّل کو کافر قرار دینے والے ظلم کرتے ہیں (امام شعرانی)	۵	
"	حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ بھی مؤول کو کافر نہیں کہتے	۶	
۲۸۷	اجماع کہ خوارج مسلمانوں کا فرقہ ہیں کیونکہ وہ مؤول ہیں۔	۷	
۲۸۸	صحابہؓ کا اختلاف اور جنگیں	۸	
"	حضرت امام غزالی کا فتویٰ (حدیث سے) مؤوّل کے امتی ہونے کے متعلق	۹	
"	جو تفسیر لغت کے مطابق ہو تاویل نہیں کہلائے گی۔ اور نہ اسے رد کرنا چاہیئے (شیخ محمد عبدہ و ابن دقیق)	۱۰	
۲۸۹	عیسٰی موعود نبی ہوگا (سات حوالجات)		۶۳
۲۹۲	خلاصہ مضمون		
۲۹۶	بروز اور پہلے انبیاء کی کتب		۶۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار	
۲۹۶	الیاسؑ نبی کے آنے کی پیشگوئی		
۲۹۷	داؤدؑ نبی کے آنے کی پیشگوئی		
۲۹۸	حدیث نے معصوم انسان کو عیسیٰ قرار دیا گیا ہے۔		
	قابلِ عبرت واقعات		۶۵
	پہلی بات۔ عبرت حاصل کرنے کا حکم		
	نبئ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بوجہ جہالت		
	آجکل کی جاہلیت پہلی جاہلیت سے زیادہ سخت ہے		
۳۰۱	دوسری بات۔ امتِ اسلام میں تفرقہ بہت زیادہ ہے اور روحانی بیماریاں بھی سخت ہیں۔		
۳۰۳	تیسری بات یہود کا عقیدہ لَا نَبِيَّ بَعْدَ مُوسٰى		
	سقراط کا کہنا کہ ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں		
	مسلمان علماء کا حال (از شیخ محمد عبدہ مصر)		
۳۰۷	چوتھی بات۔ یہودیوں میں ایک مسیح کے آنے کی پیشگوئی پھر انکا خیال کہ وہ مسیح آسمان سے اتریگا۔		
۳۰۸	مسلمان تقلید کے دلدادہ اور حق کی مخالفت میں دلیر		
۳۰۹	نزول مسیح اور اس کے کام		
۳۱۱	مسیح موعود کے لیے خردج کا لفظ بھی آیا ہے		
۳۱۲	اگر محمدؐ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام خود بھی آئیں تو مسلمان انہیں نہیں مانیں گے (طنطاوی وغیرہ)		
۳۱۳	خاتم النبیین کے اجماعی معنے		
	عام لوگوں کے خیالی معنے اور ان پر تنقید		۶۶
	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ عیسیٰ کے آنیکی پیشگوئی کی۔	۱	
	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کا عقیدہ کہ نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام آئینگے۔	۲	

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
	۳	ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ اور ان کے تمام مقلدین کا ایمان ہے کہ نبی اللہ عیسیٰ آئیں گے۔	۳۱۳
	۴	بہت سے متکلمین اور مفسرین نے نبی اللہ عیسیٰ کی آمد کو برحق قرار دیا ہے۔	
	۵	کئی محققین اور علماء نے خاتم النبیین کی دوسری تفسیر بھی بیان کی ہے۔	
	۶	عوام کی یہ خیالی تفسیر مبہم ہے۔	۳۱۴
	۷	عوام کی تفسیر کے مطابق خدا تعالیٰ خاتم النبیین قرار پاتا ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔	"
	۸	کیا "نعمتِ نبوت" کو اپنی امت کے لیے بند کرنا کوئی فضیلت ہے؟ شہید اور صدیق تو پہلی امتوں میں ہوئے، اس امت کو اس سے زیادہ کیا ملا۔	۳۱۵
	۹	عیسائیوں کا دعویٰ کہ عیسیٰ خاتم النبیین ہے۔	"
	۱۰	نبی آئیں تو شریعت کیوں نہ آئے؟ کا جواب کہ قرآن مجید مکمل ہے اور محفوظ بھی ہے۔	۳۱۷
۶۷		نبی نہ آنے کی ممکنہ وجوہ (آٹھ)	۳۱۸
	۱	کیا خدا تعالیٰ کے خزانے ختم ہو گئے؟ (خزائن الٰہیہ چار قسم)	۳۱۹
	۲	کیا خدا تعالیٰ بخل سے کام لے رہا ہے؟	
	۳	شاید کہ خدا تعالیٰ کو امت کے حالات کا علم نہ ہو؟ (نعوذ باللہ) اور اس کا ردّ	۳۲۰
	۴	کیا امت کے تمام افراد پاکباز اور متقی ہیں۔ اس لیے کسی ہادی و راہنما کی ضرورت نہیں ہے؟ یہ غلط ہے۔	۳۲۱
		قرآن کی شہادت اس کے خلاف ہے۔	"
		مشاہدہ بھی اسکے خلاف اور نبی کی ضرورت کا احساس (سات حوالجات)	۳۲۲

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
	۵	کیا خدا اس امت کو یونہی اس کی حالت پر چھوڑنا چاہتا ہے؟ نہیں! (نبوت جاری ہے)	۳۲۴
		دوسری دلیل کہ نبوت کی نعمت ہمیں عطا ہو گی	۳۲۵
	۶	امت میں کوئی ایسا فرد نہیں جسے نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا جا سکے اس کا ردّ، یہ خیال قرآن مجید کے خلاف ہے	۳۲۷
		قرآن مجید رسول آنے کی خبر دیتا ہے۔	
		یہ خیال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور امت کی ذلت کا بھی باعث ہے۔	۳۲۸
		احادیث فِیْ کُلِّ اَرْضٍ نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ	״
		״ اَبُوْبَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ	۳۲۹
		״ نَبِیُّهُمْ مِنْهُمْ کے بھی خلاف ہے۔	״
	۷	یہ خیال کہ قرآن مجید ہی کافی ہے کسی نبی کی ضرورت نہیں، کا ردّ	۳۳۰
	۸	کیا خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ امت ہلاک ہو؟ کا ردّ	
۶۸		اجماع کا مسئلہ	۳۳۳
	۱	اجماع کا مطلب و معنے	״
	۲	اجماع کا وقوع ممکن ہے یا نہیں	
	۳	اجماع کا علم بھی ممکن ہے یا نہیں	״
	۴	حضرت امام احمد کا قول مَنِ ادَّعٰی وُجُوْبَ الْاِجْمَاعِ فَهُوَ کَاذِبٌ	״
	۵	اجماع کو کس طرح منقول ہونا چاہیئے؟	״
	۶	اجماع حجت بھی ہے یا نہیں؟	۳۳۴
	۷	اجماع اگر حجت ہے تو قطعی ہے یا ظنی؟	
	۸	اجماع صحابہ ہی دراصل اجماع ہے۔	״

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
	۹	اجماع میں عوام کے خیال یا خواہش کا کوئی اعتبار نہیں۔	۳۳۴
	۱۰	اجماع کے متعلق امام شوکانی کی ایک اہم تنبیہ	"
۶۹		وحی کا نزول	۳۳۶
	۱	نبی کریم کے بعد جبریل کا نزول	۳۳۷
	۲	شیطانی وحی اور الہام کا نشان	"
	۳	سچی وحی اور اس کا اثر	۳۳۸
	۴	وحی الٰہی ایک لذیذ روحانی غذا	۳۳۹
	۵	وحی جو نئی شریعت پر مشتمل ہو، بند	"
	۶	امام مہدی پر وحی نازل ہوگی	۳۴۰
	۷	حضرت عیسیٰ پر کس قسم کی وحی نہ اتریگی	"
		قرآن مجید سے استدلال	۳۴۱
	۸	حدیث کہ امتِ مسلمہ وحی الٰہی سے کب محروم ہوگی	"
	۹	حدیث کہ مؤمن کی وفات کے وقت جبریل اس پر نازل ہوتا ہے	۳۴۲
	۱۰	ابن حجر ہیثمی کا فتویٰ کہ مسیح موعود پر وحی حقیقی نازل ہوگی۔	"
۷۰		وحی کی بحث	۳۴۳
	۱	وحی کی تحقیق لغتِ عرب سے	"
	۲	نزول وحی کے طریق	۳۴۵
	۳	وحی کی اقسام	۳۴۶
	۴	وحی کے ارکان (پانچ)	۳۴۹
	۵	وحی کا فائدہ	
		حضرت مسیح موعود پر وحی والہام کا نزول	۳۵۳
۷۱		وحی تشریعی وغیر تشریعی	۳۵۴
		ختم نبوت کی وجہ سے ایک وہم کا پیدا ہونا اور اسکی تردید	
		زمانۂ حال کے علماء کرام کا حال	۳۵۶

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
		امتی نبی اور رسول آنے کا امکان (قرآن)	۳۵۸
		محمد بن عبدالوہاب اور مسلمانوں کا حال	۳۵۹
		ابن تیمیہ اور ضرورت نبوت	۳۶۰
		حدیث کہ امت میں نبی، صدیق، شہید ہونگے	۳۶۱
		امت میں یہود اور مثیل عیسیٰ پیدا ہونگے	〃
		کامل محب اور مومن نبی ہوتا ہے	۳۶۲
		تمام نبی اور علماء نبی کریم سے فیض حاصل کرتے ہیں۔	
۷۲		اولیاء کو وحی الٰہی	۳۶۳
	۱	ام موسیٰ (یوکبد) کو وحی ہوئی	〃
	۲	ام عیسیٰ (مریم) کو وحی ہوئی	۳۶۴
	۳	عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو وحی ہوئی	۳۶۶
	۴	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وحی ہوئی	〃
	۵	حضرت عائشہ رضؓ کو وحی ہوئی	۳۶۷
	۶	حضرت امام شافعی کو وحی ہوئی	۳۶۸
	۷	حضرت امام احمد بن حنبل کو وحی ہوئی	۳۶۹
	۸	ابن عربی کو وحی ہوئی	۳۷۰
	۹	حضرت میر درد کو وحی ہوئی	〃
	۱۰	تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کو وحی ہوئی	۳۷۱
		شیخ جیلانیؒ کہ مومن متقی سے کلام الٰہی ہوتا ہے	۳۷۲
		ابن عربیؒ کہ تمام قسم کی وحی جاری ہے۔ الا تشریعی	〃
		عبدالوہاب شعرانیؒ کہ ہمارے لیے وحی الالہام جاری ہے	۳۷۳
		علامہ الوسی کہ غیر تشریعی وحی جاری ہے	〃
		حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو وحی اور وہ کیسی ہے	〃
		کتاب کی دو قسمیں (امام رازی)	۳۷۵

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
۷۳		اجماع اور ختم نبوت	۳۷۸
	۱	موعود عیسیٰ کا کام (تجدید اسلام)	۳۷۹
	۲	اجماع امت کہ موعود عیسیٰ "نبی اللہ" ہوگا	
	۳	کیا ایک اجماع دوسرے اجماع کے خلاف ہوسکتا ہے ؟	۳۸۰
	۴	قرآن مجید کی آیات کے معانی کی کوئی حد نہیں (دس حوالجات)	۳۸۲
	۵	جماعت احمدیہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق	۳۸۵
	۶	ہمارا ایک اہم سوال !	۳۸۶
	۷	جس وجہ سے پہلے نبی مبعوث کئے جاتے تھے وہ اب بھی موجود ہے (نبوت کے جاری وساری ہونے کی دو دلیلیں)	"
	۸	ہمارا ایک اور اہم سوال	۳۸۹
	۹	امت مسلمہ نبوت کی محتاج ہے (ایک اور دلیل) فترت کا زمانہ	۳۹۰
	۱۰	حدیث سے ایک دلیل کہ امتی نبی آسکتا ہے (لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا) یہ حدیث صحیح ہے۔	۳۹۱
	۱۱	خاتم النبیین کے ایک اور معنے (از علامہ ابوالبقاء)	۳۹۴
	۱۲	ختمیت اور محمدیت روحانیت کا اعلیٰ درجہ	۳۹۵
	۱۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم، رحمتوں کے حصول کا ذریعہ	
	۱۴	حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کا مفہوم	
۷۴		دو شبہات اور انکا ازالہ	
	۱	پہلا شبہہ اور اس کا جواب	۳۹۹
	۲	دوسرا شبہہ اور اس کا جواب (جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نافذ ہے زمانہ آپ کا ہی ہے)	۴۰۱

نمبر شمار		مضمون	صفحہ
	۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت نہیں لائے	۴۰۲
	۴	سوال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک نبی کیوں آیا؟	۴۰۳
۷۵		مولوی مودودی صاحب اور اجماع	
	۱	امام غزالی پر افتراء	۴۰۵
	۲	آیت خاتم النبیین	۴۰۸
	۳	سیاق آیت کی وضاحت	۴۱۱
	۴	حقیقی لغوی معنی سے مودودی صاحب کا انکار	۴۱۲
	۵	افضل النبیین کے معنوں سے بھی ان کا انکار	۴۱۴
	۶	خاتم کے محاورات	۴۱۶
	۷	حدیث آخر الانبیاء کی تشریح	۴۱۸
	۸	مسیلمہ کذاب سے جنگ کی وجہ	۴۱۹
	۹	مسیلمہ تشریعی نبوت کا مدعی	۴۲۱
	۱۰	مفسرین کے اقوال	۴۲۲
	۱۱	صدارت اور نبوت	۴۲۴
	۱۲	مودودی صاحب کے نزدیک نبی کی حقیقت	"
	۱۳	مزید تبصرہ	۴۲۷
	۱۴	ہماری گذارش	۴۳۸
۷۶		ایک یہودی اور مسلمان کا مناظرہ	۴۳۹
		آخری درخواست	۴۴۲
		ہمارے علماء (بزرگوں کی نظر میں)	۴۴۴
		ہمارے لیے خدا کی طرف سے بشارت	۴۴۵
		اور ہماری دعا	

مصنف کتاب ہذا ۔ حبی فی اللہ مکرم مولانا محمد صادق صاحب فاضل نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ جنوبی ایشیا کے ممالک انڈونیشیا اور ملیشیا اور دیگر جزائر میں احمدیت اور اسلام کی تبلیغ میں گذارا ہے ان کی طویل تبلیغی زندگی میں انہیں جن مسائل کی بار بار وضاحت کرنا پڑی اور اس سلسلہ میں انہیں امتِ محمدیہ کے تیرہ سو سالہ لٹریچر کا جو مطالعہ کرنا پڑا حقانیتِ احمدیت ان کے اس حاصل مطالعہ کا نچوڑ ہے ۔ بالخصوص مسئلہ نبوت و رسالت ۔ مقام خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مسیح موعود علیہ السلام کا مقام اور آپ کی صداقت کے دلائل کے بارہ میں انتہائی بیش قیمت حوالہ جات اس کتاب جمع کئے گئے ہیں ۔

نیز ان مسائل کے بارہ میں جو جو بحثیں عموماً مخالفین اُٹھاتے رہتے ہیں ان کا حل امت کے مسلمہ بزرگوں کی عبارتوں سے پیش کر کے اتمام حجت کیا گیا ہے ۔ اس طرح حقانیت احمدیت پر اس کتاب میں نہایت بیش قیمت اور پُر از معلومات مواد یکجا کر دیا گیا ہے ۔ جس سے ان مسائل کی تحقیقات میں پوری مدد ملتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ عقائد احمدیت میں سے کوئی عقیدہ اکابرین امت کے محققانہ بیان کے خلاف نہیں ان مسائل کے متعلق دوران بحث میں جو سوالات بالعموم پیش آتے ہیں ان کو خوبصورتی سے حل کر دیا گیا ہے ۔ بروز اور وحی کی حقیقت اور اجماع امت کی حیثیت پر بھی اس کتاب میں کافی معلومات موجود ہیں ۔

میں نے اس کتاب کا شروع سے لیکر آخر تک مطالعہ کیا ہے اور اس کی

افادیت کے پیش نظر ہی اسے نظارت کی طرف سے شائع کیا ہے تاکہ یہ سستے داموں قارئین تک پہنچ سکے۔ علمی ذوق اور تبلیغ کا شوق رکھنے والے احمدی احباب کے لیے اس کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا محمد صادق صاحب کو سلسلہ کی بیش از بیش خدمت کی توفیق دے اور ان کا ہر رنگ میں حافظ و ناصر ہو۔

والسلام

خاکسار

قاضی محمد نذیر

ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ

پاکستان۔ ربوہ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
وَعَلٰی عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

انسان خدائے تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے اور اسے استعداد طبعی اور عقل سے مشرف فرماکر تمام مخلوقات سے ممتاز ٹھہرایا ہے اور پھر تمام کائنات کو اس کے لیے مسخر کر دیا ہے اور ساتھ ہی اس کی ترقی کے لیے غیر محدود راستے کھول دیئے ہیں اور ادھر اس کے لیے ایسے مواقع مہیا کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے رب سے محبت کا تعلق قائم کر سکے جس کے نتیجہ میں اسے دائمی زندگی اور حقیقی خوشحالی حاصل ہو، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان عموماً عقل سے کام نہیں لیتا، اپنی حیثیت کو نہیں سمجھتا اور اس طرح دائمی خوشحالی کو کھو بیٹھتا ہے۔

بیشک عقل و فکر ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے، لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہر امر میں صحیح فیصلہ دیتی ہے۔ وہ تو مادی امور میں بھی عموماً دھوکا کھا جاتی ہے۔ چہ جائیکہ کوئی باطنی یا روحانی امر ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (سورۃ الاسراء آیت ۸۵) کہ تمہیں جو علم عطا ہوا ہے، وہ بہت قلیل ہے۔ جب علم تھوڑا ہو تو انسان بھٹک سکتا ہے اور ٹھوکریں کھا سکتا ہے۔

نبوت و رسالت ۱۔ حضرت شیخ عبدالوہاب الشعرانی فرماتے ہیں:۔

"اَلْفِكْرُ كَثِيْرُ الْخَطَاءِ فِي الْاِلٰهِيَّاتِ" (الیواقیت والجواہر جزء ۱ صفحہ ۲۴ مطبوعہ مصر)
کہ روحانی معاملات میں فکر انسانی اکثر غلطی کھا جاتا ہے۔

پس ضروری تھا کہ انسان کو اندھیروں سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنا نور نازل فرماتا اور اس کی کمزوری کے علاج کے لیے اپنی طرف سے طبیب مبعوث فرماتا چنانچہ اس نے محض اپنے فضل سے ایسا ہی کیا اور سلسلہ نبوت جاری فرمایا۔ پس نبوت ایک نور ہے جو انسان کو روشنی بخشتا ہے یا یوں کہئے کہ نبی ایک ڈاکٹر ہے جو بنی نوع انسان کی تمام روحانی بیماریوں کا علاج کرتا ہے جب الہام الٰہی ایک امر پر روشنی ڈال دیتا ہے تو فطرت سلیمہ بھی جو انسان میں ودیعت کی گئی ہے اسے قبول کرتی ہے سوائے اس کے جو فطرت سلیمہ سے کام نہ لے۔

۲۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"اَلنُّبُوَّةُ هِيَ النُّوْرُ الْاَعْظَمُ" (مقدمہ ابن خلدون مقدمہ سادسہ صفحہ ۹۴)

"کہ نبوت ایک بہت بڑا نور ہے"

قرآن مجید اس کا مؤید ہے آیت قرآنیہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ کے دوسرے جملہ میں نبوت کا ہی بیان ہے جسے چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے پس نبوت نور خدا کا پرتو ہے۔

۳۔ الشیخ محمد بن احمد السفارینی اپنی کتاب شرح العقیدہ لوائح الانوار البهیہ جزء ۲ الباب الخامس صفحہ ۲۴۸ مطبوعہ مصر پر لکھتے ہیں۔

"فَاِنَّ الرِّسَالَةَ رُوْحُ الْعَالَمِ وَنُوْرُهٗ وَحَيَاتُهٗ"

کہ نبوت و رسالت عالم کائنات کی روح اور نور اور حیات ہے۔

گویا نبوت کا ایک وصف روحانی زندگی پیدا کرنا ہے۔

۴۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب احیاء علوم الدین جزء ا صفحہ ۴۳ مطبوعہ مصر پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اَلْاَنْبِيَاءُ اَطِبَّاءُ الْقُلُوْبِ"

"کہ انبیاء کرام دلوں کے طبیب ہیں"

اس قول میں بھی نبوت کا ایک فعل یا وصف بیان ہوا ہے۔

۵۔ علامہ ابن تیمیہ الحرانی لکھتے ہیں۔

"وَالْاَنْبِیَاءُ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ اَطِبَّاءُ الْاَدْیَانِ فَھُمْ اَعْلَمُ النَّاسِ بِمَا یُصْلِحُ الْقُلُوْبَ وَیُفْسِدُھَا۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ جزء ۲ صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ مصر)
کہ انبیاء علیہم السلام مذہبی طبیب ہیں پس وہ خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو دلوں کی اصلاح کرتی ہیں اور انہیں بگاڑتی ہیں۔

۶۔ حضرت امام فخر الدین الرازی فرماتے ہیں:
اَلْاَنْبِیَاءُ کَالْاَطِبَّاءِ الْحَاذِقِیْنَ۔ (التفسیر الکبیر للرازی جزء ۵ صفحہ ۴۲۹)
"کہ انبیاء علیہم السلام ماہر اطبّاء کی طرح ہوتے ہیں۔"

۷۔ علامہ داؤد بن محمود القیصری اپنی کتاب شرح فصوص الحکم صفحہ ۱۷۴ پر انبیاء اور رسولوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:
اَطِبَّاءُ الْاُمَمِ لِاَنَّھُمْ یُخَلِّصُوْنَ الْاَرْوَاحَ مِنَ الْاَمْرَاضِ الرُّوْحَانِیَّۃِ
کہ وہ امتوں کے طبیب ہیں کیونکہ وہ انہیں امراض روحانیہ سے نجات دینے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔

ان دونو امور کو خدا تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں صراحت سے بیان فرمایا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ہ (سورۃ النساء آیت ۱۷۳) اے لوگو! ضرور آچکی ہے تمہارے پاس ایک کھلی دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور اتارا ہے ہم نے تمہاری طرف نور روشن کرنیوالا۔

دوسری جگہ فرمایا: قَدْ جَاءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ (سورۃ المائدہ آیت ۱۷) کہ ضرور آچکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب (جو تمام روحانی امور کو) کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

ان دونو آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو نور قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۳) یعنی ہم اتار رہے ہیں ۔۔ قرآن جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

اسی کی تائید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے فرمایا: یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (سورۃ یونس آیت ۵۷) اے لوگو ضرور آچکی ہے

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک کتاب جو سراسر نصیحت ہے اور ہر بیماری کے لیے جو سینوں میں پائی جاتی ہے شفاء دینے والی ہے۔ ان دونو آیات میں قرآن کریم اور اس میں بیان کردہ تمام امور کو شفاء قرار دیا گیا ہے۔

غور فرمائیں کہ اگر اندھیرے ہی اندھیرے ہوتے اور ان کے زائل کرنے کے لیے نور نازل نہ کیا جاتا یا روحانی وباؤں کے وقت ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوئی دوا یا معالج نہ ہوتا تو بنی نوع انسان کا کیا حشر ہوتا؟؟؟ یقیناً وہ ہلاک اور برباد ہو جاتے۔

پس نبوت کا سلسلہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے اور اس کا بڑا فضل اور رحمت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (سورۃ الدخان آیت ۵-۶) کہ ہم رسول بھیجا کرتے ہیں اور اے محمدؐ! یہ تیرے رب کی رحمت (کا نتیجہ) ہے۔ پھر فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (سورۃ المائدہ آیت ۲۰) کہ اے محمد! یاد کرو جب کہا تھا موسیٰ نے اپنی قوم سے کہ اے میری قوم! یاد کرو تم اللہ کے احسان کو جو تم پر ہوا، کیونکہ اس نے تم میں نبی بھی بنائے اور تمہیں بادشاہ بھی بنایا۔" پس نبوت روحانی نعمت ہے اور حکومت دنیاوی نعمت جسکا ملنا خدا کا فضل ہے البتہ نبوت حکومت کے بغیر بھی بہت بڑا فضل ہے۔

نبوت کی خواہش

۱۔ اسی لیے خدا تعالیٰ کے انبیاء نے ہمیشہ یہ خواہش کی بلکہ اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کی اولاد کو بھی یہ نعمت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی اپنی اس عظیم رحمت سے نوازے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس عظیم نعمت کا وعدہ دیا گیا، تو آپ نے عرض کیا وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴) کہ اے اللہ! میری اولاد کو بھی اس نعمت سے نوازیو۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "کاش کہ خداوند کے سارے بندے نبی ہوتے اور خداوند اپنی روح ان میں ڈالتا۔" (دیکھیں توراۃ کتاب گنتی باب ۱۱ آیت ۳۰)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے دعا کی فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۵۳) اس کے ایک یہ بھی معنے کئے گئے ہیں۔ "اُكْتُبْنَا فِيْ زُمْرَةِ الْاَنْبِيَاءِ" (تفسیر الکبیر للامام الرازی جزء ۲ صفحہ ۴۵۶) کہ ہمیں زمرہ انبیاء میں داخل کیجیو۔"

۴۔ حضرت امام رازی آیت وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (سورۃ الانعام آیت ۸۴)

کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "مِنْ اَعْظَمِ اَنْوَاعِ السُّرُوْرِ عِلْمُ الْمَرْءِ بِاَنَّهٗ يَكُوْنُ مِنْ عَقِبِهِ الْاَنْبِيَاءُ وَالْمُلُوْكُ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صـ۲۳) یعنی خوشی کی بہت بڑی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان کو پتہ چل جائے کہ اس کی نسل سے انبیاء اور بادشاہ پیدا ہوں گے۔"

۵۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن لوگ بھی دعا کرتے ہیں وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (سورۃ الفرقان آیت ۷۴) کہ اے ہمارے رب ہمیں متقی لوگوں کا امام بنانا۔ اس آیت کے متعلق امام رازی لکھتے ہیں: قَالَ بَعْضُهُمْ فِي الْاٰيَةِ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الرِّيَاسَةَ فِي الدِّيْنِ يَجِبُ اَنْ تُطْلَبَ وَيُرْغَبُ فِيْهَا۔ (التفسیر الکبیر جزء ۶ صـ۳۵۹) یعنی بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں ایک مضمون ہے جو دلالت کرتا ہے کہ واجب ہے کہ دین میں بلند سے بلند درجہ طلب کیا جائے اور اس کا شوق ہو۔"

۶۔ "اَلْاِكْلِيْلُ فِي اسْتِنْبَاطِ التَّنْزِيْلِ" میں علامہ جلال الدین سیوطی اس آیت کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں۔ "قَالَ الْقَفَّالُ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ فِي الْاٰيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ طَلَبَ الرِّيَاسَةِ فِي الدِّيْنِ وَاجِبٌ کہ امام قفال اور دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں دلیل ہے اس بات پر کہ دین میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تلاش کرنا واجب ہے۔"

۷۔ علامہ شیخ معین بن صفی رحمہ اللہ اپنی تفسیر "جامع البیان" میں اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں: "اَئِمَّةً يُقْتَدٰى بِنَا فِي الْخَيْرِ وَلَنَا نَفْعٌ مُتَعَدٍّ اِلٰى غَيْرِنَا۔" کہ ہمیں ایسے امام بنا جن کی نیکیوں میں اقتداء کی جائے اور ہم اپنے غیر کو نفع پہنچانے والے ہوں۔" اس کے حاشیہ میں لکھا ہے "كَالْاَنْبِيَاءِ" "انبیاء کی طرح" جو خود نیک ہوتے ہیں اور پھر نیکیوں میں ان کی اقتداء کی جاتی ہے۔

۸۔ سورۃ الانبیاء آیت ۷۴ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے متعلق فرمایا ہے وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ کہ ہم نے انہیں امام بنایا جو ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم کے مطابق اور ہم نے وحی کی ان کی طرف نیکیوں کے کرنے کی۔
ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں۔ اِنَّ هٰذِهِ الْاِمَامَةَ هِيَ النُّبُوَّةُ (التفسیر الکبیر جزء ۶ صـ۱۱۶)

کہ اس امامت سے مراد نبوت ہے۔

کیا نبوت مانگنا منع ہے؟

ممکن ہے کسی کے دل میں شبہ پیدا ہو کہ نبوت کا مانگنا تو منع ہے کیونکہ وہ موہبت اور فضل ہے۔

۱۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دُعا مانگنا تو جائز نہیں کہ اے خدا مجھے نبی بنا۔ کیونکہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس لائق ہوں کہ مجھے نبوت اور رسالت دی جائے۔ اس کے متعلق صرف اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرما سکتا ہے، چنانچہ فرماتا ہے اَللهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (سورۃ الانعام آیت ۱۲۴) کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت (اور نبوت) کہاں رکھے" ایسا کیوں فرمایا؟ وجہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بعض لوگ کہتے کہ نبوت کے ہم حقدار ہیں نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "قَالَ الْوَلِیْدُ بْنُ الْمُغِیْرَۃِ وَاللهِ لَوْ کَانَتِ النُّبُوَّۃُ حَقًّا لَکُنْتُ اَنَا اَحَقَّ بِهَا مِنْ مُحَمَّدٍ فَاِنِّیْ اَکْثَرُ مِنْهُ مَالًا وَّ وَلَدًا (تفسیر الکبیر جزء ۴ صفحہ ۱۴۱) کہ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ خدا کی قسم اگر نبوت حق ہوتی تو محمد کی نسبت اس کا میں زیادہ حقدار تھا کیونکہ میرا مال بھی اس سے زیادہ ہے اور میری اولاد بھی"

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خیال میں مبتلا تھا کہ مال اور اولاد انسان کو نبوت کا حقدار بنا دیتی ہے۔

پھر یہود نے کہا " نَحْنُ اَوْلٰی بِالْمُلْکِ وَالنُّبُوَّۃِ فَکَیْفَ نَتَّبِعُ الْعَرَبَ (تفسیر الخازن جزء ۱ صفحہ ۵۵۴) کہ ہم بادشاہت اور نبوت کے زیادہ حقدار ہیں اس لیے ہم عرب کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں"۔

مدعا کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ نبوت کا زیادہ حقدار ہے اور نہ ہی کوئی قوم ایسا کہنے کی مجاز ہے البتہ ہر شخص اور ہر قوم اس بات کی مجاز ہے کہ وہ دعا کریں کہ ہمیں خدا تعالیٰ اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے نوازا جائے۔ جن میں ایک نبوت بھی شامل ہے، لیکن کوئی اپنی ذات کو نبوت کے لیے پیش نہ کرے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسے یا اس کی قوم کو مناسب حال نعمتوں سے نوازدیگا چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے امام (نبی) بنانے کی اطلاع دی تو انہوں نے عرض کی وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴) کہ اے اللہ! میری اولاد کو بھی اس نعمت سے حصہ دینا۔

۲۔ اسی طرح آپ نے اپنی اولاد میں سے (جو عرب میں ہونیوالی تھی) ایک عظیم الشان نبی کو مبعوث

كَانْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ الَّذِيْنَ كَانُوْا بَيْنَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى
عليهم السلام

۲۔ وقيل الرَّسُوْلُ ذَكَرٌ حُرٌّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِلٰى قَوْمٍ بِشَرْعٍ جَدِيْدٍ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جَدِيْدًا فِيْ نَفْسِهِ كَإِسْمَاعِيْلَ عليه السلام إِذْ بُعِثَ لِجُرْهُمَ أَوَّلًا وَالنَّبِيُّ يَعُمُّهُ وَمَنْ بُعِثَ بِشَرْعٍ غَيْرِ جَدِيْدٍ كَذٰلِكَ۔

۳۔ وَقِيْلَ الرَّسُوْلُ ذَكَرٌ حُرٌّ لَهُ تَبْلِيْغٌ بِالْجُمْلَةِ وَإِنْ كَانَ بَيَانًا وَتَفْصِيْلًا لِشَرْعٍ سَابِقٍ وَالنَّبِيُّ مَنْ أُوْحِيَ إِلَيْهِ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِتَبْلِيْغٍ أَصْلًا أَوْ أَعَمُّ مِنْهُ وَمِنَ الرَّسُوْلِ۔

۴۔ وقيلَ الرَّسُوْلُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَنْ جَمَعَ إِلَى الْمُعْجِزَةِ كِتَابًا مُنَزَّلًا عَلَيْهِ وَالنَّبِيُّ غَيْرُ الرَّسُوْلِ مَنْ لَا كِتَابَ لَهُ۔

۵۔ وقيلَ الرَّسُوْلُ مَنْ لَهُ كِتَابٌ أَوْ نَسْخٌ فِي الْجُمْلَةِ وَالنَّبِيُّ مَنْ لَا كِتَابَ لَهُ وَلَا نَسْخَ۔

۶۔ وقيلَ الرَّسُوْلُ مَنْ يَأْتِيْهِ الْمَلَكُ عليه السلام بِالْوَحْيِ يَقْظَةً وَالنَّبِيُّ يُقَالُ لَهُ وَلِمَنْ يُوْحٰى إِلَيْهِ فِي الْمَنَامِ لَا غَيْرَ وَهٰذَا أَغْرَبُ الْأَقْوَالِ وَيَقْتَضِيْ أَنَّ بَعْضَ الْأَنْبِيَاءِ لَمْ يُوْحَ إِلَّا مَنَامًا وَهُوَ بَعِيْدٌ وَمِثْلُهُ لَا يُقَالُ بِالرَّأْيِ۔

کہ اس آیت میں رسول اور نبی کی تفسیر کے متعلق علماء اسلام نے اختلاف کیا ہے ۔

۱۔ پس بعض کہتے ہیں کہ رسول اس مرد آزاد کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہو، تاوہ لوگوں کو اس کی پیروی کی دعوت دے اور نبی اسے بھی کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں جسے کسی پہلی شریعت کی مضبوطی اور تائید کے لیے بھیجا گیا ہو۔

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ رسول اُسے کہتے ہیں جو آزاد مرد ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک قوم کی طرف ایسی شریعت کے ساتھ بھیجا ہو جو اس قوم کے لیے نئی ہو، خواہ وہ اپنی ذات میں نئی نہ ہو جیسے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام

کو مبعوث کیا گیا جرہم قبیلہ کی طرف (تو وہ شریعت ابراہیم علیہ السلام ہی ان کے پاس لائے جو گو نئی تو نہ تھی، لیکن جرہم قبیلہ کے لیے نئی ہی تھی) اور نبی اسے بھی کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی جو ایسی نسبتاً نئی شریعت کے ساتھ بھی نہ بھیجا گیا ہو۔

۳۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اس آزاد مرد کو کہا جاتا ہے، جسے کچھ پہنچانے کا حکم ہو، خواہ وہ پہلی شریعت کی تفصیل اور بیان ہی ہو اور نبی اسے کہتے ہیں جسے وحی تو کی گئی ہو، لیکن اسے تبلیغ کا قطعاً حکم نہ ہو، یا اس سے بھی عام ہو اور رسول سے بھی۔

۴۔ بعض کہتے ہیں کہ رسول وہ خدا تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے جسے معجزہ اور کتاب جو اس پر نازل ہو دونو چیزیں دی گئی ہوں اور نبی (غیر رسول) وہ ہوتا ہے جس پر کوئی کتاب نازل نہ ہوئی ہو۔

۵۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول وہ ہوتا ہے کہ جسے کوئی کتاب دی گئی ہو یا وہ پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور نبی وہ ہوتا ہے جسے نہ کوئی کتاب دی گئی ہو اور نہ ہی وہ شریعت سابقہ کے احکام کو منسوخ کرے۔

۶۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول وہ ہوتا ہے جس کے پاس جاگتے میں فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی اسے بھی کہتے ہیں اور اس کو بھی جسے صرف سوتے میں وحی کی گئی ہو اور یہ قول سب اقوال سے زیادہ عجیب ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بعض انبیاء کو صرف سوتے وقت ہی وحی ہوئی ہو اور یہ بعید از عقل بات ہے اور پھر ایسی بات صرف خیال کی بناء پر نہیں کہی جا سکتی۔"

ان اقوال سے آپ کو اتنا تو علم ہو جائیگا کہ علماء اسلام میں بھی نبی اور رسول کی تعریف کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے اور ایسا اختلاف اس وجہ سے پایا جاتا ہے، کہ قرآن کریم اور احادیث اور لغت پر پورے طور پر غور نہیں کیا گیا اور اس وجہ سے بھی کہ نبوت کی حقیقت سے خود نبی ہی واقف ہو سکتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لَا یَعْرِفُ حَقِیْقَةَ النُّبُوَّةِ اِلَّا النَّبِیُّ" (کتاب احیاء علوم الدین الجزء الثالث بیان خاصیۃ قلب الانسان ص۶) کہ نبوت کی حقیقت کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔" اسی طرح آپ اپنی تصنیف "الاملاء عن اشکالات الاحیاء میں فرماتے ہیں: "اَلنُّبُوَّةُ لَا یَعْرِفُهَا بِالْحَقِیْقَةِ اِلَّا النَّبِیُّ۔ کہ فی الحقیقۃ نبوت کو نبی ہی جانتا ہے۔" دوسرے لوگ اسے پوری طرح نہیں جانتے۔

پھر بھی اس امر میں اختلاف کا ہونا باعث تشویش نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ اس اختلاف کی وجہ سے نبی اور رسول کے حقیقی معنی ابھر کر سامنے آ گئے اور اس کے متعلق جو شکوک اور شبہات پیدا ہو سکتے تھے وہ بھی دُور ہو گئے۔

غلطی کی وجہ اختلاف کے پیدا ہونے اور غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے تھے جن کو بعض غلط فہمی سے سمجھ نہ سکے۔ اگر وہ غور سے کام لیتے تو وہ غلط فہمی بآسانی دُور بھی ہو سکتی تھی، مثلاً خدا تعالیٰ نے انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا تھا "وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتَابَ (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۳) یعنی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کتاب بھی نازل فرمائی"۔ گویا نبی بھی نازل ہوئے اور ان کے ساتھ کتاب بھی نازل ہوئی۔

امام فخر الدین الرازی لکھتے ہیں: "قَالَ الْقَاضِیْ ظَاهِرُ هٰذِهِ الْاٰیَةِ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ اِلَّا مَعَهٗ کِتَابٌ مُنَزَّلٌ فِیْهِ بَیَانُ الْحَقِّ طَالَ ذٰلِكَ الْکِتَابُ اَمْ قَصُرَ دُوِّنَ ذٰلِكَ الْکِتَابُ اَمْ لَمْ یُدَوَّنْ وَ کَانَ ذٰلِكَ الْکِتَابُ مُعْجِزًا اَوْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِكَ لِاَنَّ کَوْنَ الْکِتَابِ مُنَزَّلًا مَعَهُمْ لَا یَقْتَضِیْ شَیْئًا مِنْ ذٰلِكَ۔"

(التفسیر الکبیر جزء۲ ص۲۰۴) کہ القاضی کہتے ہیں کہ اس آیت کے ظاہری الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ کوئی نبی نہیں جس کے ساتھ کتاب نہ ہو۔ جس میں حق کا بیان ہو خواہ وہ کتاب لمبی ہو یا چھوٹی اسے مدوّن کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو اور وہ کتاب معجزہ ہو یا معجزہ نہ ہو کیونکہ کتاب کا ان پر نازل ہونا انھیں سے کسی بات کا متقضی نہیں۔"

اگر تو کتاب سے مراد صرف وہ کلام الٰہی ہے جو نبی پر نازل ہو۔ تو بلاشبہ ہر ایک نبی کو اس کلام سے مشرف کیا گیا ہے کیونکہ کوئی نبی ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ اس سے کلام نہ کرے۔

اور اگر کتاب سے مراد وہ کلام الٰہی لیا جائے جس میں نئی شریعت پائی جائے یا اور کچھ نہیں تو کچھ احکام ناسخہ پائے جائیں، جو پہلی شریعت کو منسوخ قرار دیں، تو اس کتاب کا مدوّن ہونا ضروری ہے اور جب تک حالات کا تقاضا ہو اس کی حفاظت بھی ضروری ہے، ہمارے نزدیک بیضاوی کا وہ خیال درست نہیں اور نہ ہی واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ہر نبی کو کتاب نہیں دی گئی

۱۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں کہ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتَابَ (سورۃ الانعام آیت ۸۱) میں جن اٹھارہ انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ "مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِنْھُمْ کِتَابًا اِلٰھِیًّا عَلَی التَّعْیِیْنِ وَالتَّخْصِیْصِ (دیکھئے التفسیر الکبیر جزء ۴ ص ۸۶) انمیں سے ہر ایک پر اللہ تعالیٰ نے معین طور پر علیحدہ علیحدہ کتاب نازل نہ فرمائی تھی۔"

۲۔ خود علامہ بیضاوی آیت وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا (سورۃ مریم آیت ۵۴) کے متعلق لکھتے ہیں: اِنَّ الرَّسُوْلَ لَا یَلْزَمُ اَنْ یَکُوْنَ صَاحِبَ شَرِیْعَۃٍ فَاِنَّ اَوْلَادَ اِبْرَاھِیْمَ علیہ السلام کَانُوْا عَلٰی شَرِیْعَتِہٖ۔" (الشہاب علی البیضاوی طبع مصری جزء ۶ ص ۳۰۵) کہ رسول کے لیے لازم نہیں کہ وہ جدید شریعت لائے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد جنمیں اسماعیل علیہ السلام شامل ہیں، آپ ہی کی شریعت پر قائم تھے۔

۳۔ پھر علامہ بیضاوی خود ظاہری معنوں کی تردید کرتے ہوئے اسی سورہ بقرہ کی آیت کے متعلق اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "وَلَا یُرِیْدُ اَنَّہٗ اَنْزَلَ مَعَ کُلٍّ وَاحِدٍ کِتَابًا یَخُصُّہٗ فَاِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَمْ یَکُنْ لَّھُمْ کِتَابٌ یَخُصُّھُمْ وَاِنَّمَا کَانُوْا یَاْخُذُوْنَ بِکُتُبِ مَنْ قَبْلَھُمْ (تفسیر البیضاوی جزء ۱ ص ۱۴۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی) کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں کہ اس نے ہر ایک نبی کو کوئی خاص کتاب دی ہے، کیونکہ انبیاء میں سے اکثر ایسے ہیں کہ جن کی کوئی خاص کتاب نہیں اور وہ اپنے سے پہلے انبیاء کی کتب کی پیروی کرتے تھے۔"

تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نبی اور رسول ہونے کے باوجود اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے، حضرت ہارون علیہ السلام باوجود رسول اور نبی ہونے کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے، کوئی نئی کتاب یا شریعت نہ لائے تھے۔

۴۔ یوں بھی اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو یہ بات واقع کے خلاف ہے، وہی علماء جو کہتے ہیں کہ ہر نبی اور رسول کے لیے نئی کتاب یا شریعت لانا ضروری ہے خود تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے رسولوں کی تعداد ۳۱۳ ہیں مگر کتب کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک سو چار ہے، لکھا ہے: وَجُمْلَتُهُمْ مِائَةُ اَلْفٍ وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا اَلرُّسُلُ مِنْهُمْ ثَلٰثُمِائَةٍ وَّثَلٰثَةَ عَشَرَ اَلْمَذْكُوْرُوْنَ مِنْهُمْ فِی الْقُرْاٰنِ بِاَسْمَاءِ الْاَعْلَامِ ثَمَانِيَةٌ وَّعِشْرُوْنَ نَبِيًّا ------- وَجُمْلَةُ الْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ مِنَ السَّمَاءِ مِائَةٌ وَّاَرْبَعَةُ كُتُبٍ اُنْزِلَ عَلٰى اٰدَمَ عَشْرُ صَحَائِفَ وَعَلٰى شِيْثٍ ثَلٰثُوْنَ وَعَلٰى اِدْرِيْسَ خَمْسُوْنَ وَعَلٰى مُوْسٰى عَشْرُ صَحَائِفَ وَالتَّوْرَاةُ وَعَلٰى دَاوٗدَ الزَّبُوْرُ وَعَلٰى عِيْسٰى الْاِنْجِيْلُ وَعَلٰى مُحَمَّدٍ الْقُرْاٰنُ۔" (تفسیر الخازن جزء ۱ صفحہ ۵۳۳) کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے رسول تین سو تیرہ ہیں جن میں سے اٹھائیس نبیوں کے نام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور تمام سماوی کتب کی تعداد ایک سو چار ہے، جن میں سے دس صحیفے حضرت آدم پر نازل ہوئے، شیث پر تیس، اور ادریس پر پچاس اور موسیٰ علیہ السلام پر دس صحیفے اور توراۃ نازل ہوئی، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور محمد صلی اللہ علیہ السلام پر قرآن اتارا گیا۔" (نیز دیکھئے حاشیہ احمد الصاوی المالکی علی الجلالین جزء ۳ صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ مصر)

پس رسولوں کی تعداد تو کم از کم تین سو تیرہ مانی گئی ہے اور تمام کتب سماوی کی تعداد ایک سو چار، پس ان اعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ماننا کہ ہر ایک رسول اور نبی ایک خاص کتاب لاتا ہے ناممکن ہے، خصوصاً جبکہ اس امر کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ یہ ایک سو چار کتب صرف آدمؑ، شیثؑ، ادریسؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، عیسیٰؑ اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، بعض نے ابراہیم علیہ السلام کا نام زائد کیا ہے، گویا آٹھ رسولوں پر کتابیں نازل ہوئی اور باقی رسول دوسرے رسولوں پر نازل شدہ کتب کی پیروی کرتے رہے۔

۵۔ خدا تعالیٰ نے بوضاحت فیصلہ فرمایا ہے کہ ہر رسول کے لیے نئی کتاب (شریعت) لانا ضروری نہیں بلکہ اکثر رسول بلا کسی خاص کتب کے مبعوث کئے گئے، ان کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے سے پہلی کتاب کی تائید کریں، اس کے احکام کو نافذ کریں اور اس کے پیروؤں کے اندر اطاعت کی نئی روح پھونکیں، چنانچہ فرماتا ہے: اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا

هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا (سورۃ المائدۃ آیت ۴۴) کہ ہم نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور نور تھا، اس کے ذریعہ وہ انبیاء جو تورات کے تابع تھے یہودیوں کے لیے فیصلہ کیا کرتے تھے۔"

۶۔ ان انبیاء کے متعلق حضرت امام رازی تحریر فرماتے ہیں: "اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اُلُوْفًا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ لَيْسَ مَعَهُمْ كِتَابٌ اِنَّمَا بَعَثَهُمْ بِاِقَامَةِ التَّوْرَاةِ (التفسیر الکبیر جز ۳ صفحہ ۴) کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ہزارہا انبیاء ایسے مبعوث فرمائے جن کے ساتھ کوئی خاص کتاب نازل نہ کی گئی تھی انھیں اللہ تعالیٰ نے صرف تورات کے قیام کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔"

۷۔ امام خازنؒ ان انبیاء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "وَكَانَتِ الْاَنْبِيَاءُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى يُبْعَثُوْنَ اِلَيْهِمْ لِيُجَدِّدُوْا مَا نَسُوْا مِنَ التَّوْرَاةِ وَيَأْمُرُوْنَهُمْ بِالْعَمَلِ بِاَحْكَامِهَا۔ (تفسیر الخازن جزء ۱ صفحہ ۲۱۲) کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں انبیاء اس لیے مبعوث کیے جاتے تھے کہ وہ تورات کے ان احکام کو از سرِ نو تازہ کریں جنھیں بنی اسرائیل بھول چکے ہوتے اور وہ انھیں حکم دیتے کہ تورات کے احکام پر عمل کریں۔"

رسالہ "تنظیم اہلِ حدیث" لاہور اسی آیت کے متعلق لکھتا ہے۔

"ان آیات سے ظاہر ہے کہ شریعتِ موسوی کے تابع کئی رسول مبعوث کیے گئے اور وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوئے۔"

(۲۴ جنوری ۱۹۶۹ء)

۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ اِنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ عَلٰى شَرِيْعَةِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ (التفسیر الکبیر جز ۲ صفحہ ۴۵۳) کہ وہب بن منبہ کہتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر قائم تھے۔"

خلاصہ کلام یہ کہ ہزارہا نبی ایسے آئے جو کوئی نئی کتاب یا شریعت نہ لائے تھے، بلکہ ان کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ وہ تورات پر عمل کرنے کی تحریک کریں اور اس کے وہ احکام جو بھلا دیے گئے تھے انھیں دوبارہ قائم کریں۔

پس یہ خیال کہ ہر رسول اور نبی کے لیے نئی کتاب یا شریعت کا لانا ضروری ہے، قطعاً خلاف واقعہ ہے اور قرآن کریم سے اس خیال کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے ۔

شریعت ایک زائد امر ہے

۹ - اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض انبیاء کو ظاہری حکومت بھی دی گئی اور بعض انبیاء کو نئی شریعت سے بھی نوازا گیا، مگر نئی شریعت یا دنیوی حکومت نبوت کا لازمی جزء نہیں ہے، چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِنَّ التَّشْرِیْعَ فِی النُّبُوَّۃِ اَمْرٌ عَارِضٌ (الفتوحات المکیۃ جزء ۱ ص۵۴۵) کہ شریعت کا نبوت میں پایا جانا ایک امر عارض ہے یعنی امر لازم نہیں۔

اسی طرح جس طرح کہ دنیوی حکومت کا نبوت کے ساتھ پایا جانا ایک امر عارض ہے ورنہ ہر نبی صاحب حکومت ہوتا۔ امام رازی فرماتے ہیں: لَمْ یَجْتَمِعْ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَلْمُلْکُ وَالنُّبُوَّۃُ اِلَّا لَہٗ (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص۲۹۶) کہ شروع شروع میں بنی اسرائیل میں سے بادشاہت اور نبوۃ صرف داؤد علیہ السلام کے لیے جمع ہوئی۔

۱۰- ہاں اس میں شک نہیں کہ شریعت صرف نبی اور رسول کو دی جاتی ہے یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت دیدی جائے مگر وہ منصب نبوت و رسالت پر فائز نہ ہو۔ فَلَا یُشَرِّعُ اِلَّا النَّبِیُّ (الفتوحات المکیہ جزء۲ ص۳۷۶) کا مطلب یہی ہے۔

پس کوئی شخص ایسا نبی اور رسول ہو سکتا ہے کہ وہ نئی شریعت نہ لائے مگر کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جسے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نئی کتاب یا شریعت تو دی جائے لیکن وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اور رسول نہ ہو۔

نبی اور رسول کی تعریف

دراصل اگر نبی اور رسول کی تعریف کے متعلق تحقیق کی جائے تو ساری غلط فہمیاں خود بخود دور ہو سکتی ہیں، مگر ہوا یہ کہ بعض علماء نے نبی کے متعلق دیگر امور کو زیر بحث لاکر اپنی تمام تر توجہ کو انہی پر مرکوز کر دیا اس طرح تعریف نبوت کا اصل مبحث تشنۂ تکمیل رہ گیا، البتہ جن علماء نے اصل امر کی طرف توجہ دی اور اس کے متعلق تحقیق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی انہوں نے حق کو جا لیا۔ لکھا ہے:

۱۔ وَاَمَّا مُسَمَّاہُ (فِی الْعُرْفِ فَھُوَ عِنْدَ اَھْلِ الْحَقِّ مِنَ الْاَشَاعِرَۃِ وَغَیْرِھِمْ مِنَ الْمِلِّیِّیْنَ (مَنْ قَالَ لَہُ اللّٰہُ) تَعَالٰی مِمَّنِ اصْطَفَاہُ مِنْ عِبَادِہٖ (اَرْسَلْتُکَ) اِلٰی قَوْمِ کَذَا اَوْ اِلَی النَّاسِ جَمِیْعًا (اَوْ بَلِّغْھُمْ عَنِّیْ وَنَحْوَہٗ مِنَ الْاَلْفَاظِ) اَلْمُفِیْدَۃِ بِھٰذَا الْمَعْنٰی کَبَعَثْتُکَ وَنَبِّئْھُمْ (وَلَا یُشْتَرَطُ فِیْہِ) فِی الْاِرْسَالِ (شَرْطٌ)۔ (شرح المواقف جزء ۳ صفحہ ۱۲۷ طبع مصری الموقف السادس فی السَّمْعِیَّاتِ) یعنی اشاعرہ وغیرہ اہل حق کے نزدیک عرف میں ان لوگوں میں سے جنہیں اللہ برگزیدہ کرے نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ کہے کہ میں نے تجھے فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے یا تو انہیں (میری وحی) پہنچا دے وغیرہ اور اس کے بھیجنے میں کسی اور شرط کا پایا جانا شرط نہیں۔"

۲۔ علامہ ابو الثناء شمس الدین بن محمود عبد الرحمٰن الاصفہانی شرح المواقف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔ وَذَھَبَ الْاَشَاعِرَۃُ اِلٰی اَنَّ النُّبُوَّۃَ مَوْھِبَۃٌ مِنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃٌ مِنْہُ عَلٰی عَبْدِہٖ وَھُوَ قَوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی لِمَنِ اصْطَفَاہُ مِنْ عِبَادِہٖ اَرْسَلْنَاکَ وَبَعَثْنَاکَ وَبَلِّغْ عَنَّا"۔ (مطالع الانوار بہامش شرح المواقف صفحہ ۵۳۶) کہ اشاعرہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوۃ خدا تعالیٰ کی ایک موہبت اور نعمت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو جسے وہ منتخب کرے کہے کہ ہم نے تجھے بھیجا ہے اور مبعوث کیا ہے اور ہماری طرف سے (ہماری وحی کو) لوگوں تک پہنچا دے۔"

۳۔ قاضی عیاض الیحصبی اپنی معرکۃ الآراء کتاب الشِّفَاءُ بِتَعْرِیْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰی میں فرماتے ہیں: "وَالْمَعْنٰی اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَطْلَعَہٗ عَلٰی غَیْبِہٖ وَاَعْلَمَہٗ اَنَّہٗ نَبِیُّہٗ۔ (الشفاء جزء اول صفحہ ۱۶۰) یعنی کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنے خاص غیب سے مطلع کرے اور اسے علم دے کہ وہ اس کا نبی ہے۔"

۴۔ حضرت امام عبد الوہاب الشعرانی فرماتے ہیں: (فَاِنْ قُلْتَ) فَمَا حَقِیْقَۃُ النُّبُوَّۃِ (فَالْجَوَابُ) ھُوَ خِطَابُ اللّٰہِ تَعَالٰی شَخْصًا بِقَوْلِہٖ اَنْتَ رَسُوْلِیْ وَاصْطَفَیْتُکَ لِنَفْسِیْ (الیواقیت والجواہر جزء ۱ صفحہ ۱۶۴) یعنی اگر تو کہے کہ نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کہے کہ تو میرا رسول ہے اور میں نے تجھے اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔"

۵۔ اسی طرح علامہ سیف الدین الآمدی (۵۵۱ تا ۶۳۱ھ) اپنی کتاب "غایۃ المرام فی علم الکلام" کے قانون سابع میں نبوۃ کے متعلق لکھتا ہے: "وَھُوَ قَوْلُہٗ لِمَنِ اصْطَفَاہُ

وَاجْتَبَاهُ اِنَّكَ رَسُوْلِیْ وَنَبِیِّیْ (ص۱۷۱ مطبوعہ مصر ۱۳۹۱ھ) کہ خدا جسے چن لے اور منتخب کر کے کہے کہ تو میرا رسول اور نبی ہے" وہ نبی ہو گیا۔

۶۔ لغت عرب کی مشہور کتاب (تاج العروس جزء ۱ ص۱۲۳ پر لفظ نبأ کے ماتحت) لکھا ہے۔ هُوَ (الْمُخْبِرُ عَنِ اللّٰهِ) فَاِنَّ اللّٰهَ اَخْبَرَهُ بِتَوْحِيْدِهٖ وَاَطْلَعَهٗ عَلٰی غَيْبِهٖ وَاَعْلَمَهٗ اَنَّهٗ نَبِيُّهٗ کہ نبی اسے کہتے ہیں (جو خدا تعالیٰ کی طرف سے خبر دے) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی توحید کے متعلق علم دیا ہو اور اپنے غیب سے مطلع کیا ہو اور اسے بتایا ہو کہ وہ اس کا نبی ہے"۔

۷۔ لغت کی مشہور کتاب "مَجْمَعُ الْبَحْرَيْن" میں ہے "وَالنَّبِيُّ هُوَ الْاِنْسَانُ الْمُخْبِرُ عَنِ اللّٰهِ بِغَيْرِ وَاسِطَةِ بَشَرٍ اَعَمُّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ شَرِيْعَةٌ كَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ لَيْسَ لَهٗ شَرِيْعَةٌ كَيَحْيٰى" (دیکھئے لفظ نبأ) کہ نبی وہ انسان ہے جو خود خدا تعالیٰ کی طرف سے بغیر واسطہ کسی دوسرے انسان کے خبریں پاتا ہو خواہ اسے کوئی شریعت ملی ہو جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی یا اسے کوئی نئی شریعت نہ ملی ہو جیسے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام"۔

۸۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اپنی مشہور کتاب الفتوحات المکیۃ میں فرماتے ہیں: فَاعْلَمْ اَنَّ النُّبُوَّةَ خِطَابُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوْ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی كَيْفَمَا شِئْتَ قُلْتَ لِمَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهٖ فِیْ هَاتَيْنِ الْحَالَتَيْنِ مِنْ يَقْظَةٍ وَمَنَامٍ وَهٰذَا الْخِطَابُ الْاِلٰهِیُّ الْمُسَمّٰی نُبُوَّةً عَلٰی ثَلٰثَةِ اَنْوَاعٍ نَوْعٌ يُسَمّٰی وَحْيًا وَنَوْعٌ يُسْمِعُهٗ كَلَامَهٗ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَنَوْعٌ بِوَسَاطَةِ رَسُوْلٍ..... وَلَيْسَتِ النُّبُوَّةُ بِاَمْرٍ زَائِدٍ عَلَی الْاِخْبَارِ الْاِلٰهِیِّ بِهٰذِهِ الْاَقْسَامِ (دیکھئے جزء ۲ ص۳۷۵) کہ جان لو کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے یا کلام ہے (جیسے بھی چاہو کہہ لو) اس شخص کو جسے وہ چاہے اپنے بندوں میں سے، جاگتے یا سوتے ہوئے اور یہ خطاب الٰہی جسے نبوت کا نام دیا جاتا ہے۔ تین انواع پر مشتمل ہوتا ہے ایک قسم کو وحی کہا جاتا ہے اور ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے حجاب کے پیچھے سے اپنا کلام سنائے۔ اور تیسرے یہ کہ فرشتہ رسول کے ذریعہ وہ پیغام پہنچے........ ان تین قسم کی الٰہی اخبار کے علاوہ نبوت کوئی زائد امر نہیں"۔

۹۔ لسان العرب میں جو لغتِ عرب کی ایک مشہور کتاب ہے لکھا ہے:۔

"اَلنَّبِیُّ الْمُخْبِرُ عَنِ اللهِ تَعَالٰی مَکِیْنَۃٌ لِاَنَّہٗ اَنْبَأَ عَنْہُ وَھُوَ فَعِیْلٌ بِمَعْنٰی فَاعِلٍ قَالَ ابْنُ بَرِّیٍّ صَوَابُہٗ اَنْ یَّقُوْلَ فَعِیْلٌ بِمَعْنٰی مُفْعِلٍ مِثْلُ نَذِیْرٍ بِمَعْنٰی مُنْذِرٍ" (لسان العرب جزء ۱ صفحہ ۱۵۶ لفظ نبأ) کہ نبی اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو خبریں دے (یہ بغیر ہمزہ کے مکّی زبان ہے) اس کا وزن فَعِیْلٌ ہے اور وہ فاعل کے معنے میں استعمال ہوتا ہے علامہ ابن برّی (امام لغت) کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ فَعِیْلٌ کا معنے مُفْعِلٌ ہے جیسے کہ نَذِیْرٌ معنی مُنْذِرٌ یعنی ڈرانیوالا"

واضح ہو کہ فَعِیْل مبالغہ کا وزن ہے جس میں زیادتی اور کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس نبی کے معنی ہونگے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکثرت اُمورِ غیبیہ سے اطلاع پائے اور لوگوں تک پہنچائے۔ نئی شریعت لانا یا پہلی شریعت کے احکام کو منسوخ کرنا نبوت کے لیے کوئی شرط نہیں۔

۱۰۔ "مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم" کے مقدمہ صفحہ ۳۱ فصل ۱۲ میں الشیخ داود بن محمود القیصری لکھتے ہیں:

"فَالْاَنْبِیَاءُ اَوْلِیَاءُ فَانُوْنَ فِی الْحَقِّ بَاقُوْنَ بِہٖ مُنْبِئُوْنَ عَنِ الْغَیْبِ وَاَسْرَارِہٖ" کہ انبیاء خدا تعالیٰ کے ولی ہوتے ہیں جو حق میں فنا ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں اور وہ غیب اور اس کے اسرار کے متعلق خبریں دیتے ہیں"۔

۱۱۔ علامہ اشعری کے نزدیک قاعدہ یہ ہے: "وَالضَّابِطُ عِنْدَہٗ اَنَّ مَنْ جَاءَہُ الْمَلَکُ مِنَ اللهِ بِحُکْمٍ مِّنْ اَمْرٍ اَوْ نَھْیٍ اَوْ بِاِعْلَامٍ مِّمَّا سَیَاْتِیْ فَھُوَ نَبِیٌّ" (فتح الباری شرح البخاری جزء ۶ صفحہ ۲۸۴) کہ جس شخص کے پاس خدا کی طرف سے فرشتہ کوئی ارشاد لائے خواہ بصورت حکم ہو یا نہی ہو یا بصورت پیشگوئی کے ہو تو وہ نبی ہے"۔

اسی وجہ سے وہ عورتوں میں سے حضرت مریم اور حضرت اُمّ موسیٰ وغیرہ کی نبوت کے بھی قائل تھے۔

ہر نبی رسول ہوتا ہے

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علماء نے نبی اور رسول میں فرق کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا، گویا ان کے نزدیک کئی نبی ایسے ہوئے ہیں جو رسول نہ تھے۔ یہ خیال دو وجہ سے پیدا

ہوا ہے۔ اول ایک حدیث کی وجہ سے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ۔

دوم لفظ نبی اور ہے اور لفظ رسول اور۔

۱۔ سو جاننا چاہیئے کہ محققین علماء نے اسی بات کو اَشْبَہ (مناسب، زیادہ صحیح) قرار دیا ہے کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے۔ علامہ الشیخ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی اپنی کتاب اعلام النبوۃ صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں: "وَاخْتَلَفَ اَھْلُ الْعِلْمِ فِی الْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ عَلٰی قَوْلَیْنِ (اَحَدُھُمَا) اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ وَالرُّسُلَ وَاحِدٌ فَالنَّبِیُّ رَسُوْلٌ وَالرَّسُوْلُ نَبِیٌّ وَالرُّسُلُ مَاخُوْذٌ مِنْ تَحَمُّلِ الرِّسَالَۃِ وَالنَّبِیُّ مَاخُوْذٌ مِنَ النَّبَاِ ۔۔۔۔۔۔ وَھٰذَا اَشْبَہُ"۔ کہ اہل علم نے انبیاء اور رسولوں کے متعلق دو مختلف باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ نبی اور رسول ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ ہر نبی رسول ہوتا ہے اور ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ رسول کا لفظ اس مفہوم سے لیا گیا ہے کہ وہ رسالت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور نبی کا لفظ نبأ سے لیا جاتا ہے (جس کے معنی خبر کے ہیں) ۔۔۔۔۔۔ اور یہ بات زیادہ صحیح ہے"۔

پس جو شخص نبی ہو وہ رسول بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ غیب کی خبریں دیتا ہے۔ نبی کہلاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ ان اخبار کو پہچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے رسول کہلاتا ہے پس شخص تو ایک ہی ہوتا ہے مگر اسے دو اعتبار سے دو نام دیئے جاتے ہیں اور اسی بات کی تائید قرآن مجید اور حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے۔

۲۔ امام فخرالدین رازیؒ لکھتے ہیں: "اِنَّ النَّبِیَّ فِیْ عُرْفِ الشَّرْعِ ھُوَ الَّذِیْ خَصَّہُ اللّٰہُ بِالنُّبُوَّۃِ وَالرِّسَالَۃِ (تفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۵۳۹) کہ عرف شریعت میں نبی اسے کہتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نبوت اور رسالت سے مخصوص کرے"۔ گویا نبی کو رسالت بھی حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ رسول کہلاتا ہے۔

واضح ہو گیا کہ جب بھی کوئی نبی ہو گا عرف شریعت میں وہ رسول بھی ہو گا۔

۳۔ حضرت ملا علی القاری شرح اَلْفِقْہِ الْاَکْبَرْ میں تحریر فرماتے ہیں:

وَقِیْلَ ھُمَا مُتَرَادِفَانِ وَاخْتَارَہٗ ابْنُ الْھُمَامِ (دیکھئے صفحہ ۴۲)

کہ بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اور رسول مترادف (ہم معنی) ہیں۔ اور

اسی بات کو علامہ ابن الہمام نے اختیار کیا ہے۔" علامہ موصوف حنفیوں میں ایک مانی ہوئی شخصیّت ہیں۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عمرو بن عنبسہ آئے اور سوال کیا: مَا اَنْتَ قَالَ نَبِیٌّ کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: مَیں نبی ہوں" انھوں نے پھر سوال کیا وَمَا نَبِیٌّ کہ نبی کے کیا معنی ہیں؛ قَالَ اَرْسَلَنِیَ اللّٰہُ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (حدیث مسلم جزء ۱ صفحہ ۳۰ طبع مصر)

اب دیکھیئے اس میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ نبی کیا ہوتا ہے تو حضور نے صاف فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنایا ہے۔ پس کسی کو نبی بنانے کے بالفاظ دیگر یہ معنے ہوئے کہ اسے رسول بنایا گیا ہے۔

۵۔ پھر قرآن مجید میں جتنے انبیاء کا ذکر ہے وہ مسلمہ طور پر رسول بھی تھے، ہمیں کوئی ایسا نبی نہیں ملتا جو رسول نہ ہو، یہ ایک قرآنی شہادت ہے۔ اس بات پر کہ ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے۔

۶۔ پھر قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (سورہ یٰس آیت ۳۰) کہ افسوس ہے بندوں پر کہ نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس سے ٹھٹھا کرنے کے عادی رہے ہے۔" دوسری جگہ فرمایا: "وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (سورۃ الزخرف آیت ۷) کہ نہیں آتا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ اس سے مخول کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔" معلوم ہوا کہ ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے ورنہ اگر وہ پوشیدہ ہی رہے تو اس سے مخول کیسے ہو سکتا ہے۔

۷۔ پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا (سورۃ الانعام آیت ۱۱۲) (سورۃ الفرقان آیت ۳۱) کہ ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن پیدا کئے۔" اگر نبی خاموش ہی رہتا اور خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچاتا تو اس کے مخالف اور دشمن کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ پس ہر نبی یقیناً خدا کا پیغام پہنچاتا ہے اور پھر لوگ اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اسی کا نام رسالت ہے۔

پس امام فخر الدین رازی کا بیان قرآن مجید کے مطابق ہے کہ ہر غیر تشریعی نبی بھی

ہوتا ہے جو رسول بھی ہو۔

۸۔ قاضی عیاض الیحصبی لکھتے ہیں: فَقِیْلَ هُمَا سَوَاءٌ وَاَصْلُه مِنَ الْاِنْبَاءِ وَهُوَ الْاِعْلَامُ وَاسْتَدَلُّوْا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ فَقَدْ اَثْبَتَ لَهُمَا الْاِرْسَالَ مَعًا وَلَا یَكُوْنُ النَّبِیُّ اِلَّا رَسُوْلًا وَلَا الرَّسُوْلُ اِلَّا نَبِیًّا۔ (الشفا بتعریف حقوق المصطفی جزء ۱ ص۱۶۱ طبع مصری) کہ علماء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ نبی اور رسول برابر ہیں اور نبی کا اصل انباء سے ہے جس کے معنی ہیں خبریں دینا اور اس پر انھوں نے فرمان الٰہی وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی سے دلیل لی ہے کیونکہ اس میں نبی اور رسول دونو کے لیے ارسال (رسول ہونا) ثابت کیا گیا ہے پس کوئی نبی نہیں ہوتا مگر ساتھ ہی وہ رسول بھی ہوتا ہے اور کوئی رسول نہیں ہوتا مگر ساتھ ہی وہ نبی بھی ہوتا ہے۔"

ایک شُبہ کا ازالہ

رہی وہ حدیث جس میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ بتائی گئی ہے۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ حدیث احاد سے ہے اس قابل نہیں کہ اسے کسی عقیدہ کے لیے دلیل یا بنیاد قرار دیا جا سکے۔

۱۔ چنانچہ علامہ احمد الصّاوی اپنے حاشیہ جلالین میں تحریر فرماتے ہیں: "اَلرِّوَایَةُ الْمَشْهُوْرَةُ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ مِائَةُ اَلْفٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ مِائَتَا اَلْفٍ وَاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا اَلرُّسُلُ مِنْهُمْ ثَلٰثُمِائَةٍ وَثَلٰثَةَ عَشَرَ اَوْ اَرْبَعَةَ عَشَرَ اَوْ خَمْسَةَ عَشَرَ وَبَعْدَ ذٰلِكَ فَالْحَقُّ اَنَّهٗ لَمْ یَبْلُغْنَا عَدَدُهُمْ عَلَی الصَّحِیْحِ وَاِنَّمَا هِیَ اَحَادِیْثُ مُخْتَلِفَةٌ تَقْبَلُ الطَّعْنَ كَمَا اَفَادَهُ الْاَشْیَاخُ (دیکھئے جزء ۱ ص۲۲۵ زیر آیة ورسلاً لم نقصصهم) کہ وہ روایت جو مشہور ہے کہ انبیاء ایک لاکھ یا دو لاکھ اور چوبیس ہزار تھے اور رسول تین سو تیرہ یا تین سو چودہ یا تین سو پندرہ تھے وغیرہ خوا یہ ہے کہ صحیح طور پر ان کی گنتی ہم تک نہیں پہنچی اور یہ (تعداد والی) احادیث آپس میں اختلاف رکھتی ہیں اور قابل جرح ہیں جیسے کہ پہلے بزرگوں نے بیان کر دیا ہوا ہے۔"

۲- الشیخ محمد بن احمد السفارینی اپنی کتاب "لوامع الانوار البهیۃ جزء ۲ صفحہ ۲۷۵ الباب الخامس فی ذکر النبوۃ" میں لکھتے ہیں: "وَسُئِلَ نَبِیُّنَا مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم کَمَا فِی صَحِیْحِ ابْنِ حِبَّانَ عَنْ عَدَدِ الْاَنْبِیَاءِ فَقَالَ مِائَۃُ اَلْفٍ وَّاَرْبَعَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا۔ اَلرُّسُلُ مِنْھُمْ ثَلٰثُمِائَۃٍ وَّثَلَاثَ عَشَرَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَّاَرْبَعَۃَ عَشَرَ وَالْاَوْلٰی عَدَمُ حَصْرِھِمْ فِیْ عَدَدٍ مُّعَیَّنٍ لِاَنَّ الْحَدِیْثَ ضَعِیْفٌ وَرُبَمَا خَالَفَ قَوْلَہٗ تَعَالٰی (مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ) فَلَا یُؤْمَنُ مِنْ دُخُوْلِ مَنْ لَّیْسَ مِنْھُمْ نَبِیُّھُمْ وَخُرُوْجِ بَعْضِھِمْ عَنْھُمْ وَاُولُوا الْعَزْمِ مِنْھُمْ خَمْسَۃٌ مُحَمَّدٌ وَّاِبْرَاھِیْمُ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی وَنُوْحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔"

"کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا جیسا کہ صحیح ابن حبان میں ہے کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان میں سے تین سو تیرہ یا تین سو چودہ رسول ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ انھیں کسی معین تعداد میں محصور نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ رسولوں میں سے بعض کو تو ہم نے تیرے لیے بیان کر دیا ہے اور ایسے بھی ہیں جنہیں بیان نہیں کیا پس اگر تعداد مقرر کر دی جائے تو ہو سکتا ہے کہ جو لوگ نبی نہیں وہ انبیاء میں شمار ہو جائیں اور بعض نبی اس تعداد سے خارج ہو جائیں اور ان میں سے اولوالعزم نبی پانچ ہیں۔ محمدؐ، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور نوح علیہم السلام۔"

۳- پھر لکھتے ہیں: "وَقَدْ تَکَلَّمَ عَلَیْہِ الْوَلِیُّ الْعِرَاقِیُّ وَرَدَّ عَلَی ابْنِ حِبَّانَ جَمَاعَۃٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ لِاِدْخَالِہٖ ھٰذَا الْحَدِیْثَ فِی الصَّحِیْحِ۔" (صفحہ ۲۵۳)

"کہ محدث ولی العراقی نے اس حدیث پر جرح کی ہے اور حفاظ حدیث میں سے ایک جماعت نے ابن حبان کی مخالفت کی ہے کیونکہ اس نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں داخل کر لیا ہے۔"

پس یہ حدیث ہرگز اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ بعض نبی ایسے ہیں جو رسول نہیں اور نہ ہی یہ اس بات کی دلیل بن سکتی ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی وحی سے تو نوازے مگر اس وحی کے پہنچانے کا اسے حکم نہ ہو۔

ضروری یاد دہانی یہاں بعض ضروری باتیں درج کرتا ہوں وہ ایسی باتیں ہیں کہ انکو سرسری طور پر پڑھتے ہوئے انسان غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا ہے حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے تو وہ باتیں غلط فہمی کا موجب نہیں ہونی چاہئیں مثلاً

۱۔ تعریف مذکورہ بالا کی رُو سے ہر نبی حقیقی رسول اور مطلق نبی ہی ہوگا، لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں ہر لحاظ سے اکمل تھے اس لیے ہمارے علماء نے حضور پُرنور کے متعلق یوں بھی لکھدیا۔ "هُوَالنَّبِیُّ الْمُطْلَقُ وَالرَّسُوْلُ الْحَقِیْقِیُّ وَالْمُشَرِّعُ الْاِسْتِقْلَالِیُّ" (تفسیر روح المعانی زیر آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ) کہ وہی نبی مطلق اور رسولِ حقیقی اور شارع مستقل تھے"۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے رسول، رسولِ حقیقی نہ تھے یا دوسرے نبی، نبی مطلق نہ تھے۔ اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے۔ وہ یہ کہ آپ ہر لحاظ سے اکمل ترین تھے۔ چنانچہ بالکل اسی معنی کی رُو سے مطلع خصوص الکلم میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "اٰدَمُ الْاَکْبَرُ هُوَ اٰدَمُ الْحَقِیْقِیُّ" (صـ۴۳) یعنی آدم حقیقی قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح جن اشخاص پر نبی کی مذکورہ بالا تعریف صادق آئے۔ وہ کامل نبی ہونگے لیکن بعض بزرگوں نے لکھدیا ہے۔ "اِنَّ کَمَالَ حَالِ النَّبِیِّ اَنْ یَّصِیْرَ صَاحِبَ الْکِتَابِ وَالشَّرْعِ" (التفسیر الکبیر جزء ۸ صـ۱۰۲ تفسیر سورۃ الحدید) کہ نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ صاحب کتاب اور شریعت ہو" اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جو نبی نئی شریعت نہ لائے وہ کامل نبی ہی نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر تشریعی نبی کی نسبت اسے ایک زائد وصف حاصل ہوتا ہے مگر چونکہ یہ وصف عارض ہوتا ہے اس لیے نفسِ نبوت یا نبوت مطلقہ کے لحاظ سے غیر تشریعی نبی بھی کامل ہی ہوتا ہے۔

۳۔ اسی طرح بعض بزرگوں نے تمام انبیاء کی نبوت کو جزئی قرار دیا ہے چنانچہ لکھا ہے "اِنَّ نُبُوَّةَ الْاَنْبِیَاءِ کُلِّهِمْ جُزْئِیَّاتُ النُّبُوَّةِ الْمُطْلَقَةِ" (مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم صـ۴۲) کہ تمام انبیاء کی نبوتیں، نبوت مطلقہ کی جزئیات ہیں"۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ کسی نبی کو کامل نبوت نہیں ملی تھی کیونکہ جزئیات اور اجزاء کے اصطلاحی معنوں میں فرق ہے کیونکہ نبوت مطلقہ امر کلی ہے اور اجزاء کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے جزئی اپنی کلی سے جزئی کی نسبت رکھتے ہوئے اپنی ذات میں کامل ہوتی ہے مثلاً

انسان مطلق ایک کلی ہے اور ہر انسان اس کی ایک جزئی ہے اور ہر انسان اپنی ذات میں حیوان ناطق ہوتا ہے اور شرف انسانیت رکھتا ہے اور جزو ایک کل کا حصہ ہوتا ہے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے الشیخ داؤد بن محمود القیصری ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "فَخُلَّتُہٗ ذَاتِیَّۃٌ کَنُبُوَّتِہٖ وَخُلَّۃُ غَیْرِہٖ عَرَضِیَّۃٌ کَنُبُوَّتِہٖ (مطلع خصوص الکلم صفحہ ۱۲۱) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت خلیل آپ کی نبوت کی طرح ذاتی ہے اور آپ کے سوا دوسرے تمام انبیاء کی صفت خلیل ان کی نبوت کی طرح ہی عرضی ہے" اس کے صرف یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ دوسرے نبیوں کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک فیض ہے۔

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو بطور نبی اور وزیر کے مبعوث کیا گیا کیونکہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے، لیکن تھے دونو ہی نبی اور نبوت مطلقہ کے دونو حامل تھے، مگر باوجود اس کے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: "کَانَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ ھُوَ الْاَصْلُ فِی النُّبُوَّۃِ" (التفسیر الکبیر جزء ۴ صفحہ ۲۸۵) کہ موسیٰ علیہ السلام نبوت میں اصل تھے" جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ہارون تشریعی نبی نہ تھے۔

۶۔ چنانچہ سورۃ الشعراء کی آیت فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے متعلق علامہ عکبری، اعراب القرآن میں تحریر فرماتے ہیں: اِنَّ مُوْسٰی کَانَ ھُوَ الْاَصْلُ وَھَارُوْنَ تَبَعٌ لَّہٗ" کہ موسیٰ رسالت میں اصل تھے اور ہارون آپ کے تابع"

گویا متبوع کو اصل تشریعی نبی ظاہر کرنے کے لیے کہا ہے اور تابع کو غیر تشریعی نبی قرار دیا، لیکن یہ مطلب نہیں کہ ہارون دراصل نبی نہ تھے۔ قریباً وہی الفاظ امام رازی رحمہ اللہ نے (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲) پر تحریر فرمائے ہیں ان کا مطالعہ بھی فرمالیجیے۔

۷۔ علامہ الوسی نے اپنی تفسیر میں ایک اور لطیف بات بھی تحریر کی ہے۔ وَکُلُّ نَبِیٍّ تَبِعَ نَبِیًّا فِی التَّوْحِیْدِ وَالْمَعْرِفَۃِ وَمَا یَتَعَلَّقُ بِالْبَاطِنِ مِنْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ فَھُوَ وَلَدُہٗ" (تفسیر روح المعانی زیر آیت ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْۢ بَعْضٍ، سورۃ آل عمران) کہ ہر نبی جس نے کسی دوسرے نبی کی توحید، معرفت الٰہی اور ان اصول میں جو باطن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں پیروی کی تو وہ اس کا روحانی فرزند ہے۔"

مگر "روحانی فرزند" ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نبی ہی نہیں رہتا بلاشبہ وہ نبی ہوتا ہے مگر تابع نبی یعنی غیر تشریعی نبی۔

۸۔ الشیخ تقی الدین بن ابی المنصور صاحب فرماتے ہیں:

"فَهُوَ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَبُو الرُّوْحَانِيَّةِ كُلِّهَا كَمَا كَانَ آدَمُ علیہ الصلوٰۃ والسلام اَبَا الْجُثْمَانِيَّاتِ كُلِّهَا" (الیواقیت والجواہر جزء ۲ صفحہ ۱۵)

کہ نبی کریم تمام روحانیت کے باپ ہیں جیسے کہ آدم علیہ السلام تمام جسمانیات کے باپ ہیں۔"

۹۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ بعض نبی اپنے سے پہلے نبی کے خلیفے ہوئے ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے كَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ (حدیث بخاری ومسلم کتاب الامارۃ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲) "چونکہ نبی ہی قوم اسرائیل کی حفاظت کرتے تھے، اس لیے جب کبھی کوئی نبی فوت ہو جاتا تو جو اس کا خلیفہ ہوتا وہ بھی نبی ہی ہوتا"۔

۱۰۔ آیت سورۃ نور كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے متعلق امام رازی تحریر فرماتے ہیں: "فَالَّذِيْنَ كَانُوْا قَبْلَهُمْ قَدْ كَانُوْا خُلَفَاءَ تَارَةً بِسَبَبِ النُّبُوَّةِ وَتَارَةً بِسَبَبِ الْاِمَامَةِ" (تفسیر الکبیر جز ۶ صفحہ ۳۰۱) کہ مسلمانوں سے جو پہلے لوگ خلیفہ تھے وہ کبھی تو نبوت کے سبب خلیفہ ہوئے اور کبھی صرف امامت کے ذریعہ"۔

گویا غیر تشریعی انبیاء، تشریعی نبی کا خلیفہ ہوتے تھے۔

پس وہ لوگ جو اس خیال پر قائم ہیں کہ کسی نبی کا خلیفہ نبی نہیں ہوسکتا ان کا یہ خیال احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کے خلاف ہے۔ نیز اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک آنے والا مسیح نبی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا۔
(شرح العقائد النسفیہ للتفتازانی صفحہ ۱۳۵)

۱۱۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ لکھتا ہے کہ "ہمیں جو کچھ بھی ملتا ہے ظلّی اور طفیلی طور پر ملتا ہے"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۹) تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ جو مرتبہ اور مقام اسے ملا ہے وہ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا کیونکہ اس کے ساتھ "ظلّی اور طفیلی" کے الفاظ لگے ہوئے ہیں اس کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ "کوئی مرتبہ شرف اور کمال کا اور کوئی مقام عزت و قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے"۔

ورنہ ماننا پڑے گا کہ مرتبہ صالح، شہید اور صدیق بھی امت سے مفقود ہیں، کیونکہ یہ مراتب بھی اب ظلی اور طفیلی طور پر" ہی مل سکتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں۔" انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظلِ اور عکس محمدی ہے کوئی ذاتی کمال نہیں"۔ (تحذیر الناس صہ ۲۹)

۱۲۔ پس یہ مسلمہ امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روحانی مرتبہ اور مقام کے حصول کے لیے بطور دروازہ کے ہیں۔ بالفاظ دیگر فنا فی الرسول یا صدیقیت یا ظلیّت کے بغیر کوئی روحانی مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی خدا تعالیٰ سے کوئی کسی قسم کا تعلقِ محبّت قائم کر سکتا ہے " قال بعضھم ؎

وَاَنْتَ بَابُ اللّٰہِ اَیُّ امْرِئٍ اَتَاہُ مِنْ غَیْرِكَ لَا یَدْخُل

کہ اے رسول! تو اللہ کا دروازہ ہے جو بھی تجھے چھوڑ کر خدا تعالیٰ تک آنا چاہے وہ درگاہِ باری میں داخل نہ ہو سکیگا۔

فَھُوَ بَابُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ وَسِرُّہٗ الْاَفْخَمُ وَالْوُصُوْلُ اِلَیْہِ وُصُوْلٌ اِلَی اللّٰہِ لِاَنَّ الْحَضْرَتَیْنِ وَاحِدَۃٌ وَمَنْ فَرَّقَ لَمْ یُذَقْ لِلْمَعْرِفَۃِ طَعْمًا" (حاشیہ للجلالین للصّاوی جزء ۲ صہ ۱۴) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا بڑا دروازہ ہیں اور اس کا اہم بھید ہیں آپ تک پہنچنا اللہ تک پہنچنا ہے کیونکہ درگاہ خدا اور درگاہِ رسول دراصل ایک ہی ہیں اور جو شخص ان دونو کے درمیان فرق کرے تو وہ ایسا ہے گویا کہ اس نے معرفت کا مزا ہی نہیں چکھا۔

یعنی جو کہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول نہیں مانتا وہ درگاہِ الٰہی سے راندہ ہوا ہے۔ کیونکہ بارگاہِ رسول بھی بارگاہ الٰہی ہیں یہی نے کا ذریعہ ہے بارگاہ رسول کو بارگاہ الٰہی بطور ظلیت کے قرار دیا ہے پس بلحاظ ظلیت بارگاہ رسول بارگاہِ الوہیت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ" جبکہ وہ مکالمہ و مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیّت کی رُو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے"۔ (الوصیت صہ ۱۶)

"خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کلام پا کر جو غیب پر مشتمل ہو (زبردست پیشگوئیاں ہوں) مخلوق کو پہنچانیوالا اسلامی اصطلاح کی رُو سے نبی کہلاتا ہے۔"

(تقریر حجۃ اللہ مندرجہ الحکم ۶ رمئی ۱۹۰۵ء)

"منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ضرورت حقہ کے وقت کسی کو مامور کرتا ہے تو ان معنوں سے کہ (۱) مکالمات الٰہیہ کا شرف اس کو دیتا ہے۔ (۲) غیب کی خبریں اس کو دیتا ہے۔ (۳) اس پر نبی کا لفظ بولا جاتا ہے اور وہ مامور نبی کا خطاب پاتا ہے۔"

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱ مورخہ ۱۰ رجنوری ۱۹۰۴ء صہ ۲ کالم نمبر ۲)

نبی کے یہی وہ معنے ہیں جن کی تائید قرآن اور احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ سے ہوتی ہے اور عقل سلیم بھی انھیں تسلیم کرتی ہے۔

فصل دوم

نبی کے معنی بیان کر دینے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے متعلق بعض دیگر اہم امور کا ذکر بھی کر دیا جائے۔

نبی اور ولی میں فرق | ۱۔ نبی اور ولی میں کیا فرق ہے؟؟

جب خدا تعالیٰ انبیاء کے علاوہ دیگر اولیاء سے بھی ہمکلام ہوتا ہے اور ان پر امور غیبیہ کا اظہار کرتا ہے تو نبی اور ولی میں کیا فرق ہوا؟؟ چنانچہ لکھا ہے: "وَاِنَّهٗ یَجُوْزُ اَنْ يُّلْهِمَ اللّٰهُ بَعْضَ اَوْلِيَآءِهٖ وُقُوْعَ بَعْضِ الْوَقَائِعِ فِی الْمُسْتَقْبَلِ فَيُخْبِرَ بِهٖ۔" (تفسیر الخازن جزء ۷ صہ ۱۳۷ مطبوعہ مصر آخر سورۃ الجن) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیاء کو آئندہ کے بعض واقعات سے مطلع کرے اور وہ آگے اس کی خبر دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "نبیّ" مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں کثرت اور زیادتی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس جو عظیم الشان اور کثیر امور غیبیہ نبی کو عطا کی جاتی ہیں اتنی عظیم الشان اور اتنی کثرت سے اخبار غیبیہ ولی کو عطا نہیں کی جاتیں۔

پھر یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہوتا ہے کہ کس کے لیے یہ بات مقدر ہے پس جسکے لیے

معیارِ نبوت والی اخبارِ غیبیہ مقدر ہوں اسے وہ نبی کا نام دیدیتا ہے۔ اور جسے وہ نبی نہ کہے وہ نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے ابھی بکثرت امورِ غیبیہ سے مطلع نہ کیا ہو، مگر آئندہ وہ اسے بہت سی عظیم الشان پیشگوئیوں سے مشرف کرنیوالا ہو، اس لیے وہ اسے پہلے دن ہی نبی قرار دیدے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شخص کو بعض امورِ غیبیہ سے مطلع کرے مگر وہ نبی نہ ہو۔ پس جب تک خدا کسی کو نبی نہ کہے وہ نبی نہیں ہوتا۔

حضرت ابو یزید بسطامی سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
مِثْلُ مَا حَصَلَ لِلْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کَمَثَلِ زِقٍّ فِیْہِ عَسَلٌ تَرَشَّحَ مِنْہُ قَطْرَۃٌ فَتِلْکَ الْقَطْرَۃُ مِثْلُ مَا لِجَمِیْعِ الْاَوْلِیَاءِ وَمَا فِی الظَّرْفِ مِثْلُ لِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الرسالۃ القشیریۃ ص۱۸۱ باب کرامات الاولیاء) کہ جو علم انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کہ ایک بڑا مشکیزہ ہو اور اس میں شہد بھری ہو، پھر اس سے ایک قطرہ ٹپک پڑے۔ پس وہ قطرہ تو وہ علم ہے جو تمام اولیاء کو حاصل ہو اور جو مشکیزہ میں ہے وہ ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔"

اس سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہو گئیں:

۱۔ جو کچھ انبیاء کے پاس ہوتا ہے وہی کچھ اولیاء کے پاس ہوتا ہے۔

۲۔ جو کچھ انبیاء کو حاصل ہوتا ہے وہ اس کی نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے جو اولیاء کرام کو حاصل ہوتا ہے۔

اسی امر کو الشیخ الفاضل یوسف بن اسمٰعیل النبہانی نے اپنی کتاب "شواھد الحق" کے ص۲۴۳ پر بھی بیان کیا ہے۔

کیا عورت نبی بن سکتی ہے

۲۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ خدا تعالیٰ نے صرف مردوں کو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے کبھی کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْہِمْ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۹) کہ نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے رہے" اس آیت کے متعلق امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں:
وَالْاٰیَۃُ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اللّٰہَ مَا بَعَثَ رَسُوْلًا اِلَی الْخَلْقِ مِنَ النِّسْوَانِ" (التفسیر

الکبیر جزء ۵ صفحہ ۱۲۴) کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی مخلوق کی طرف عورتوں میں سے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔"

اسی طرح وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (سورہ النحل آیت ۴۴) کے ماتحت لکھتے ہیں وَ دَلَّتِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّهٗ تَعَالٰى مَآ اَرْسَلَ اَحَدًا مِنَ النِّسَآءِ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۳۱۲) کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی عورت کو رسول نہیں بنایا۔"

بعض لوگوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں حضرت مریم کے اصطفاء کا ذکر ہے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت مریم نبی تھیں چنانچہ آیت وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ کے ماتحت روح المعانی میں لکھا ہے وَاسْتَدَلَّ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ مَنْ ذَهَبَ اِلٰى نُبُوَّةِ مَرْيَمَ لِاَنَّ تَكْلِيْمَ الْمَلٰٓئِكَةِ يَقْتَضِيْهَا" کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت مریم نبی تھیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ملائکہ کا ہمکلام ہونا نبوت کا مقتضی ہے۔" لیکن ساتھ ہی لکھا ہے وَمَنَعَهُ اللَّقَانِيُّ بِاَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ قَدْ كَلَّمُوْا مَنْ لَيْسَ بِنَبِيٍّ اِجْمَاعًا" کہ علامہ اللقانی نے اس خیال کو رد کیا ہے کیونکہ ملائکہ ایسے لوگوں سے بھی ہمکلام ہوئے تھے جو بالاجماع نبی نہ تھے۔"

اسی طرح بعض لوگوں نے حضرت حواء، حضرت آسیہ، حضرت سارہ، حضرت ام موسیٰ (تفسیر روح المعانی جزء ۳ صفحہ ۱۳۶) بلکہ حضرت ہاجرہ کو بھی نبی قرار دیا ہے حالانکہ اس پر نہ قرآن کریم کی کوئی دلیل ہے اور نہ ہی حدیث کی کوئی دلیل ہے، محض ایک خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جزء ۲ صفحہ ۸۱ زیر آیت وامہ صدیقہ) بلکہ فرمان الٰہی کے خلاف ہے جو سورہ یوسف اور سورہ نحل میں وارد ہے۔ پس اس خیال کو ہرگز ہرگز صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا جو قرآن کریم کے خلاف ہو نیز اس کی فطری کمزوریاں طبعی بیماریاں اور گھریلو فرائض اور واجبات وغیرہ ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ اس بار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

کیا نبی معصوم ہوتا ہے؟

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے یعنی وہ کبھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا جان بوجھ کر مرتکب نہیں ہوتا البتہ اجتہادی غلطی علیحدہ بات ہے اور اسے گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم

ہیں انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ (سورہ الانبیاء آیت ۲۶ تا ۲۸) کہ وہ (انبیاء) خدا تعالیٰ کے قابل عزت بندے ہیں، وہ قول میں خدا تعالیٰ (کے قول) سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہیں اور نہیں وہ شفاعت کرتے مگر اس شخص کے حق میں جس کے حق میں خدا پسند فرمائے اور وہ اس کے ڈر کی وجہ سے ہمیشہ لرزاں رہتے ہیں۔"

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام گناہ کے مرتکب نہیں ہو سکتے، کیونکہ گناہ یا تو قول کے ذریعہ ہوگا، یا عمل کے ذریعہ ہوگا، فرمایا کہ ان کا قول خدا تعالیٰ کے قول کے خلاف نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کا عمل خدا کے حکم کے خلاف ہوتا ہے۔ یعنی خدا کا قول موجود ہو تو اس کے خلاف کوئی حکم نہیں دیتے اور خدا کا کوئی حکم موجود ہو تو ان کا عمل اس کے خلاف نہیں ہوتا اجتہاد چونکہ قول یا حکم موجود نہ ہونے پر کیا جاتا ہے اس لیے اس میں غلطی کو منافی عصمت نہیں سمجھا گیا۔

پھر فرمایا کہ گناہ کا اصل منبع دل ہے، کیونکہ سارے ارادے اور خیالات اسی سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن انبیاء کے دل بُرے ارادوں اور بدخیالات سے پاک ہوتے ہیں، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں جو دل خدا تعالیٰ کے جلال سے خائف اور لرزاں رہے ممکن ہی نہیں کہ اس میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا خیال بھی پیدا ہو سکے۔

پس انبیاء کے دل بھی پاک اور زبان بھی پاک اور اعضاء اور جوارح بھی پاک ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی عصمت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

بعض مفسرین نے بعض آیات قرآنیہ کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھنے کے باعث حضرت آدم حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف بلکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تک کو گنہگار قرار دیدیا، لیکن ان کی "غلط فہمی" اس بات کا ثبوت نہیں بن سکتی کہ یہ انبیاء معصوم نہ تھے اور نہ ہی ان کا قول کسی شرعی امر میں حجت ہو سکتا ہے۔

مفسرین کی آراء کی حیثیت ہی کیا ہے اگر بالفرض ایسی روایات بھی مل جائیں جو منافی عصمتِ انبیاء ہوں اور ان کا سلسلہ بھی بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

تو ہم ان کو بھی بوجہ مخالفِ قرآن ہونے کے رد کر دینگے۔ اللہ تعالیٰ امام فخر الدین رازی پر اپنی ہزار ہا رحمتیں نازل فرمائے۔ جب ان کے سامنے یہ روایت آئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دفعہ جھوٹ بولا۔ تو انہوں نے خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کہ ابراہیم بڑا سچا نبی تھا (اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ سورۃ مریم آیت ۴۱) بڑی جرأت سے لکھا کہ فَلَاَنْ يُضَافَ الْكِذْبُ اِلٰى رُوَاتِهٖ اَوْلٰى مِنْ اَنْ يُضَافَ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ" (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۱۱۳) کہ اس روایت کے راویوں کی طرف کذب (جھوٹ) کا منسوب کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس سے کہ جھوٹ کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا جائے۔"
(نیز تفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۱۴۳)

پس جب عالم الغیب خدا انبیاء کو پاک اور معصوم قرار دیتا ہے تو مفسرین کے خیالات یا روایات کی بناء پر جو قرآن کے خلاف ہوں انھیں گنہگار قرار دینا ظلم عظیم ہے۔ حضرت مُلّا علی القاری "شرح الفقہ الاکبر" میں فرماتے ہیں: وَالْحَاصِلُ اَنَّ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ السُّنَّةِ لَمْ يُجَوِّزْ اِرْتِكَابَ الْمَنْهِيِّ مِنْهُمْ عَنْ قَصْدٍ وَّلٰكِنْ بِطَرِيْقِ السَّهْوِ وَالنِّسْيَانِ وَيُسَمّٰى ذٰلِكَ زَلَّةً" (صفحہ ۴۷ مطبوعہ مطبع احمدی واقعہ شاہدرہ) کہ اہل السنۃ والجماعۃ میں کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا کہ انبیاء میں سے کوئی قصداً ایسے امر کا ارتکاب کرے جس سے انھیں منع کیا گیا ہو، البتہ سہو اور بھول سے ایسا ہو سکتا ہے لیکن اسے گناہ نہیں کہتے لغزش کہتے ہیں" کیونکہ یہ مسلّم امر ہے۔ "لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِهٖ نَبِيًّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تعالیٰ اَنْ يَّكُوْنَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْقَصَصِ وَالْوَقَائِعِ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۴۹۷) کہ کسی کا نبی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ گذشتہ تمام واقعات کا علم رکھتا ہو۔" البتہ حضرت امام رازی آیت حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"دَلَّتِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْخَطَاِ فِي الْفَتْوٰى وَفِي الْاَحْكَامِ" (التفسیر الکبیر جزء ۳ صفحہ ۲۵۴) کہ یہ آیۃ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء علیہم فتویٰ اور احکام الٰہی پہنچانے میں غلطی سے پاک ہوتے ہیں" گویا فتویٰ اور حکم الٰہی کی صحت کے وہ ذمہ دار ہوتے ہیں، لیکن اجتہادی امر میں وہ غلطی کر سکتے ہیں، کیونکہ انھیں اپنے اجتہاد کی صحت کا دعویٰ نہیں ہوتا۔

نبی کے لیے ضروری امور کیا ہیں

نبی کے لیے بعض صفات کو ضروری قرار دیا گیا ہے یعنی ضروری ہے کہ یہ صفات اس میں پائے جائیں اور ان صفات کے مخالف صفات کا ان میں پایا جانا محال ہے۔ علامہ الشیخ ابوبکر بن عارف خوقیر اپنی مشہور کتاب مَالَا بُدَّ مِنْہ میں ایک سوال یوں اُٹھاتے ہیں۔

مَاذَا یَجِبُ لَهُمْ مِنَ الصِّفَاتِ (علیھم الصلوٰۃ والسلام)؟؟

کہ انبیاء میں کن صفات کا پایا جانا ضروری ہے"؟

پھر جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یُجِبُ لَهُمْ اَرْبَعُ صِفَاتٍ الصِّدْقُ وَالْاَمَانَةُ وَالتَّبْلِیْغُ لِمَا اُمِرُوْا بِهٖ وَالْفَطَانَةُ کہ ان کے لیے چار صفات کا ہونا ضروری ہے اوّل صادق اور سچا ہونا، دوم امین و دیانتدار ہونا، سوم جس بات کو پہنچانے کا حکم ہوا سے پہنچانا (تبلیغ) چہارم ظاہری و باطنی صفائی۔

پھر لکھتے ہیں: یَسْتَحِیْلُ عَلَیْهِمْ اَضْدَادُ الصِّفَاتِ الْوَاجِبَةِ لَهُمْ وَهِیَ الْکِذْبُ وَالْخِیَانَةُ وَالْکِتْمَانُ وَالْغَفْلَةُ وَالْبَلَادَةُ (ص۳۱ المطلب الثالث) کہ ان میں ان ضروری صفات کی مخالف صفات کا پایا جانا محال ہے اور وہ جھوٹ[۱]، خیانت[۲] اور الٰہی[۳] احکام کو چھپانا اور سستی[۴] اور کم عقلی ہیں"

اسی طرح علامہ شیخ طاھر الجزائری نے اپنی کتاب الجواھر الکلامیہ میں وہی سوال اٹھایا ہے۔ مَاذَا یَجِبُ لِلْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ کہ انبیاء کے لیے کن صفات کا ہونا ضروری ہے"؟؟ اور پھر جواب دیا ہے یَجِبُ لِلْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ اَرْبَعُ صِفَاتٍ وَهِیَ الصِّدْقُ وَالْاَمَانَةُ وَالتَّبْلِیْغُ وَالْفِطَانَةُ کہ انبیاء کے اندر چار صفات کا ہونا واجب اور ضروری ہے اول یہ کہ وہ صادق اور سچے ہوں، دوم وہ امین اور دیانتدار ہوں، سوم وہ خدا کے حکم پہنچائیں (تبلیغ) چہارم انہیں کامل عقل و فہم حاصل ہو۔ (الجواھر الکلامیہ ص۳۰-۳۱)

علامہ محمد امین کردی نے اپنی مشہور کتاب تنویر القلوب کے باب دوم ص۳۳ میں بھی صدق، امانت، تبلیغ اور فطانت چاروں باتوں کا نبی میں موجود ہونا عقلاً اور نقلاً ثابت کیا ہے۔ فَجُمْلَةُ الْوَاجِبَاتِ فِیْ حَقِّهِمْ اَرْبَعَةٌ اَلصِّدْقُ وَالْاَمَانَةُ

وَالتَّبْلِيْغُ وَالْفِطَانَةُ وَلَيَسْتَحِيْلُ فِي حَقِّهِمْ اَضْدَادُهَا۔"

حضرت امام رازی فرماتے ہیں: "واعلم ان النبی یجب ان یکون صادقا فی کل ما اخبر عنه" (التفسیرالکبیر جزء ۵ ص۵۴۵) جان لو کہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ ہر بات میں سچا ہو۔ جس کی وہ خدا کی طرف سے خبر دے۔"

پھر آیۃ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (سورۃ الشعراء) کے ماتحت (التفسیرالکبیر جزء ۶ ص۳۶۶) میں لکھا ہے۔ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَبْعَثَهُ اللّٰهُ اِلَّا مَعَ كَمَالِهٖ فِي الْعَقْلِ وَالرَّاْيِ وَالْعِلْمِ بِالتَّوْحِيْدِ" کہ یہ جائز ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس حالت میں نبی بنا کر مبعوث کرے کہ اس کی عقل اور رائے کامل نہ ہو اور اسے توحید کا کامل علم حاصل نہ ہو" یہ دراصل چوتھے امر (فطانت) کا حصہ ہے۔ حق یہ ہے کہ عقل ہی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات قرار دیا گیا، عقل ہی نزول شرائع کا سبب بنی، عقل ہی کے طفیل مامورین کی بعثت ہوئی عقل ہی کی وجہ سے انسان مکلف بنایا گیا، عقل ہی کی وجہ سے ثواب وعقاب وجود میں آئے وغیرہ اس لیے ممکن نہیں کہ کوئی ایسا نبی مبعوث کیا جائے جو عقل سے کورا ہو یا اسے عقل کامل حاصل نہ ہو۔

عقل کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں:

"اَلْعَقْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى الْخَلْقِ بَلْ هُوَالرَّسُوْلُ الَّذِيْ لَوْلَاهُ لَمَا تَقَرَّرَتْ رِسَالَةُ اَحَدٍ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَالْعَقْلُ هُوَالرَّسُوْلُ الْاَصْلِيُّ" (التفسیرالکبیر جزء ۵ ص۳۸۹) کہ عقل ہی اللہ کی طرف سے مخلوق کے لیے ایک رسول ہے بلکہ وہی ایک ایسا رسول ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو کسی ایک نبی کی رسالت ثابت نہ ہو سکتی۔ پس عقل ہی اصلی رسول ہے"

پس عقل کو اصلی رسول قرار دینا ایک اہم اور قابل غور امر ہے۔

کیا ہر وحی کی تبلیغ ضروری ہے؟

۵۔ خدا تعالیٰ کے انبیاء کو کئی قسم کی باتوں کا علم دیا جاتا ہے اور ضروری نہیں کہ نبی ان تمام باتوں کو لوگوں تک پہنچائے، بلکہ جن باتوں کو پہنچانے کا حکم ہوتا ہے صرف ان باتوں کو ہی وہ لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ بعض لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ نبی ہر قسم کی وحی لوگوں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے یہ وہم غلط ہے۔

آیۃ یاایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک (سورۃ المائدہ آیت ۶۷)

کے ماتحت علامہ احمد الصادی المالکی لکھتے ہیں: اعلم ان ما اوحی الیٰ رسول اللّٰہ ینقسم الیٰ ثلاثۃ اقسام ما امر بتبلیغہ وھو القراٰن والاحکام المتعلقۃ بالخلق عموماً فقد بلغہ ولم یزد علیہ حرفاً ولم یکتم منہ حرفاً --- وما امر بکتمانہ فقد کتمہ ولم یبلغ منہ حرفاً وھو جمیع الاسرار التی لا تلیق بالامۃ وما خیر فی تبلیغہ وکتمہ فقد کتم البعض وبلغ البعض"۔

(حاشیہ الجلالین للصاوی جزء ۱ ص ۲۵۷)

یعنی معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو باتیں وحی کی گئیں وہ تین قسم پر منقسم ہیں اوّل وہ جن کی تبلیغ کا حکم دیا گیا اور وہ قرآن کریم ہے اور وہ احکام ہیں جن کا عام لوگوں سے تعلق تھا۔ پس آپ نے ان کی تبلیغ کی نہ اس پر کوئی حرف زائد کیا اور نہ ہی کوئی حرف پوشیدہ رکھا۔ دوئم وہ وحی جسے چھپائے رکھنے کا حکم دیا گیا، اسے آپ نے چھپائے رکھا اور اس سے ایک حرف کی بھی تبلیغ نہ کی اور وہ تمام اسرار ہیں جن کا سننا امت کے لیے مناسب نہ تھا۔ سوئم وہ وحی جسکو پہچانے یا نہ پہچانے کے متعلق آپ کو اختیار دیا گیا پس اس میں سے بعض کو آپ نے مخفی رکھا اور بعض کو پہچا دیا"۔

یہی تفصیل الشیخ محمد بخیت سابق مفتی مصر نے اپنی کتاب (توفیق الرحمن ص ۲۲) پر درج کی ہے اور اسی امر کو تفسیر (روح البیان جز ۵ ص ۱۲۲) پر مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر وحی جو نبی پر اترے اسے پہچانا ضروری نہیں بلکہ بعض وحی کی تبلیغ سے روک دیا جاتا ہے، کیونکہ مصلحت کا بھی تقاضا ہوتا ہے چنانچہ فی بضع سنین (سورۃ الروم ایت ۴) کے متعلق (التفسیر الکبیر جزء ۶ ص ۵۱۰) میں لکھا ہے:

"ابھم الوقت مع ان المعجزۃ فی تعیین الوقت اتم فنقول السنۃ والشھر والیوم والساعۃ کلھا معلومۃ عند اللّٰہ وبینھا لنبیہ وما اذن لہ فی اظھارھا" کہ خدا تعالیٰ نے بضع سنین (چند سال) فرما کر وقت کو مبہم کر دیا حالانکہ اگر وقت کی تعیین کر دی جاتی تو معجزہ زیادہ کامل ہوتا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا سال، مہینہ، دن اور گھڑی سب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھے اور اس نے اپنے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے آگاہ بھی کر دیا تھا، لیکن ان کے اظہار کی اجازت نہ دی تھی۔"
اب دیکھئے فتح روم کے سال، مہینے، دن بلکہ گھڑی کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
علم دیا گیا تھا، لیکن آپ نے اس کا اظہار نہ کیا، صرف خدائے تعالیٰ کے قول بِضْعِ سِنِیْن (تین
سے نو سال تک) پر اکتفا کیا۔

حدیث میں اس سے بھی بڑھکر ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمْرٍو
قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِی یَدَیْہِ کِتَابَانِ فَقَالَ أَتَدْرُوْنَ
مَا ھٰذَانِ الْکِتَابَانِ قُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہِ
الْیُمْنٰی ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ أَسْمَاءُ أَھْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ اٰبَائِھِمْ
وَقَبَائِلِھِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ أَبَدًا
ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِہٖ ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ أَسْمَاءُ أَھْلِ النَّارِ
وَأَسْمَاءُ اٰبَائِھِمْ وَقَبَائِلِھِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا
یُنْقَصُ مِنْھُمْ أَبَدًا فَقَالَ أَصْحَابُہٗ فَفِیْمَ الْعَمَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنْ کَانَ أَمْرٌ
قَدْ فُرِغَ مِنْہُ ۔۔۔۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدَیْہِ فَنَبَذَھُمَا
ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّکُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (رواہ
الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح باب الایمان بالقدر، تفسیر الخازن جزء ۴ ص ۹۸)

عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس
تشریف لائے تو آپ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں آپ نے ہمیں فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ
دو کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں۔ ہاں اگر آپ ہمیں بتائیں تو پھر معلوم ہو جائے گا،
اس پر آپ نے اس کتاب کی طرف جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ
یہ کتاب رب العلمین کی طرف سے ہے اس میں تمام جنتیوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا
اور قبائل کے نام بھی درج ہیں اور آخر میں ان کی میزان بھی کر دی گئی ہے ان میں اور
کسی کی زیادتی نہ ہوگی اور نہ کسی کو انہیں سے کبھی کم کیا جائے گا، پھر آپ نے اس کتاب کی طرف
اشارہ کیا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی اور فرمایا یہ کتاب رب العلمین کی طرف سے ہے اس میں
تمام دوزخیوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا اور قبائل کے نام بھی ہیں اور آخر میں انکا
ٹوٹل بھی کر دیا گیا ہے اس میں نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ یہ سنکر صحابہ رضی اللہ عنہم نے

عرض کیا کہ جب سب فیصلہ ہو چکا ہے تو پھر یا رسول اللہ! عمل کی کیا ضرورت رہی؟.......
اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ ہلائے اور وہ دونو کتابیں پھینک دیں ساتھ ہی فرمایا کہ تمہارا رب اپنے تمام بندوں کے متعلق فیصلہ کر چکا فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر"۔ (مختصراً الیواقیت والجواہر جزء ۱ صـ۱۱۶)

دیکھئے کتنی بڑی کتابیں تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں مگر حضور نے وہ پھینک دیں حتیٰ کہ غائب ہو گئیں اور صحابہ میں سے کسی ایک کو ان پر نظر ڈالنا نصیب نہ ہوا۔

اگر کہا جائے کہ یہ تمثیلی معاملہ تھا تو بھی یہ تو ثابت ہو گیا کہ ایک اہم معاملہ کے متعلق آپ کو علم دیا گیا۔ مگر وہ چھپا دیا گیا اور اس کے اظہار کی اجازت نہ دی گئی۔

کیا نبی کے لیے مفصّل پیشگوئی کا ہونا ضروری ہے۔

۶۔ بعض لوگ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ ہر نبی کے لیے کسی پہلے نبی کی مفصل پیشگوئی کا ہونا ضروری ہے، لیکن اس خیال کی تائید نہ قرآن مجید سے ہوتی ہے اور نہ ہی صحیح حدیث سے بالفاظ دیگر یہ خیال بے ثبوت بلکہ باطل ہے۔

علامہ رشید رضا مفتی مصر نے اپنی تفسیر القرآن الحکیم جزء ۹ صـ۲۳۲ پر اس امر کے متعلق یوں تحریر فرمایا ہے۔

"اِنَّ النَّبِيَّ الْمُتَقَدِّمَ اِذَا اَخْبَرَ عَنِ النَّبِيِّ الْمُتَأَخِّرِ لَا يُشْتَرَطُ فِي اِخْبَارِهٖ اَنْ يُّخْبِرَهٗ بِالتَّفْصِيْلِ التَّامِّ بِاَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنَ الْقَبِيْلَةِ الْفُلَانِيَّةِ فِي السَّنَةِ الْفُلَانِيَّةِ فِي الْبَلَدِ الْفُلَانِيِّ وَتَكُوْنُ صِفَتُهٗ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ يَكُوْنُ هٰذَا الْاِخْبَارُ فِي غَالِبِ الْاَوْقَاتِ مُجْمَلًا عِنْدَ الْعَوَامِّ وَاَمَّا عِنْدَ الْخَوَاصِّ فَقَدْ يَصِيْرُ جَلِيًّا بِوَاسِطَةِ الْقَرَائِنِ وَقَدْ يَبْقٰى خَفِيًّا عَلَيْهِمْ اَيْضًا لَا يَعْرِفُوْنَ مِصْدَاقَهٗ اِلَّا بَعْدَ اِدِّعَاءِ النَّبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ الْمُتَقَدِّمَ اَخْبَرَ عَنِّيْ"

"کہ پہلا نبی جب کسی آئندہ آنے والے نبی کے متعلق خبر دے، تو اس میں شرط نہیں کہ وہ پوری تفصیل کے ساتھ خبر دے کہ وہ فلاں قبیلہ سے نکلے گا اور فلاں سال میں فلاں شہر میں ظاہر ہو گا اور اس کی ایسی ایسی صفت ہو گی۔ بلکہ یہ خبر اکثر اوقات عوام کے لیے مجمل ہی ہوتی ہے اور خواص کے

نزدیک کبھی بذریعہ قرائن جلی اور صاف ہو جاتی ہے اور کبھی آن پر بھی مخفی ہی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ اس خبر (پیشگوئی) کے مصداق کو پہچان نہیں سکتے یہاں تک کہ وہ نبی موعود خود دعویٰ کرے کہ پہلے نبی نے میرے متعلق پیشگوئی کی تھی"

کیا واضح اور صاف بات ہے جو شیخ موصوف نے لکھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین اور خاتم النبیین تھے ان کے متعلق قریباً تمام انبیاء نے پیشگوئی فرمائی، لیکن کیا وہ پیشگوئیاں مفصل اور واضح تھیں؟ حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ آیت فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ کے متعلق ایک سوال پیدا ہوتا ہے

" وَهُوَ اَنَّ التَّوْرَاةَ نُقِلَتْ نَقْلاً مُتَوَاتِرًا فَإِمَّا اَنْ يُقَالَ حَصَلَ فِيهَا نَعْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى سَبِيْلِ التَّفْصِيْلِ اَعْنِيْ بَيَانُ اَنَّ الشَّخْصَ الْمَوْصُوْفَ بِالصُّوْرَةِ الْفُلَانِيَّةِ وَالسِّيْرَةِ الْفُلَانِيَّةِ سَيَظْهَرُ فِي السَّنَةِ الْفُلَانِيَّةِ فِي الْمَكَانِ الْفُلَانِيِّ اَوْ لَمْ يُوْجَدْ هٰذَا الْوَصْفُ عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ فَاِنْ كَانَ الْاَوَّلَ كَانَ الْقَوْمُ مُضْطَرِّيْنَ اِلٰى مَعْرِفَةِ شَهَادَةِ التَّوْرَاةِ عَلٰى صِدْقِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَيْفَ يَجُوْزُ عَلٰى اَهْلِ التَّوَاتُرِ اِطْبَاقُهُمْ عَلَى الْكِذْبِ وَاِنْ لَمْ يَكُنِ الْوَصْفُ عَلٰى هٰذِهِ الصِّفَةِ لَمْ يَلْزَمْ مِنَ الْاَوْصَافِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي التَّوْرَاةِ كَوْنُ مُحَمَّدٍ رَسُوْلاً فَكَيْفَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهِ وَالْجَوَابُ اَنَّ الْوَصْفَ الْمَذْكُوْرَ فِي التَّوْرَاةِ كَانَ وَصْفًا اِجْمَالِيًّا۔"

(التفسیر الکبیر جزء ا صـ۴۲۶)

اور وہ یہ کہ تورات تواتر سے نقل کی گئی ہے پس یا تو یہ کہا جائیگا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مفصل طور پر پائی جاتی ہے یعنی یہ بیان کہ فلاں شخص جو فلاں بات سے متصف ہے اور فلاں سیرت کا مالک ہے وہ فلاں سال فلاں جگہ پر ظاہر ہوگا۔

یا پھر یہ بیان اس میں اس طرح نہیں پایا جاتا۔

پس اگر تو پہلی صورت ہو تو قوم مجبور ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے متعلق توراۃ کی گواہی کو جان لے پس کس طرح جائز ہوگا اس متواتر شہادت کے ماننے والوں کے لیے کہ وہ جھوٹ پر متفق ہو جائیں۔

اور اگر وہ بیان اس طرح تفصیلی نہیں ہے تو تورایت میں بیان شدہ صفات کی وجہ سے

محمدؐ کا سچا رسول ہونا لازم نہیں آتا۔ پس کس طرح اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت توراۃ میں مذکور ہے وہ اجمالاً مذکور ہے (نہ کہ تفصیل سے)۔

اس تحریر سے واضح ہو گیا کہ توراۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشگوئیاں پائی جاتی تھیں وہ بھی مفصل نہ تھیں بلکہ مجمل تھیں، بالکل یہی بات انھوں نے اپنی تفسیر کے (جزء ۲ صـ۲۵ و صـ۲۶) پر بیان فرمائی ہے۔

مدعا یہ کہ پہلے نبی کی طرف سے آنیوالے نبی کے لیے مفصل پیشگوئی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اکثر اوقات وہ پیشگوئی مجمل ہی ہوتی ہے جسے عوام کم ہی سمجھ پاتے ہیں اور خواص میں سے بھی اگر سمجھتے ہیں تو بواسطہ قرائن اس حقیقت کو سمجھتے ہیں۔

نبی کا کافر کی پناہ لینا

۷۔ بعض ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی کسی کافر بادشاہ کی حکومت میں نہیں رہ سکتا اور نہ ہی کسی کافر کی پناہ لیتا ہے۔

یہ خیال بھی محض جذباتی ہے۔ ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے اس خیال کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس بات کو ناجائز قرار دیتے ہیں کہ نبی پر کسی کافر کا احسان ہو۔

ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرعون کے گھر میں پلے۔ ایک دو سال تک نہیں تیس سال تک اس نے آپ کی پرورش کی، اسی لیے جب خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ فرعون کو جاکر کہو کہ بنی اسرائیل کو اس ملک سے جانے دے تو اس نے آپ سے کہا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا (سورۃ الشعراء آیت ۱۸) کہ کیا ہم نے بچپن سے تجھے اپنے ہاں نہیں پالا تھا" پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کے احسان کا انکار نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ابھی نوجوان ہی تھے کوئیں میں پھینک دیا گیا پھینکنے والے کون تھے؟ خود آپ کے بھائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا، آخر وہ ایک قافلہ کے ہاتھ آ گئے، وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ (سورۃ یوسف آیت ۲۰) اور بھائیوں نے اسے ایک قافلہ کے ہاتھ معمولی چند درہموں سے فروخت کر دیا" اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام "زرخرید غلام" بن گئے، خود بھائیوں نے قافلہ والوں سے کہا،

هٰذَا عَبْدُنَا اَبَقَ مِنَّا (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۱۱۳) کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ آیا ہے
مگر ہمارے جذبات اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، ہم یہی کہتے ہیں ؎
ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

لیکن حقیقت یہی ہے کہ آپ بکے اور "زر خرید غلام" ہونے کی صورت میں مصر پہنچے
جب مصر پہنچے تو پھر قافلہ والوں نے انھیں عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کر دیا وَقَالَ الَّذِی
اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا
(سورۃ یوسف۔ آیت ۲۱) کہ مصر میں جس شخص نے اسے (یوسف کو) خریدا اس نے اپنی بیوی کو
کہا کہ یوسف کے ٹھکانے اور رہائش کا اچھی طرح خیال رکھنا امید ہے کہ وہ ہمیں فائدہ دیگا یا
ہم اسے اپنا بچہ ہی بنالیں"۔

اس خریدار کا نام تفاسیر میں قطفیر یا اطفیر لکھا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مصر
کے خزائن کا حاکم تھا، (کبیر رازی) لیکن یہودی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام
" فوطی فار" تھا اس کے ہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک لمبے عرصہ تک زندگی بسر کی۔

پس ظاہری غلامی کسی نبی کی نبوت میں روک نہیں بن سکتی مگر جذبات کی رو میں بہنے
والے لوگ آپ کی نبوت ہی کا انکار کر بیٹھے چنانچہ لکھا ہے: اِنَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ قَالَ اِنَّ
یُوْسُفَ مَا كَانَ رَسُوْلًا وَّلَا نَبِیًّا اَلْبَتَّةَ (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۱۱۵) کہ بعض لوگ
کہتے ہیں کہ یوسف نہ رسول تھے اور نہ ہی نبی" لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت امام رازی
لکھتے ہیں: "وَهٰذَا الْقَوْلُ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ" کہ یہ خیال باطل ہے اور اجماع کے خلاف
ہے۔ بات یہ ہے کہ نبی بننے کے بعد کوئی شخص کسی انسان کا زر خرید غلام نہیں ہو سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام رومی حکومت کے ماتحت رہے حتیٰ کہ وہ جوان ہوئے
رسول بنے اور آخر انھیں صلیب دیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت سے صلیبی موت
سے بچالیا اور انھیں حکم دیا کہ اس ملک سے کسی دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر جاؤ۔
(دیکھئے انجیل)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے۔ قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ لَمَّا مَاتَ اَبُوْطَالِبٍ
عَمُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ فِیْ حَیَاتِهٖ یَحُوْطُهٗ وَیَنْصُرُهٗ وَ
یَمْنَعُهٗ مِمَّنْ یُّؤْذِیْهِ فَلَمَّا مَاتَ وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَحْشَةً

مِنْ قَوْمِهٖ فَخَرَجَ إِلَى الطَّائِفِ يَلْتَمِسُ مِنْ ثَقِيفٍ النُّصْرَةَ لَهُ وَالْمَنْعَةَ مِنْ قَوْمِهٖ" (تفسیر الخازن جزء ۶ صفحہ ۱۳۸)

"یعنی مفسرین کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب فوت ہوئے اور وہی اپنی زندگی میں حضور کو پناہ دیتے اور آپ کی مدد کرتے اور ان لوگوں سے آپ کی حفاظت کرتے جو آپ کو دکھ دیا کرتے تھے تو حضور نے اپنی قوم سے ڈر محسوس کیا، اس لیے آپ طائف گئے تاکہ قبیلہ ثقیف سے التماس کریں کہ وہ آپ کی مدد کرے اور قوم قریش کے شر سے آپ کو بچائے"

ثقیف کے سرداروں میں سے عبد یالیل، مسعود اور حبیب مشہور تھے، جب حضور پُرنور ان کے پاس گئے تو بجائے اس کے کہ وہ حضور کی درخواست پر غور کرتے انہوں نے الٹا حضور کو دُکھ دیا اور طائف سے ہانک باہر نکالا۔

پھر لکھا ہے: "اِنَّهٗ صلى الله عليه وسلم لَمَّا رَجَعَ مِنَ الطَّائِفِ دَخَلَ فِي جِوَارِ الْمُطْعِمِ بْنِ عَدِيٍّ إِلَى مَكَّةَ فَإِنَّ الْمُطْعِمَ بْنَ عَدِيٍّ أَمَرَ أَوْلَادَهُ الْأَرْبَعَةَ فَلَبِسُوا السِّلَاحَ وَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عِنْدَ الرُّكْنِ مِنَ الْكَعْبَةِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ قُرَيْشًا فَقَالُوْا لَهٗ أَنْتَ الرَّجُلُ الَّذِيْ لَا تُخْفَرُ ذِمَّتُكَ" (سبل السلام شرح بلوغ المرام جزء ۴ صفحہ ۶۶) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے لوٹے تو مطعم بن عدی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے، مطعم بن عدی نے اپنے چاروں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ ہتھیار پہن لیں چنانچہ انہوں نے ہتھیار پہن لیے۔ اور ان میں سے ہر ایک کعبہ کے گوشہ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ یہ خبر قوم قریش کو پہنچی تو وہ مطعم کے پاس آئے اور کہا کہ تو وہ شخص ہے جس کے عہد کو توڑا نہیں جا سکتا"

غور فرمائیں کہ سادات ثقیف نے آپ کو پناہ نہ دی تو آپ مطعم کے پاس آئے جو مسلمان نہ تھا اور اس نے آپ کو پناہ دی اور اس طرح آپ کو مکہ میں کچھ امن حاصل ہوا۔

پس اوّل اگر کوئی نبی کسی کافر بادشاہ کے ملک میں رہتا ہے تو اس بادشاہ کی پناہ اس کے نبی بننے میں روک نہیں بن سکتی، دوسرے اگر کوئی نبی کسی کافر سے دنیوی پناہ مانگتا ہے تو یہ اس کی شان کے خلاف نہیں اور نہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس نبی کو خدائے تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد نہیں۔ یہ ایک ظاہری ذریعہ ہے جس کا استعمال ممنوع نہیں۔

نبی کا پڑھنا اور علم سیکھنا

۸۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نبی کا اُمّی (اَن پڑھ) ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ کسی سے کوئی علم سیکھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ استاد سے کم درجہ پر ہے۔

یہ خیال بھی بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ قرآن کریم اور حدیث صحیح سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اَلنَّبِیُّ الْاُمِّیّ (سورۃ الاعراف آیۃ ۱۵۶) کہا گیا ہے، کسی دوسرے نبی کو اُمّی (اَن پڑھ) نہیں کہا گیا۔ گویا یہ حضور پُرنور کی ایک خصوصیت ہے جو دوسرے کسی نبی کو حاصل نہیں، اگر یہ مان لیا جائے کہ تمام انبیاء ہی اُمّی تھے اور صرف اللہ تعالیٰ نے انھیں علم عطا فرمایا تھا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص برتری ختم ہو جاتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا "اَنَا النَّبِیُّ الْاُمِّیّ (الجامع الصغیر جزا ص۱۰۱) کہ میں ہی نبی اُمّی ہوں"۔

پھر یہ واقعات کے بھی خلاف ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بخاری شریف میں آتا ہے وَشَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِیَّةَ مِنْهُمْ۔ (حدیث بخاری جز ۲ ص۱۴۷ مطبوعہ مصر کتاب بدء الخلق) کہ جب حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو انھوں نے جرہم قبیلہ کے لوگوں سے عربی سیکھی۔

سید رشید رضا مفتی مصر اپنی مشہور کتاب "الوحی المحمدی" میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ یَرَی النَّاظِرُ اَنَّ سَائِرَ اَنْبِیَاءِ الْعَهْدِ الْقَدِیْمِ کَانُوْا تَابِعِیْنَ لِلتَّوْرَاةِ مُتَعَبِّدِیْنَ بِهَا وَاِنَّهُمْ کَانُوْا یَتَدَارَسُوْنَ تَفْسِیْرَهَا فِی مَدَارِسَ خَاصَّةٍ بِهِمْ وَبِاَبْنَاءِهِمْ مَعَ عُلُوْمٍ اُخْرٰی فَلَا یَصِحُّ اَنْ یُذْکَرَ اَحَدٌ مِنْهُمْ مَعَ مُحَمَّدٍ۔ (دیکھئے ص۱۶ و ص۱۳)

کہ ہر ایک غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ توراۃ میں ذکر شدہ انبیاء توراۃ کے پیرو اور اس پر عمل کرنے والے تھے اور وہ اس کی تفسیر بھی پڑھتے تھے اور اور علوم بھی سیکھتے تھے ایسے سکولوں میں جو خاص ان کے لیے اور ان کے بیٹوں کے لیے بنائے جاتے تھے۔ پس یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ذکر کیا جائے۔"

السید محمد رشید رضا نے علی الاعلان کہا ہے کہ دوسرے انبیاء تو سکولوں میں علم سیکھتے رہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سکول میں کوئی علم نہیں سیکھا۔

تفسیر جامع البیان میں آیت کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ (سورۃ الفرقان آیت ۳۲) کے ماتحت لکھا ہے "اِنَّکَ اُمِّیٌّ بِخِلَافِ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ فَاِنَّھُمْ مُتَمَکِّنُوْنَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ وَالْکِتَابَۃِ" کہ اے محمد! تو اُمّی ہے بخلاف دیگر تمام انبیاء کے کہ وہ پڑھنا بھی اور لکھنا بھی جانتے تھے"۔

واضح ہو کہ یہ تفسیر جامع البیان شیخ الاسلام السیّد معین بن صفیؒ کی لکھی ہوئی ہے۔

تفسیر قادری میں لکھا ہے "رسول ایسا چاہیئے کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے ان سے اصول و فروع دین کا عالم زیادہ ہو، جو ان کی طرف لایا ہے اور جو علم اس قبیل سے نہیں اس کی تعلیم امور نبوت کے منافی نہیں اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اس کا مؤید ہے۔ (تفسیر حسینی قادری اردو جلد ۱ صفحہ ۶۳۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ اکٹھی کیوں اُتری؟ اس کے جواب میں علامہ ابن فورک کے قول کے مطابق بعض علماء یہ کہتے ہیں لِاَنَّھَا نَزَلَتْ عَلٰی نَبِیٍّ یَکْتُبُ وَیَقْرَأُ وَھُوَ مُوْسٰی (الاتقان جزء ۱ صفحہ ۴۱) کہ وہ ایک ایسے نبی پر اُتری تھی جو لکھنا اور پڑھنا جانتا تھا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام پر۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود خدا تعالیٰ کے ایک بندے سے کہا ھَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" (سورۃ الکھف آیت ۶۶) کیا میں تیری پیروی کر سکتا ہوں اس شرط پر کہ تو مجھے وہ رُشد و ہدایت سکھائے جو تجھے سکھائی گئی ہے"۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام تو نبی تھے اور خدا کا وہ بندہ جس سے وہ علم سیکھنا چاہتے تھے نبی نہ تھا۔ وَالنَّبِیُّ لَا یَتَّبِعُ غَیْرَ النَّبِیِّ فِی التَّعْلِیْمِ اور نبی جو ہے وہ تعلیم میں غیر نبی کی پیروی نہیں کر سکتا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیوں ایسی درخواست کی؟ اس کے جواب میں حضرت امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں وَھٰذَا اَیْضًا ضَعِیْفٌ کہ یہ کمزور خیال ہے۔ اس کی وجہ لکھتے ہیں لِاَنَّ النَّبِیَّ لَا یَتَّبِعُ غَیْرَ النَّبِیِّ فِی الْعُلُوْمِ الَّتِیْ بِاعْتِبَارِھَا صَارَ نَبِیًّا اَمَّا فِیْ غَیْرِ تِلْکَ الْعُلُوْمِ فَلَا (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۵۱۰)

کیونکہ نبی ان علوم میں غیر نبی کی پیروی نہیں کرتا، جن علوم کے اعتبار سے وہ نبی بنا ہو، لیکن ان کے سوا دوسرے علوم میں ایسا نہیں ہوتا۔"

پھر آگے لکھتے ہیں: "یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ غَیْرُ النَّبِیِّ فَوْقَ النَّبِیِّ فِیْ عُلُوْمٍ لَا تَتَوَقَّفُ نُبُوَّتُہٗ عَلَیْہَا۔" "کہ جائز ہے کہ غیر نبی کسی نبی پر ان علوم میں فوقیت رکھتا ہو جن علوم پر اس نبی کی نبوت موقوف نہ ہو۔"

پس اگر کوئی نبی کسی غیر نبی سے ایسا علم سیکھتا ہے جس پر نبوت موقوف نہیں ہوتی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

نبی کا ملازمت یا مزدوری کرنا

۹- یہاں ایک اور امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کسی کی ملازمت نہیں کرتا خواہ دعویٰ نبوت سے پہلے زمانہ میں ہی کیوں نہ ہو۔

یہ خیال بھی محض ایک خیال ہی ہے۔ صحیح نہیں کیونکہ واقعات کے خلاف ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق خود قرآن مجید میں ہے کہ انھوں نے فرعون (شاہِ مصر) کی ملازمت کی، بلکہ اس کے لیے درخواست بھی کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالکر اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تو آپ اس کے ہاں پہنچے۔ بادشاہ آپ سے بڑی عزت و احترام سے پیش آیا، تو اس وقت آپ نے فرمایا: اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (سورہ یوسف آیت ۵۵) کہ مجھے ملک کے بیت المال کا حاکم مقرر کر دیجیے کیونکہ میں مال کی حفاظت کرنا جانتا ہوں اور اس کا خاص علم رکھتا ہوں۔"

علماءِ تفسیر نے یہاں سوال اٹھایا ہے کہ شاہِ مصر تو کافر تھا پھر آپ نے اس کے ماتحت کام کرنے کی درخواست کیوں کی، چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: "کَیْفَ طَلَبَ الْاِمَارَۃَ مِنْ سُلْطَانٍ کَافِرٍ" (التفسیر الکبیر ج ۵ ص ۱۴۱) کہ سوال ہوتا ہے کہ آپ نے ایک کافر بادشاہ سے کیوں درخواست کی کہ آپ کو امیر خزانہ بنایا جائے۔ پھر اس کا جواب دیتے ہیں "اَنَّہٗ علیہ السلام کَانَ مُکَلَّفًا بِرِعَایَۃِ مَصَالِحِ الْخَلْقِ" کہ آپ نے یہ درخواست اس لیے کی کہ آپ کو حکم تھا کہ مخلوق کی بہتری اور بھلائی کا خیال رکھیں۔"

علامہ ابو السعود اپنی تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں۔ وَفِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی

جُوَازِ طَلَبِ الْوِلَايَةِ اِذَا كَانَ الطَّالِبُ مِمَّنْ يَقْدِرُ عَلٰى اِقَامَةِ الْعَدْلِ وَاِجْرَاءِ اَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ يَّدِ الْجَائِرِ اَوِ الْكَافِرِ " کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ عہدے کا طلب کرنا جائز ہے جبکہ طلب کرنے والا ان لوگوں میں سے ہو جو عدل کے قائم کرنے اور احکامِ شریعت کے جاری کرنے پر قادر ہوں خواہ وہ عہدہ ظالم یا کافر سے طلب کیا جائے " تفسیر فتح البیان میں بھی اسی کے ہم معنی مضمون بیان ہوا ہے۔

یہ تو اس صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا گیا ہے کہ اس درخواست کے وقت یوسف علیہ السلام نبی بن چکے تھے۔ جب یہ بات رہے تو نبی نہ ہونے کی صورت میں مندرجہ بالا امور کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرنا کیونکر معیوب شمار کیا جا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب آپ مصر سے بھاگ کر مدین گئے تو وہاں ایک بزرگ نے آپ کے اخلاق کو دیکھتے ہوئے آپ سے مزدوری کروانا چاہی اور کہا اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ (سورۃ القصص آیت ۲۷) کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھے اپنی ان دو بیٹیوں میں سے کوئی ایک نکاح میں دیدوں اس شرط پر کہ تو آٹھ سال تک میرا مزدور بن کر رہے اور اگر تو دس سال تک کام کرے تو تمہاری مرضی "۔

علامہ الخازن لکھتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں " اَیْ تَكُوْنَ لِیْ اَجِيْرًا ثَمَانَ سِنِيْنَ " (تفسیر الخازن جزء ۵ صفحہ ۱۴۱) کہ تو میرا مزدور بنا رہے آٹھ سال تک۔

یہ بزرگ کون تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شعیب علیہ السلام تھے لیکن امام رازی فرماتے ہیں۔ " لَيْسَ فِي الْقُرْاٰنِ مَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اَبَاهُمَا كَانَ شُعَيْبًا " (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۲۳۴) کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے معلوم ہو کہ وہ بزرگ شعیب تھے " جہاں تک میرا علم ہے۔ حدیث صحیح سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

علامہ الخازن لکھتے ہیں " قِيْلَ اَبُوْهُمَا شُعَيْبٌ وَقِيْلَ هُوَ بَيْرُوْنُ ابْنُ اَخِيْ شُعَيْبٍ وَكَانَ شُعَيْبٌ قَدْ مَاتَ بَعْدَ مَا كُفَّ بَصَرُهٗ وَقِيْلَ هُوَ رَجُلٌ مِمَّنْ اٰمَنَ بِشُعَيْبٍ (تفسیر الخازن جزء ۵ صفحہ ۱۴۰) کہ بعض کہتے ہیں کہ وہ بزرگ شعیب تھے بعض کہتے ہیں کہ وہ بزرگ بیرون نامی تھے جو شعیب کے بھتیجے تھے اس وقت حضرت شعیب فوت

ہو چکے تھے۔ بعد اس کے کہ آپ کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ بزرگ ان لوگوں میں سے کوئی تھے جو حضرت شعیب پر ایمان لائے تھے "

بائیبل میں اس بزرگ کا نام رعوائیل آیا ہے وہ مدین میں کاہن تھے (دیکھو کتاب خروج فصل ۲ آیت ۱۶ تا ۱۸) اور قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ بات مان لی اور کم از کم آٹھ سال مزدوری کرنے کے بعد ان کی بیٹی صفورہ سے نکاح کر لیا۔

اب دیکھیے کتنی لمبی مزدوری کی اور بظاہر اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہاں آپ کی شادی ہو جائے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ نے اہل مکہ کی بکریاں چرائیں جس کے عوض میں آپ کو چند پیسے مل جاتے، حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں "كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ (بخاری جزء ۲ ص۲۱ کتاب الاجارۃ باب رعی الغنم) کہ میں چند پیسے مزدوری لیکر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا"

پس نبی کا کسی کی ملازمت کرنا یا کوئی مزدوری کرنا اور حلال روزی کمانا نبوت کی روح کے خلاف نہیں ہے، ہرگز نہیں ہے۔

نبوت وہبی ہے یا کسبی؟

۱۰۔ یہ بھی ایک اہم سوال ہے کہ آیا نبوت وہبی ہے یا کسبی؟ اس لیے اس کے متعلق بھی کچھ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلے اس کے متعلق جو اختلاف ہوا ہے اسے سمجھ لینا چاہیئے۔ آیت قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ (سورۃ ابراہیم آیت ۱۱) کے ماتحت امام رازی لکھتے ہیں: اِنَّ جَمَاعَةً مِّنْ حُكَمَاءِ الْاِسْلَامِ قَالُوْا اِنَّ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْ نَفْسِهٖ وَبَدَنِهٖ مَخْصُوْصًا بِخَوَاصٍّ شَرِيْفَةٍ عُلْوِيَّةٍ قُدْسِيَّةٍ فَاِنَّهٗ يَمْتَنِعُ عَقْلًا حُصُوْلُ صِفَةِ النُّبُوَّةِ لَهٗ وَاَمَّا الظَّاهِرِيُّوْنَ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَدْ زَعَمُوْا اَنَّ حُصُوْلَ النُّبُوَّةِ عَطِيَّةٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى يَهَبُهَا لِكُلِّ مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَا يَتَوَقَّفُ حُصُوْلُهَا عَلٰى اِمْتِيَازِ ذٰلِكَ الْاِنْسَانِ عَنْ سَائِرِ النَّاسِ بِمَزِيْدِ اِشْرَاقٍ نَفْسَانِيٍّ وَ

قُوَّةٍ قُدْسِيَّةٍ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۲۲۵) کہ حکماء اسلام کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ جب تک کوئی انسان اپنی ذات اور بدن میں بعض اعلیٰ، بلند اور پاک خواص سے متصف نہ ہو، عقلاً اس کے لیے صفت نبوت کا حصول ممکن نہیں، لیکن اہل السنۃ والجماعۃ میں سے جو ظاہری الفاظ کو بنیاد بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نبوت کا حاصل ہونا خدا کی طرف سے ایک بخشش ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وہ اسے عطا کر دیتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے ضروری نہیں کہ انسان دوسرے لوگوں کی نسبت کسی زیادہ روحانی روشنی اور قوتِ قدسیہ سے ممتاز ہو۔"

دراصل جیساکہ حوالہ مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے اس آیت میں لفظ یَمُنُّ سے اہل السنۃ والجماعۃ کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے جس کے معنی ہیں کہ "وہ احسان کرتا ہے"۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ احسان کا عمل صالح، اخلاق فاضلہ اور روحانی پاکیزگی سے کوئی تعلق نہیں تو یہ غلط ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کبھی تو اللہ تعالیٰ کسی نافرمان، بد اخلاق اور گندہ دل انسان کو اپنا نبی یا رسول منتخب کر لیتا مگر وہ خود اسے تسلیم نہیں کرتے، چنانچہ لکھا ہے: وَلِهٰذَا لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا فِيْ أَشْرَفِ مَنْسَبِ أُمَّتِهٖ فَلَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا مِنْ ذِيْ نَسَبٍ مَبْذُوْلٍ كَمَا لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا عَبْدًا وَلَا لَئِيْمًا وَلَا امْرَأَةً۔" (لوائح الانوار البهية للامام محمد بن احمد السفارینی جزء ۲ صفحہ ۲۵۵)

کہ نبی کے لیے اعلیٰ اخلاق کا ہونا اور پھر نبی کا اعلیٰ خاندان سے ہونا ضروری ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ جو بھی نبی مبعوث فرمایا وہ امت کے اعلیٰ نسب سے تھا، پس اللہ تعالیٰ نے کبھی کوئی نبی ذلیل نسل سے مبعوث نہیں فرمایا جیسے کہ اس نے نہ کبھی غلام اور کمینہ اخلاق انسان کو مبعوث فرمایا ہے اور نہ کسی عورت کو۔"

پس اہل السنۃ والجماعۃ خود تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی کوئی ذلیل اور بداخلاق شخص نبی نہیں بنایا گیا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کا عطیہ یا احسان ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ حسب ونسب اعلیٰ اخلاق اور صلاحیت سے نبوت کا کوئی تعلق نہیں، ضرور تعلق ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (سورۃ الرحمٰن آیت ۶۰) کہ احسان کی جزاء احسان ہوتی ہے"۔ پس تعلق تو ضرور ہوا مگر اس تعلق کا تعین اور حد خدا تعالیٰ کے علم میں ہی ہے۔ ہم اسے علی وجہ الکمال نہیں جانتے۔

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَآتٰـہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ وَالنُّبُوَّۃَ کہ اللہ نے اسے بادشاہت اور نبوت عطا فرمائی، امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُھُمْ اٰتَاہُ الْمُلْکَ وَالنُّبُوَّۃَ جَزَاءً عَلٰی مَا فَعَلَ مِنَ الطَّاعَۃِ الْعَظِیْمَۃِ وَبَذْلِ النَّفْسِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَعَ اَنَّہٗ تَعَالٰی کَانَ عَالِمًا بِاَنَّہٗ صَالِحٌ لِتَحَمُّلِ اَمْرِ النُّبُوَّۃِ وَالنُّبُوَّۃُ لَا یَمْتَنِعُ جَعْلُھَا جَزَاءً عَلَی الطَّاعَاتِ کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَلَقَدِ اخْتَرْنَاھُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ الاٰیۃ وَقَالَ اللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ وَظَاھِرُ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ یَدُلُّ اَیْضًا عَلٰی ذٰلِکَ ‘‘ (تفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۲۹۶)

کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے جو بادشاہت اور نبوت عطا کی تھی وہ آپ کی اطاعت عظیمہ اور خدا کی خاطر جان کی قربانی کی جزاء کے طور پر دی تھی، ساتھ ہی وہ جانتا تھا کہ آپ نبوت کے بوجھ کے متحمل اور قابل بھی ہیں اور نبوت کو اطاعت کی جزاء قرار دینا ممتنع نہیں جیسے کہ خدائے تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ہم نے انبیاء کو تمام لوگوں سے نبوت کے لیے اس لیے منتخب کیا کہ ہم جانتے تھے (علٰی عِلْمٍ) کہ وہ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور اس قابل ہیں کہ انھیں منصب نبوت دیا جائے۔ اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت و نبوت کو کہاں رکھنا چاہیئے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہر اسی خیال کی تائید کرتا ہے۔‘‘

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق آتا ہے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (سورۃ یوسف آیت ۲۲) کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور اسی طرح ہم محسنوں کو جزاء دیتے ہیں۔

اس آیت کے ماتحت علامہ ابوالسعود لکھتے ہیں: وَفِیْ تَعْلِیْقِ الْجَزَاءِ الْمَذْکُوْرِ بِالْمُحْسِنِیْنَ اِشْعَارٌ بِعِلِّیَّۃِ الْاِحْسَانِ لَہٗ وَتَنْبِیْہٌ عَلٰی اَنَّہٗ سُبْحَانَہٗ اِنَّمَا اٰتَاہُ مَا اٰتَاہُ لِکَوْنِہٖ مُحْسِنًا فِیْ اَعْمَالِہٖ مُتَقِیًّا فِیْ عُنْفُوَانِ اَمْرِہٖ ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ‘‘ کہ جزاء مذکور کا محسنین کے ساتھ معلق کرنا بتاتا ہے کہ احسان اس درجہ کے لیے بطور علّت کے ہے اور اس میں آگاہ کیا گیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ دیا ہے وہ اسی لیے دیا ہے کہ آپ اپنے اعمال میں محسن تھے اور اپنی زندگی میں تقویٰ شعار تھے۔ فرمایا احسان کی جزاء احسان ہی ملتی ہے۔"

حضرت امام رازی اسی آیۃ کے ماتحت لکھتے ہیں: "والمقصود بیان ان جمیع ما فاز بہ من النعم کان کالجزاء علی صبرہ علی تلک المحن" (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۱۱۴) کہ اس فرمان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام نعمتیں جو آپ کو حاصل ہوئیں وہ تکالیف پر صبر کی جزاء کے طور پر تھیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ موہبۃ یا فضل کا لفظ بتاتا ہے کہ نبوت کے حصول کے لیے کسی کوشش کسی صلاحیت اور کسی روحانی پاکیزگی کی ضرورت نہیں تو یہ غلط ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ (سورۃ الشوریٰ ایت ۴۹) کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔" اس میں اولاد کے متعلق موہبۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر کیا اولاد کے حصول کے لیے شادی کی ضرورت نہیں ہے یا کسی اور کوشش کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح جنت کی نعماء کے متعلق علماء اہل السنۃ والجماعۃ میں سے اکثریت اس بات کی قائل ہے۔ "انّ نعیم الجنّۃ تفضّلٌ محضٌ" (التفسیر الکبیر جزء ۸ ص۹۷) کہ جنت کی نعمتیں محض الٰہی فضل ہے۔" تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ان نعماء کے حصول کے لیے اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں۔

پس گو نبوت موہبۃ اور فضل محض ہے، لیکن اس موہبۃ اور فضل کے جذب کرنے کے لیے بھی اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ، روحانی پاکیزگی اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ کس صورت میں ہوں، کس حد تک ہوں اور ان پر کیسی اور کونسی جزاء دی جائے اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے اور کب کسی کو منصب نبوت و رسالت عطا ہوگا وہ بھی وہی جانتا ہے۔ انسان کو نہ اس کا علم ہے نہ یہ حق اسے دیا گیا ہے۔

اگر روحانی پاکیزگی اور اخلاق فاضلہ اور صلاحیت باطنی کا نبوت سے کوئی تعلق نہیں تھا تو انبیاء کرام کیوں نبوت سے پہلے عبادت الٰہی میں منہمک رہے اور کیوں ان کی قبل از دعویٰ پاک زندگی کو ان کی سچائی کے لیے بطور دلیل پیش کیا گیا۔"

علامہ رشید رضاء اپنی مشہور کتاب "الوحی المحمدی" ص۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

اَمَّا اخْتِلَاءُهٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَعَبُّدُہٗ فِی الْغَارِ عَامَ الْوَحْیِ فَلَا شَكَّ فِیْ اَنَّهٗ كَانَ عَمَلًا كَسْبِیًّا مُقَوِّیًا لِذٰلِكَ الْاِسْتِعْدَادِ الْفِطْرِیِّ وَلِذٰلِكَ الْاِسْتِعْدَادِ السَّلْبِیِّ مِنَ الْعُزْلَةِ وَعَدَمِ مُشَارَكَةِ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ شَیْءٍ مِنْ عِبَادَاتِهِمْ وَلَا عَادَاتِهِمْ " کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی اترنے کے سال خلوت میں رہنا اور غار میں جاکر عبادت کرنا، ایک کسبی عمل تھا جو آپ کی استعداد فطری کو تقویت بخشنے والا تھا اور آپ کی اس سلبی استعداد کو بھی یعنی علیحدگی اور مشرکین کی عبادات اور عادات میں شریک نہ ہونا "

معلوم ہوا کہ فطری استعداد کو تقویت دینے کے لیے عمل کی ضرورت ہوتی ہے، حتیٰ کہ سیدالمرسلین خاتم النبیین نے بھی عبادت الٰہی کے لیے خلوت اختیار کی اور قوم سے الگ تھلگ ہو کر مناجات الٰہی کے لیے موقع حاصل کیا، اور اسی عبادت کے دوران آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا ۔

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے!

بعثت انبیاء کی اغراض

۱۱۔ نبی کیوں مبعوث کیا جاتا ہے اس کی کیا اغراض ہوتی ہیں یہ بھی ایک اہم سوال ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی نسل (عرب) میں سے ایک عظیم الشان نبی بھیجنے کی درخواست کی تو ان الفاظ میں کی ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۳۰)

کہ اے ہمارے رب! تو ان میں ایک رسول مبعوث فرما جو تیرے نشانات (معجزات) ان کو پڑھ کر سنائے اور انھیں تیری کتاب سکھائے اور احکام کی حکمت بتائے اور انھیں پاکباز انسان بنائے، یقیناً تو غالب اور حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں ایک نبی کی بعثت کی چار اغراض بیان ہوئی ہیں۔ (۱) خدائے تعالیٰ کے نشانات دکھانا (۲) خدائے تعالیٰ کی طرف سے آمدہ تعلیم کو پیش کرنا، (۳) اس تعلیم میں بیان شدہ احکام کے فوائد اور حکمتیں اور تفصیل بیان فرمانا (۴) تلقین اور نیک نمونہ کے ذریعہ انھیں پاکباز انسان بنانے کی کوشش کرنا۔

جب اس دعا کے نتیجہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تو آپ کی بعثت کی

یہی چار اغراض بیان کی گئیں (سورۃ الجمعۃ آیت ۲)، (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴)

انہی اغراض کو علامہ ابو عبداللہ الحلیمی نے ایک اور طرز پر بیان فرمایا ہے۔ حضرت امام رازی زیر آیت لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ لکھتے ہیں:

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَلِيْمِيُّ وَجْهُ الْاِنْتِفَاعِ بِبَعْثَةِ الرُّسُلِ لَيْسَ اِلَّا فِي طَرِيْقِ الدِّيْنِ وَهُوَ مِنْ وُّجُوْهٍ (اَلْاَوَّلُ) اِنَّ الْخَلْقَ جُبِلُوْا عَلَى النُّقْصَانِ وَ قِلَّةِ الْفَهْمِ وَعَدَمِ الدِّرَايَةِ فَهُوَ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَوْرَدَ عَلَيْهِمْ وُجُوْهَ الدَّلَائِلِ وَنَقَّحَهَا وَكُلَّمَا خَطَرَ بِبَالِهِمْ شَكٌّ اَوْ شُبْهَةٌ اَزَالَهَا وَاَجَابَ عَنْهَا (اَلثَّانِيْ) اِنَّ الْخَلْقَ وَاِنْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ خِدْمَةِ مَوْلَاهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ مَا كَانُوْا عَارِفِيْنَ بِكَيْفِيَّةِ تِلْكَ الْخِدْمَةِ فَهُوَ شَرَحَ تِلْكَ الْكَيْفِيَّةَ لَهُمْ حَتّٰى يُقْدِمُوْا عَلَى الْخِدْمَةِ اٰمِنِيْنَ مِنَ الْغَلَطِ وَمِنَ الْاِقْدَامِ عَلٰى مَا لَا يَنْبَغِيْ (وَالثَّالِثُ) اِنَّ الْخَلْقَ جُبِلُوْا عَلَى الْكَسَلِ وَالْغَفْلَةِ وَالتَّوَانِيْ وَالْمَلَالَةِ فَهُوَ اَوْرَدَ عَلَيْهِمْ اَنْوَاعَ التَّرْغِيْبَاتِ وَالتَّرْهِيْبَاتِ حَتّٰى اَنَّهُ كُلَّمَا عَرَضَ لَهُمْ كَسَلٌ اَوْ فُتُوْرٌ نَشَّطَهُمْ لِلطَّاعَةِ وَرَغَّبَهُمْ فِيْهَا (اَلرَّابِعُ) اِنَّ اَنْوَارَ عُقُوْلِ الْخَلْقِ تَجْرِيْ مَجْرَى اَنْوَارِ الْبَصَرِ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ الْاِنْتِفَاعَ بِنُوْرِ الْبَصَرِ لَا يَكْمُلُ اِلَّا عِنْدَ سُطُوْعِ نُوْرِ الشَّمْسِ وَنُوْرُهُ عَقْلِيٌّ اِلٰهِيٌّ يَجْرِيْ مَجْرٰى طُلُوْعِ الشَّمْسِ فَيُقَوِّي الْعُقُوْلَ بِنُوْرِ عَقْلِهٖ وَيُظْهِرُ لَهُمْ مِنْ لَوَائِحِ الْغَيْبِ مَا كَانَ مُسْتَتِرًا عَنْهُمْ قَبْلَ ظُهُوْرِهٖ۔

(التفسیر الکبیر جزء ۳ صـ ۸۹)

کہ علامہ ابو عبداللہ الحلیمی کہتے ہیں کہ انبیاء اور رسولوں کی بعثت سے دین کے متعلق فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور وہ چند وجوہ سے ہوتا ہے (اوّل) اس طرح کہ مخلوق میں طبعی طور پر کمی، قلت فہم اور ناسمجھی کی صفت پائی جاتی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کے دلائل ان کے سامنے پیش کئے اور ان کو واضح فرمایا اور جب بھی ان کے دلوں میں کوئی شک و شبہ گزرتا تو آپ اس کا ازالہ فرماتے اور اس کا جواب دیتے (دوم) لوگ گو جانتے ہیں کہ انھیں اپنے مولیٰ کی خدمت کرنا ضروری ہے، لیکن وہ اس خدمت کے ادا کرنیکا طریق نہیں جانتے تھے۔ پس آپ نے اس خدمت کی کیفیت کو بیان فرمایا تاکہ وہ اس خدمت کو

بجا لاسکیں اس حال میں کہ وہ غلطی سے محفوظ رہیں اور کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں جو نامناسب ہو، (سوم) لوگوں میں طبعاً سستی، غفلت اور ملال کی صفت بھی پائی جاتی ہے تو آپ نے ان کے سامنے مختلف قسم کی ترغیب وترہیب رکھی تاکہ جب کبھی انھیں سستی اور کمزوری کا سامنا ہو تو یہ ترغیب وترہیب انھیں اطاعت احکام الٰہی کے لیے چست و چوبند کر دے اور ان کے اندر شوق اور ولولہ کو اجاگر کر دے (چہارم) انسان کی عقل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آنکھ کا نور اور یہ بات واضح ہے کہ آنکھ کے نور سے کامل طور پر فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جبکہ سورج کا نور بھی پھیلا ہوا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عقلی اور الٰہی سورج کے نور کی طرح ہے پس وہ لوگوں کی عقلوں کو اپنے نور سے تقویت دیتا ہے اور ان کے لیے ان عینی امور کو ظاہر کرتا ہے جو اس کے ظہور سے قبل ان سے پوشیدہ تھے۔"

اس کے ساتھ ایک اور بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے، وہ یہ کہ بعض انبیاء کو اپنی قوم کی اصلاح کے لیے اس وقت بھیجا گیا جب ان میں دو تین قسم کے گناہ پائے جاتے تھے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آتا ہے۔ "اَوَّلُ نَبِیٍّ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ لِیُنْذِرَ النَّاسَ مِنَ الشِّرْكِ" (حاشیہ جلالین للعلامہ احمد الصاوی المالکی جزء ۱ ص۲۲۵) کہ آپ پہلے نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو شرک سے ڈرائیں۔" یہی مضمون (تفسیر الخازن جزء ۱ ص۵۱۵ مطبوعہ مصر زیر آیت انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح) درج ہے۔

حضرت نوح کے زمانہ میں تو وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسْر (سورہ نوح) پانچ مشہور بت تھے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بتوں کی (جیسا کہ روایات میں آتا ہے) باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور بادشاہ بھی مشرک تھا جس کا نتیجہ بموجب اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْكِهِمْ یہ تھا کہ رعیت کا اکثر حصہ بھی شرک میں مبتلا تھا اسی لیے کہیں تو آپ بادشاہ سے مباحثہ کرتے نظر آتے ہیں (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۸) کہیں اپنے خاندان اور قوم سے گفتگو کرتے نظر آتے (سورۃ الانعام آیت ۷۴-۸۰) کبھی اپنی اولاد اور خاندان کو شرک سے بچانے کے لیے اپنے ربّ کریم کے سامنے جھکتے اور دعا کرتے (سورۃ ابراھیم ۳۵-۳۶) کبھی آپ کو آگ میں پھینکے جانے کا واقعہ پیش آتا (سورۃ الصّافات آیت ۸۳-۹۹) کبھی کچھ کبھی کچھ، مگر ان سارے واقعات سے

ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بڑا مرضِ روحانی، شرک ہی تھا جس کی تردید کے لیے آپ کی بعثت عمل میں آئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ شرک کی بیماری کم ہوگئی مگر دوسری اخلاقی امراض بڑھنے لگیں، جن کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، لکھا ہے۔ وَقِيلَ كَانَ اَخْلَاقُ قَوْمِ لُوطٍ مَضْغُ الْعِلْكِ وَتَطْرِيفُ الْاَصَابِعِ بِالْحِنَّاءِ وَحَلُّ الْاِزَارِ وَالصَّفِيرُ وَالْخَذْفُ وَالرَّمْيُ بِالْجُلَاهِقِ وَاللُّوطِيَّةُ" (تفسیر الخازن جزء ۵ ص۱۵۹ مطبوعہ مصر زیر آیت وتاتون فی نادیکم المنکر) یعنی لوط کی قوم کی یہ عادات تھیں گوند چبانا، ہاتھوں پر مہندی لگانا، چادر (دھوتی) کو ڈھیلا کرنا تاکہ زمین پر گھسٹتی رہے، سیٹی بجانا، سر کے بالوں کو سنوارے رکھنا، غلیل چلانا اور لواطت" اور جیسا کہ سورہ عنکبوت آیۃ ۲۹ سے واضح ہوتا ہے۔ ڈاکہ ڈالنا بھی ان کی عادت میں داخل تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (سورۃ الاعراف آیت ۸۴) کہ انھوں نے اپنی قوم کو کہا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی حقیقی معبود نہیں ضرور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آگئی ہے، پس تم پورا کیا کرو ماپ اور تول اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ تم فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد"

آپ کا یہی پیغام سورہ ہود اور سورہ شعراء میں بیان فرمایا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کا بڑا اور اہم مقصد یہی چند امور تھے۔

پس نبی کی بعثت کی غرض یہ ہوئی کہ وہ (۱) خدا تعالیٰ کے نشانات اور اس کی طرف سے دیئے گئے معجزات لوگوں کے سامنے پیش کرے تاکہ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور توحید پر یقین پیدا ہو، (۲) خدا تعالیٰ کی سچی تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کرے اور اگر نئی تعلیم نہ لایا ہو تو پہلے منسوخ نبی کی تعلیم پر عمل کرنے کی لوگوں کو ترغیب دے (۳) لوگوں کے اخلاق اور تمدن کی اصلاح کرے۔ (۴) خدا تعالیٰ کی تعلیم کی حکمتیں اور اس پر چلنے کے فوائد بیان کرے۔

اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر چونکہ اس کتابچہ میں اختصار مدنظر ہے اس لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دعویٰ کے متعلق تفصیل کا تدریجی علم

۱۲۔ نبی کے متعلق یہ امر بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اسے اس کے دعویٰ کے متعلق یکدم ہی تمام تفاصیل سے مطلع نہیں کیا جاتا، بلکہ دعویٰ کی تفصیل یا یوں کہہ لیجئے کہ دعویٰ کے متعلق تفصیلی علم آہستہ آہستہ اسے دیا جاتا ہے، چونکہ اس کے لیے واضح مثال ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اس لیے آپ ہی کے متعلق کچھ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ قریباً چالیس سال کی عمر تک آپ نبی تو تھے مگر آپ کو اپنی نبوت کا علم ہی نہ تھا حضور نے خود فرمایا ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (الطبرانی عن ابن عباس الجامع الصغیر لفظ ک) کہ ابھی آدم پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ میں نبی تھا" مگر آپ کو چالیس سال تک اس کا علم تک نہ ہوا۔

۲۔ اس کے بعد آپ کو رؤیائے صادقہ سے مشرف کیا گیا اور آپ چھ ماہ تک مختلف قسم کی رؤیا دیکھتے رہے، چونکہ آپ کی نبوت کا کل زمانہ تیئیس[۲۳] سال تھا، اس لیے رؤیا کا زمانہ چھیالیسواں حصہ بنتا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے خود فرمایا ہے کہ رؤیا صادقہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے حضرت شیخ عبدالوہاب الشعرانی نے یہ سوال اٹھا کر کہ رؤیا نبوت کا چھیالیسواں حصہ کیسے ہوا، پھر جواب دیا ہے۔

"اِنَّمَا خُصَّتِ الْاَجْزَاءُ بِھٰذَا الْعَدَدِ لِاَنَّ نُبُوَّتَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَتْ ثَلٰثًا وَّعِشْرِیْنَ سَنَۃً وَ کَانَتْ رُؤْیَاہُ الصَّادِقَۃُ سِتَّۃَ اَشْھُرٍ وَنِسْبَۃُ سِتَّۃِ اَشْھُرٍ اِلَی الثَّلَاثِ وَعِشْرِیْنَ سَنَۃً جُزْءٌ مِّنْ سِتَّۃٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءً" (الیواقیت والجواهر جزء ۲ ص۲۴)

کہ چھیالیس کے ساتھ اجزاء نبوت کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ آپ کی نبوت کا زمانہ تیئیس سال ہے اور آپ کی رویاء صادقہ کا زمانہ چھ ماہ ہے اور چھ ماہ کی نسبت تیئیس سال سے وہی ہے جو ایک جزء کو چھیالیس سے ہے"

(نیز ملاحظہ فرمائیں الفتاوی الکاملیۃ ص۷۲ للشیخ محمد کامل بن مصطفی بن محمود الطرابلسی الحنفی)

۳۔ پھر تیسرا زمانہ آپ پر وہ آیا - مَا مُتَیَزِّبِہٖ عَنْ سَائِرِ الْخَلْقِ مِنْ تَقَلُّبِہِمْ عَنْ

الْاَرجَاسِ وَتَطْهِيْرِهٖ عَنِ الْاَدْنَاسِ " کہ جب آپکو تمام مخلوق سے ممتاز کیا گیا یعنی آپ کو تمام گندوں سے پاک کر دیا گیا اور تمام میلوں سے صاف کر دیا گیا، اسی زمانہ میں حضرت ابوذر غفاری اور حضرت انسؓ کی روایتوں کے مطابق آپ کے پاس جبرئیل اور میکائیل آئے، فَقَالَا يَاَيُّهُمْ اُمِرْنَا اور کہا کہ کس شخص کے متعلق ہمیں حکم ہوا ہے۔ (اعلام النبوۃ للشیخ ابی الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی ص۱۵۱ مطبوعہ مصر)

۴- پھر آپ پر وہ وقت آیا۔ "اَلْبُشْرٰى بِالنُّبُوَّةِ مِنْ مَلَكٍ اَخْبَرَهٗ بِهَا عَنْ رَبِّهٖ وَاخْتَصَّتْ بُشْرَاهُ بِالْاِشْعَارِ وَتَجَرَّدَتْ عَنْ تَكْلِيْفٍ وَاِنْذَارٍ لَمْ يَسْمَعْ بِهَا وَحْيًا وَلَا رَاٰى مَعَهَا شَخْصًا" (اعلام النبوۃ ص۱۵۸) کہ جب آپ کو نبوت کی بشارت دی گئی ایک فرشتہ کے ذریعہ اور وہ بشارت صرف احساس کے ساتھ ہی خاص تھی، اس میں نہ آپ کو کوئی حکم دیا گیا اور نہ ہی قوم کو کوئی انذار کیا گیا نہ اس کے ساتھ آپ نے کوئی وحی سنی اور نہ کسی شخص (فرشتے) کو دیکھا"

رَوَى الشَّعْبِيُّ وَدَاوُدُ بْنُ عَامِرٍ اَنَّ اللهَ تَعَالٰى قَرَنَ اِسْرَافِيْلَ بِنُبُوَّةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ سِنِيْنَ يَسْمَعُ حِسَّهٗ وَلَا يَرٰى شَخْصَهٗ وَيُعَلِّمُهُ الشَّيْئَ بَعْدَ الشَّيْئِ فَكَانَ فِيْ هٰذِهِ الْمُدَّةِ مُبَشَّرًا بِالنُّبُوَّةِ "

(اعلام النبوۃ ص۱۵۸) کہ شعبی اور داؤد نے روایۃ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ اسرافیل کو لگائے رکھا آپ اس کی آواز تو سنتے مگر اس کے وجود کو دیکھ نہ سکتے تھے وہ آپ کو کچھ کچھ سکھاتا رہتا اور اس مدت میں آپ کو نبوت کی بشارت دی جا چکی تھی "

۵- اس کے بعد پھر کیا ہوا ؟ نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيْلُ بِوَحْيِ رَبِّهٖ حَتّٰى رَاٰى شَخْصَهٗ وَسَمِعَ مُنَاجَاتَهٗ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ نَبِيُّ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ وَاقْتَصَرَ بِهٖ عَلَى الْاِخْبَارِ وَلَمْ يَاْمُرْهُ بِالْاِنْذَارِ " (اعلام النبوۃ ص۱۶۱) آپ پر جبریل خدا تعالیٰ کی وحی لیکر نازل ہوتے یہاں تک کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس کی باتوں کو سنا پس اس نے آپ کو خبر دی کہ آپ خدا کے نبی اور رسول ہیں اور صرف یہی خبر دینے پر حصر کیا اور آپ کو انذار کا حکم نہیں دیا"

چونکہ ایسا نظارہ آپ کو پہلے پہل نظر آیا تو آپ کچھ گھبرا گئے اور کچھ سمجھ نہ پائے۔

علامہ رشید رضا مفتی مصر لکھتا ہے: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ حَالٍ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ (ص) لَمْ يَفْهَمْ مِنْ هٰذِهِ الرُّؤْيَةِ اَنَّهٗ صَارَ نَبِيًّا وَلَا اَنَّ الَّذِيْ رَاٰهُ هُوَ مَلَكُ الْوَحْيِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُؤَيِّدُ ذٰلِكَ مَسْئَلَةُ وَرَقَةَ۔ (الوحی المحمدی ص۴۵) کہ یہ واقعہ بہرحال یہ بتاتا ہے کہ اس نظارہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ سمجھ سکے کہ آپ نبی بن گئے ہیں اور نہ یہ سمجھے کہ جسے آپ نے دیکھا تھا وہ وحی لانے والا فرشتہ جبریل ہے۔ اس بات کی تائید ورقہ کے پاس جاکر پوچھنے سے بھی ہوتی ہے۔"

جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ بن نوفل کے پاس گئے اور ساری بات کہہ سنائی تو علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "فَلَمَّا سَمِعَ كَلَامَهٗ اَيْقَنَ بِالْحَقِّ وَاعْتَرَفَ بِهٖ" کہ ورقہ کی بات سننے کے بعد آپ نے حق کا یقین کیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا۔"

۶۔ اس کے بعد اور ترقی ہوئی۔ اَنْ اُمِرَ بَعْدَ النُّبُوَّةِ بِالْاِنْذَارِ فَصَارَ بِهٖ رَسُوْلًا وَنَزَلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ بِالْاَمْرِ وَالنَّهْيِ فَصَارَ بِهٖ مَبْعُوْثًا وَلَمْ يُؤْمَرْ بِالْجَهْرِ وَعُمُوْمِ الْاِنْذَارِ۔ (اعلام النبوۃ ص۱۶۲)

آپ کو نبوت کے بعد انذار کا حکم دیا گیا، پس آپ اس کی وجہ سے رسول بن گئے، اور آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوا جس میں کچھ کرنے کا اور کچھ نہ کرنے کے متعلق تعلیم تھی اس طرح آپ مبعوث ہوئے، لیکن ابھی آپ کو اعلان اور عام انذار کا حکم نہ ہوا تھا۔"

علامہ شبلی نعمانی اپنی "سیرۃ النبی" جزء اوّل ص۱۴۸) پر تحریر فرماتے ہیں کہ "تین برس تک نہایت راز داری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔" گویا آپ کو ابھی یہ علم نہ دیا گیا تھا کہ آپ کو علی الاعلان اشاعت حق کرنا ضروری ہے۔

۷۔ اس کے بعد ایک اور انکشاف ہوتا ہے: "اَنْ اُمِرَ اَنْ يَّعُمَّ الْاِنْذَارَ بَعْدَ خُصُوْصِهٖ وَيَجْهَرَ بِالدُّعَاءِ اِلَى الْاِسْلَامِ بَعْدَ اِسْتِسْرَارِهٖ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ فَجَهَرَ بِالدُّعَاءِ قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ وَذٰلِكَ بَعْدَ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ مَبْعَثِهٖ وَاُمِرَ اَنْ يَّبْدَاَ بِعَشِيْرَتِهِ الْاَقْرَبِيْنَ۔ (اعلام النبوۃ ص۱۶۳) کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ انذار کو عام کریں اور اب علی الاعلان دعوت اسلام دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن باتوں کا تجھے حکم دیا جاتا ہے انھیں کھل کر لوگوں کے سامنے رکھدے اور مشرکین

مشرکوں سے اعراض کر۔ پس اس حکم کے ماتحت آپ نے علانیہ دعوت اسلام کا کام شروع کیا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ حکم آپ کی بعثت سے تین سال بعد ہوا اور آپ کو حکم ہوا کہ پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو انذار کرو۔"

۸۔ پھر خدا تعالیٰ نے ایک اور حکم فرمایا: "قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸) یعنی تو کہدے اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" اس میں آپ کو ایک اور علم دیا گیا وہ یہ کہ آپ تمام آدم زادوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ سورۃ الاعراف مکی سورتوں میں سے ۳۸ ویں سورۃ ہے (دیکھئے روایت ابن عباس الاتقان جزء ۱ صفحہ ۱۰،۱۱) گویا ۳۷ سورتیں نازل ہونے کے بعد آپ کو یہ علم دیا گیا۔

۹۔ باوجود اس کے پھر بھی آپ یہ فرما رہے تھے۔ لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى (حدیث بخاری مسلم) "مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔"

ایک دفعہ آپ کو کسی نے خَيْرُ النَّاسِ کہا کہ آپ سب لوگوں سے افضل ہیں تو آپ نے فرمایا ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ (صحیح مسلم)

۱۰۔ اس کے بعد سورۃ الاحزاب نازل ہوئی جس میں آپ کو "خاتم النبیین" قرار دیا گیا (آیت ۴۰) یعنی درجات عالیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے تو آپ کا درجہ سب سے بلند اور سب سے آخری ہے اور سب سے آخر میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (آیت: ۳) کہ اب میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا گویا آپ کو علم دیا گیا کہ آپ سب انبیاء سے اعلیٰ و افضل ہیں اور آپ کا دین سب سے کامل اور غیر منسوخ ہے۔

پس دعویٰ کے متعلق تفصیلی علم آپ کو تدریجی طور پر دیا گیا، لیکن باوجود اس کے ہم ایمان لاتے ہیں: وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَزَلْ اَفْضَلَ وُلْدِ آدَمَ قَبْلَ اَنْ يَعْلَمَ بِذَالِكَ وَبَعْدَهُ" (جلاء الافہام لابن القیم صفحہ ۲۱۵) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام آدم زاد سے افضل تھے پہلے اس کے بھی کہ آپ کو اس کا علم ہو اور اس کے بعد بھی۔" ممکن ہے کہا جائے کہ یہ تو ایک مثال ہے اس سے اس دعویٰ کا ثبوت نہیں مل سکتا کہ دعویٰ کا

تفصیلی علم تدریجاً ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کا یہ مسلمہ اصل ہے "اَلْحُکْمُ الْمُثْبَتُ لِلْمَاهِيَّةِ يَكْفِيْ فِيْ صِدْقِهٖ ثُبُوْتُهٗ فِيْ فَرْدٍ وَّاحِدٍ مِّنْ اَفْرَادِ الْمَاهِيَّةِ" (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۴۱۵) کہ اگر ماہیت کے لیے حکم ثابت کیا جا رہا ہو تو اس کی سچائی کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ماہیت کے افراد میں سے کسی ایک فرد میں پایا جائے۔"

پس جب "تدریجی علم" کا ثبوت ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مل گیا تو اس حقیقت کے ثبوت کے لیے یہی کافی و وافی ہے۔ پھر خود دانشور اس بات کے قائل ہیں "اَلْحَكِيْمُ لَا يَأْتِيْ بِالْاَمْرِ الْعَظِيْمِ اِلَّا بِالتَّدْرِيْجِ (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۶۴۳) یعنی دانا اور صاحب حکمت انسان بڑی بات کو تدریجاً پیش کرتا ہے" اور خدا تعالیٰ تو سب سے بڑا حکیم ہے۔

نبی کی ذات میں عوارضِ بشریہ

۱۲۱۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ نبی ایک بلند مرتبہ شخصیت ہوتی ہے اس لیے اس کی ذات میں وہ عوارض نہیں پائے جانے چاہئیں جو عام لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

مگر یہ خیال قطعاً غلط ہے کیونکہ جب کفار نے رسولوں سے کہا: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ تم تو ہماری طرح بشر ہی ہو" تو رسولوں نے یہ جواب نہیں دیا کہ تم غلط کہتے ہو۔ بلکہ یہ جواب دیا، اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورۃ ابراھیم آیت ۱۰-۱۱) کہ بے شک ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور ہمیں نبوت و رسالت سے نوازا ہے۔

علامہ محمد امین کردی لکھتے ہیں: وَاَمَّا الْجَائِزُ فِيْ حَقِّهِمْ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَالْاَعْرَاضُ الْبَشَرِيَّةُ الَّتِيْ لَا تُنَافِيْ رُتْبَتَهُمُ الْعَلِيَّةَ (تنویر القلوب صفحہ ۳۲) کہ انبیاء کے حق میں یہ جائز ہے کہ ان میں وہ اعراض بشریہ پائی جائیں جو ان کے مرتبہ عالیہ (نبوت) کے منافی نہیں۔"

۱۔ پس جب ان میں بشریت پائی جاتی ہے تو یقیناً ان میں بشریت کے عوارض بھی پائے جانے جائز ہیں۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء آیت ۸) یعنی نہیں دیئے تھے ہم نے ان کو ایسے جسم جو کھاتے پیتے نہ ہوں اور نہ وہ لمبی عمریں پانے والے تھے۔"

عیاں ہے کہ سب انبیاء کھانے پینے کے محتاج تھے اور اسی طرح محتاج تھے جس طرح دوسرے تمام انسان اور اسی طرح موت کا شکار ہوتے رہے جس طرح دوسرے عام لوگ ۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (سورۃ الشعراء آیت ۸۰) کہ وہ کہتے تھے کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو میرا رب مجھے اس مرض سے شفا بخشتا ہے۔" اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیمار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت ایوب کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ہمیں پکارا اور کہا اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ (سورۃ الانبیاء آیت ۸۳) کہ مجھے سخت دُکھ لاحق ہو چکا ہے۔" روایات میں آتا ہے کہ ایک شیطان جس کا نام مبسوط تھا وہ حضرت ایوب کے دُکھ کا باعث تھا (تفسیر ابن کثیر جزء ۳ صفحہ ۱۸۹) اس کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام کو عجیب قسم کی بیماری لاحق ہوئی، لکھا ہے فَنَفَخَ (ابلیس) فِیْ مَنْخَرَیْهِ اِشْتَعَلَ مِنْهَا جَسَدُهٗ فَخَرَجَ مِنْهَا ثَاٰلِیْلُ مِثْلُ اَلْیَاتِ الْغَنَمِ وَوَقَعَتْ فِیْهِ حِکَّةٌ فَحَکَّ بِاَظْفَارِهٖ حَتّٰی سَقَطَتْ کُلُّهَا ثُمَّ حَکَّهَا بِالْمُسُوْحِ الْخَشِنَةِ حَتّٰی قَطَعَهَا ثُمَّ حَکَّهَا بِالْفَخَّارِ وَالْحِجَارَةِ الْخَشِنَةِ فَلَمْ یَزَلْ کَذٰلِکَ حَتّٰی تَقَطَّعَ جَسَدُهٗ وَاَنْتَنَ فَاَخْرَجَهٗ اَهْلُ الْقَرْیَةِ وَجَعَلُوْهُ عَلٰی کُنَاسَةٍ وَجَعَلُوْا لَهٗ عَرِیْشًا وَهَجَرَهُ النَّاسُ کُلُّهُمْ اِلَّا زَوْجَتُهٗ رَحْمَةُ بِنْتُ اِفْرَائِیْم۔"

(حاشیۃ الجلالین للعلامہ احمد الصاوی المالکی جزء ۳ صفحہ ۴۳)

کہ شیطان نے آپ کے نتھنوں میں پھونک ماری جس سے آپ کا بدن بھڑک اٹھا اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے پھوڑے جو دُنبوں کی دُم کی طرح بڑے تھے نکل آئے اور جسم میں سخت کھجلی شروع ہو گئی پہلے آپ نے ناخنوں سے کھجلانا شروع کیا حتیٰ کہ وہ گر گئے۔ پھر سخت ٹاٹ ایکہ کھجلایا کرتے یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے، پھر ٹھیکریوں اور سخت پتھروں کو استعمال کرتے رہے، مگر کھجلی میں کمی نہ آئی حتیٰ کہ آپ کا تمام بدن کٹ گیا اور بدبودار ہو گیا جس کی وجہ سے گاؤں والوں نے آپ کو نکال باہر کیا اور ایک رُوڑی پر ڈال دیا اور ایک چھت بنا دی اور سوائے آپ کی بیوی رحمۃ بنت افرائیم کے سب نے آپ سے قطع تعلق کر لیا۔"

ہم اس واقعہ سے متفق نہیں کیونکہ ایک نبی کو ایسی نفرت انگیز بیماریوں سے محفوظ رکھا

جاتا ہے، تاہم ہم نے یہ واقعہ صرف اس لیے بیان کیا ہے، تا معلوم ہو جائے کہ علماءِ اسلام خود مانتے ہیں کہ ایسے خطرناک امراض بھی نبی کو لاحق ہو سکتے ہیں۔

۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق مفسرین کہتے ہیں کہ آخری عمر میں پہنچکر آپ اندھے ہو گئے، لکھا ہے: کَانَ یُقَالُ لَهُ خَطِیْبُ الْاَنْبِیَاءِ وَبُعِثَ رَسُوْلًا اِلٰی اُمَّتَیْنِ مَدْیَنَ وَاَصْحَابِ الْاَیْکَةِ وَکَانَ کَثِیْرًا لصَّلَاةِ وَعَمِیَ فِیْ اٰخِرِ عُمْرِہٖ۔" (الاتقان جزء ۲ صفحہ ۱۳۹) کہ آپ کو "خطیب الانبیاء" کہا جاتا تھا اور آپ کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ مدین اور اصحاب الایکہ اور آپ بہت نماز گزار تھے اور آخری عمر میں آپ اندھے ہو گئے تھے۔"

نبی اگر اندھا ہو جائے تو وہ اپنا اہم فریضۂ تبلیغ کما حقہٗ کیسے ادا کر سکتا ہے، لیکن ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نبی اندھا بھی ہو سکتا ہے۔

۵۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے: وَکَانَتْ اِحْدٰی عَیْنَیْهِ اَعْظَمَ مِنَ الْاُخْرٰی۔" (الاتقان جزء ۲ صفحہ ۱۳۸) کہ آپ کی ایک آنکھ بڑی تھی اور ایک چھوٹی تھی۔" حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی نہ تھی لکھا ہے۔

۶۔ اِنَّهٗ لَمْ یَکُنْ لَهٗ لِحْیَةٌ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّمَا کَانَتِ اللُّحٰی بَعْدَ اٰدَمَ علیہ الصلوٰۃ والسلام" (الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۶ مطبوعہ مصر) کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی تھی ہی نہیں۔ ڈاڑھیاں آپ کے بعد پیدا ہوئیں۔"

۷۔ نبی شادی بھی کرتا ہے اور یہ کوئی معیوب بات نہیں، معیوب بات تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اپنے محل پر استعمال نہ کیا جائے، اگر ان قوتوں کو خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت استعمال کیا جائے تو یہ ایک خوبی ہے، یہودی مذہب میں شادی کو "پاک فرائض" میں شمار کیا جاتا تھا، چنانچہ پادری جان ٹامس صاحب مدرس مدرسہ علم الٰہی دہلی اپنی کتاب "احسن القصص" حصہ دوم باب سوم صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ میتھوڈسٹ پبلشنگ ہوس لکھنو میں لکھتے ہیں، "شادی کرنا یہودیوں کے نزدیک "پاک فرائض" سے سمجھا جاتا تھا اور مجرّد رہنا بڑی حقارت کی بات سمجھتے تھے۔"

خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّةً (سورۃ الرعد آیت ۳۸) اور ضرور بھیجے ہم نے تجھ سے

پہلے کئی رسول اور ہم نے بنائی ان کے لیے بیویاں اور اولاد"

۸- بعض روایات کی بناء پر یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ نبی جمائی نہیں لیتا چنانچہ لکھا ہے "اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ علیہم الصلوٰۃ والسلام مَا تَثَاءَبُوْا قَطُّ (القول الجامع المبین ص۱۱ مطبوعہ مطبعہ اعلامیہ مصر) کہ انبیاء نے کبھی جمائی نہیں لی"۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو جمائی لینے سے نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑ جاتا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سُستی اور کاہلی معیوب امر ہے اس لیے سستی اور کاہلی کی وجہ سے کوئی نبی جمائی لے تو معیوب سا معلوم ہوتا ہے، مگر یہ کہنا کہ جمائی لینا نبوت کے منافی ہے ہرگز ہرگز درست نہیں، کیونکہ قرآن کریم اور حدیث صحیح سے یہ بات ثابت نہیں۔

۹- ایسے ہی بعض روایات کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ نبی کو احتلام نہیں ہوتا لکھا ہے "وَالْاِحْتِلَامُ عَلَى الْاَنْبِیَاءِ غَیْرُ جَائِزٍ لِاَنَّہٗ مِنْ تَلَاعُبِ الشَّیْطَانِ وَلَا سُلْطَانَ لَہٗ عَلَیْہِمْ۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام للامیر الیمنی الصنعانی جزء اص۵۲) احتلام انبیاء کو ہونا جائز نہیں کیونکہ احتلام میں شیطان انسان سے کھیلتا ہے اور شیطان کو انبیاء پر تسلط نہیں ہوتا"

اگر تو صرف شہوانی خیالات سے احتلام ہو تو اس سے انبیاء فی الحقیقت پاک ہوتے ہیں لیکن احتلام کا سبب صرف شہوانی خیالات کا غلبہ ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ "قبض" یا "بدہضمی" یا "پیٹ میں کیڑوں" کی وجہ سے بھی احتلام ہو جاتا ہے (دیکھئے مخزن حکمت ص۱۲۷۹ طبع سوم تصنیف "خان صاحب" ڈاکٹر و حکیم غلام جیلانی "شمس الاطباء" ۱۹۱۶ء) پس قبض یا بدہضمی یا پیٹ کے کیڑوں کی وجہ سے یا سردی وغیرہ کی وجہ سے ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے۔ "قَالَ کَعْبُ الْاَحْبَارِ اِحْتَلَمَ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاخْتَلَطَ مَاءُہٗ بِالتُّرَابِ فَاَسِفَ فَخُلِقُوْا مِنْ ذٰلِکَ" (الکوکب الاحوج ص۳۴ للسید علوی بن السید احمد السقاف) کہ کعب کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو احتلام ہوا تو آپ کا پانی (منی) مٹی سے مل گیا جس پر انھیں افسوس ہوا تو اس سے یاجوج ماجوج پیدا کر دیئے گئے۔

۱۰- بشریت کا تقاضا ہے کہ انسان بھول جاتا ہے یا غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لیے نبی کا بھول جانا یا کسی غلطی میں پڑ جانا کوئی قابل تعجب امر نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ (رواہ ابن ماجہ عن ابن مسعود الجامع الصغیر

جزء ۱ صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر) کہ میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھولتا ہوں"۔
ایک دوسری حدیث میں فرمایا: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَ اَنْتُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ (الحدیث)
(بخاری و مسلم ۔ الجامع الصغیر جزء ۱ صفحہ ۱۲۰) کہ میں ایک بشر ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے کوئی اپنی دلیل اور حجت دوسرے سے فریق کی نسبت زیادہ اچھی طرح ادا کرے تو دلائل سننے کے بعد میں اس کے حق میں فیصلہ دیدوں۔ پس جس کے لیے میں کسی دوسرے مسلمان کا حق دینے کا فیصلہ دیدوں تو وہ یقیناً آگ کا ٹکڑا ہوگا۔ چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے"۔

تو گویا ایسے امور میں جن کے متعلق خدا تعالیٰ کا کوئی صریح حکم نہ ہو نبی فیصلہ دینے میں بھی غلطی کر سکتا ہے۔ پیشگوئیوں کے متعلق ایسی غلطی کا اور زیادہ احتمال ہوتا ہے چنانچہ جب حضور پُرنور کو رویا میں دکھایا گیا کہ آپ مکہ میں کامیابی کے ساتھ داخل ہوئے ہیں تو آپ اسی وقت مدینہ سے روانہ ہونے کے لیے تیار ہوگئے، لیکن جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو کفار نے آپ کو وہاں روک لیا اور مجبوراً آپ کو صلح کر کے واپس آنا پڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہمیں مکہ میں داخل ہونے کا وعدہ نہیں دیا گیا تھا؟ حضور نے فرمایا رؤیا میں اس سال کی تعیین نہ تھی۔ یہ ہمارا اجتہاد ہی تھا (دیکھئے فتح الباری جزء ۵ صفحہ ۲۵۵)

شرح عقائد نسفیہ کی شرح نبراس میں ہے "اِنَّ النَّبِیَّ قَدْ یَجْتَہِدُ فَیَکُوْنُ خَطَأً کَمَا ذَکَرَہُ الْاُصُوْلِیُّوْنَ کہ نبی کبھی اجتہاد کرتا ہے تو وہ غلط ہوتا ہے جیسے کہ اصولیوں نے اس کا ذکر کیا ہے"۔ لیکن یاد رکھیئے کہ خدا تعالیٰ اسے ایسی غلطی نہیں کرنے دیتا جس سے اس کی قوم کو ہلاک ہونیکا خدشہ ہو اور نہ ہی کسی حکم کے متعلق غلطی پر اسے ہمیشہ کے لیے قائم رہنے دیتا ہے۔

۱۱۔ نبی موت و فوت سے بھی بری نہیں وہ بھی عام انسانوں کی طرح پیدا ہوتے اور آخر فوت ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّہُمْ مَّیِّتُوْنَ (سورۃ الزمر آیت ۳۰) کہ اے نبی تو بھی مریگا اور یہ کافر لوگ بھی مرینگے"۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: " وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ (سورۃ ال عمران آیت ۱۴۴) کہ محمد ایک رسول ہیں آپ سے پہلے تمام رسول گزر گئے"۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو کئی صحابہ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ حضور پُرنور وفات پا گئے ہیں۔ اس پر تمام صحابہ کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی جس سے

ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور آپ سے پہلے تمام انبیاء بھی فوت ہو گئے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ پہلا اجماع تھا جو حضور پرنور کے بعد ہوا اور اجماع صحابہ حجت ہے، لکھا ہے "اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ حُجَّةٌ بِلَا خِلَافٍ (ارشاد الفحول للشوکانی صـ۷۲) کہ اجماع صحابہ بالاتفاق حجت مانا گیا ہے" اور کوئی اجماع اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ اجماع خیر القرون کو کوئی منسوخ نہیں کر سکتا، چنانچہ نقل کیا صاحب تنقید نے عضدی سے اَلْاِجْمَاعُ لَا یُنْسَخُ وَلَا یُنْسَخُ بِہٖ" (تحفۃ الاخوان تصنیف مولانا محمد عبید اللہ صاحب صـ۳۵) کہ اجماع نہ منسوخ ہو نہ ناسخ" پس تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں قرآن کریم یا احادیث صحیحہ میں کسی نبی کا اس امر میں کوئی استثناء ثابت نہیں ہے۔ نہ موسیٰؑ کا نہ عیسیٰؑ کا نہ کسی اور کا۔ یوں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو ایک قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے جو دوسروں کو مرنے کے بعد حاصل نہیں ہوتی۔ علامہ محمد بخیت سابق مفتی مصر لکھتے ہیں: اِنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ حَیٌّ فِی الدَّارَیْنِ" (توفیق الرحمٰن صـ۱۳۵) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہاں میں زندہ ہیں"

علامہ محمد یوسف النبہانی لکھتے ہیں۔ "اَمَّا الْاَنْبِیَاءُ علیھم الصلوٰۃ والسلام فَلِاَنَّھُمْ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ (شواھد الحق صـ۵۶) کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں" نیز (غایۃ الامانی جزء ۱ صـ۳۸ للعلامۃ الشیخ ابی المعالی الشافعی السلمی) ملاحظہ ہو۔

علامہ ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں: "اَلْاَنْبِیَاءُ صَلَوَاتُ اللہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْھِمْ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ" (الفتاوی الحدیثیہ صـ۲۴۹) کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں"

میں کہتا ہوں حدیث ابن ماجہ کتاب الجنائز کی آخری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے۔ "فَنَبِیُّ اللہِ حَیٌّ یُرْزَقُ کہ آپ زندہ ہیں اور آپکو رزق دیا جاتا ہے" مگر باوجود اسکے کوئی محقق عالم قائل نہیں کہ آپ کی زندگی ہمارے جیسی ہے بلکہ علماء اسلام نے بصراحت لکھا ہے: "حَیَاۃُ الْاَنْبِیَاءِ بَرْزَخِیَّۃٌ لَا یَعْلَمُ حَقِیْقَتَھَا اِلَّا اللہُ" (کتاب ما لابد منہ للشیخ ابی بکر بن محمد عارف خوقیر صـ۳۵) کہ حیاۃ الانبیاء برزخی ہے اور سوائے اللہ کے اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا"

۱۲۔ بات کچھ لمبی ہوگئی ہے، لیکن پھر بھی ایک بات کا ذکر کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ گو انبیاء انسان ہی ہوتے ہیں مگر وہ پاک باز ہوتے ہیں اور اخلاقِ حسنہ کا نمونہ ہوتے ہیں، انھیں تزکیۂ نفوس کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اس لیے ان میں کوئی روحانی گند یا اخلاقی عیب نہیں پایا جاتا، لکھا ہے: "فَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ مُنَزَّھُوْنَ عَنْ جَمِیْعِ الرَّذَائِلِ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاللَّھْوِ وَاللَّغْوِ وَسَائِرِ الْاَخْلَاقِ الذَّمِیْمَۃِ کَمَا اَنَّھُمْ مُبَرَّؤُوْنَ مِنْ لُؤْمِ النَّسَبِ وَشَرَہِ الْقَلْبِ وَحِرْصِ النَّفْسِ عَلَی الدُّنْیَا (لوائح الانوار البھیۃ للامام محمد بن احمد السفارینی جزء ۲ ص۲۵۵) کہ انبیاء کرام تمام ذلیل صفات مثلاً بخل، بزدلی، لہو اور لغو اور تمام برے اخلاق سے پاک ہوتے ہیں جیسے کہ وہ ذلیل نسب، دنیا کی طرف دل کے شدید میلان اور نفس کی حرص سے پاک کیے جاتے ہیں۔" (نیز ملاحظہ ہو تنویر القلوب ص۳۱)

مختلف دعاوی اور نام

۱۴۔ طبائع مختلف ہوتی ہیں، اس لیے بعض لوگ حیران ہوتے ہیں کہ انبیاء اپنی طرف مختلف دعوے اور صفات کیوں منسوب کرتے ہیں شاید ان کا ایسا کرنا تکبر کی علامت ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال قطعاً بے بنیاد ہے امام رازی فرماتے ہیں: "فَاِقْدَامُ الْاَنْبِیَاءِ عَلٰی دَعْوَی النُّبُوَّۃِ لَیْسَ الْغَرْضُ مِنْہُ تَعْظِیْمُ النَّفْسِ بَلِ الْمَقْصُوْدُ مِنْہُ اِظْھَارُ الشَّفْقَۃِ عَلَی الْخَلْقِ حَتّٰی یَنْتَقِلُوْا مِنَ الْکُفْرِ اِلَی الْاِیْمَانِ (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۴۶۸) یعنی انبیاء کا دعویٰ نبوت پر آمادہ ہونا اپنے آپ کو بڑا بنانے کی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد صرف اظہارِ شفقت علی الخلق ہوتا ہے تاکہ وہ کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہو جائیں۔"

یہ لوگ بے نفس ہوتے ہیں، انھیں دنیا کی عزت و عظمت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا وہ گوشہ نشینی کو پسند کرتے اور صرف ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چاہتے ہیں، لیکن خدائے تعالیٰ انھیں حکم دیتا ہے کہ باہر نکلو اور میرے بندوں کی اصلاح کرو پھر وہ جو کچھ خدا کے نام پر پیش کرتے ہیں وہ اسی کے حکم سے پیش کرتے ہیں اور بن بلائے نہیں بولتے۔

۱۔ رہے مختلف دعاوی۔ اور مختلف نام اور صفات، تو وہ بھی خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اور مختلف اعتبارات سے ہوتے ہیں مثلاً اسے

۱۔ نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ غیب کی اہم خبریں بکثرت دیتا ہے۔

۲۔ رسول اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے اس کام کے لیے مامور کیا جاتا ہے۔

۳۔ بشیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مومنوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ تمہیں خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات حاصل ہونگی۔

۴۔ نذیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ منکرین کو انتباہ کرتا ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔

۵۔ مُطَاع اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہر ایک جسے وہ مخاطب کرتا ہے اس پر اس نبی کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔

۶۔ امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

۷۔ صدیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صدق و وفا کے اعلیٰ مقام پر ہوتا ہے۔

۸۔ محدث اس لیے کہا جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔

۹۔ مسلم اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کا کامل فرماں بردار ہوتا ہے۔

۱۰۔ صالح اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صلاحیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتا ہے اور اس قابل ہوتا ہے کہ اسے رضاء الٰہی سے نوازا جائے۔ وغیرہ

مدعا یہ ہے کہ مختلف حالات کے زیر نظر ان کو مختلف صفات کا حامل قرار دیا جاتا ہے اور انھیں مختلف نام ملتے ہیں، بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جتنے صفات اللہ تعالیٰ کے ہیں اتنے ہی صفات نبی کے ہوتے ہیں کیونکہ نبی صفات الٰہیہ کا مظہر ہوتا ہے اور ان تمام صفات کا پرتو اس پر پڑتا ہے۔

۲۔ چنانچہ امام ابن القیم اپنی مشہور کتاب زاد المعاد جزء ا فصل فی اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۵ پر لکھتے ہیں وَاَسْمَاءُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم نَوْعَانِ اَحَدُھُمَا خَاصٌّ لَا یُشَارِکُہٗ فِیْہِ غَیْرُہٗ مِنَ الرُّسُلِ کَمُحَمَّدٍ وَاَحْمَدَ وَالْعَاقِبِ وَالْحَاشِرِ وَالْمُقَفِّیْ وَنَبِیِّ الْمَلْحَمَۃِ وَالثَّانِیْ مَا یُشَارِکُہٗ فِیْ مَعْنَاہُ غَیْرُہٗ مِنَ الرُّسُلِ وَلٰکِنْ لَہٗ مِنْہُ کَمَالُہٗ فَھُوَ مُخْتَصٌّ بِکَمَالِہٖ دُوْنَ اَصْلِہٖ کَرَسُوْلِ اللّٰہِ وَنَبِیِّہٖ وَعَبْدِہٖ وَالشَّاھِدِ وَالْمُبَشِّرِ وَالنَّذِیْرِ وَنَبِیِّ الرَّحْمَۃِ وَنَبِیِّ التَّوْبَۃِ وَاَمَّا اِنْ جُعِلَ لَہٗ مِنْ

كُلِّ وَصْفٍ مِنْ اَوْصَافِهٖ اِسْمٌ تَجَاوَزَتْ اَسْمَاءُهٗ الْمِائَتَيْنِ كَالصَّادِقِ وَالْمَصْدُوْقِ وَالرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ اِلٰى اَمْثَالِ ذَالِكَ وَفِيْ هٰذَا قَالَ مَنْ قَالَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ لِلّٰهِ اَلْفَ اِسْمٍ وَلِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفَ اِسْمٍ قَالَهٗ اَبُوالْخَطَّابِ بْنُ دِحْيَةَ وَمَقْصُوْدُهُ الْاَوْصَافُ۔"

"یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام (صفات) دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو آپ کے لیے خاص ہیں ان میں دوسرا کوئی رسول شریک نہیں جیسے محمد، احمد، عاقب، حاشر، مقفّی اور نبی الملحمہ، دوسرے وہ جنمیں دوسرے رسول بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں، لیکن ان میں آپکو کمال حاصل ہے۔ پس ان صفات میں کمال آپ کے لیے خاص ہے نہ کہ اصل صفت جیسے رسول، نبی، عبد، شاہد، مبشر، نذیر، نبیٔ رحمت، نبیٔ توبہ۔

اور اگر آپ کی ہر ایک صفت سے آپ کا نام بنایا جائے تو آپ کے نام دوسو سے بھی تجاوز کر جائینگے، جیسے صادق، مصدوق، رؤوف، رحیم وغیرہ اور اسی کے متعلق کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں اور ایسا کہنے والے ابو الخطاب بن دحیہ ہیں اور نام سے ان کی مراد صفات ہیں۔"

۳۔ پھر امام جلال الدین سیوطی اپنی مشہور کتاب (اکلیل فی استنباط التنزیل) کے آخر میں لکھتے ہیں:

"وَفِي الْقُرْاٰنِ مِنْ اَسْمَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَرِيْحِ الْاِسْمِ سَبْعُوْنَ اِسْمًا۔ کہ قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر نام بصراحت درج ہیں۔"

۴۔ آج کل میں نے دیکھا ہے کہ "تاج کمپنی" کے مطبوعہ اکثر قرآن مجید ایسے ہیں جن کے شروع میں ۹۹ صفاتِ الٰہیہ لکھی ہوتی ہیں اور آخر میں ۹۹ صفات نبی درج ہوتی ہیں۔

۵۔ انبیاء ہی نہیں اس امر میں اولیاء بھی ان کے شریک ہیں، ان سے بھی مختلف دعاوی اور نام ثابت ہیں، چنانچہ الشیخ داؤد بن محمود القیصری فصوص الحکم کی شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اَنَا نُقْطَةُ بَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ، اَنَا جَنْبُ اللّٰهِ الَّذِيْ فَرَّطْتُمْ فِيْهِ وَاَنَا الْقَلَمُ وَاَنَا اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَاَنَا الْعَرْشُ وَاَنَا الْكُرْسِيُّ وَاَنَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُوْنَ" (مقدمہ صـ ۳۲ فصل ۸) کہ میں بسم اللہ کی باء کا

نقطہ ہوں، میں خدا کا وہ پہلو ہوں جس کے متعلق تم نے کوتاہی سے کام لیا، میں قلم ہوں، میں لوح محفوظ ہوں، میں عرش ہوں، میں کرسی ہوں، میں ساتوں آسمان اور زمینیں ہوں۔

۶۔ حضرت محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں کہ مجھے معراج ہوا اور اس میں مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی "قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہ فَاَعْطَانِیْ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ كُلَّ الْاٰیَاتِ وَقَرَّبَ عَلَیَّ الْاَمْرَ وَجَعَلَھَا مِفْتَاحَ كُلِّ عِلْمٍ فَعَلِمْتُ اَنِّیْ مَجْمُوْعُ مَنْ ذُكِرَ لِیْ۔" (الفتوحات المکیۃ جزء ۳ ص۳۵۰)

"تو کہہ دے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہم پر اور جو نازل کیا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اور اس پر جو دیا گیا موسیٰ، عیسیٰ اور تمام انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ہم نہیں فرق کرتے کسی کے درمیان ان میں سے اور ہم خدا کے لیے کامل فرماں بردار ہیں۔ پس اس آیت میں اس نے مجھے تمام نشان دیئے اور میرے لیے روحانی امر کو قریب کر دیا اور اس نے اس آیت کو میرے لیے ہر علم کی کنجی بنایا پس میں نے جان لیا کہ میں ان تمام انبیاء کا مجموعہ ہوں جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔"

دیکھا آپ نے!! کہ حضرت ابن عربی نے کس طرح اپنے آپ کو مذکورہ بالا انبیاء کا مجموعہ قرار دیا؟؟ گویا آپ ابراہیم بھی ہیں، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب وغیرہ بھی۔

۷۔ ابوجعفر طوسی نے بتایا کہ امام صادق نے فرمایا: "نَحْنُ الصَّلٰوۃُ فِیْ كِتَابِ اللّٰہِ، نَحْنُ الزَّكٰوۃُ نَحْنُ الصِّیَامُ نَحْنُ الْحَجُّ نَحْنُ الشَّھْرُ الْحَرَامُ نَحْنُ الْبَلَدُ الْحَرَامُ نَحْنُ كَعْبَۃُ اللّٰہِ، نَحْنُ قِبْلَۃُ اللّٰہِ، نَحْنُ وَجْهُ اللّٰہِ، نَحْنُ الْاٰیَاتُ وَنَحْنُ الْبَیِّنَاتُ (کتاب مظہر العجائب فی النکت والغرائب مطبوعہ ۱۳۰۵ھ) کہ امام جعفر صادق نے فرمایا قرآن مجید میں جو نماز کا ذکر ہے وہ ہم ہیں زکوٰۃ بھی ہم ہیں روزہ اور حج بھی ہم ہیں شہر الحرام اور بلد الحرام بھی ہم ہیں کعبہ بھی ہم ہیں قبلہ بھی ہم ہیں وجہ اللہ بھی ہم ہیں اور آیات اور بینات بھی ہم ہی ہیں۔" ذرا غور فرمایئے کیا عجیب عجیب دعوے ہیں؟؟

۸۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے دعاوی معلوم کرنے کا شوق ہو تو بھجۃ الاسرار تالیف الشیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی کے ص۲۱ کا مطالعہ ہی کر دیکھیں ص۲۳

پر لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: "اَلْاِنْسُ لَھُمْ مَشَائِخُ وَالْجِنُّ لَھُمْ مَشَائِخُ وَالْمَلَائِکَۃُ لَھُمْ مَشَائِخُ وَاَنَا شَیْخُ الْکُلِّ۔ کہ انسانوں کے مشائخ ہیں، جنوں کے بھی مشائخ ہیں اور ملائکہ کے بھی مشائخ ہیں اور میں ان تمام کا شیخ ہوں"۔

پھر فرمایا: "لَا تَقِیْسُوْنِیْ بِاَحَدٍ وَلَا تَقِیْسُوْا عَلَیَّ اَحَدًا۔ کہ مجھے کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ مجھ پر کسی کو قیاس کرو"۔

ان اقوال کی وجہ سے کوئی ان بزرگوں کو کافر کہے اور یہود و نصاریٰ سے بدتر قرار دے تو اس کی مرضی، مگر ہم ان کی عزت کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک ان اقوال کے یقیناً ایسے معنے ہیں جو ہرگز اسلام کے خلاف نہیں، مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے:

"فاعل کی نیت کا اظہار کرنا آپ کا کام نہیں بلکہ فاعل کا ہے ھَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَہٗ حدیث مرفوع پیش کرتا ہوں"۔ (الکلام المبین تصنیف مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ص۴۳)

۹۔ ایک حوالہ اور پیش کر دیتا ہوں، حضرت جیلانیؒ اپنی مشہور کتاب (فتوح الغیب) میں فرماتے ہیں: اِسْتَوْدَعَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ قَلْبَہٗ غَرَائِبَ عِلْمِہٖ وَاَطْلَعَہٗ عَلٰی اَسْرَارٍ طَوَاھَا عَنْ غَیْرِہٖ وَاصْطَفَاہُ وَاجْتَبَاہُ وَجَذَبَہٗ اِلَیْہِ وَدَنَاہُ وَاِلٰی بَابِ قُرْبِہٖ ھَدَاہُ وَشَرَحَ صَدْرَہٗ لِقَبُوْلِ تِلْکَ الْاَسْرَارِ وَالْعُلُوْمِ وَجَعَلَہٗ جَھْبَذًا وَدَاعِیًا لِلْعِبَادِ وَنَذِیْرًا لَھُمْ وَحُجَّۃً فِیْھِمْ ھَادِیًا مَھْدِیًّا شَافِعًا مُشَفَّعًا صَادِقًا صِدِّیْقًا بَدَلًا لِرُسُلِہٖ وَاَنْبِیَاءِہٖ علیھم صلواتہٗ وسلامہٗ"۔ (دیکھئے مقالہ نمبر ۳۳)

یعنی مردِ عظیم کے دل میں اللہ تعالیٰ عجیب عجیب علوم ڈالتا ہے اور اس کو اپنے ایسے اسرار سے مطلع کرتا ہے جو دوسروں سے چھپاتا ہے اور اس کو برگزیدہ کر لیتا ہے اور اپنی طرف کھینچتا ہے اور ترقی دیتا ہے اور اپنے قرب کے دروازے کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے اور ان علوم اور اسرار کے قبول کرنے کے لیے اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے، اسے عارف ماہر بنا دیتا ہے وہ خدا کی طرف پکارتا ہے (داعیاً) اسے نذیر بناتا ہے اور اسے ان میں بطور حجت قائم کرتا ہے اسے ہادی بھی بناتا ہے اور مہدی بھی، اور شفیع بھی بناتا ہے۔ مشفع بھی (جس کی شفاعت قبول ہوتی ہے) اسے صادق اور صدیق اور بدل بھی بنا دیتا ہے جو رسولوں اور نبیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں"۔

دیکھئے اس "مردِ عظیم" کے لیے کتنے صفات شمار کئے گئے ہیں۔ پس اگر ایک شخص نبی، رسول مہدی، ہادی، مجدِد، محدث، خلیفۃ اللہ، مسیح موعود وغیرہ کہلاتا ہے، تو کوئی نئی یا عجیب بات نہیں۔

کیا ہر اختلاف کا فیصلہ نبی دیتا ہے

۱۵۔ ایک اور اہم امر کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ نبی کے لیے ضروری نہیں کہ تمام جزوی اختلافات اور فروعی امور کے متعلق بھی فیصلہ دے، البتہ اہم اور اصولی امور کا بیان کر دینا ضروری ہے اسی لیے خدا تعالیٰ کی کتابوں میں عموماً اصولی تعلیم بیان کی جاتی ہے اور ان کے ساتھ ضروری فروع کا ذکر بھی کیا جاتا ہے پھر ان فروعی امور میں سے کئی امور مجمل طور پر بیان ہوتے ہیں جنہیں پیش آنے پر نبی بیان کر دیتا ہے اور بعض امور نبی کے زمانہ میں پیش ہی نہیں آتے یا اگر پیش آتے ہیں تو نبی کے سامنے پیش نہیں کئے جاتے۔

پس یہ خیال کہ نبی اپنے زمانہ کے تمام جزئی اور فروعی امور کو بیان کرتا ہے صحیح نہیں۔

۱۔ اسلام میں اجماع اور قیاس اسی لیے قابلِ حجت مانا گیا ہے اگر تمام جزئیات اور فروع کے متعلق نص موجود ہوتی تو قیاس بلکہ اجماع کی بھی ضرورت نہ رہتی۔ کیونکہ علماء اسلام کا یہ مانا ہوا اصل ہے "لَاقِیَاسَ مَعَ النَّصِّ" (سبیل السلام جزء ۱ ص۵۲ مطبوعہ مصر) کہ نص موجود ہو تو قیاس کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔" پھر اجتہاد کا دروازہ کلیتہً بند ہو جاتا، اور امت میں اختلاف کی بالکل کوئی گنجائش نہ رہتی اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم کے مذاہب قطعاً بے اصل اور بے بنیاد ٹھہرتے بلکہ اس مشہور حدیث کو باطل ماننا پڑتا۔ جس میں بیان ہوا ہے کہ کتاب اور سنت میں کوئی حکم نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد سے کام لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیج رہے تھے تو حضور نے انھیں پوچھا: "کَیْفَ تَقْضِیْ اِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَاءٌ" کہ اگر کوئی معاملہ تمہارے سامنے پیش ہوا تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟ "قَالَ اَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ" انھوں نے عرض کیا کہ میں کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق فیصلہ کرونگا۔" آپ نے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ کہ اگر تمہیں اس کا فیصلہ قرآن کریم سے نہ ملے تو پھر کیا کروگے؟ قَالَ فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں سنتِ رسول کے مطابق فیصلہ کرونگا۔ آپ نے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

کہ اگر تمہیں سنت رسول میں سے بھی اس کا فیصلہ نہ ملے تو ؟ انھوں نے عرض کیا "اَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا اٰلُوْ - کہ میں اپنی رائے سے کام لونگا اور کمی و کوتاہی نہیں کرونگا" اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا (یہ حدیث ترمذی، ابو داؤد اور دارمی میں روایت کی گئی ہے) نیز دیکھیے (مشکوٰۃ المصابیح باب العمل فی القضاء والخوف منه)

معلوم ہوا کہ تمام جزئیات کے فیصلے قرآن مجید بلکہ سنت رسول میں بھی نہیں اسی لیے اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے۔

۲- الشیخ محمد بخیت سابق مفتی مصر اپنی معرکۃ الآراء کتاب توفیق الرحمٰن میں تحریر فرماتے ہیں: " وَاِنَّ الشَّارِعَ جَرَتْ عَادَتُهٗ اَنْ يُبَيِّنَ الْحُكْمَ فِيْ جُزْئِيَّةٍ مِنَ الْجُزْئِيَّاتِ وَبَعْدَ ذٰلِكَ يَتْرُكُ الْمَجَالَ وَاسِعًا لِلْعُلَمَاءِ فِيْ اَنْ يَقِيْسُوْا عَلَيْهَا وَيَأْخُذُوا الْحُكْمَ مِنْهَا - (ص۲۲۸) کہ شارع کی یہ عادت ہے کہ وہ جزئی امور میں سے کسی ایک جزئی امر کے متعلق حکم بیان کر دیتا ہے اور اس کے بعد علماء کے لیے میدان کو کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس جزئی پر قیاس کریں اور اسی سے حکم اخذ کریں "

۳- یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے اس امر کو بھی قرآن کریم کا حصہ قرار دیا ہے جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ الواحدی نے قرآن کریم اور احادیث سے مثالیں دی ہیں: فَثَبَتَ بِهٰذِهِ الْاَمْثِلَةِ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَمَّا دَلَّ عَلٰى اَنَّ الْاِجْمَاعَ حُجَّةٌ وَاَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ حُجَّةٌ وَاَنَّ الْقِيَاسَ حُجَّةٌ" فَكُلُّ حُكْمٍ ثَبَتَ بِطَرِيْقٍ مِنْ هٰذِهِ الطُّرُقِ الثَّلَاثَةِ كَانَ فِي الْحَقِيْقَةِ ثَابِتًا بِالْقُرْاٰنِ (التفسیر الکبیر جزء ۴ ص۴۱ زیر آیت ما فرطنا فی الکتاب) کہ ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن مجید سے یہ ثابت ہو گیا کہ اجماع حجت ہے اور خبر واحد حجت ہے اور قیاس بھی حجت ہے تو ہر ایک حکم جو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک طریق سے ثابت ہو تو ماننا پڑیگا کہ وہ درحقیقت قرآن کریم سے ہی ثابت ہے "

پھر وہ اپنی تفسیر کے (جزء ۵ ص۳۴۴) پر فرماتے ہیں: وَاَمَّا الْفُقَهَاءُ فَاِنَّهُمْ قَالُوا الْقُرْاٰنُ اِنَّمَا كَانَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ لِاَنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاِجْمَاعَ وَخَبَرَ الْوَاحِدِ وَالْقِيَاسَ حُجَّةٌ فَاِذَا ثَبَتَ حُكْمٌ مِنَ الْاَحْكَامِ بِاَحَدِ هٰذِهِ

الْاُصُوْلِ كَانَ ذٰلِكَ الْحُكْمُ ثَابِتًا بِالْقُرْاٰنِ" کہ فقہاء اسلام کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہر ایک امر کو بیان کرتا ہے۔ کیونکہ وہ بتاتا ہے کہ اجماع اور خبرِ واحد اور قیاس حجت ہیں پس جب کوئی حکم ان تین اصول میں سے کسی ایک اصل سے ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حکم خود قرآن مجید سے ہی ثابت ہے۔"

پس قیاس اور اجتہاد اس بات کا بڑا زبردست ثبوت ہے کہ قرآن کریم اور حدیث میں تمام جزئی اور فرعی امور کا ذکر بصورتِ نص موجود نہیں ہاں اگر قیاس کو ان اصول کا ایک جزء مانا جائے تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ تمام جزوی اور فرعی امور کا فیصلہ بھی قرآن مجید اور سنت میں موجود ہے۔

حضرت امام جلال الدین السیوطی کی (کتاب الاتقان فی علوم القرآن جزء۲ ص۳۲) میں ہے:۔ "لَا یَجِبُ عَلَی النَّبِیِّ بَیَانُ کُلِّ مَا اخْتُلِفَ فِیْهِ کہ نبی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہر ایک مختلف فیہ امر کے متعلق فیصلہ دے۔"

بعض اہم امور یہاں دو چار امور کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے جو علماء کے نزدیک اہم ہیں۔ اوّل یہ کہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت نہیں رہتی ایک حوالہ اوپر درج کیا گیا ہے، امام ابو اسحاق الشیرازی الفیروز آبادی اپنی کتاب "اللمع فی اصول الفقہ" میں بھی فرماتے ہیں:

"فَاِذَا كَانَ هُنَاكَ نَصٌّ يُّخَالِفُ الْقِيَاسَ لَمْ يَكُنْ بِالْقِيَاسِ حُكْمٌ (ص۳۳) کہ جب نص، قیاس کے خلاف موجود ہو تو قیاس سے کوئی حکم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔"

دوّم: اجماع منسوخ نہیں ہو سکتا، امام ابو اسحاق الشیرازی فرماتے ہیں: "لَا يَجُوْزُ نَسْخُ الْاِجْمَاعِ۔ (اللمع فی اصول الفقہ ص۳۳) کہ اجماع کا منسوخ ہونا جائز نہیں"۔ (نیز التفسیر الکبیر جزء۳ ص۱۳۵) ملاحظہ ہو۔

سوّم: ایک اجتہاد کو دوسرا اجتہاد باطل نہیں کر سکتا، امام ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں:۔ "اَلْاِجْتِهَادُ لَا يُنْقَضُ بِالْاِجْتِهَادِ۔ (الفتاوی الحدیثیہ ص۲۲ مطبوعہ مصر) کہ اجتہاد کو اجتہاد کے ذریعہ توڑا نہیں جا سکتا۔" (دیکھئے نیز ارشاد الفحول للشوکانی ص۲۳۲)

چہارم: چونکہ ایک حاکم کا اجتہاد دوسرے حاکم کے اجتہاد کو باطل نہیں کر سکتا اس لیے مقلدین مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) نے ایک کلمۂ تقلید تجویز کیا ہے

جو بہت قابل غور ہے۔ لکھا ہے۔

"وَفِي مُخْتَصَرِ فَتَاوَى ابْنِ حَجَرٍ لِابْنِ قَاضِيْ عَنِ النَّسَفِيِّ الْحَنَفِيِّ يَجِبُ عَلَيْنَا إِذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِنَا فِي الْفُرُوْعِ اَنْ نُجِيْبَ: مَذْهَبُنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبُ مُخَالِفِنَا خَطَاءٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ" (الفوائد المكية ص۴۲ لمولانا الشريف السيّد علوی بن السيّد احمد بن عبد الرحمٰن السقاف)

یعنی مختصر فتاویٰ ابن حجر میں جسے ابن قاضی نے ترتیب دیا ہے علامہ نسفی حنفی کا یہ قول درج کیا گیا ہے کہ جب ہمیں ہمارے مذہب اور دوسرے مذہب کے متعلق پوچھا جائے کہ کونسا مذہب فروع کے متعلق صحیح ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم جواب دیں کہ ہمارا مذہب صحیح ہے لیکن احتمال ہے کہ غلط ہی ہو اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے، لیکن احتمال ہے کہ وہی صحیح ہو" (نیز دیکھئے المیزان للشعرانی جزء۱ ص۲) اور دیکھئے التعریفات ص۱۱۹)

گویا ان مذاہب اربعہ کے مقلد اپنے مذہب کو حق صریح یقین نہیں کرتے بلکہ الٹا یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے غلط ہونے کا بھی احتمال ہے۔

پنجم: ان مذاہب اربعہ کی تقلید اور ان مذاہب پر عمل کرنا اس وقت تک ہی جائز ہے جب تک امام مہدی تشریف نہیں لاتے۔ جب وہ تشریف لے آئیں گے تو پھر ان کی پیروی ضروری ہے نہ کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی۔ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

"يَخْرُجُ الْمَهْدِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَبْطُلُ فِي عَصْرِهِ التَّقَيُّدُ بِالْعَمَلِ بِقَوْلِ مَنْ قَبْلَهُ مِنَ الْمَذَاهِبِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ اَهْلُ الْكَشْفِ" (کتاب المیزان ص۴۶) کہ مہدی ظاہر ہونگے تو آپ کے زمانہ میں گذشتہ مذاہب کے اقوال پر عمل کرنے کی پابندی باطل ہو جائیگی۔ جیسے کہ اہل کشف نے اس کی تصریح کی ہے۔" انڈونیشیا میں انجمن "نهضة العلماء" نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے۔ دیکھئے کتاب (احکام الفقهاء فی مقررات مؤتمرات نهضة العلماء ص۳۵)

کیا نبی شاعر ہو سکتا ہے؟

۱۶۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی شعر نہیں کہتا اور جو شعر کہے وہ نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن میں شعراء کی مذمت کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کہ ہم نے اسے شعر نہیں سکھایا۔

۱۔ یہ خیال دراصل عدم تدبر کا نتیجہ ہے کیونکہ شعر کوئی بری بات نہیں وہ ایک قسم کا مُقَفّٰی،

کلام ہوتا ہے جس شعر کا مضمون اچھا ہو۔ وہ شعر اچھا ہوگا اور جس شعر کا مضمون گندہ ہو، وہ گندہ ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلشِّعْرُ بِمَنْزِلَۃِ الْکَلَامِ فَحَسَنُہٗ کَحَسَنِ الْکَلَامِ وَ قَبِیْحُہٗ کَقَبِیْحِ الْکَلَامِ (الجامع الصغیر جزء ۲ ص۴۲ حرف الشین) کہ شعر تو کلام ہی ہے اس لیے اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے اور بُرا شعر بُرے کلام کی طرح ہے۔"

۲۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا وَّ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکَمًا (رواہ ابو داؤد) کہ بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں اور بعض اشعار سراسر حکمت ہوتے ہیں۔"

اگر اشعار فی ذاتہا بُرے اور شرعاً قبیح ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسا نہ فرماتے۔

۳۔ روایات میں آتا ہے حضرت ابن بریدہ نے کہا "اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَعَانَ حَسَّانَ ابْنَ ثَابِتٍ عَلٰی مَدْحَتِہِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِسَبْعِیْنَ بَیْتًا (الدر المنثور جزء ۵ ص۱۰۱ طبع مصری) کہ جبریل نے حسانؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرنے میں ستر بیت کے ساتھ مدد دی"۔ بعض نے ان کی تعداد تِسْعِیْنَ بَیْتًا یعنی "نوے بیت" لکھی ہے۔ دیکھیے (حاشیہ نمبر۹ مشکوٰۃ باب البیان والشعر)

اگر شعر فی ذاتہٖ بُری اور مکروہ چیز ہوتا تو جبریل حسان کو کبھی مدد نہ دیتا۔ کیونکہ جبریل معصوم ہے اور خدا تعالیٰ کے اشارے کے بغیر کوئی حرکت نہیں کرتا۔

۴۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "ھَاجِھِمْ وَ جِبْرَئِیْلُ مَعَکَ" (تفسیر ابن کثیر سورۃ الشعراء جزء ۳ ص۳۵۵ مطبوعہ مصر) کہ تم کفار کی ہجو کہو اور جبریل تمہارے ساتھ ہے"۔ کیا جبریل بُرے یا مکروہ کلام میں مدد دیتا ہے اور کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بُرا کام کرنے کا حکم دے سکتے تھے۔ ہرگز نہیں۔

۵۔ پھر امام شعبی کہتے ہیں: "کَانَ اَبُوْبَکْرٍ یَقُوْلُ الشِّعْرَ وَکَانَ عُمَرُ یَقُوْلُ الشِّعْرَ وَکَانَ عَلِیٌّ اَشْعَرُ مِنْھُمَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ کَانَ یَنْشُدُ الشِّعْرَ وَیَسْتَنْشِدُہٗ فِی الْمَسْجِدِ (تفسیر الخازن جزء ۵ ص۱۱۰) کہ حضرت ابوبکرؓ بھی شعر کہتے تھے اور عمرؓ بھی شعر کہتے تھے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ان دونوں سے زیادہ شعر کہنے والے تھے اور ابن عباسؓ روایت

کرتے ہیں کہ آپ مسجد میں شعر خود بھی پڑھا کرتے اور دوسروں سے بھی سنا کرتے تھے۔

۶- اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے بھی شعر کہے چنانچہ آپ نے اپنی زخمی انگلی کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَفِي سَبِيْلِ اللهِ مَا لَقِيْتِ

کہ تو تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی اور اللہ کی راہ میں تجھے یہ تکلیف پہنچی۔

پھر حنین کی جنگ میں آپ نے فرمایا:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

کہ میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

اسی طرح آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا   وَاَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا اَلَمَّا

کہ اگر تو معاف کرے اے اللہ! تو بہت معاف کرنا اور تیرا کون سا بندہ ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

(دیکھئے تفسیر ابن کثیر جزء ۳ صفحہ ۵۷۹ آخر سورۃ یٰسین)

۷- پھر علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں "وَقَدْ اَنْشَدَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ بَيْتٍ يَقُوْلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقِبَ كُلِّ بَيْتٍ "هِيْهِ" يعني يَسْتَطْعِمُهُ فَيَزِيْدُهُ مِنْ ذَالِكَ" (تفسیر ابن کثیر جزء ۳ صفحہ ۵۸۰) کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سو بیت سنائے آپ ہر بیت سننے کے بعد فرماتے "هِيْه" یعنی آپ اس سے لطف اُٹھاتے اور دوبارہ اور شعر پڑھتا"

۸- پس جس قسم کے اشعار کی نفی کی گئی ہے وہ گندے اور نامناسب اور جھوٹ پر مشتمل اشعار ہیں۔ وہ آپ کو ہرگز پسند نہ تھے۔ نہ آپ نے کبھی کوئی ایسا شعر کہا اور نہ کبھی ایسا شعر سننا پسند فرمایا۔

اسی لیے وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ کے متعلق آتا ہے۔ قَالَ علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس يعني اَلْكُفَّارُ يَتَّبِعُهُمْ ضُلَّالُ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" (تفسیر ابن کثیر جزء ۱۹ صفحہ ۳۵۳) کہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں ان شعراء سے مراد کافر شاعر

ہیں کہ بڑے بڑے لوگ اور عوام ان کی پیروی کرتے تھے۔

۹۔ ان معنوں کی تائید ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضرت حسّان، عبداللہ بن رواحہ، اور کعب بن مالک (جو تینوں شاعر تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے کہ ہم شعراء ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ شعراء کے متعلق خدائے تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے، تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی آیات پڑھکر انھیں سنائیں۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ اور فرمایا کہ تم ایسے شعراء ہو یعنی ایمان بھی لائے ہو اور عمل صالح بھی کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بہت کرتے ہو اور ظلم کا انتقام لیتے ہو۔

خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے مومن شعراء کا خود استثناء فرمادیا ہے اور جن شعراء کی مذمت کی گئی ہے وہ کافر شعراء ہیں۔

۱۰ دراصل شعر کے اچھا اور اعلیٰ ہونے کا معیار پہلے زمانہ میں یہ تھا کہ اس میں بے جا مبالغہ خیالات باطلہ اور جھوٹ زیادہ استعمال ہو، چونکہ اسلام ان باتوں کی اجازت نہیں دیتا، اس لیے حسان وغیرہ شعراء اسلام کے اشعار اس اعلیٰ معیار سے گر گئے جو عرب شعراء کے نزدیک مسلّم تھا۔ امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں: وَکُلُّ شَاعِرٍ تَرَکَ الْکِذْبَ وَالْتَزَمَ الصِّدْقَ نَزَلَ شِعْرُہٗ وَلَمْ یَکُنْ جَیِّدًا (التفسیر الکبیر جزء ا صـ۲۲ زیر آیۃ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا) کہ ہر ایک شاعر جس نے جھوٹ کو ترک کر دیا اور صدق کا التزام کیا اس کا شعر اعلیٰ معیار سے گر گیا اور اچھا شمار نہ ہوتا۔"

۱۱۔ علامہ احمد الصاوی المالکی جلالین کے حاشیہ میں سورۃ یٰسین کی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں: اِنَّ الشِّعْرَ شَأْنُہٗ اَلَا کَاذِیْبُ وَھِیَ عَلَیْہِ مُسْتَحِیْلَۃٌ وَلِذَا قِیْلَ اَعْذَبُہٗ اَکْذَبُہٗ" (حاشیہ الصاوی جزء ۳ صـ۲۷۵ مطبوعہ مصر) کہ شعر کی شان یہی ہے کہ اس میں جھوٹ ہوں اور جھوٹ بولنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محال تھا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے میٹھا شعر وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ ہو۔"

العقد الفرید جزء ۲ صـ۲ پر لکھا ہے: "سُئِلَ بَعْضُ عُلَمَاءِ الشِّعْرِ: مَنْ اَشْعَرُ النَّاسِ قَالَ اَلَّذِیْ یُصَوِّرُ الْبَاطِلَ فِیْ صُوْرَۃِ الْحَقِّ وَالْحَقَّ فِیْ صُوْرَۃِ الْبَاطِلِ۔" کہ شعر سے واقف بعض علماء سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ اچھا شاعر کون ہے اس نے کہا وہ جو باطل کو سچ کر دکھائے اور

پرسح کو باطل کر دکھائے۔"

۱۶۔ غور کیجئے کہ عرب لوگ نظم اور نثر میں خوب تمیز کرتے تھے۔ قرآن کریم شعر نہ تھا اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شاعر تھے، پھر بھی عرب کا فر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کیوں کہتے۔ امام راغب لکھتے ہیں: "اَلشَّاعِرُ فِي الْقُرْآنِ عِبَارَةٌ عَنِ الْكَاذِبِ بِالطَّبْعِ" (مفردات راغب لفظ شعر) کہ قرآن کریم میں شاعر اس شخص کو کہا گیا ہے جو طبعی طور پر جھوٹ بولنے کا عادی ہو"۔ پس جب عرب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کرکے پکارتے تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا کہ آپ "عادی جھوٹے" ہیں اور یہی شعر (جھوٹ) ہے جس کی نفی کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کہ ہم نے اس پر جھوٹی باتیں نہیں اتاری ہیں۔ ان ھو الا ذکر بلکہ وہ تو ان حقائق پر مشتمل ہے جو فطرتی قوتوں کو ابھارنے اور ان کی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ ان معنوں کی رُو سے کوئی نبی شاعر نہیں ہو سکتا، لیکن اگر منظوم کلام (شعر) حقائق پر مشتمل ہو تو کسی نبی سے اس کا صادر ہونا ممنوع نہیں۔

چنانچہ بائیبل میں اشعار سے بھری کتابیں موجود ہیں ایک عیسائی لکھتا ہے کہ عہدِ قدیم کی کتب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) توراۃ جس میں کتاب پیدائش، خروج، احبار گنتی اور استثناء شامل ہیں (۲) تاریخ کی کتب ان میں یوشع، سلاطین، روت، سموئیل قضاۃ، تواریخ، عزرا، نحمیا اور استر شامل ہیں (۳) اشعار کی کتابیں ان میں، کتاب ایوب مزامیر، امثال سلیمان، الخطیب اور شعر الاشعار شامل ہیں۔ (کتاب نبوت اور نبی تصنیف فریڈریک کارل الیسلین)

کیا نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا؟

۱۷۔ آج کل ایک بے بنیاد اور باطل خیال بعض لوگوں میں یہ پھیلا ہوا ہے کہ نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا، یہ بات نہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ ہی معقولیت سے اس کا کوئی تعلق ہے اور اگر واقعات کو دیکھا جائے تو بھی یہ خیال جھوٹا ثابت ہوتا ہے اس لیے بالکل اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آتا ہے قَالَ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ اِنَّمَا سُمِّيَ نُوْحًا لِكَثْرَةِ بُكَائِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ وَاسْمُهٗ عَبْدُ الْغَفَّارِ" (کتاب الاتقان للسیوطی جزء۲ صـ ۱۳۸ نوع ۶۹) کہ حضرت نوح کو اس لیے نوح کہا جاتا ہے کہ آپ بہت

روتے رہے ورنہ آپ کا نام عبدالغفار تھا۔" (نیز دیکھئے حاشیہ الصاوی جزء ۲ صدا۔ مطبوعہ مصر)
پس یہ عبد اور غفار سے مرکب ہوا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آتا ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: اِنَّمَا سُمِّیَ مُوْسٰی لِاَنَّہٗ اُلْقِیَ بَیْنَ شَجَرَۃٍ وَّمَاءٍ فَالْمَاءُ بِالْقِبْطِیَّۃِ مُوْ وَالشَّجَرَۃُ سَا۔" (الاتقان جزء ۲ صفحہ ۱۳۹) کہ موسیٰ علیہ السلام کا نام موسیٰ اس لیے رکھا گیا کہ آپ درخت اور پانی کے درمیان پھینک دیئے گئے تھے قبطی زبان میں پانی کو مُو کہتے ہیں اور درخت کو سَا کہتے ہیں۔"

مطلب یہ کہ یہ نام بھی درحقیقت مرکب ہے۔ قریباً یہی بات بائبل میں بھی ہے۔ (کتاب خروج فصل دوم آیت ۱۰)

۳۔ پھر علماء نے خود ایسی روایات کو اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر نام مرکب ہی تھے چنانچہ لکھا ہے "ذَکَرَ الْحَسَنُ عَنْ کَعْبِ الْاَحْبَارِ اَنَّ اِسْمَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ عَبْدُ الْکَرِیْمِ وَعِنْدَ اَھْلِ النَّارِ عَبْدُ الْجَبَّارِ وَعِنْدَ اَھْلِ الْعَرْشِ عَبْدُ الْمَجِیْدِ وَعِنْدَ سَائِرِ الْمَلٰئِکَۃِ عَبْدُ الْحَمِیْدِ وَعِنْدَ الْاَنْبِیَاءِ عَبْدُ الْوَھَّابِ وَعِنْدَ الشَّیَاطِیْنِ عَبْدُ الْقَاھِرِ وَعِنْدَ الْجِنِّ عَبْدُ الرَّحِیْمِ وَفِی الْجِبَالِ عَبْدُ الْخَالِقِ وَفِی الْبَرِّ عَبْدُ الْقَادِرِ وَفِی الْبَحْرِ عَبْدُ الْمُھَیْمِنِ وَعِنْدَ الْھَوَامِّ عَبْدُ الْغِیَاثِ وَعِنْدَ الْوُحُوْشِ عَبْدُ الرَّزَّاقِ۔الخ"
(حاشیہ للصاوی جزء ۲ صفحہ ۵۹ زیر آیۃ مکتوباً عندھم)

کہ حسن نے کعب احبار سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جنتیوں کے ہاں عبدالکریم[۱]، دوزخیوں کے ہاں عبدالجبار[۲]، اہل عرش کے نزدیک عبدالمجید[۳] اور دیگر ملائکہ کے ہاں عبدالحمید[۴]، انبیاء کرام کے ہاں عبدالوہاب[۵]، شیاطین کے ہاں عبدالقاہر[۶]، جنوں کے ہاں عبدالرحیم[۷]، پہاڑوں میں عبدالخالق[۸]، جنگل میں عبدالقادر[۹]، سمندر میں عبدالمہیمن[۱۰]، کیڑے مکوڑوں کے ہاں عبدالغیاث[۱۱] اور جانوروں کے ہاں عبدالرزاق[۱۲] ہے۔"

دیکھا! کہ کس طرح یہ بارہ نام مرکب ہیں۔ پس کیا وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمرۂ انبیاء سے خارج قرار دینگے۔

۴۔ پھر حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا نام بھی مرکب ہے۔ بائیبل کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں بصراحت درج ہے کہ ابراہیم کے معنی ابوالاقوام (قوموں کا باپ) اور اسماعیل سَمِعَ ایل سے مرکب ہے۔ جس کے معنی ہیں "اللہ نے سن لیا" پھر کیا ان دونو بزرگوں کو بھی انبیاء سے خارج سمجھا جائے گا کہ ان کا نام بھی مرکب ہے۔

سب سے آخر میں ایک نبی کا نام درج کرنا ضروری ہے۔

۵۔ وہ ذوالکفل ہیں، ان کا نام ذو اور الکفل سے مرکب ہے۔ یہ بات ہر معمولی عربی جاننے والے کے لیے واضح ہے۔

دراصل جو شخص اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا شروع کر دے وہ روحانیت سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے اور خود اپنے من گھڑت معیار ایجاد کرتا اور پھر ان معیاروں پر انبیاء کو پرکھنا چاہتا ہے اور آخر گمراہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگ تھے جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ ایک انسان نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یہ کہنا شروع کیا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۴) کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟"

پس یہ معیار یقیناً من گھڑت اور بے ثبوت ہے۔ اور نبوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں

کافر کو حکم بنانا

۱۸۔ ہر ایک نبی اور رسول اپنی قوم کا مُطاع ہوتا ہے جو شخص اس پر ایمان لاتا ہے وہ اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے اور ہر مذہبی معاملہ میں اسی کا فیصلہ اس کے لیے آخری فیصلہ ہوتا ہے فرمایا: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۃ النساء آیت ۶۴) کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم کے ماتحت اس کی اطاعت کی جائے۔"

اسی طرح ہر مذہبی اور دینی معاملہ میں جو اختلاف کی آماجگاہ ہے، نبی کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا ہے، فرمایا: اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (سورۃ الانعام آیت ۸۹) کہ ہم نے ان انبیاء کو کتاب دی اور انہیں حکم بنایا اور نبوت بھی عطا فرمائی۔"

اَلْحُکْمَ کے متعلق امام رازی تحریر فرماتے ہیں: "اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ جَعَلَهُمْ حُكَّامًا عَلَى النَّاسِ نَافِذِي الْحُكْمِ فِيْهِمْ بِحَسْبِ الظَّاهِرِ (التفسیر الکبیر جزء ۴ صفحہ ۸۶) یعنی اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں پر حاکم مقرر فرمایا ہے اور بظاہر ان کا حکم اور فیصلہ ان میں نافذ ہوتا ہے۔"

پس دینی امور میں نبی خود اپنی قوم کا مطاع اور حکم ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر دینی امر میں دراصل خدا تعالیٰ کی مرضی کا مطیع ہوتا ہے اور اسی کی مرضی وہ لوگوں تک پہنچاتا ہے اس لیے قوم میں سے کسی کا حق نہیں ہوتا ہے کہ اس کے فیصلے کو رد کرے۔

اسی طرح ہوسکتا ہے کہ دنیوی حکومت میں وہ رعایا میں سے ایک عام فرد کی حیثیت رکھتا ہو، اور کسی کافر بادشاہ کے ماتحت ہو جیسے حضرت موسیٰ، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے، لیکن دینی معاملہ میں اس کا فیصلہ ہی اپنی قوم کے لیے واجب اتباع ہوتا ہے اور اپنی روحانی رعایا کا روحانی امور میں وہی بادشاہ ہوتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حقیقۃً خود اللہ تعالیٰ ہی حکم ہوتا ہے اور اسی کا فیصلہ نبی کے ذریعہ قوم یا امت کو پہنچتا ہے اسی لیے فرمایا: أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا (سورۃ الانعام آیت ۱۱۴) کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حکم بناؤں؛ حالانکہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف یہ (قرآن) مفصل کتاب کی صورت میں نازل فرمایا ہے "۔

اس آیت کے متعلق لکھا ہے "إِنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ حَكَمًا فَأَمَرَهُ اللَّهُ أَنْ يُجِيبَهُمْ بِهٰذَا الْجَوَابِ" (تفسیر الخازن جزء ۲ ص۱۴۲) اور (حاشیہ الصاوی جزء ۲ ص۳۶) کہ کفارِ مکہ کہتے تھے کہ اے محمد! ہمارے تمہارے درمیان جو اختلاف ہے، اس کے لیے کوئی شخص بطور حکم مقرر کرو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جواب دینے کا حکم فرمایا۔

پس عقائد میں اختلاف کے فیصلہ کے لیے کسی کو حکم بنانا جائز نہیں اور نہ ایسے امر کے متعلق جس کا فیصلہ قرآن کریم دے چکا ہے۔

یہ وہ امر ہے جس میں کسی عقل مند کو شک یا اختلاف کی گنجائش نہیں، البتہ ایسا معاملہ جو عقائد سے تعلق نہ رکھتا ہو اس میں حاکم کے لیے کسی جھوٹ کی گنجائش نہ ہو اور اگر وہ جھوٹ بولے بھی تو اس کا جھوٹ فوراً ظاہر ہوسکتا ہو تو ایسے امر میں ایک کافر کو بھی حکم بنایا جاسکتا ہے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کافر کا فیصلہ خود کفار کے خلاف حجۃ ہوگا، چنانچہ روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بتایا کہ تورات میں زانی (شادی شدہ) کی سزا رجم ہے تو انھوں نے کہا نہیں! اس پر جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: اِجْعَلْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ ابْنَ صُورِيَا ---- قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ أَتَرْضَوْنَ بِهِ

حَکَمًا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَہٗ اُنْشِدُکَ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الَّذِیْ فَلَقَ الْبَحْرَ وَاَنْجَاکُمْ وَاَغْرَقَ اٰلَ فِرْعَوْنَ ھَلْ تَجِدُوْنَ فِیْ کِتَابِکُمُ الرَّجْمَ عَلٰی مَنْ اَحْصَنَ قَالَ نَعَمْ۔ (حاشیہ الجلالین للصادی جزء ا ص۲۴۷) کہ اپنے اور ان یہودیوں کے درمیان ابن صوریا یہودی کو حکم مقرر کر لو۔۔۔۔۔۔ اس پر حضور پُر نور نے انھیں کہا کہ کیا تم اس معاملہ میں ابن صوریا کو حکم مقرر کرنا پسند کرتے ہو۔ انھوں نے کہا: ہاں تو (حکم مقرر ہونے کے بعد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا میں تجھے قسم دیتا ہوں اس ذات کی جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، جس نے سمندر کو پھاڑا اور تمہیں نجات دی تھی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا تھا یہ بتاؤ کہ کیا توراۃ میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے اس نے کہا ہاں۔ ایسی ہی سزا ہے۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ

۱۔ اختلاف میں ایک یہودی (ابن صوریا) کو حکم مقرر کرنے کے لیے جبریل نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا۔

۲۔ وہ یہودی صرف اس لیے حکم بنایا گیا کہ وہ یہ بتائیں کہ آیا تورات میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے یا نہیں۔

۳۔ ابن صوریا کو حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی قسم دیکر کہا کہ فیصلہ صحیح دینا۔

۴۔ ابن صوریا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فیصلہ دیا۔

اگر ابن صوریا جھوٹ سے کام لیتا تو توراۃ موجود تھی، عبداللہ بن سلام وغیرہ یہودی مسلمان جو توراۃ جانتے تھے موجود تھے اس کا جھوٹ فوراً ظاہر ہو سکتا تھا۔

اسی طرح اگر کوئی معاملہ ایمانیات سے تعلق نہ رکھتا ہو، صرف معاملات سے تعلق رکھتا ہو اور اس میں دین الٰہی کو کسی قسم کا نقصان لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس میں بھی ایک کافر یا بے دین کو حکم مقرر کیا جا سکتا ہے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب بنی عنبر کی عورتیں اور بچے قید کر کے نبی کریمؐ کی خدمت میں لائے گئے تو بنی عنبر خود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا محمدؐ!

فَادِنَا عِیَالَنَا فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکَ اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَکَ وَبَیْنَھُمْ رَجُلًا فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ یَّکُوْنَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ سَبْرَۃُ بْنُ عَمْرٍو وَھُوَ عَلٰی دِیْنِکُمْ قَالُوْا نَعَمْ

قَالَ سُبْرَۃُ اَنَا لَا اَحْکُمُ وَعَمِّیْ شَاہِدٌ وَھُوَ الْاَعْوَرُ بْنُ بُشَامَۃَ فَرَضُوْا بِہٖ فَقَالَ الْاَعْوَرُ اَرٰی اَنْ تُفَادِیَ نِصْفَھُمْ وَتُعْتِقَ نِصْفَھُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ رَضِیْتُ " (تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل للشیخ الخازن زیر آیۃ ان الذین ینادونک) کہ اے محمّد! فدیہ لے لو اور ہمارے بچوں اور عورتوں کو چھوڑ دو اس وقت جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے اور ان کے درمیان کسی آدمی کو (حکم) مقرر کریں اس پر آپ نے بنوعنبر سے کہا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارے اور میرے درمیان سبرۃ بن عمرو فیصلہ کردے اور وہ تمہارے دین پر ہے انھوں نے کہا ٹھیک ہے سبرۃ نے کہا کہ میں اپنے چچا اعور بن بشامہ کی موجودگی میں خود فیصلہ نہیں کرونگا وہ اس پر بھی راضی ہوگئے۔ فیصلہ دیتے ہوئے اعور نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان میں سے نصف کا فدیہ لے لیا جائے اور نصف کو یوں ہی آزاد کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ سنا تو فرمایا کہ میں راضی ہوں۔"

دیکھئے۔ اس میں بھی ایک کافر کو حکم مقرر کیا گیا اور اس کا فیصلہ قبول کیا گیا۔ حالانکہ ابن صوریا بھی کافر تھا اور سبرۃ بھی کافر تھا اور پھر مزید یہ کہ دونو باتوں میں جبریلؑ نے آپ کو کہا کہ کافر کو حکم مقرر کریں۔

پس جہاں عقاید کے اختلاف کا سوال ہو وہاں کسی کافر کو حکم نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ایسے امور میں جن کا فیصلہ خدائے تعالیٰ اپنی کتاب میں دے چکا ہو، لیکن ایک عبارت کے متعلق کہ وہ توراۃ میں ہے یا نہیں اور جنگی قیدیوں کے متعلق کہ انھیں فدیہ لیکر چھوڑا جائے یا یونہی آزاد کر دیا جائے یا دیگر ایسے ہی کسی امر میں کسی کافر کو حکم ٹھہرانا منع نہیں، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ مذکورہ بالا دو واقعات سے ثابت ہوتا ہے، دو کافروں کو حکم ٹھہرایا۔

نبوت کا چھن جانا

۱۹) کیا خدا تعالیٰ کسی کو نبوت جیسی عظیم الشان نعمت عطا کر کے پھر اسے اس سے چھین بھی لیتا ہے؟ یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ خدا تعالیٰ غلطی کر سکتا ہے یا نہیں۔ ہر ایک مؤمن اس یقین پر قائم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ قدوس ہے، ہر عیب اور نقص سے

پاک ہے۔ نہ وہ بھول سکتا ہے اور نہ غلطی کر سکتا ہے نہ اس پر نیند غالب آسکتی ہے اور نہ سُستی اور کاہلی اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، کیونکہ اسے اس کیلئے کبھی ضرورت پیش ہی نہیں آتی۔

پس اگر وہ کسی کو نبوت سے ممتاز فرماتا ہے تو یقیناً وہ یہ علم بھی رکھتا ہے کہ یہ شخص نبوت کے قابل اور اس کا مستحق ہے اور اس سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوگی جس کی وجہ سے اس نعمت کا چھینا جانا ضروری ہو جائے۔ اسی وجہ سے انبیاء کرام کو عصمت کی خلعت عطا کی جاتی ہے ان کے دل خشیتہ الٰہی سے معمور ہوتے ہیں، ان کی زبانیں کوئی ایسا لفظ نکالنے کی جرأت نہیں کرتیں جو ان کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، اور انکا کوئی عضو ایسی حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا جو کسی حکم الٰہی کے خلاف ہو، ایسے ہی پاکباز لوگ ایسے اہم عہدوں پر فائز کئے جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (سورۃ الانعام آیت ۱۲۴) کہ اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھے"۔ نہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نبوت کا مستحق ہوں اور نہ ہی لوگ کسی کو نبی منتخب کر سکتے ہیں اور نہ ہی انھیں اس کا اختیار دیا گیا ہے۔ روایات میں آتا ہے۔ قَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ وَاللّٰهِ لَوْكَانَتِ النُّبُوَّةُ حَقًّا لَكُنْتُ اَنَا اَحَقَّ بِهَا مِنْ مُحَمَّدٍ فَاِنِّىْ اَكْثَرُ مِنْهُ مَالًا وَوَلَدًا (التفسیر الکبیر جزء ۴ ص۱۴۱) کہ ولید نے کہا تھا کہ خدا کی قسم اگر نبوت کوئی حق ہے تو میں محمدؐ کی نسبت اس کا زیادہ حقدار ہوں، کیونکہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے اس سے زیادہ ہوں"۔ گویا وہ یہ خیال کرتا تھا کہ کثرتِ مال اور اولاد انسان کو نبوت کا مستحق بنا دیتی ہے حالانکہ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔

اسی طرح روایات میں آتا ہے: اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ وَهُمْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَلْوَحْيُ وَالرِّسَالَةُ فِيْنَا وَالْكِتَابُ وَالشَّرِيْعَةُ لَيْسَ اِلَّا لَنَا وَاللّٰهُ تَعَالٰى خَصَّنَا بِهٰذِهِ الْفَضِيْلَةِ الْعَظِيْمَةِ مِنْ بَيْنِ جَمِيْعِ الْعٰلَمِيْنَ" (التفسیر الکبیر جزء ۸ ص۱۱۴) کہ اہل کتاب یعنی بنو اسرائیل کہتے تھے کہ وحی اور رسالت ہم میں ہوتی ہے اور کتاب اور شریعت بھی صرف ہمارے لیے مخصوص ہے اور تمام اقوام میں سے اللہ تعالیٰ نے اس فضیلتِ عظیمہ سے صرف ہمیں ہی مختص کیا ہے"۔

خدا تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ "اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (سورۃ الحدید آیت آخری) کہ فضل کرنا خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے"۔ صرف یہود ہی اس نعمتِ الٰہیہ کے مستحق نہیں۔

ایک دوسری جگہ کفارِ مکہ کے متعلق فرمایا: "قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ (سورۃ الزخرف آیۃ ۳۱) کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ یا طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُتارا گیا، خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا وہ تیرے ربّ کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں انھیں ایسا کہنے کا کیا حق ہے؟

اگر انسان کسی شخص کو مقام نبوت پر کھڑا کرنے کا حق رکھتے تو اسے گرانے کا حق بھی انھیں حاصل ہوتا، مگر ایسا ہرگز نہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بلعم بن باعورا نبی تھا، اس نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا کی اور وہ کافر ہو گیا ہے۔ چنانچہ (تفسیر کبیر جزء ۴ صفحہ ۳۱۶) پر لکھا ہے "يُقَالُ اَيْضًا اِنَّهٗ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَلَمَّا دَعَا عَلَيْهِ مُوْسٰى اِنْتَزَعَ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِيْمَانَ وَصَارَ كَافِرًا کہ کہا جاتا ہے کہ بلعم نبی تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے حق میں بد دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان چھین لیا حتیٰ کہ وہ کافر ہو گیا۔"

مگر یہ ایک خیال ہی خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں حتیٰ کہ کسی صحیح حدیث سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے "اِنَّ عُزَيْرًا قَالَ يَا رَبِّ خَلَقْتَ الْخَلْقَ لِتُضِلَّ مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِيَ مَنْ تَشَاءُ فَقَالَ يَا عُزَيْرُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا فَاَعَادَهٗ ثَانِيًا فَقَالَ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا فَاَعَادَهٗ ثَالِثًا فَقَالَ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاِلَّا مَحَوْتُ اسْمَكَ عَنِ النُّبُوَّةِ۔ (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۳۵) کہ حضرت عزیر نے کہا اے میرے رب! تو نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تاکہ تو گمراہ کرے جسے چاہے اور ہدایت دے جسے چاہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عزیر! ایسے خیال سے منہ موڑ لے، لیکن آپ نے پھر اس بات کو دہرایا، پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بات کو جانے دو، مگر حضرت عزیر نے اسے تیسری بار پھر دہرایا، اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی بات کا خیال جانے دو

ورنہ میں تمہارا نام نبوت سے مٹا دونگا۔"

یہ روایت خود شہادت دیتی ہے کہ یہ واقعہ قابل قبول نہیں، کیونکہ نبی تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا، مگر یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت عزیر نے خدا تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی، ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ۔

بیشک قرآن مجید میں آتا ہے تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (سورہ آل عمران آیت ۲۶) اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ الْمُلْك سے مراد نبوت بھی بیان کیا گیا ہے (تفسیر الخازن جزء ۱ صفحہ ۲۸۱ اور تفسیر کبیر رازی جزء ۲ صفحہ ۴۲۴)، مگر کسی محقق عالم نے اس آیت سے یہ استدلال نہیں کیا کہ کسی نبی سے اس کی نبوت چھینی جاتی ہے۔ اس آیت میں جو نبوت چھیننے کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق علماء تفسیر نے یوں لکھا ہے۔ "وَمَعْنَى نَزْعِهَا هٰهُنَا نَقْلُهَا مِنْ قَوْمٍ اِلٰى قَوْمٍ" (تفسیر روح المعانی) کہ یہاں نبوت چھیننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل کر دیا جائے۔" یہی معنے علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں بیان کئے ہیں اور یہی معنی بیضاوی جزء ۲ صفحہ ۵ میں درج ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے ایک اور معنے بھی لکھے ہیں اَلْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهٖ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ اَیْ تَحْرِمُهُمْ وَلَا تُعْطِيْهِمْ هٰذَا الْمُلْكَ لَا عَلٰى مَعْنٰى اَنَّهٗ يَسْلُبُهٗ ذَالِكَ بَعْدَ اَنْ اَعْطَاهُ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۴۲۵) کہ نزع ملک (نبوت) سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ کسی قوم کو وہ اس نعمت سے محروم کر دے اور اسے دی ہی نہ جائے یہ مراد نہیں کہ اسے دیکر پھر اس سے چھین لی جائے۔

خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ جس شخص کو ایک دفعہ نبوت سے مشرف فرمادے پھر وہ شرف اس سے چھینا نہیں جاتا۔ بلکہ علامہ محمد بخیت صاحب سابق مفتی مصر اپنی کتاب (توفیق الرحمٰن صفحہ ۱۳۵) پر فرماتے ہیں "اِنْتِقَالُ صَاحِبِهَا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰى دَارِ الْبَقَاءِ لَا يَقْتَضِيْ زَوَالَهَا لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَيٌّ فِي الدَّارَيْنِ مَوْصُوْفٌ بِنُبُوَّتِهٖ وَرِسَالَتِهٖ كَاِخْوَانِهٖ الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ" کہ نبی علیہ السلام کی وفات اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ آپ کی نبوت بھی زائل ہو جائے، کیونکہ آپ دونو جہان میں زندہ ہیں اور نبوت سے متصف ہیں جیسے کہ آپ کے

دوسرے بھائی نبی اور رسول دونوں جہان میں زندہ اور نبوت سے متصف ہیں۔"

علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں تَنْزِعُ الْمُلْكَ کے ماتحت روح المعانی اور ابوالسعود والے معنے درج کئے ہیں اور محشی نے حاشیہ میں لکھا ہے "اِنَّ عَزْلَ النَّبِيِّ عَنِ النُّبُوَّةِ اِذْلَالٌ لَهٗ وَالْاَنْبِيَاءُ عِبَادٌ مُكْرَمُوْنَ۔ کہ کسی نبی کو نبوت سے معزول کرنیکے معنی یہ ہیں کہ اس کو ذلیل کیا گیا حالانکہ تمام انبیاء خدا تعالیٰ کے معزز بندے ہوتے ہیں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آمد ثانی کے وقت وہ نبی اور رسول نہ ہونگے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔ گویا وہ اس بات کے قائل ہیں کہ آمد ثانی کے وقت ان کی نبوت اور رسالت ان سے چھین لی جائے گی۔

اس خیال کے متعلق امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: "مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ كَفَرَ حَقًّا (حجج الکرامہ ص۴۳۱) کہ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت آپ سے چھین لی جائیگی تو وہ یقیناً کافر ہے۔"

اسی کے مطابق علامہ ملّا علی قاری نے بھی اپنی کتاب المشرب الوردی میں اپنے یقین کا اظہار کیا ہے، مدعا یہ ہے کہ یہ خیال مردود ہے اور ایسے خیال پر قائم شخص مومن نہیں رہ سکتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے۔

کفار اور مخالفتِ نبی

۲۰۔ بعض نادان اور ناواقف لوگ خیال کرتے ہیں کہ سچے نبی کو واضح نشانات دیئے جاتے ہیں اور وہ دلائل بینہ اپنے ساتھ لاتا ہے اس لیے اس کی مخالفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تاریخ انبیاء سے واقفیت رکھنے والا اور قرآن کریم کا مطالعہ کرنیوالا تو ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا، البتہ جس شخص کو نبوت سے دلچسپی ہی نہ ہو وہی ایسے خیال میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے "جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا (سورۃ الانعام آیت ۱۱۲) اور سورۃ الفرقان آیت ۳۱) کہ ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنائے۔"

پھر فرمایا "يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (سورہ یٰس آیت ۳۰) یعنی افسوس ہے بندوں پر کہ نہیں آتا ان کے پاس

کوئی رسول مگر وہ اس سے مخول کرتے ہیں۔" (نیز سورۃ الزخرف آیت ۷)

رہا یہ کہ ان کے پاس معجزات اور بینات ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا انکار کیسے ہو سکتا ہے سو جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب اپنے کلام پاک میں دیدیا ہوا ہے۔ فرمایا "وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ" (سورۃ الانعام آیت ۱۱۱) کہ اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی نازل کر دیتے اور ان کے مردے بھی (اٹھکر) ان سے بولتے اور ہر ایک چیز (جو وہ مانگ رہے ہیں) ہم ان کے سامنے لاڈالتے تو بھی وہ ایمان نہ لاتے۔"

بعض لوگوں کو ہی نہیں بلکہ اکثر لوگوں کو تو انکار کے لیے کوئی معمولی حیلہ چاہیئے۔ کوئی حیلہ مل جائے تو وہ صرف انکار ہی نہیں کرتے بلکہ وہ پاکبانہ انسان کے دشمن بن جاتے ہیں اور اس سے ایسا عناد رکھتے ہیں کہ اس کی ہر بات انھیں جھوٹ اور افتراء نظر آتی ہے۔

۱۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ تم نے اکثریت کے خیالات کی مخالفت کی ہے اور باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے مگر ہم چھوڑنے کے نہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے۔ "اِنَّ كُفَّارَ قُرَیْشٍ قَالُوْا لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُكَ عَلٰى هٰذَا الدِّیْنِ الَّذِیْ اَتَیْتَنَا بِهٖ اَلَا تَنْظُرُ اِلٰى مِلَّةِ اَبِیْكَ وَجَدِّكَ وَسَادَاتِ قَوْمِكَ یَعْبُدُوْنَ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى" (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۲۳۲) کہ کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تجھے یہ نیا دین بنانے پر کس امر نے آمادہ کیا ہے؟ کیا تو اپنے باپ دادا کے مذہب پر نظر نہیں کرتا کہ وہ لات اور عزّٰی کی پرستش کرتے تھے۔"

خدا تعالیٰ خود ان کے قول کو نقل کرتا ہے۔ "بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا" (سورۃ البقرہ آیت ۱۷۰) کہ ہم تیرے مذہب کی نہیں بلکہ اپنے باپ دادا کے مذہب کی پیروی کرینگے۔"

۲۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ اس پر شیطان نازل ہوتے ہیں اور اسے گمراہ کرتے اور گمراہی کی باتیں سکھاتے ہیں لکھا ہے کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے: "وَالْجِنُّ یُلْقُوْنَ عَلَیْهِ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ حَالَ مَا یَعْرِضُ لَهُ الْغَشْیُ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۴۵) کہ جب محمد پر غشی طاری ہوتی ہے تو شیطان اس پر یہ کلمات اتار دیتے ہیں۔"

۳۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص پاگل ہے، جنون کی وجہ سے ایسی بہکی باتیں کرتا ہے

چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے متعلق کہا: "اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ" (سورہ المومنون آیت ۲۵) کہ اس مرد کو جنون کا مرض لاحق ہے"۔ فرعون نے اپنی رعیت کو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا: "اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (سورہ الشعراء آیت ۲۷) کہ یہ شخص مجنون ہے۔

اور تو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجنون کہا گیا۔ کافروں نے آپ کو کہا "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (سورہ الحجر آیت ۶) کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے تو یقیناً پاگل ہے"۔ بلکہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق ہر ایک رسول کو مجنون اور ساحر قرار دیا گیا فرمایا: كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (سورۃ الذاریات آیت ۵۲) کہ ہر رسول جو پہلے آیا اسے ساحر اور مجنون قرار دیا گیا۔

انبیاء کو مجنون کا خطاب کیوں دیا جاتا رہا، امام رازی اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں "اِنَّهٗ كَانَ یَفْعَلُ اَفْعَالًا عَلٰی خِلَافِ عَادَاتِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ الرُّؤُوْسَاءُ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ لِلْعَوَامِّ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۱۹۰) کہ چونکہ وہ عام لوگوں کی عادات کے خلاف کام کرتے تھے اس لیے بڑے بڑے لوگ انھیں مجنون کہتے"۔

۴۔ کبھی کہتے ہیں کہ اسے جادو کیا گیا ہے اس لیے اس کو اپنے افعال اور اقوال پر ضبط نہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ (سورہ الشعراء آیت ۱۵۳) اور (آیت ۱۸۵) میں یہی الفاظ شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہے۔ گویا ان دونوں کو اَلْمُسَحَّرُ کہا گیا اَلْمُسَحَّرُ کے عربی میں یہ معنی ہیں۔ من له جوف (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۳۸۶) یعنی پیٹو، کھاؤ، پیو شخص اَلَّذِیْ سُحِرَ (المنجد) وہ شخص جسے جادو کیا گیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ ان دونوں انبیاء کو پیٹو کھاؤ پیو کہا گیا اور ان پر الزام لگایا کہ اس دعویٰ سے ان کا مقصد دوکانداری ہے اور مال و دولت حاصل کرنا ہے اور دوسرے معنے کے لحاظ سے یہ کہا گیا کہ یہ دونو مسحور ہیں ان پر جادو کا اثر ہے جس کی وجہ سے یہ نامعقول اور واہیات باتیں کرکے قوم کو اپنا مخالف بنا رہے ہیں۔

۵۔ پھر کبھی کہتے ہیں کہ یہ نبی ایسی باتیں کرتا ہے جس سے ہمارے جذبات مشتعل ہو جاتے

ہیں اور ہمارے احساسات کو ٹھیس لگتی ہے ، ایک دفعہ ابوجہل نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا : "اَلَا تَرٰی مَا جَاءَ بِهٖ سَفَّهَ عُقُوْلَنَا وَسَبَّ اٰلِهَتَنَا وَخَالَفَ اٰبَاءَنَا" (حاشیہ علی الجلالین للعلامہ الصاوی جزء ۲ ص۳۵) کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں بیوقوف قرار دیا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں اور ہمارے آباؤ اجداد کی مخالفت کی ہے "

عمرو بن العاصی نے نجاشی کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا : "وَاللّٰہِ اِنَّهُمْ لَيَشْتِمُوْنَ عِيْسٰی وَيَسُبُّوْنَهٗ" (تفسیر الدر المنثور جزء ۲ ص۴۲) کہ خدا کی قسم یہ (مسلمان) لوگ حضرت عیسیٰ کو گالیاں دیتے اور اسے بُرا بھلا کہتے ہیں "

مدعا کہ وہ اپنے زمانہ کے نبی اور اس کے متبعین پر بدزبانی اور بدگوئی کا بھی الزام لگاتے ہیں ، حالانکہ وہ حقائق ہوتے ہیں جو ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ۔

۶۔ پھر وہ موقع پائیں تو نبی کے حسب ونسب پر بھی طعن دینے سے باز نہیں رہتے ، تفسیر میں لکھا ہے : قَالُوْا اِنَّهُ ابْنُ زِنْيَةٍ (حاشیہ علی الجلالین للصاوی جزء ا ص۲۲۶) کہ یہود کہتے کہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) ولدالزنا ہیں " نعوذ باللہ من ذالک ۔

حالانکہ خود بعض کا ان میں سے حسب ونسب مشتبہ ہوتا ہے حضرت صالح علیہ السلام کا سب سے بڑا دشمن قدار تھا اس کے متعلق علامہ صاوی لکھتے ہیں : "کَانَ قَصِيْرًا اَزْرَقَ وَكَانَ ابْنَ زِنًا" (حاشیۃ الجلالین جزء ۳ ص۱۴۵) کہ وہ چھوٹے قد کا نیلی آنکھوں والا اور ولدالزنا تھا " حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک بڑا دشمن سامری تھا اس کا نام بھی موسیٰ تھا اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی ولدالزنا تھا (دیکھئے تفسیر روح المعانی جزء ۳ ص۱۹۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا دشمن ولید بن المغیرہ تھا اسے قرآن کریم نے زَنیم قرار دیا ہے جس کے معنی ولدالزنا کے ہیں ۔ (التفسیر الکبیر جزء ۸ ص۱۸۸)

بلکہ شیخ جمال الدین عبدالصمد بن ابراہیم بغدادی حنبلی جو ابن الحصری کے نام سے مشہور ہیں امام ابن تیمیہ کے دکھوں اور تکلیفوں کو ذکر کر کے لکھتے ہیں ؎

" لَا عَجَبٌ اِنْ كُنْتَ اُبْتُلِيْتَ بِحَاسِدٍ فَالْحُرُّ مُمْتَحَنٌ بِاَوْلَادِ الزِّنَا

(غایۃ الامانی جزء ۲ ص۲۲۳)

یعنی کوئی تعجب نہیں اگر آپ کو کسی حاسد کی وجہ سے ابتلاء آئے ہوں کیونکہ شریف انسان کو اولادالزنا کی طرف سے تکلیف پہنچا ہی کرتی ہے "

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "فَمَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَا فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَاءِ" (شرح الفقہ الاکبر ص۸۳) کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زنا کیا تھا وہ خود ولد الزنا ہے۔"

۷۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ یہ مدعیٔ نبوت ایسا ہے کہ اس کی نحوست کی وجہ سے ہم پر مصائب اور تکالیف آنی شروع ہو گئی ہیں۔ تفسیر میں ہے "قَالَ الْفَرَّاءُ وَقَدْ تَشَاءَمَتِ الْيَهُودُ بِالنَّبِيِّ بِالْمَدِينَةِ فَقَالُوا غَلَتْ أَسْعَارُنَا وَقَلَّتْ أَمْطَارُنَا مُذْ أَتَانَا۔" (التفسیر الکبیر جزء ۴ ص۲۷۹) کہ امام الفراء نے زیر آیت (ولقد اخذنا آل فرعون) کہا ہے کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد کو منحوس قرار دیتے اور کہتے کہ جب سے یہ شخص آیا ہے، ہمارے شہر میں مہنگائی ہو گئی ہے اور بارشیں بھی کم ہو گئی ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد قوم فرعون کے لوگ آپ کی نحوست کا چرچا کرتے رہتے فرمایا: "وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ (سورہ الاعراف آیت ۱۳۱) کہ جب کبھی انہیں کوئی دکھ یا تکلیف پہنچتی تو وہ کہتے کہ یہ ساری موسیٰ اور اس کے پیروؤں کی نحوست کا نتیجہ ہے۔"

۸۔ کبھی وہ یہ کہکر انکار کرتے ہیں کہ اس شخص کے پیرو ذلیل اور ادنیٰ درجہ کے ہیں۔ روؤسا اور علماء نے اسے منہ نہیں لگایا۔ روایات میں آتا ہے "قَالُوا إِنَّ عَامَّةَ مَنْ يَتْبَعُ مُحَمَّدًا الْفُقَرَاءُ وَالْأَرَاذِلُ مِثْلُ عَمَّارٍ وَصُهَيْبٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَلَوْ كَانَ هٰذَا الدِّيْنُ خَيْرًا مَا سَبَقُوْنَا إِلَيْهِ۔ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۴۸۲ زیر آیت لو کان خیراً ماسبقونا الیہ) کہ کافر کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اکثر پیرو غرباء اور ذلیل لوگوں میں سے ہیں، مثلاً عمار، صہیب اور ابن مسعود اور اگر یہ دین اچھا ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اسے قبول نہ کر پاتے۔"

۹۔ اکثر دفعہ نبی کا انکار اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کے منہ مانگے معجزات نہیں دکھاتا اور ان کے مطالبات پورے نہیں کر سکتا، خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے البتہ اگر

ا۔ تیرے کہنے سے ایک بڑا چشمہ پھوٹ پڑے۔

۲۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا شاندار باغ پیدا ہو جائے۔
۳۔ یا تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔
۴۔ یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئے۔
۵۔ یا تیرے لیے سونے کا گھر ہو۔
۶۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور خدا کی طرف سے کوئی خط ہمارے نام لے آئے جسے ہم پڑھیں۔ تو پھر ہم تجھ پر ایمان لے آئینگے۔

ان مطالبات کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۳) کہ تو انہیں کہدے کہ خدا ہر عیب سے پاک ہے میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں"۔ یعنی میرے اپنے اختیار میں کچھ بھی نہیں اور ضروری نہیں کہ خدا تمہارے منہ مانگے مطالبات کو پورا کرے۔

۱۰۔ کبھی وہ نبی کی موت وغیرہ کے متعلق بُری اور مکروہ باتیں شائع کرتے ہیں، شیخ رشید رضا سابق مفتی مصر اپنی مایہ ناز کتاب الوحی المحمدی صہ۱۸ حاشیہ میں لکھتے ہیں: وَاِنَّ جيبر دلوجن نَفْسَهٗ وَهُوَ رَجُلٌ جِدٌّ لَيَذْكُرُ اَنَّ مُحَمَّدًا مَاتَ فِيْ نَوْبَةِ سُكْرٍ بَيْنَ (كذا) وَاِنَّ جَسَدَهٗ وُجِدَ مُلْقًى عَلٰى كُوْمٍ مِّنَ الرَّوْثِ وَقَدْ اَكَلَتْ مِنْهُ الْخَنَازِيْرُ وَ ذٰلِكَ لِيُفَسِّرَ السَّبَبَ الَّذِيْ حُرِّمَ الْخَمْرُ وَ حُرِّمَ لَحْمُ ذٰلِكَ الْحَيَوَانِ" کہ خود جیبر ڈلوجن جو ایک سنجیدہ آدمی ہے، ذکر کرتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدہوشی کی حالت میں مرا اور اس کا جسم گند کے ایک ڈھیر پر پڑا ہوا پایا گیا اور آپ کے جسم کا کچھ حصہ سور کھا چکے تھے۔ یہ بات اس نے اس لیے لکھی ہے تاکہ بیان کرے کہ یہ سبب تھا جس کی وجہ سے شراب پینا اور سؤر کا گوشت کھانا حرام کیا گیا"

پس انبیاء کے مخالفین نے "دشمن کہے بات انہونی" کے مطابق ایسی ایسی باتیں انبیاء کے حق میں کہیں کہ جنھیں سنکر شرافت اور انسانیت کا سر شرم کے مارے جُھک جاتا ہے کون سا اعتراض ہے جو ان پر نہیں کیا گیا؟ کونسا الزام ہے جو ان پر نہیں لگایا گیا اور کونسی شرارت ہے جو ان کے خلاف کھڑی نہیں کی گئی؟ کون سا فتنہ ہے جو ان کے حق میں اٹھایا نہیں گیا؟ کون سا مکر اور تدبیر ہے جو انھیں ناکام بنانے کے لیے استعمال نہیں کی گئی؟

پس ہر سچے نبی کی مخالفت ہوتی رہی، مگر آخر کار وہی کامیاب ہوئے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ حضرت ابو القاسم جنید بغدادی فرماتے ہیں اور کیا ہی سچ فرماتے ہیں: "لَا یَبْلُغُ اَحَدٌ دَرَجَ الْحَقِیْقَةِ حَتّٰی یَشْهَدَ فِیْهِ اَلْفُ صِدِّیْقٍ بِاَنَّهٗ زِنْدِیْقٌ"۔ (الیواقیت والجواہر جزء ۱ صفحہ ۲۵) کہ کوئی شخص حقیقت کے درجات تک نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ بڑے بڑے صدیق کہلانیوالے ہزار آدمی اسے کافر و بے ایمان قرار نہ دیں۔

پس نبی کی مخالفت اس کے کذب کی نہیں بلکہ صدق کی دلیل ہوتی ہے اور پھر اس کی کامیابی اس کی سچائی کا واضح نشان بن جاتی ہے اور ہر عقلمند کے لیے عیاں ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے مخالف ہی غلط کار تھے۔

نبی کے لیے علاقہ مخصوص

۲۱۔ بعض لوگ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ عرب اور شام کے علاوہ دوسرے کسی ملک میں نبی مبعوث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی عربوں کے سوا اس نعمت کا اور کوئی مستحق ہو سکتا ہے۔

۱۔ یہ خیال سراسر باطل اور بے بنیاد ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے خیال میں وہی شخص مبتلا ہو سکتا ہے جس نے قرآن کریم کو کبھی بغور نہ پڑھا ہو، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَلِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ" (سورۃ یونس آیت ۴۷) ہر ایک امت کے لیے رسول ہے"۔ دوسری جگہ فرمایا: "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا" (سورۃ النحل آیت ۳۶) کہ ہم نے ہر ایک امت میں ایک رسول بھیجا"۔ پھر فرمایا: "وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ"۔ (سورۃ فاطر آیت ۲۴) کہ ہر ایک امت میں نذیر (نبی) ہو گزرا ہے"۔

ان آیات کا مطالعہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام امتوں میں نبی بھیجے گئے، کوئی ایسی امت نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نذیر (نبی) نہ ہو گزرا ہو۔ پس یہ کہنا کہ عربوں اور شامیوں کے ملک یا قوم کے سوا دوسرے ملک یا علاقہ سے نبی نہیں ہو سکتا قرآن کریم کے مخالف ہے۔

۲۔ ہمارے علماء کرام نے خود تسلیم کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے ہندوستان کے مشرق میں نازل ہوئے تھے لکھا ہے۔ "وَلَمَّا هَبَطَ آدَمُ اِلَی الْاَرْضِ قِیْلَ اِنَّهٗ اُهْبِطَ اِلٰی شَرْقِیِّ اَرْضِ الْهِنْدِ وَحَوَّاءُ بِجَدَّةَ" (اعلام النبوۃ صفحہ ۳۰) یعنی جب آدم زمین پر اُترے تو کہا گیا ہے کہ انھیں ملک ہند کے مشرق میں نازل کیا گیا اور حضرت حواء

کو جدہ ہیں۔

۳۔ اسی طرح مولانا الشریف السیّد علوی بن السیّد احمد بن عبدالرحمٰن السقاف اپنی کتاب الکوکب الاجوج صلا میں تحریر فرماتے ہیں: "وَكَانَ سَمَّاهُ عَبْدَاللهِ وَكَنَّاهُ اَبَا مُحَمَّدٍ ...... وَمَكَثَ آدَمُ فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اَنْ هَبَطَ مِنَ الْجَنَّةِ تِسْعَ مِائَةٍ وَثَلٰثِيْنَ اَوْ خَمْسِيْنَ سَنَةً .... وَكَانَ هُبُوْطُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كَمَا رُوِيَ عَلٰى جَبَلِ سَرَنْدِيْبَ فِي جَزِيْرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْهِنْدِ" "کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو عبداللہ کا نام دیا اور اس کی کنیت ابو محمد رکھی ...... اور آدم علیہ السلام زمین پر نو سو تیس یا پچاس سال ٹھہرے رہے اور آپ جنت سے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے ہند کے جزائر میں سے جزیرہ سرندیب میں اترے۔"

گویا سب سے پہلا نبی ہند میں نازل کیا گیا اور اس کا نام عبداللہ تھا اور مرکب تھا۔

۴۔ پھر حضرت امام ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں: "وَمِنْهَا حَدِيْثُ اَبِيْ نُعَيْمٍ نَزَلَ آدَمُ بِاَرْضِ الْهِنْدِ" (الفتاوی الحدیثیہ مصری ص۱۸۲) کہ حدیث ابونعیم میں ہے کہ آدمؑ ملک ہند میں نازل ہوئے۔" نیز دیکھئے (الیواقیت والجواہر جزء ۱ ص۱۱۵ مطبوعہ مصر) اور (کتاب "المعارف" لابن قتیبہ طبع مصر ص۱۵)

۵۔ علامہ وحید الزمان لکھنوی اپنی مشہور کتاب ھدیۃ المھدی میں تحریر فرماتے ہیں

وَمَضٰى بَيْنَ آدَمَ وَمُحَمَّدٍ علیہما السلام كَثِيْرٌ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ لَا يُحْصَوْنَ فَاِنَّهٗ مَا مِنْ قَوْمٍ وَلَا قَرْيَةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ...... وَاِنَّمَا لَمْ يَذْكُرِ اللهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَنْبِيَاءَ الْاَقَالِيْمِ الْاُخْرٰى كَاَنْبِيَاءِ الْهِنْدِ وَالصِّيْنِ وَالْيُوْنَانِ وَالْفُرْسِ وَبِلَادِ اُوْرُوْبَا وَاَفْرِيْقَةَ وَبِلَادِ اَمْرِيْكَا وَجَابَانَ وَبَرْهُمَا لِاَنَّ الْعَرَبَ مَا كَانُوْا يَعْرِفُوْنَهُمْ فَلَمْ يَكُنْ فِيْ ذِكْرِهِمْ فَائِدَةٌ جَلِيْلَةٌ اِنَّمَا اَشَارَ اِلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَلِهٰذَا مَا يَنْبَغِيْ لَنَا اَنْ نَجْحَدَ نُبُوَّةَ الْاٰخَرِيْنَ الَّذِيْنَ لَمْ يَذْكُرْهُمُ اللهُ سُبْحَانَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ وَعُرِفَ بِالتَّوَاتُرِ بَيْنَ قَوْمٍ وَلَوْ كُفَّارٍ اَنَّهُمْ كَانُوْا اَنْبِيَاءَ صُلَحَاءَ كَرَامْچَنْدَرْ وَكِچْهَمَنْ وَكِرِيْشَنْ جِيْ بَيْنَ الْهُنُوْدِ وَزَرَادُشْتَ بَيْنَ الْفُرْسِ وَكَنْفِشِيُوْسَ وَبُدْهَا بَيْنَ اَهْلِ الصِّيْنِ وَجَابَانَ وَسُقْرَاطَ وَ

فَیثَاغُوْرِسْ بَیْنَ اَھْلِ الْیُوْنَانِ۔" (ص ۸۴-۸۵)

"کہ آدم اور محمد علیہما السلام کے درمیان بہت سے نبی (جو گنے نہیں جا سکتے) ہو گذرے ہیں کیونکہ کوئی قوم اور کوئی ملک نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نذیر نہ ہو گزرا ہو......اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے ممالک کے انبیاء مثلاً ہند، چین، یونان، فارس، یورپین ممالک، افریقہ، امریکہ جاپان اور برما کا ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ عرب ان انبیاء کو نہ جانتے تھے اس لیے ان کے ذکر کا کوئی فائدہ نہ تھا، صرف ان کی طرف اپنے اس فرمان میں اشارہ فرما دیا کہ بعض انبیاء کا ذکر تو ہم نے کر دیا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ انھیں ذکر نہیں کیا گیا۔ پس ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم ان دوسرے انبیاء کا انکار کر دیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں کیا اور وہ کسی قوم میں متواتر مشہور چلے آتے ہیں کہ وہ نبی تھے۔ خواہ وہ قوم کافر ہی کیوں نہ ہو، مثلاً رامچندر لچھمن اور کرشن جی ہند میں، زرتشت فارس میں کنفیوشس اور بدھ چین اور جاپان میں اور سقراط اور فیثاغورث یونان میں۔"

کیا واضح دلیل ہے اور کتنی سچی بات ہے باقی جو غلط اور نامناسب باتیں ان انبیاء کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان میں اُن انبیاء کا قصور نہیں ان کے متبعین کا قصور ہے۔ الحاصل یہ کہنا کہ ملک عرب اور شام کے سوا خدا تعالیٰ نے کسی ملک میں نبی مبعوث نہیں فرمائے اور نہ ہی فرمائیگا بالکل بے بنیاد خیال ہے۔

فصل سوم

نبی کی سچائی کے چار معیار

نبی کی سچائی کے معیار مختلف قسم کے ہیں۔ جن میں سے بعض کا بیان کرنا ضروری ہے
حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ آیت یا یہا الناس قد جاءتکم موعظۃ
کے ماتحت لکھتے ہیں: "اِعْلَمْ اَنَّ الطَّرِیْقَ اِلٰی اِثْبَاتِ نُبُوَّۃِ الْاَنْبِیَاءِ علیہم السّلام
اَمْرَانِ (اَلْاَوَّلُ) اَنْ نَقُوْلَ اِنَّ هٰذَا الشَّخْصَ قَدِ ادَّعَی النُّبُوَّۃَ وَ ظَهَرَتِ
الْمُعْجِزَۃُ عَلٰی یَدِہٖ وَ کُلُّ مَنْ کَانَ کَذٰلِكَ فَهُوَ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ حَقًّا
وَ صِدْقًا ---- (اَلثَّانِیْ) فَهُوَ اَنْ نَعْلَمَ بِعُقُوْلِنَا اَنَّ الْاِعْتِقَادَ الْحَقَّ وَ الْعَمَلَ
الصَّالِحَ مَا هُوَ فَکُلُّ مَنْ جَاءَ وَ دَعَا الْخَلْقَ اِلَیْهِ وَ حَمَلَهُمْ عَلَیْهِ وَ کَانَتْ
لِنَفْسِهٖ قُوَّۃٌ قَوِیَّۃٌ فِیْ نَقْلِ النَّاسِ مِنَ الْکُفْرِ اِلَی الْاِیْمَانِ وَ مِنَ الْاِعْتِقَادِ الْبَاطِلِ
اِلَی الْاِعْتِقَادِ الْحَقِّ وَ مِنَ الْاَعْمَالِ الدَّاعِیَۃِ اِلَی الدُّنْیَا اِلَی الْاَعْمَالِ الدَّاعِیَۃِ
اِلَی الْاٰخِرَۃِ فَهُوَ النَّبِیُّ الْحَقُّ الصَّادِقُ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صـ ۲) یعنی جاننا
چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے دو باتوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے
(اول) ہم کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کے ہاتھ پر معجزہ بھی ظاہر ہوا اور
جو ایسا ہو وہ خدا کا سچا اور برحق رسول ہوتا ہے ------ (دوم) ہم اپنی عقول سے ہی
معلوم کر سکتے ہیں کہ اعتقاد حق اور عمل صالح کیا ہے۔ پس جو شخص آئے اور لوگوں کو اس کی
طرف دعوت دے اور انھیں اس پر عمل پیرا ہونے کی تحریک کرے اور اس میں ایسی روحانی قوت
بھی ہو۔ جس کے ذریعہ وہ ان کو کفر سے ایمان کی طرف اور اعتقاد باطل سے اعتقاد حق کی طرف
اور اعمال دنیوی سے اعمال اخروی کی طرف منتقل کر سکے تو وہ سچا نبی ہو گا۔"

خدا کے انبیاء اور رسول اپنے ساتھ بینات لاتے ہیں اور پھر انھیں آیات بھی عطا

کئے جاتے ہیں تا منصف مزاج، سعید الفطرت اور سلیم القلب لوگ ان بینات اور آیات کے ذریعہ خدا کے بندوں کی سچائی کو معلوم کر سکیں اور خدا تعالیٰ کے مفوضہ کام میں ان کی مدد کر کے خدا تعالیٰ کے افضال اور رحمتوں کے وارث ٹھہریں، ہاں جن لوگوں کے دماغ ٹیڑھے ہوتے ہیں اور وہ ہر حال میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور مروجہ رسوم و رواج کے پابند ہوتے ہیں اور تقلید محض ان کا کام ہوتا ہے وہ ان بینات و آیات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بہرحال امام رازی نے دو معیار پیش کئے ہیں ان پر ہی بحث کرنا مناسب ہے۔

پہلا معیار

۱۔ پہلے معیار کے مطابق سچے نبی کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے معجزات عطا کئے جاتے ہیں اور وہ معجزات اس کی سچائی کا زبردست ثبوت ہوتے ہیں۔

معجزہ کیا ہے؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟ زمانے کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہوتا ہے کرامت اور معجزہ میں کیا فرق ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معجزہ کا ظہور ممکن ہے یا نہیں وغیرہ، چونکہ حل طلب سوالات ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ کے متعلق کسی قدر تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔

معجزہ کی تعریف

علماءِ اسلام نے معجزہ کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

۱۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "اصول الدین" میں تحریر فرماتے ہیں "اَلْمُعْجِزَةُ اَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ عَلٰى وَفْقِ التَّحَدِّىْ" کہ معجزہ وہ خارق عادت امر ہے جو تحدی کے مطابق واقع ہو"

۲۔ علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وَهِيَ اَفْعَالٌ يَعْجِزُ الْبَشَرُ عَنْ مِثْلِهَا فَسُمِّيَتْ بِذٰلِكَ مُعْجِزَةً وَلَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ مَقْدُوْرِ الْعِبَادِ وَاِنَّمَا تَقَعُ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّ قُدْرَتِهِمْ۔ (مقدمہ ابن خلدون ص۹۷) یعنی معجزات وہ افعال ہیں جن کی مثل لانے سے انسان عاجز ہوتا ہے اسی وجہ سے انھیں معجزہ کہتے ہیں وہ ایسی باتوں میں سے نہیں ہوتا جن پر انسان قدرت رکھتا ہو اور وہ ان کی قدرت سے باہر واقع ہوتے ہیں"

۳۔ (الاتقان جزء ۲ ص۱۱۶) میں: "اِنَّ الْمُعْجِزَةَ اَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ مَقْرُوْنٌ بِالتَّحَدِّىْ سَالِمٌ عَنِ الْمُعَارَضَةِ" کہ معجزہ ایک ایسا امر ہوتا ہے جو خارق عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کا مثل لانے کی تحدی اور چیلنج بھی ہو اور پھر اس کا مقابلہ بھی نہ کیا

جا سکتا ہو۔

۴۔ علامہ سعدالدین تفتازانی لکھتے ہیں: "اَلْمُعْجِزَةُ اَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ قُصِدَ بِهٖ اِظْهَارُ صِدْقِ مَنِ ادَّعٰى اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ" (شرح العقائدالنسفیہ ص۳۲) کہ معجزہ وہ خارق عادت امر ہے جس کے ذریعہ کسی مدعی رسالت کے صدق اور سچائی کا اظہار مقصود ہو۔

۵۔ ملا علی القاری اپنی کتاب شرح الفقہ الاکبر ص۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْمُعْجِزَةَ اَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ كَاِحْيَاءِ مَيِّتٍ وَاِعْدَامِ جَبَلٍ عَلٰى وَفْقِ التَّحَدِّيْ وَهُوَ دَعْوَى الرِّسَالَةِ" کہ معجزہ ایک ایسے امر کو کہتے ہیں جو خارق عادت ہو جیسے کسی مردہ کو زندہ کرنا یا کسی قبیلہ کو ہلاک کرنا تحدی اور چیلنج کے مطابق۔

۶۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

"ہم معجزہ اسی کو کہتے ہیں کہ جو عقلاً محال نہ ہو لیکن خلاف عادت ہو اور خلاف عادت کے بھی یہ معنی ہیں کہ عام عادت کے خلاف ہو کیونکہ معجزہ بھی ہمارے نزدیک خدا کی خاص عادت ہے، خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔" (اسلام اور معجزات ص۵)

معجزہ اور کرامت معجزہ اور کرامت میں کیا فرق ہے؟ درحقیقت کوئی فرق نہیں مگر علماء نے اس کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے انھیں بیان کر دینا بھی مناسب ہے۔

۱۔ امام قشیری اپنے مشہور "رسالہ قشیریہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"فَاَمَّا الْاِمَامُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ فُوْرَكٍ رحمه الله فَكَانَ يَقُوْلُ الْمُعْجِزَاتُ دَلَالَاتُ الصِّدْقِ ثُمَّ اِنِ ادَّعٰى صَاحِبُهَا النُّبُوَّةَ فَالْمُعْجِزَاتُ تَدُلُّ عَلٰى صِدْقِهٖ فِيْ مَقَالَتِهٖ وَاِنْ اَشَارَ صَاحِبُهَا اِلَى الْوِلَايَةِ دَلَّتِ الْمُعْجِزَةُ عَلٰى صِدْقِهٖ فِيْ حَالِهٖ فَتُسَمّٰى كَرَامَةً لَا تُسَمّٰى مُعْجِزَةً وَاِنْ كَانَتْ مِنْ جِنْسِ الْمُعْجِزَاتِ لِلْفَرْقِ (الرسالة القشیریة ص۱۵۸) کہ امام ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ معجزات سچائی کی دلیل ہوتے ہیں پھر اگر ان معجزات والا نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ معجزات اس کی بات کی سچائی پر دلالت کرینگے اور اگر ان معجزات والا اپنی ولایت کی طرف اشارہ کرے تو معجزہ اس کے حال کی سچائی پر دلالت کریگا، مگر اس کا نام کرامت ہوگا نہ کہ معجزہ تاکہ معجزہ اور کرامت میں

فرق ہو سکے۔" (نیز دیکھئے الفتاویٰ الحدیثیہ ص۲۵۸)

مطلب یہ ہے کہ معجزہ اور کرامت دراصل ایک ہی حقیقت کا نام ہے، البتہ فرق کرنے کے لیے نبی کے معجزہ کو معجزہ کا نام دیتے ہیں اور ولی کے معجزہ کو کرامت کا نام۔

۲۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نبی کے متبعین میں سے کسی ولی کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر ہو تو وہ کرامت اس نبی کا معجزہ قرار پاتی ہے چنانچہ امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں: "صَارَتْ تِلْكَ الْكَرَامَةُ مُعْجِزَةً لِذٰلِكَ النَّبِيِّ وَمُؤَكِّدَةً لِرِسَالَتِهٖ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۴۶۸) کہ وہ کرامت اسی نبی متبوع کا معجزہ بن جاتی ہے اور اس کی رسالت کی تاکید کرتی ہے۔"

۳۔ حضرت امام قشیری ہی تحریر فرماتے ہیں: "وَكُلُّ نَبِيٍّ ظَهَرَتْ كَرَامَتُهٗ عَلٰى وَاحِدٍ مِّنْ اُمَّتِهٖ فَهِيَ مَعْدُوْدَةٌ مِنْ جُمْلَةِ مُعْجِزَاتِهٖ اِذْ لَوْ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ الرَّسُوْلُ صَادِقًا لَمْ تَظْهَرْ عَلٰى يَدِ مَنْ تَابَعَهُ الْكَرَامَةُ" (الرسالۃ القشیریۃ باب کرامات الاولیاء ص۱۸۸) کہ اگر کسی امتی پر کرامت ظاہر ہو تو وہ اس کے متبوع نبی کے معجزات میں شمار ہوگی، کیونکہ اگر وہ رسول سچا نہ ہوتا تو اس کے کسی تبع کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر نہ ہوتی۔"

۴۔ امام الحرمین فرماتے ہیں: "اِنَّ الْكَرَامَةَ وَالْمُعْجِزَةَ لَيْسَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ اِلَّا وُقُوْعُ الْمُعْجِزَةِ عَلٰى حَسْبِ دَعْوَى النُّبُوَّةِ وَالْكَرَامَةِ دُوْنَ ادِّعَائِهِ النُّبُوَّةَ" (الفتاویٰ الحدیثیۃ ص۲۵۸) کہ کرامت اور معجزہ میں دراصل کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ معجزہ دعوئے نبوت کے مطابق ہوتا ہے اور کرامت دعوئے نبوت کے بغیر۔"

یہی مذہب امام ابو حامد الغزالی، امام فخرالدین رازی، امام بیضاوی اور حافظ الدین النسفی وغیرہ کا ہے۔

" فَهٰؤُلَاءِ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ الْفَارِقَ بَيْنَهُمَا هُوَ تَحَدِّي النُّبُوَّةِ فَقَطْ وَلَمْ يَشْتَرِطْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ كَوْنَ الْكَرَامَةِ دُوْنَ الْمُعْجِزَةِ فِيْ جِنْسِهَا وَعِظَمِهَا فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى جَوَازِ اسْتِوَائِهِمَا فِيْمَا عَدَا التَّحَدِّيْ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ اِمَامُ الْحَرَمَيْنِ" (الفتاویٰ الحدیثیۃ ص۲۵۸) یعنی یہ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ کرامت اور معجزہ کے درمیان صرف دعویٰ نبوت ہی فرق کرنیوالا ہے اور ان میں سے

کسی نے بھی یہ شرط نہیں ٹھہرائی کہ کرامت جنس یا عظمت میں معجزہ سے کم ہو، پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ سوائے دعویٰ نبوت کے باقی دیگر امور میں کرامت اور معجزہ برابر ہو سکتے ہیں جیسے کہ امام الحرمین نے اس کی صراحت فرما دی ہے"

۵۔ اس مسئلہ کے متعلق ایک اور امر کا بیان کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں "اِنَّ لَفْظَ الْمُعْجِزَةِ خَاصٌّ بِخَوَارِقِ الْاَنْبِيَاءِ وَلَفْظَ الْكَرَامَةِ خَاصٌّ بِخَوَارِقِ الْاَوْلِيَاءِ وَاِنَّمَا هُوَ اصْطِلَاحُ الْخَلَفِ وَاَمَّا السَّلَفُ فَكَانُوْا يُسَمُّوْنَ كُلًّا مِّنَ الْاَمْرَيْنِ مُعْجِزَةً" كَالْاِمَامِ اَحْمَدَ وَغَيْرِهٖ" (الفتاوی الحدیثیۃ ص۲۶۳) کہ لفظ معجزہ انبیاء کے خوارق سے مخصوص ہے اور لفظ کرامت اولیاء کے خوارق سے مخصوص ہے یہ ائمہ خلف کی اصطلاح ہے، لیکن ائمہ سلف ان میں سے ہر ایک کو معجزہ کا نام ہی دیتے تھے، جیسے حضرت امام احمد وغیرہ"

مدعا یہ ہے کہ معجزہ اور کرامت میں صرف اصطلاحی فرق ہے۔ حقیقی فرق کوئی نہیں ہے، دونو ہی خارق عادت ہوتے ہیں اور دونو ہی اپنے ظاہر کرنیوالے کی سچائی کی دلیل ہوتے ہیں اور مخالف دونو ہی کی مثال لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔

خلف اور سلف میں حد فاصل کون سا زمانہ ہے اس بارہ میں علامہ احمد الصاوی المالکی اپنے حاشیہ جلالین میں تحریر فرماتے ہیں: "وَاَمَّا الْخَلَفُ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ الْخَمْسِمِائَةِ (حاشیہ الصاوی جزء ۳ ص۲) کہ پانچ سو سال کے بعد کے علماء کو علماء خلف قرار دیا گیا ہے" اور اس سے پہلے کے علماء کو علماء سلف۔

پس معجزہ اور کرامت میں جو اصطلاحی فرق قائم کیا ہے وہ علماء خلف نے قائم کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سو سال بعد ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صدیوں تک کے علماء نے ان دونو میں تفریق نہیں کی تھی۔

اس اصطلاحی تفریق کی تائید کے لیے علماء نے بعض امور کو معجزہ اور کرامت میں بطور فرق کے متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں۔ کہ معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی کرامت کا ظہور ہوگا اور نہ معجزہ کا۔ کیونکہ دونو کی حقیقت ایک ہی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایسا نہیں کیونکہ معجزہ اور کرامت میں چار بڑے فرق ہیں (۱) کہ معجزہ دکھانیوالا نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور کرامت

دکھانیوالا اپنی ولایت کا (۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء کو معجزات پیش کرنے کا حکم ہوتا ہے اور اولیاء کو کرامات چھپانے کا حکم ہوتا ہے (۳) نبی معجزہ کے متعلق یقین رکھتا ہے، لیکن ولی ایسا نہیں کرسکتا (۴) معجزہ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن کرامت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص۴۳۹ زیر آیۃ وکفلھا ذکریا)

آپ غور فرمائیں کہ یہ کتنی کمزور اور مشتبہ باتیں ہیں جنہیں بطور فرق کے بیان کیا گیا ہے جنکا کوئی ثبوت نہیں۔ پس حقیقت حقیقت ہی ہے اور یہ فرق محض تصنع اور تکلف کا نتیجہ ہے کیونکہ جیسے کہ علامہ ہیثمی صاحب نے لکھا ہے ان دونو کی جنس اور عظمت میں کوئی فرق نہیں۔

معجزہ کی قسمیں

معجزہ کی کئی اقسام ہیں، اگر موٹی موٹی اور مشہور اقسام کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی مشہور اور معرکۃ الآراء کتاب الاتقان میں فرماتے ہیں:

"وَھِیَ اِمَّا حِسِّیَّۃٌ وَاِمَّا عَقْلِیَّۃٌ وَاَکْثَرُ مُعْجِزَاتِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ حِسِّیَّۃً لِبَلَادَتِھِمْ وَقِلَّۃِ بَصِیْرَتِھِمْ وَاَکْثَرُ مُعْجِزَاتِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَقْلِیَّۃٌ لِفَرْطِ ذَکَاءِ ھِمْ وَکَمَالِ اَفْھَامِھِمْ" (الاتقان جزء ۲ ص۱۱۶ نوع ۶۴) کہ معجزات یا تو حسّی ہوتے ہیں یا عقلی ہوتے ہیں بنی اسرائیل کو جو معجزات دیئے گئے ان میں سے اکثر حسّی تھے کیونکہ ان کی عقل کم تھی اور دماغ موٹا تھا اور اس امت کے اکثر معجزات عقلی ہیں، کیونکہ ان کا فہم کامل اور دماغ تیز ہے"

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح عقل جسمانی حواس سے افضل ہے اسی طرح عقلی اور علمی معجزات، حسّی معجزات سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔

اخبارِ غیبیہ معجزات میں شامل ہیں

۲۔ اخبارِ غیبیہ بھی معجزات ہی ہوتے ہیں امام رازی فرماتے ہیں: وَلَا شَکَّ اَنَّ الْاِخْبَارَ عَنِ الْغَیْبِ مُعْجِزٌ" (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص۴۷ زیر آیۃ یا ھل الکتاب لم تکفرون بآیت اللہ) یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ غیب کی خبر دینا بھی معجزہ ہے" اس امر کو امام رازی صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک دفعہ ہی نہیں کئی دفعہ بیان فرمایا ہے۔ (دیکھئے التفسیر الکبیر جزء ۶ ص۱۷۵) پس پیشگوئی بھی معجزہ ہوتی ہے۔

۳۔ الشیخ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی اپنی کتاب اعلام النبوۃ ص۲۱ میں

فرماتے ہیں: ظُهُوْرُ الْعِلْمِ بِمَا خَرَجَ عَنْ مَعْلُوْمِ الْبَشَرِ كَالْاِخْبَارِ بِحَوَادِثِ الْغُيُوْبِ فَيَكُوْنُ مُعْجِزًا بِشَرْطَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنْ يَتَكَرَّرَ حَتّٰى يَخْرُجَ عَنْ حَدِّ الْاِتِّفَاقِ وَالثَّانِيْ اَنْ يَتَجَرَّدَ عَنْ سَبَبٍ يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلَيْهِ" یعنی ایسی بات کا ظہور جو انسانی معلومات سے باہر ہو جیسے غیبی واقعات کی خبر دینا پس وہ بھی معجزہ ہوگا، لیکن دو شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ غیب کی خبریں بار بار دی جائیں تاکہ ان کے متعلق یہ خیال نہ ہو کہ یہ کوئی اتفاقی بات ہے دوم یہ کہ وہ خبر ایسے سبب سے خالی ہو جس سے اس خبر کا معلوم کرنا ممکن ہو۔"

ایک عام بات کا خاص حالت کے لیے معجزہ ہونا

۳۔ بعض دفعہ ایک عام بات کو بعض دیگر امور کے ساتھ ملا کر معجزہ بنادیا جاتا ہے۔ الشیخ ابوالحسن الماوردی الشافعی ہی فرماتے ہیں: "مَا يُدْخُلُ جِنْسُهٗ فِيْ قُدْرَةِ الْبَشَرِ لٰكِنْ يَخْرُجُ مِقْدَارُهٗ عَنْ قُدْرَةِ الْبَشَرِ كَطَيِّ الْاَرْضِ الْبَعِيْدَةِ فِي الْمُدَّةِ الْقَرِيْبَةِ فَيَكُوْنُ مُعْجِزًا لِخَرْقِ الْعَادَةِ۔" (اعلام النبوۃ ص۱۹) یعنی جس بات کی جنس تو انسان کی طاقت میں ہو، لیکن اس کی مقدار انسانی طاقت سے باہر ہو جیسے لمبی مسافت کا تھوڑی سی مدت میں طے کرلینا۔ تو یہ بھی معجزہ ہوگا کیونکہ یہ خارق عادت امر ہے۔

۴۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک کام آسانی اور بغیر کسی مشکل کے سرانجام دے سکتا ہے، لیکن ایک نبی اگر کہے کہ تم لوگ اس کام کو اس وقت ہرگز نہ کرسکو گے اور واقعی وہ ایسا کر بھی نہ سکیں تو یہ بھی معجزہ ہوگا۔ حضرت ملا علی القاری شرح الفقہ الاکبر ص۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں "ثُمَّ النَّاقِضُ لِلْعَادَةِ كَمَا يَكُوْنُ فِعْلًا غَيْرَ مُعْتَادٍ يَكُوْنُ تَعْجِيْزًا عَنِ الْفِعْلِ الْمُعْتَادِ" کہ ناقض عادۃ یعنی خارق عادت امر (معجزہ) جیسے کہ غیر عادی فعل ہوتا ہے۔ ویسے ہی ایک عادی فعل سے کسی کو عاجز کر دینا بھی معجزہ ہوتا ہے۔"

اسی امر کو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال سے یوں واضح فرمایا ہے، لکھتے ہیں: لَوْ قَالَ نَبِيٌّ آيَةُ صِدْقِيْ اِنِّيْ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ اُحَرِّكُ اِصْبَعِيْ وَلَا يَقْدِرُ اَحَدٌ عَلٰى مُعَارَضَتِيْ فَلَمْ يُعَارِضْهُ اَحَدٌ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ثَبَتَ صِدْقُهٗ۔" (الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۴) کہ اگر کوئی نبی یہ کہے کہ میری صداقت کا نشان یہ ہے کہ صرف میں ہی آج اپنی انگلی کو حرکت دے سکونگا اور میرے مقابل پر کوئی دوسرا آدمی اپنی انگلی کو حرکت نہ دے سکیگا پھر اس دن ایسا ہی ہوجائے تو اس نبی کی سچائی ثابت ہوجائیگی۔"

حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر میں بھی اس کی وضاحت آئی ہے وہ لکھتے ہیں: "فَإِنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ أَنَا أُحَرِّكُ هٰذَا الْجَبَلَ يُسْتَبْعَدُ مِنْهُ وَكَذَا إِذَا قَالَ إِنِّي أَفْعَلُ فِعْلًا لَا يَقْدِرُ الْخَلْقُ عَلٰى حَمْلِ تُفَّاحَةٍ مِنْ مَوْضِعِهَا يُسْتَبْعَدُ مِنْهُ عَلٰى أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ فِعْلٌ مُعْجِزٌ" (التفسیر الکبیر للرازی جزء ۷ صفحہ ۶۸) کہ جو شخص کسی کو کہے کہ میں اس پہاڑ کو حرکت دونگا تو یہ بات اس کی طاقت سے بالا اور بعید سمجھی جائیگی اسی طرح جب وہ یہ کہے کہ میں ایک عجیب کام کرونگا وہ یہ کہ مخلوق ایک سیب کو اپنی جگہ سے نہ اُٹھا سکیگی تو یہ بات بھی اس کی طاقت سے بالا اور بعید سمجھی جائے گی اگر ایسا ہو جائے تو ان دونو باتوں میں سے ہر ایک معجزہ ہو گی"

پس ایک ایسے شخص کو جو ایک کام کر سکتا ہو، اس کام کے کرنے سے عاجز کر دینا یہ بھی معجزہ ہے جیسے ایک ایسے کام کو کر دینا جو انسانی طاقت سے بالا اور بعید ہو۔

معجزات کی ان چار قسموں کے متعلق جو حوالجات میں نے ابھی نقل کئے ہیں ان سے بعض ضروری امور کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ قارئین کو بھی اسی کی طرف توجہ دلا دوں۔

اوّل یہ کہ بنی اسرائیل کو جو معجزات دکھائے گئے ان میں سے زیادہ حسی قسم کے تھے کہیں عصا کو سانپ کی شکل میں دکھایا جارہا ہے، کہیں ہاتھ کو بغیر کسی مرض کے روشن کیا جارہا ہے، کہیں ٹڈیوں کے دَل کے دَل بھیجے جارہے ہیں، کہیں آسیب کے مریضوں کو شفا دی جارہی ہے وغیرہ، لیکن امتِ محمدیہ کو جو معجزات دیئے گئے ان میں سے اکثر عقلی اور علمی تھے، چنانچہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے متعلق چیلنج، امورِ غیبیہ کا اظہار، اصول شرعیہ کی ایسی تفصیل جو پہلے کتب میں نہیں پائی جاتی، دعاؤں کی قبولیت وغیرہ

دوم ان حوالجات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک امر کے معجزہ ہونے کے لیے وقت مقرر کر دیا جاتا ہے اس وقت کے اندر تو وہ امر معجزہ ہو گا بعد میں وہ معجزہ نہیں ہو گا حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کا قول اس کی تصدیق کرتا ہے۔

سوم یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ معجزات کی اقسام صرف انہی چار قسموں میں منحصر ہیں، بلکہ خدا تعالیٰ جس طرح چاہے اپنے مامور کی تصدیق کے لیے وہ ایسے دلائل مہیا کر سکتا ہے جو فی ذاتہ معجزہ ہوں، مثلاً باوجود ان کی کمزوری [illegible] ابتدائی کے انبیاء کو اپنی حفاظت میں

رکھنا اور پھر ان کے دشمنوں پر انھیں فتح دینا اور ان کی تعلیم کو قبولیت کا شرف بخشنا وغیرہ

غیب کی تعریف

اب قبل اس کے کہ میں آگے گزروں میں چاہتا ہوں کہ غیب کی تعریف بھی بیان کر دوں۔ وہ غیب جس کا اظہار انبیاء کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور وہ ان کے لیے معجزہ قرار پاتا ہے اسکے متعلق علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وَاَمَّا الْکَائِنَاتُ الْمُسْتَقْبِلَۃُ اِذَا لَمْ تُعْلَمْ اَسْبَابُ وُقُوْعِهَا وَلَا یَثْبُتُ لَهَا خَبَرٌ صَادِقٌ عَنْهَا فَهُوَ غَیْبٌ۔" (مقدمہ ابن خلدون ص۱۰۱ طبع مصر) کہ وہ آئندہ ہونیوالے واقعات جن کے وقوع کے اسباب معلوم نہ ہوں اور نہ ان کے متعلق پہلے کی کوئی خبر صحیح ثابت ہو تو وہ غیب ہوتا ہے۔"

پس وہ اخبارِ غیبیہ جو نبی کو دی جاتی ہیں کسی علم یا کسی عقل کے ذریعہ دریافت نہیں کی جا سکتیں وہ اللہ تعالیٰ کی دین ہوتی ہے اور اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے، کہ خبر دینے والا (نبی) واقعی خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور تاکہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ایک اتفاقی امر ہے۔ وہ اخبارِ غیبیہ بڑی کثرت سے اسے دی جاتی ہیں جنہیں کسی صورت میں اتفاق نہیں کہا جا سکتا۔

صرف تحدی شدہ امر ہی معیار ہو سکتا ہے

۵۔ ایک اور بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ایک مامور جب کوئی الہام یا وحی پیش کرتا ہے جو کسی معجزہ پر مشتمل ہو تو اس میں جس امر کا دعویٰ یا تحدی ہو اسی کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اس سے زائد اگر کوئی بات اس کے دعویٰ یا تحدی کے خلاف بھی ہو تو وہ قابلِ توجہ نہ ہوگی، امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی تحریر فرماتے ہیں: "قَالَ الْعُلَمَاءُ لَوْ اَنَّ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ اِدَّعٰی الرِّسَالَۃَ وَقَالَ اِنْ اَدْعُ الشَّجَرَۃَ تُکَلِّمْنِیْ ثُمَّ دَعَاهَا فَاَتَتْ وَکَلَّمَتْهُ وَقَالَتْ اِنَّكَ کَاذِبٌ لَکَانَ ذٰلِكَ دَلِیْلًا عَلٰی صِدْقِهٖ لَا دَلِیْلًا عَلٰی کِذْبِهٖ لِاَنَّهٗ تَحَدّٰی بِاَمْرٍ عَلٰی وَفْقِ مَا ادَّعَاهُ وَکَوْنُ الْکَلَامِ تَصْدِیْقًا اَوْ تَکْذِیْبًا اَمْرٌ خَارِجٌ عَنِ الدَّعْوٰی لَا حُکْمَ لَهٗ۔"

(الاعتصام للشاطبی جزء ۱ ص۲۰۳ مطبوعہ مصر) کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی نبی رسالت کا دعویٰ کرے اور کہے کہ اگر میں اس درخت کو بلاؤں تو وہ مجھ سے بات کریگا پھر وہ اسے بلائے اور وہ آ جائے اور پھر اس سے بات بھی کرے لیکن کہے کہ تو جھوٹا ہے

تو یہ اس کی سچائی کی دلیل ہوگی نہ اس کے جھوٹا ہونے کی، کیونکہ اس نے ایک ایسے امر کی تحدی کی، جو اس کے دعویٰ کے مطابق ہوئی۔ باقی رہا درخت کا تصدیق کرنا یا اس کی تکذیب کرنا تو یہ ایسا امر ہے جو دعویٰ سے خارج ہے۔ اس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔" بعینہٖ یہ بات اور مضمون کتاب "مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم" صفحہ ۳۱۸ میں درج ہے۔ بظاہر یہ ناممکن ہے کہ ایسا درخت اس مدعی نبوت کو جھوٹا کہے تاہم میں نے یہ بات اس لیے درج کی ہے تا معلوم ہو کہ ہمارے علماء نے کس قدر باریک اور دقیق باتوں کا بھی خیال رکھا ہے کتنی عجیب بات ہے، لیکن کتنی صحیح ہے، اکثر لوگ ایسے فرق کی پرواہ نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور خدا کے مرسل کا انکار کر دیتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ معجزہ پہلے کی طرح ہو

۶۔ یہ ضروری نہیں کہ معجزہ ایسا ہو جس کی مثال پہلے پائی گئی ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ پہلے انبیاء کے معجزات میں سے کسی معجزہ کی طرح نہ ہو، یہ بات صرف اور صرف خدائے تعالےٰ کے منشاء اور ارادہ پر منحصر ہوتی ہے کہ وہ کس قسم کا معجزہ دکھائے الا ماشاءاللہ۔

اہل کتاب کے اس مطالبہ پر کہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں "سوختنی قربانی" والا معجزہ دکھائیں جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم قربانی کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خدا تعالیٰ آگ اتارے جو اس قربانی کو کھا جائے۔ اگر یہ معجزہ دکھایا جائے تو ہم مان لینگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے انبیاء کو یہ معجزہ دیا گیا تھا تو کیا تم ان پر ایمان لائے تھے؟ نہیں اس معجزہ کے ظہور کے باوجود تم نے انھیں جھٹلایا بلکہ انھیں قتل کرنے کی کوشش کی، اس جواب کے متعلق حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: "فَاِنَّہٗ یَقْتَضِیْ تَوْقِیْفَ الصِّدْقِ عَلٰی ظُھُوْرِ ھٰذِہِ الْمُعْجِزَۃِ الْمُعَیَّنَۃِ" (التفسیر الکبیر جزء ۳ صفحہ ۱۱۱) کہ خدا تعالیٰ کے جواب کا تقاضا یہ ہے کہ اس امر کو تسلیم کیا جائے کہ نبی کی سچائی مطلق معجزہ کے ظہور پر موقوف ہے نہ کہ اس خاص معجزہ کے ظہور پر۔"

(حاشیہ: [illegible] مطلق المعجزہ)

نشان طلب کرنے کا صحیح طریق

۷۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی سے معجزہ یا کوئی نشان دکھانے کی درخواست کرنا ناجائز ہے ایسی درخواست ناجائز نہیں، البتہ کسی خاص معجزے کے دکھانے کا مطالبہ یا کسی خاص رنگ میں یا کسی خاص وقت کے اندر معجزے دکھانے پر اصرار وغیرہ باتیں ناجائز ہیں، معجزہ کیسے طلب کیا جائے اس کے متعلق حضرت امام فخر الدین صاحب رازی تحریر فرماتے ہیں:

"فَطَرِيْقُهٗ اَنْ يَّقُوْلُوْا يَااَيُّهَا الْمُدَّعِيْ نَحْنُ لَا نُكَذِّبُكَ وَلَا نُصَدِّقُكَ لٰكِنَّا نُرِيْدُ اَنْ يُّبَيِّنَ اللّٰهُ لَنَا اٰيَةً تُخَلِّصُنَا مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُتَنَبِّیْ وَ تَكْذِيْبِ النَّبِیِّ وَنَعْلَمُ بِهَا كَوْنَكَ نَبِيًّا وَنُؤْمِنُ بِكَ فَبَعْدَ ذَالِكَ مَاكَانَ يَبْعُدُ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً" (التفسیر الکبیر جزء ۴ صفحہ ۴۹۹ زیر آیت قل انما الایات عند اللہ)

کہ اس کا طریق یہ ہے کہ کہیں کہ اے جو مدعی (نبوت) ہے ہم نہ تجھے جھوٹا کہتے ہیں اور نہ ہی سچا، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کوئی نشان ظاہر کرے جو ہمیں جھوٹے مدعی نبوت کی تصدیق سے چھڑائے اور سچے نبی کی تکذیب سے بچائے اور ہمیں تیرے نبی ہونے کی پہچان ہو جائے اور ہم تجھ پر ایمان لے آئیں۔ اس درخواست کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کوئی نشان نازل فرما دے۔"

یہ ہے صحیح طریق نشان کے لیئے درخواست کا!! اگر کوئی شخص اس نیت سے درخواست کرتا ہے کہ مطلوبہ نشان دکھایا تو جائیگا نہیں اس لیے مدعی کو جھوٹا کہنے کا موقع مل جائے گا، تو اس کے اس مطالبہ کو ہرگز پورا نہ کیا جائیگا اور نہ ہی اس کی تکذیب کی پرواہ کی جائے گی۔

یہ روحانی معاملہ ہے، اس میں بدنیتی، شوخی اور تکبر کبھی کام نہیں دے سکتا، اس میں تو دعا، خاکساری اور غور و فکر کام آتے ہیں فرمایا: سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ (سورہ الاعراف آیت ۱۴۵) کہ میں ان لوگوں کو جو زمین میں تکبر سے کام لیتے ہیں، اپنی آیات سے پھیر دونگا۔" گویا متکبر کو سچے نشان بھی نظر نہیں آتے، آئیں بھی تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔

کثرت معجزات شرط نہیں ۸۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ معجزات اتنی کثرت سے دکھائے جائیں جس کا قوم مطالبہ کر رہی ہو، کیونکہ کثرت کی تو کوئی حد نہیں

حضرت امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

"وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ كَوْنِهٖ نَبِيًّا صَادِقًا تَوَاتُرُ الْمُعْجِزَاتِ الْكَثِيْرَةِ وَتَوَالِيْهَا لِاَنَّا لَوْ فَتَحْنَا هٰذَا الْبَابَ لَلَزِمَ اَنْ لَّا يَنْتَهِیَ الْاَمْرُ فِيْهِ اِلٰی مَقْطَعٍ وَكُلَّمَا اَتَی الرَّسُوْلُ بِمُعْجِزٍ اِقْتَرَحُوْا مُعْجِزًا اٰخَرَ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۲۴۴)

"یعنی سچا نبی ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ بہت سے معجزات متواتر اور پے در پے دکھائے جائیں، کیونکہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بات کسی فیصلے تک نہ پہنچ سکے گی اور جب کبھی رسول کوئی ایک معجزہ دکھائے گا تو لوگ کسی دوسرے معجزہ کا مطالبہ شروع کر دینگے۔"

دراصل انسان دو قسموں میں منقسم ہیں۔

اوّل صاف گو اور صاف دل انسان۔ جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں اور حق کو پہچانتے ہی پکار اُٹھتے ہیں: "رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (سورہ آل عمران آیت ۱۹۳) کہ اے ہمارے رب! ہم نے تیرے ایک منادی کو سُنا جو ندا دے رہا تھا ایمان کے لیے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو ہم ایمان لے آئے۔"

ایسے لوگوں کے لیے زیادہ معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ بعض دفعہ کوئی معجزہ دیکھے بغیر اپنی فراست سے سچائی کو پہچان لیتے اور اس پر فوراً ایمان لے آتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کون سا معجزہ دیکھا تھا؟ لیکن وہ بلا تامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، اسی لیے صدیق بھی کہلائے سچ ہے ؎

صاف دل کو کثرتِ اعجاز کی حاجت نہیں

دوم طبعاً ضدی، متکبر اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنیوالے، انھیں حق سے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی وہ اس کے لیے نہ اپنی عقل و فکر استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی انھیں خیال ہوتا ہے کہ حق کی تلاش کی جائے اور اگر بالفرض حق ان کے سامنے آ بھی جائے تو وہ اسے اس طرح ردّ کر دیتے ہیں جیسے معدہ کا مریض عمدہ کھانے کو۔ قے کے ذریعہ باہر پھینک کر تسلی پاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے ایک کیا سارے مطلوبہ نشان بھی ہدایت کا موجب نہیں بن سکتے خدا تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرماتا ہے وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (سورۃ الاعراف آیت ۱۴۶) اور (الانعام: آیت ۲۵) یعنی اگر وہ تمام مطلوبہ نشانات بھی دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔

پھر فرمایا: وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (سورۃ الانعام آیت ۱۱۱)

یعنی اگر ہم ان کی طرف ملائکہ کو نازل فرمائیں اور مردے اُٹھکر ان سے باتیں بھی کریں اور ہر ایک بات (جس کا وہ مطالبہ کررہے ہیں) ان کے سامنے لاموجود کی جائے تو بھی وہ ایمان لانے کے نہیں، الا ماشاء اللہ۔"

یہ تو بے علم اور جاہل لوگوں کی حالت کا بیان ہے اہل کتاب اور علم والوں کے متعلق جو ایسی ہی طبیعت کے مالک ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۵) کہ اگر تو اہل کتاب کے پاس تمام نشانات بھی لے آئے تو بھی وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے۔"

ایسے لوگوں سے بحث و تبادلہ خیالات بھی فضول اور بے معنی ہوتا ہے ؎

بحث کرنا تم سے کیا حاصل اگر تم میں نہیں
روح انصاف و خدا ترسی کہ ہے دیں کا مدار

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سچائی کا یقین کرتے ہوئے وہ انکار پر اصرار کرتے ہیں وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (سورۃ النمل آیت ۱۴) کہ انہوں نے ان (نشانات و معجزات) کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کی سچائی کا یقین کر چکے تھے اور اس انکار کی وجہ محض ظلم اور تکبر تھا۔"

وعیدی پیشگوئیاں

۹۔ یہ تو بیان ہو چکا کہ اخبار غیبیہ اور پیشگوئیاں بھی معجزات میں شامل ہیں، لیکن پیشگوئیوں کے متعلق ایک دو اور اہم امور کا بیان کر دینا بھی ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے سو واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے انبیاء کو مُبَشِّر اور مُنْذِر قرار دیا ہے فرمایا: فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۳) پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبشر اور منذر کر کے بھیجا۔"

دوسری جگہ فرمایا: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (سورۃ النساء آیت ۱۶۴) کہ ہم نے رسولوں کو مبشر اور منذر کر کے بھیجا۔"

امام فخر الدین الرازی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: اَنَّ الْبَشَارَةَ تَجْرِيْ مَجْرَى حِفْظِ الصِّحَّةِ وَالْاِنْذَارَ يَجْرِيْ مَجْرَى اِزَالَةِ الْمَرَضِ وَلَا شَكَّ اَنَّ الْمَقْصُوْدَ بِالذَّاتِ هُوَ الْاَوَّلُ (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص ۲۰۳) کہ خوشخبری تو حفظ صحت کے قائم مقام ہے اور انذار بیماری کے ازالہ کے قائمقام اور کوئی شک نہیں کہ

مقصود بالذات تو پہلی بات ہی ہے"۔

معلوم ہوا کہ انبیاء جو پیشگوئیاں کرتے ہیں ان میں سے بعض تو تبشیری رنگ رکھتی ہیں اور دراصل یہ حصہ خود ان کی جماعت اور ایمان لانیوالوں سے تعلق رکھتا ہے اور بعض پیشگوئیوں میں انذار اور تخویف کا رنگ بھرا ہوتا ہے تاکہ غافل اور ضدی لوگ ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کریں اور ایسے اعمال سے باز آجائیں جو خدا تعالیٰ کے غضب کے بھڑکانے کا موجب بن سکتے ہیں۔

فرمایا: وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا (سورۃ الاسراء آیت ۵۹) کہ ہم انذاری آیات صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ڈرایا جائے"۔

عذاب دو قسم

اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب آتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہیں۔

اوّل وہ چھوٹے اور ادنیٰ عذاب جن کے ذریعہ صرف ڈرانا دھمکانا مقصود ہوتا ہے۔

دوم وہ عذاب جن کے ذریعہ اس قوم کو تباہ کر دیا جاتا ہے جو انذار اور تخویف سے فائدہ نہیں اُٹھاتی بلکہ سرکشی اور نافرمانی میں بڑھتی چلی جاتی ہے اور ان کے متعلق امید ختم ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی نافرمانیوں اور ناگفتہ بہ اعمال سے باز آئیں گے، فرمایا: "وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (سورہ السجدہ آیت ۲۱) کہ ہم انھیں بڑے اور تباہ کن عذاب سے پہلے ادنیٰ اور چھوٹا عذاب دینگے تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں"۔ گویا وعید کی ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ انسان حق کی طرف رجوع کرے۔ پس جب کوئی قوم اس ادنیٰ عذاب سے سبق حاصل کرلے تو پھر بڑے عذاب کو ان سے روک لیا جاتا ہے اور اس طرح وہ تباہی سے بچ جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: "وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ (سورہ الاعراف آیت ۹۴) کہ نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی اور ملک میں کوئی نبی مگر ہم نے اس کے باشندوں کو مختلف قسم کے مصائب اور بیماریوں سے پکڑا تاکہ وہ خدا کے سامنے جھک جائیں"۔

اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم کو یہ خبر دی جائے کہ اس پر عذاب آنے والا ہے اور وہ قوم توبہ اور استغفار سے کام لے تو وہ عذاب ٹل سکتا ہے کیونکہ اصل غرض تو

اصلاح تھی جو پوری ہوگئی، خدا تعالیٰ خود فرماتے ہیں: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورہ الانفال آیت ۳۴) کہ خدا تعالیٰ انھیں عذاب دینے کا نہیں جبکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔"

وعید کا ٹل جانا عذاب کی پیشگوئی کے بعد اس عذاب کا قوم کے استغفار کی وجہ سے ٹل جانے پر پیشگوئی جھوٹی نہیں کہلائے گی بلکہ کرم اور عفو کی دلیل ہوگا کیونکہ دراصل ہر ایک ایسی انذاری خبر میں یہ شرط مخفی ہوتی ہے کہ توبہ کرلو تو یہ عذاب نہیں آئیگا۔ اصلاح کرلو تو یہ وعید پورا نہیں ہوگا۔

حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: وَعِنْدِيْ جَمِيْعُ الْوَعِيْدَاتِ مَشْرُوْطَةٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا يَلْزَمُ مِنْ تَرْكِهِ دُخُوْلُ الْكِذْبِ فِيْ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى (تفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۴۴ مصری) یعنی میرے نزدیک تمام وعیدوں کا پورا ہونا اس شرط پر موقوف ہوتا ہے کہ مجرم کو معافی نہ دی جائے۔ اگر اس کو معافی دیدی جائے تو وعید کے چھوڑ دینے اور پورا نہ کرنے سے خدا کے کلام میں جھوٹ کا دخل لازم نہیں آئیگا۔" یہی مضمون (روح المعانی جزء ۸ صفحہ ۵۰ مصری) پر پایا جاتا ہے۔

شیخ الطریقت، خاتم اولیاء حضرت ابن عربی رحمہ اللہ اپنی کتاب (الفتوحات المکیہ جزء ۲ صفحہ ۱۴۱ مصری) پر تحریر فرماتے ہیں: "وَمِمَّا يَتَمَدَّحُ بِهٖ اَهْلُ هٰذَا اللِّسَانِ بَلْ هُوَ مَدْحٌ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ اَلتَّجَاوُزُ عَنْ اِنْفَاذِ الْوَعِيْدِ فِيْ حَقِّ الْمُسِيْئِ وَالْعَفْوُ عَنْهُ وَالْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ الَّذِيْ هُوَ فِي الْخَيْرِ" یعنی ان امور میں سے جن کے ذریعہ عرب لوگ مدح حاصل کرتے ہیں بلکہ وہ امر ہر قوم میں قابل ستائش سمجھا جاتا ہے۔ یہ امر بھی ہے کہ غلط کار کے حق میں وعید کو پورا کرنے سے کنارہ کشی کی جائے اور اسے معاف کر دیا جائے اور بھلائی اور انعام کا جو وعدہ ہو اسے پورا کیا جائے۔"

یہی بات علامہ ابوبکر بن محمد عارف خوقیر نے اپنی مشہور کتاب "مَالَا بُدَّ مِنْهُ" کے صفحہ ۴۳ پر درج فرمائی ہے۔

وعیدیہ فرقہ اور معتزلہ کے کچھ علماء کے سوا تمام علماء اہل السنۃ کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ صحیح ہے کیونکہ احادیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت انس

رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ وَعَدَهُ اللّٰهُ عَلٰى عَمَلِهٖ ثَوَابًا فَهُوَ مُنْجِزُهٗ وَمَنْ اَوْعَدَهٗ عَلٰى عَمَلِهٖ عِقَابًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ (تفسیر روح المعانی جزء ۲ صفحہ ۱۵۵) یعنی جس شخص سے اللہ تعالیٰ اس کے نیک عمل پر ثواب دینے کا وعدہ کرے تو وہ اسے پورا کرتا ہے اور جسے اس کے بُرے عمل پر عذاب دینے کا وعید دے تو وہ مختار ہے (کہ اسے عذاب دے یا نہ دے)

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا کی برکت سے مقدر بلاء اور عذاب ٹل سکتے ہیں فرمایا: اَلدُّعَاءُ يَرُدُّ الْقَضَاءَ (الجامع الصغیر جزء صفحہ ۱) کہ دعا قضاء و قدر کو بھی ٹال سکتی ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا: اَكْثِرُوا الدُّعَاءَ اِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ (تفسیر الدر المنثور جزء ۳ صفحہ ۳۱۷ مصری) کہ زیادہ دعا کیا کرو کیونکہ دعا قضاء مبرم کو بھی ٹال سکتی ہے (نیز دیکھئے الجامع الصغیر جزء ۱ صفحہ ۵) اسی لیے ہمیں حضور نے دعا سکھلائی وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ (ترمذی) کہ اے اللہ ہمیں بُری تقدیر سے بچانا!

دعا کے علاوہ صدقہ بھی خدا تعالیٰ کے غضب کو بجھانے کا بڑا ذریعہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ (الجامع الصغیر جزء ۲ صفحہ ۴۴) کہ پوشیدہ صدقہ دینا خدا تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔

قرآن کریم بھی اس کی تائید فرماتا ہے

احادیث نبویہ کے علاوہ خود خدائے پاک اپنے کلام میں اس امر کی شہادت دیتا ہے فرماتا ہے: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ، لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (سورہ یونس آیت ۹۸) یعنی کیوں نہ ہوئی کوئی بھی بستی کہ ایمان لائے اور اس کا ایمان اسے نفع دے ہاں یونس کی قوم جب وہ ایمان لائے تو دنیا میں ہم نے ان سے ذلت کا عذاب ٹال دیا اور انہیں ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔"

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: وَكَانَ يُوْنُسُ قَالَ لَهُمْ اِنَّ اَجَلَكُمْ اَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً فَقَالُوْا اِنْ رَاَيْنَا اَسْبَابَ الْهَلَاكِ اٰمَنَّا بِكَ فَلَمَّا مَضَتْ خَمْسٌ وَثَلٰثُوْنَ لَيْلَةً ظَهَرَ فِي السَّمَاءِ غَيْمٌ اَسْوَدُ شَدِيْدُ السَّوَادِ ..... فَعَلَتِ

اَلْاَصْوَاتُ وَكَثُرَتِ التَّضَرُّعَاتُ وَاَظْهَرُوْا الْاِيْمَانَ وَالتَّوْبَةَ وَتَضَرَّعُوْا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَرَحِمَهُمْ وَكَشَفَ عَنْهُمْ (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۲۹ مصری) یعنی نبی یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ تمہاری اجل چالیس دن تک باقی ہے انہوں نے کہا اگر ہم ہلاکت کے اسباب کو دیکھ پائیں گے تو تجھ پر ایمان لے آئیں گے جب پینتیس دن گزرے تو آسمان پر سخت سیاہ گھٹا چھا گئی ۔۔۔۔۔۔۔ اس پر ان لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور کثرت سے آہ و زاری شروع ہوئی اور انہوں نے ایمان اور توبہ کا اظہار کیا اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور عذاب کو ان سے ہٹا دیا۔" اس طرح چالیس دن کا وعید پورا نہ ہوا۔

حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس آیت کے متعلق اپنی مشہور کتاب (اکلیل فی استنباط التنزیل) میں ایک روایت درج فرمائی ہے۔" وَاَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ قَالَ دَعَوْا فَكَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ " یعنی ابن مردویہ نے الا قوم یونس کے متعلق ایک حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ان لوگوں نے دعا مانگی تو خدا تعالیٰ نے ان کے عذاب کو ہٹا دیا۔" نیز دیکھئے (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۱۲۹)

(تفسیر روح البیان جزء ۱ صفحہ ۲۵۷) پر ایک واقعہ لکھا ہے جو ہمارے اس اعتقاد کی تائید کرتا ہے۔ اِنَّ قَصَّارًا مَرَّ عَلٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَعَ جَمَاعَةٍ مِنَ الْحَوَارِيِّيْنَ فَقَالَ لَهُمْ اُحْضُرُوْا جَنَازَةَ هٰذَا الرَّجُلِ وَقْتَ الظُّهْرِ فَلَمْ يَمُتْ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اَلَمْ تُخْبِرْنِيْ بِمَوْتِ هٰذَا الْقَصَّارِ فَقَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ تَصَدَّقَ بَعْدَ ذٰلِكَ " یعنی ایک دھوبی حضرت عیسیٰ اور آپ کے چند حواریوں کے پاس سے گزرا تو حضرت نے انہیں فرمایا کہ ظہر کے وقت اس دھوبی کے جنازہ پر حاضر ہونا، لیکن وہ نہ مرا۔ اس کے بعد جبریل نازل ہوا تو حضرت نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے مجھے اس دھوبی کی موت کی خبر نہ دی تھی جبریل نے کہا ہاں دی تھی لیکن اس کے بعد اس نے صدقہ دیا (جس کی برکت سے اس کی موت کا وقت تاخیر میں ڈال دیا گیا)

غرض صدقہ دینا، توبہ اور استغفار کرنا، تضرع اور دعا سے کام لینا اور رجوع الی الحق وعیدی پیشگوئیوں کو ٹال سکتا ہے اور اس سے پیشگوئی کا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ہر انذار اور وعید اس امر سے مشروط ہوتا ہے کہ اگر مجرم نے اپنی سرکشی اور نافرمانی سے توبہ نہ کی تو پھر یہ وعید نافذ ہوگا اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس شرط کی پہلے وضاحت کر دی جائے۔

پیشگوئی کے متعلق ملہم کی غلط فہمی کا احتمال

۱۰۔ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی یا ملہم اپنی وحی اور الہام کی صداقت کا ذمہ دار ہوتا ہے، وحی اور الہام کے متعلق کوئی زاید امر جو بیان کیا گیا ہو، اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہوتا چنانچہ صلح حدیبیہ کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ اس رؤیا میں طواف کعبہ کا وعدہ تو ضرور کیا گیا مگر وقت کی تعیین نہ تھی، وقت کی تعیین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے فرمائی، لیکن وہ صحیح ثابت نہ ہوئی، مگر طواف کعبہ کا وعدہ صحیح تھا جو بعد میں پورا ہوگیا۔

اسی طرح بعض دفعہ جگہ کی تعیین میں بھی نبی اور ملہم غلطی کر سکتا ہے چنانچہ صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الرؤیا اور صحیح بخاری جلد کتاب التوحید میں ایک حدیث نبی یوں ذکر ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رَئَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُهَاجِرُ مِنْ مَّکَّةَ اِلٰی اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِیْ اِلٰی اَنَّهَا الْیَمَامَةُ اَوْ هَجَرُ فَاِذَا هِیَ الْمَدِیْنَةُ یَثْرِبُ" کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کرونگا جس میں کھجوریں بکثرت ہونگی، سو میرا خیال یمامہ اور ہجر کی طرف گیا، لیکن بعد میں وہ مدینہ یثرب ثابت ہوا۔"

ظاہر ہے کہ وہ رؤیا تو سو فیصد صحیح تھی، کیونکہ ہجرت گاہ کی جو علامت بتائی گئی وہ بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔ اور آپ کو ایسے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی جس میں کھجوریں بکثرت پائی جاتی تھیں، لیکن جس جگہ کی طرف حضور کا خیال تھا کہ ہجرت ہوگی اس طرف نہ ہوئی، گویا حضور کا خیال یا اجتہاد صحیح نہ تھا۔

اس سے بڑھکر ایک اور امر کا ثبوت بھی احادیث صحیحہ سے ملتا ہے وہ یہ کہ بعض دفعہ نبی کو ایک خبر اس طور سے دی جاتی ہے کہ خود نبی کے لیے اس کا مفہوم واضح نہیں ہوتا، بلکہ

جب تک وہ خبر واقع نہیں ہو جاتی اس کے مفہوم کا تعین مشکل ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: أَنَّ بَعْضَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَيُّنَا أَسْرَعُ بِكَ لُحُوقًا قَالَ أَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَكَانَتْ سَوْدَةُ أَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ أَنَّ كَانَتْ طُولَ يَدِهَا الصَّدَقَةُ وَكَانَتْ أَسْرَعَنَا لُحُوقًا بِهِ زَيْنَبُ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ۔

(صحیح بخاری جزء ۱ کتاب الزکوٰۃ و مسند احمد جزء ۶) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات نے حضور سے دریافت کیا کہ آپ کی وفات کے بعد ہم میں سے کون فوت ہو کر پہلے پہل آپ سے مل جائیگی، حضور نے فرمایا: تم میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے تھے، لیکن بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ "لمبے ہاتھ" سے مراد صدقہ تھا اس لیے زینب ہم سب سے پہلے فوت ہو گئیں کیونکہ وہ صدقہ کرنیکو زیادہ پسند کرتی تھیں"۔

اس ارشاد کے مطابق حضور کی ازواج مطہرات نے حضور کے سامنے اپنے ہاتھوں کو ناپا، مگر آپ نے انہیں اس سے نہ روکا اور بظاہر حضور نے ان کے خیال سے اتفاق کیا ورنہ حضور انھیں اس غلط فہمی سے آگاہ فرما دیتے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اس واقعہ کے متعلق (فتح الباری جزء ۳ صفحہ ۲۲۹ مصری) پر تحریر فرماتے ہیں:

"لِأَنَّ نِسْوَةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حَمَلْنَ طُوْلَ الْيَدِ عَلَى الْحَقِيْقَةِ فَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِنَّ"۔ یعنی ازواج مطہرات نے "ہاتھ کی لمبائی" کو ظاہر پر محمول کیا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہ فرمایا"

خلاصہ یہ کہ حضرت زینب کی وفات ہونے پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ "ہاتھ کی لمبائی" سے مراد سخاوت اور غرباء کی مدد کرنا تھا۔

مجمل تعلیم کے متعلق بھی غلطی کا امکان

پیشگوئیاں تو دور کی بات ہوتی ہے تعلیم کے متعلق بھی جب تک پوری وضاحت نہ ہو۔ نبی غلطی میں مبتلا ہو سکتا ہے، لیکن اس کو اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا اور مجمل وحی کو دوسری وحی کے ذریعہ واضح کر دیا جاتا ہے تاکہ غلطی کا ازالہ کر دیا جائے۔

اس کی مثال ہمیں قرآن مجید سے ملتی ہے خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ

أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (سورہ المومن آیت ۴۶) یعنی قوم فرعون صبح و شام آگ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو پھر کہا جائیگا کہ انھیں سخت عذاب میں داخل کردو۔"

علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مکی ہے وَقَدِ اسْتَمْسَكُوا بِهَا عَلَى عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الْبَرْزَخِ یعنی اسی آیت کی وجہ سے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ برزخ میں عذاب قبر حق ہے۔ بلکہ اس کو اس بات پر اہل سنت کے استدلال میں اصل کبیر کہا گیا ہے۔ وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ اَصْلٌ كَبِيْرٌ فِي اسْتِدْلَالِ اَهْلِ السُّنَّةِ، اس سورۃ کے نزول کے کافی عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور وہاں جاکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کے گھر لائی گئیں اور پھر ایک یہودی عورت ان کے لیے بطور خادم مقرر ہوئی۔ فَلَا تَصْنَعُ عَائِشَةُ رضی الله عنها اِلَيْهَا شَيْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ اِلَّا قَالَتْ لَهَا الْيَهُوْدِيَّةُ وَقَاكِ اللّٰهُ عَذَابَ الْقَبْرِ۔ قَالَتْ عَائِشَةُ رضی الله عنها فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: هَلْ لِلْقَبْرِ عَذَابٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ: قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا۔ مَنْ زَعَمَ ذٰلِكَ؟ قَالَتْ هٰذِهِ الْيَهُوْدِيَّةُ لَا اَصْنَعُ اِلَيْهَا شَيْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ اِلَّا قَالَتْ وَقَاكِ اللّٰهُ عَذَابَ الْقَبْرِ قَالَ صلی الله علیه وسلم: كَذَبَتْ يَهُوْدُ وَهُمْ عَلَى اللّٰهِ اَكْذَبُ، لَا عَذَابَ دُوْنَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ مَكَثَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَمْكُثَ فَخَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ--- وَهُوَ يُنَادِيْ بِاَعْلٰى صَوْتِهٖ--- اَيُّهَا النَّاسُ اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَاِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ۔" وَهٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ (تفسیر ابن کثیر جزء ۴ ص۸۱) سو جب کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس یہودیہ سے اچھا سلوک کرتیں تو وہ یہودی خادمہ کہتی: اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا قیامت کے قیام سے پہلے قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ حضور نے فرمایا: نہیں، یہ کس نے کہا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اس یہودی خادمہ نے، جب بھی میں اسے کوئی چیز دیتی ہوں تو مجھے جواب دیتی ہے کہ اللہ تجھے عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔" حضور نے یہ سنا تو فرمایا، یہودی جھوٹ

بولتے ہیں اور انھیں اللہ پر جھوٹ بولنے کی بہت زیادہ عادت ہے، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں"۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد حضور اپنے گھر سے نکلے ...... اور بلند آواز سے منادی کر رہے تھے .... کہ اے لوگو! عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگا کرو کیونکہ عذاب قبر واقعی سچ ہے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور کو اس کے بعد وحی سے بتایا گیا اِنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِكُمْ کہ لوگو! تمہیں بداعمال پر قبر میں عذاب دیا جائیگا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوگیا کہ اگر کسی عقیدہ کے متعلق وضاحت نہ کی گئی ہو کہ وہ حق ہے تو نبی اس سے انکار کر سکتا ہے بلکہ اسے جھوٹ بھی قرار دے سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ اسے اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیتا اور جلد یا بدیر اس کا ازالہ کر کے حق کو واضح کر دیتا ہے۔

پیشگوئی میں کبھی خلیفہ اور اولاد مراد ہوتی ہے

۱۱۔ اور آگے گزرنے سے پہلے اس بات کا بھی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ پیشگوئی میں ایک شخص سے مراد اس کا خلیفہ یا اولاد ہوتی ہے لکھا ہے:

رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فِی الْمَنَامِ اُسَیْدَ بْنَ اَبِی الْعِیْصِ وَالِیًا عَلٰی مَکَّۃَ مُسْلِمًا فَمَاتَ عَلَی الْکُفْرِ وَکَانَتِ الرُّؤْیَا لِوَلَدِہٖ عِتَابٍ" (تاریخ الخمیس جزء ۲ صـ۱۱۱ مصری) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ اسید بن ابی العیص مسلمان ہوگیا ہے اور مکہ کا حاکم بنا ہے، لیکن وہ خود کفر کی حالت میں فوت ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا عتاب مسلمان ہوا اور مکہ کا حاکم بنا، اسی طرح وہ خواب اسید کے بیٹے کے ذریعہ پورا ہوا

اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ فِیْ یَدَیَّ سِوَارَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ فَاَھَمَّنِیْ شَاْنُھُمَا فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَنْفُخْھُمَا فَنَفَخْتُھُمَا فَطَارَا فَاَوَّلْتُھُمَا کَذَّابَیْنِ" کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں، انھیں دیکھکر مجھے اندیشہ لاحق ہوا، اس پر مجھے وحی ہوئی کہ میں ان دونو کنگنوں پر پھونک دوں، سو میں نے ان پر پھونک دی تو وہ اُڑ گئے فرمایا اس کی تاویل میں نے یہ کی کہ دو جھوٹے میرے مقابل کھڑے ہونگے۔

بولتے ہیں اور انھیں اللہ پر جھوٹ بولنے کی بہت زیادہ عادت ہے، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں" پھر کچھ عرصہ کے بعد حضور اپنے گھر سے نکلے ...... اور بلند آواز سے منادی کر رہے تھے .... کہ اے لوگو! عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگا کرو کیونکہ عذاب قبر واقعی سچ ہے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور کو اس کے بعد وحی سے بتایا گیا اِنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِکُمْ کہ لوگو! تمہیں بداعمال پر قبر میں عذاب دیا جائیگا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوگیا کہ اگر کسی عقیدہ کے متعلق وضاحت نہ کی گئی ہو کہ وہ حق ہے تو نبی اس سے انکار کر سکتا ہے بلکہ اسے جھوٹ بھی قرار دے سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ اسے اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیتا اور جلد یا بدیر اس کا ازالہ کرکے حق کو واضح کر دیتا ہے۔

پیشگوئی میں کبھی خلیفہ اور اولاد مراد ہوتی ہے

۱۱- اور آگے گزرنے سے پہلے اس بات کا بھی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ پیشگوئی میں ایک شخص سے مراد اس کا خلیفہ یا اولاد ہوتی ہے لکھا ہے:

رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْمَنَامِ اُسَیْدَ بْنَ اَبِی الْعِیْصِ وَالِیًا عَلٰی مَکَّۃَ مُسْلِمًا فَمَاتَ عَلَی الْکُفْرِ وَکَانَتِ الرُّؤْیَا لِوَلَدِہٖ عِتَابٍ" (تاریخ الخمیس جزء ۲ صفحہ ۱۱۱ مصری)، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ اسید بن ابی العیص مسلمان ہوگیا ہے اور مکہ کا حاکم بنا ہے، لیکن وہ خود کفر کی حالت میں فوت ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا عتاب مسلمان ہوا اور مکہ کا حاکم بنا، اسی طرح وہ خواب اسید کے بیٹے کے ذریعہ پورا ہوا

اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُ فِیْ یَدَیَّ سِوَارَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ فَاَھَمَّنِیْ شَاْنُھُمَا فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَنْفُخْھُمَا فَنَفَخْتُھُمَا فَطَارَا فَاَوَّلْتُھُمَا کَذَّابَیْنِ" کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں، انھیں دیکھکر مجھے اندیشہ لاحق ہوا، اس پر مجھے وحی ہوئی کہ میں ان دونو کنگنوں پر پھونک دوں، سو میں نے ان پر پھونک دی تو وہ اڑ گئے فرمایا اس کی تاویل میں نے یہ کی کہ دو جھوٹے میرے مقابل کھڑے ہونگے۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے فرمایا فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ الَّذَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْيَمَامَةِ مُتَفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ کتاب الرؤیا) کہ میں نے دو کنگنوں کی تاویل کی کہ وہ دو جھوٹے ہیں جو میرے زمانہ میں موجود ہیں ایک صنعا کا رہنے والا (الاسود العنسی) اور دوسرا یمامہ کا رہنے والا (مسیلمہ)۔

اسود العنسی کو تو حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی فیروز الدیلمی نے قتل کر دیا تھا (التفسیر الکبیر جزء ۳ صفحہ ۱۴۵ مصری) لیکن مسیلمۃ الکذاب کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کیفر کردار تک پہنچایا گیا (حاشیہ نمبر ۷ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرؤیا) لکھا ہے کہ مسیلمۃ الکذاب کے متعلق پیشگوئی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پوری ہوئی۔

غرض بعض دفعہ پیشگوئی بظاہر ایک شخص سے تعلق رکھتی ہے، لیکن دراصل وہ شخص خود مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا بیٹا یا اس کا کوئی خلیفہ مراد ہوتا ہے اگر وہ پیشگوئی بیٹے یا خلیفہ کے ذریعہ پوری ہو تو پھر بھی اس پیشگوئی کو سچا اور برحق تسلیم کیا جائیگا، جھوٹا نہیں کہا جائیگا۔

اس امر کی تصدیق کے لیے ایک اور دلچسپ واقعہ بھی حدیث سے ملتا ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رَئَيْتُ لِاَبِيْ جَهْلٍ عِذْقًا فِي الْجَنَّةِ فَلَمَّا اَسْلَمَ عِكْرَمَةُ قَالَ يَا اُمَّ سَلَمَةَ هٰذَا هُوَ (الاکمال فی اسماء الرجال للشیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب فصل العین) کہ میں نے ابوجہل کے لیے جنت میں انگوروں کا گچھا دیکھا ہے ابوجہل تو اس وقت مر چکا تھا، جب عکرمہ اسلام لایا تو حضور پُرنور نے فرمایا کہ اے ام سلمہ ابوجہل سے مراد یہی عکرمہ ہے"۔

معجزہ کا زمانہ کے مطابق ہونا

۱۲۔ معجزات کی بحث میں اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ معجزہ عموماً زمانہ کے حالات کے مطابق دکھایا جاتا ہے

حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

"كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ اُوْتِيَ نَوْعًا اٰخَرَ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ لَائِقًا بِزَمَانِهِ" (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۳۰۳) کہ ہر ایک نبی کو اس کے زمانہ کے مطابق الگ الگ قسم کا معجزہ دیا گیا"۔

ایک اور موقع پر اسی بحث کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"إِنَّهُ تَعَالَىٰ يَجْعَلُ مُعْجِزَةَ كُلِّ نَبِيٍّ مِنْ جِنْسِ مَا كَانَ غَالِبًا عَلَىٰ أَهْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ فَلَمَّا كَانَ السِّحْرُ غَالِبًا عَلَىٰ زَمَانِ مُوسٰى عليه السلام كَانَتْ مُعْجِزَتُهُ شَبِيهَةً بِالسِّحْرِ وَإِنْ كَانَ مُخَالِفًا لِلسِّحْرِ فِي الْحَقِيقَةِ وَلَمَّا كَانَ الطِّبُّ غَالِبًا عَلَىٰ أَهْلِ زَمَانِ عِيسٰى كَانَتْ مُعْجِزَتُهُ مِنْ جِنْسِ الطِّبِّ وَلَمَّا كَانَتِ الْفَصَاحَةُ غَالِبَةً عَلَىٰ زَمَانِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم لَا جَرَمَ كَانَتْ مُعْجِزَتُهُ مِنْ جِنْسِ الْفَصَاحَةِ" (التفسیر الکبیر جزء ۴ صـ۱۷۲)

یعنی خدا تعالیٰ نے ہر نبی کے معجزہ کو ان حالات کے مطابق بنایا ہے جو اس کے زمانہ پر غالب ہوتے تھے پس چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا بہت چرچا تھا اس لیے آپ کا معجزہ بھی سحر کی مانند تھا گو حقیقت میں وہ سحر کے مخالف تھا اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر لوگوں میں طب کا چرچا تھا تو آپ کا معجزہ بھی طب ہی کی قسم سے تھا اسی طرح چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کو قابل فخر بات سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کا معجزہ بھی اسی قسم کا ہو"

یہی بات (التفسیر الکبیر جزء ۵ صـ۱۸۴) پر بھی بیان کی گئی ہے۔

قرآن کریم معجزہ عظیم ہے

۱۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی اسے معجزہ عظیمہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس جیسا کلام بنی نوع انسان بنانے پر قادر نہیں ہونگے، بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن کریم ایک معجزہ عظیمہ نہیں بلکہ ہزاروں معجزوں پر مشتمل ہے، امام رازی علیہ الرحمۃ خود لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تحدی کی گئی ہے کہ اے لوگو! قرآن کریم کی ایک سورۃ کی مثل ہی کوئی کلام بنا کر لے آؤ اور سب سے چھوٹی سورۃ سورۃ الکوثر ہے جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے گویا انہیں ہر تین آیات کے متعلق چیلنج کیا گیا ہے ادھر قرآن کریم کی کل آیات چھ ہزار سے زیادہ ہیں اس سے لازم آتا ہے۔ أَنْ لَا يَكُونُ مُعْجِزُ الْقُرْآنِ مُعْجِزًا وَاحِدًا بَلْ يَكُونُ أَلْفَيْ مُعْجِزَةٍ وَأَزْيَدَ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صـ۳۰) کہ قرآن مجید صرف ایک معجزہ نہیں بلکہ دو ہزار سے زاید معجزات پر حادی ہے۔

انبیاء کرام کو جو معجزات دیئے گئے ان میں سے اکثر ملتے جلتے ہیں مثلاً پیشگوئی کرنا بیماروں کو شفا دینا، دعاؤں کا قبول ہونا، کھانا بڑھانا وغیرہ

علامہ الخازن لکھتے ہیں فَمَا اُوْتِیَ نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ اٰیَۃً اَوْمُعْجِزَۃً اِلَّا اُوْتِیَ نَبِیُّنَا صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَ ذٰلِکَ (تفسیر الخازن جزء ۱ صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ مصر) کہ جو معجزہ یا نشان پہلے کسی نبی کو دیا گیا ویسا ہی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا گیا۔ لیکن حضور پُرنور کو جو معجزہ بصورت کتاب دیا گیا ویسا کبھی کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے: مَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ مَا مِثْلُہٗ اٰمَنَ عَلَیْہِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحَاہُ اللّٰہُ اِلَیَّ فَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَھُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (مسند احمد، البخاری، مسلم، الجامع الصغیر جز ۲ صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ مصر) یعنی ہر ایک نبی کو اس قدر نشان یا معجزے دیئے گئے کہ جس کے ذریعہ اس زمانہ کے لوگ اس نبی پر ایمان لے آئے، لیکن مجھے بطور معجزہ کے وہ وحی دی گئی جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ میں قیامت کے دن تمام انبیاء کی نسبت زیادہ متبعین رکھنے والا ہونگا"۔

علامہ ابن کثیر اپنی مشہور کتاب (فضائل القرآن صفحہ ۱۱) پر لکھتے ہیں: لَمَّا مَاتَ الْاَنْبِیَاءُ لَمْ تَبْقَ لَھُمْ مُعْجِزَۃٌ بَعْدَھُمْ اِلَّا مَا یَحْکِیْہِ اَتْبَاعُھُمْ عَمَّا شَاھَدُوْہُ فِیْ زَمَانِھِمْ وَاَمَّا الرَّسُوْلُ الْخَاتَمُ لِلرِّسَالَۃِ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّمَا کَانَ مُعْظَمُ مَا اٰتَاہُ اللّٰہُ وَحْیًا مِنْہُ اِلَیْہِ مَنْقُوْلًا اِلَی النَّاسِ بِالتَّوَاتُرِ فَفِیْ کُلِّ حِیْنٍ ھُوَ کَمَا اُنْزِلَ۔" کہ جب انبیاء وفات پا گئے تو ان کے بعد ان کا کوئی زندہ معجزہ باقی نہ رہا سوائے ان کے جو ان کے پیرو بطور حکایت کے بیان کریں کہ انہوں نے وہ معجزات ان کے زمانہ میں دیکھے تھے، لیکن ہمارے نبی محمد خاتم النبیین کو اللہ تعالیٰ نے جو بڑا معجزہ عطا فرمایا وہ آپ کی طرف خدا کی وحی کی صورت میں تھا جو متواتر چلا آ رہا ہے اور ویسے ہی (زندہ معجزہ) ہے جیسے کہ وہ پہلے اترا تھا"

ہمارے بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین ہزار سے زائد معجزات دیئے گئے۔ وَقَدْ حَصَلَ فِیْ حَقِّ نَبِیِّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا یَفْضُلُ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اٰلَافٍ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۳۱) اور بعض کا کہنا ہے۔ اِنَّ مُعْجِزَاتِ الْمُصْطَفٰی مِائَۃُ اَلْفٍ وَسَبْعُوْنَ اَلْفًا (تفسیر احمد الصاوی جزء ۴ صفحہ ۲۳۴) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایک لاکھ ستر ہزار ہیں"۔ حضرت

امام الزمان مرزا غلام احمد قادیانی فرماتے ہیں۔"اسلام معجزات کا سمندر ہے" (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۳۶) بات یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے علم اور ظرف کے مطابق لکھا ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضور کا سب سے بڑا اور زندہ معجزہ قرآن حکیم ہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ علمی معجزہ ہے جو بہر حال حسّی معجزہ سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔

وجوہِ اعجاز قرآن پاک

۱۴۔ قرآن کریم کس وجہ سے معجزہ ہے؛ اس کے متعلق حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

"اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِی الْوَجْہِ الَّذِیْ لِاَجْلِہٖ کَانَ الْقُرْاٰنُ مُعْجِزًا فَقَالَ بَعْضُھُمْ ھُوَ الْفَصَاحَۃُ وَقَالَ بَعْضُھُمْ ھُوَ الْاُسْلُوْبُ وَقَالَ ثَالِثٌ ھُوَ عَدَمُ التَّنَاقُضِ وَقَالَ رَابِعٌ ھُوَ اشْتِمَالُہٗ عَلَی الْعُلُوْمِ الْکَثِیْرَۃِ وَقَالَ خَامِسٌ ھُوَ الصَّرْفُ وَقَالَ سَادِسٌ ھُوَ اِشْتِمَالُہٗ عَلَی الْاَخْبَارِ عَنِ الْغُیُوْبِ وَالْمُخْتَارُ عِنْدِیْ وَعِنْدَ الْاَکْثَرِیْنَ اَنَّہٗ مُعْجِزٌ بِسَبَبِ الْفَصَاحَۃِ۔"
(التفسیر الکبیر جزء ۵ صـ۴۳ مصری)

"کہ لوگوں نے اس وجہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس کی وجہ سے قرآن کریم معجزہ ہوا بعض کا کہنا ہے کہ وہ وجہ فصاحت ہے، بعض کا کہنا ہے کہ وہ اپنے اسلوب کی وجہ سے معجزہ بنا ہے۔ تیسرا (گروہ) کہتا ہے کہ اس کا اعجاز اس وجہ سے ہے کہ اس میں تناقض یا اختلاف نہیں چوتھا (گروہ) کہتا ہے کہ چونکہ یہ بہت سے علوم پر مشتمل ہے اس لیے معجزہ ہے پانچواں (گروہ) کہتا ہے کہ اس کی مثل بنانے سے لوگوں کو روک دیا گیا اس لیے معجزہ ہوا چھٹا (گروہ) یہ کہتا ہے کہ چونکہ قرآن کریم اخبار غیبیہ سے بھرا پڑا ہے اس لیے معجزہ بنا، لیکن میرے اور اکثر مفسرین کے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہی ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت کی وجہ سے معجزہ بنا ہے۔"

نیز ملاحظہ ہو (کتاب اعجاز القرآن للامام ابی بکر الباقلانی) اور (کتاب اعلام النبوۃ صـ۴۷ تا ۵۱ للامام الشیخ ابی الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت بھی معجزانہ ہے مگر جن امور کے متعلق اس کے علاوہ دنیا کو چیلنج دیا گیا ہے وہ چار ہیں۔

اوّل: سورۃ البقر آیت ۲۲ اور سورۃ یونس آیت ۳۸ میں ایک سورۃ کی مثال لانے کا چیلنج کیا گیا ہے اور قرآن کریم کو لَا رَیْبَ فِیْهِ اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہہ کر وجہ مطالبہ یہ بتائی گئی ہے کہ جو سورۃ لوگ بنائیں وہ "روحانی تاثیر" میں قرآنی سورۃ کا مقابلہ کر سکے۔

دوم: سورۂ ہود میں دس ایسی سورتیں بنانے کا چیلنج کیا گیا ہے جن میں قرآن کریم جیسی محکم باتیں اور صحیح اصول بیان ہوں کیونکہ کفار کہتے تھے کہ قرآن کریم میں بہت سی نامعقول اور کمزور باتیں پائی جاتی ہیں تو فرمایا کہ ان دس سورتوں کے مقابل جن میں تمہارے نزدیک نامعقول اور غیر محکم باتیں پائی جاتی ہیں، تم دس سورتیں بنا کر دکھاؤ گویا اعتراض اور مقابلہ کا زیادہ موقع دیا، لیکن فرما دیا کہ قرآن کریم کی آیات محکم ہیں اور ان کی مثل لانا تمہارے لیے ناممکن ہے (كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ)

سوم: سورۂ اسراء آیت ۸۸ میں سارے قرآن پاک کی مثل کتاب لانے کا چیلنج کیا گیا ہے کیونکہ وہاں یہ دعویٰ ہے۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ یعنی قرآن کریم کامل اور مکمل کتاب ہے کیونکہ اس میں ہر سچائی، ہر ضروری نصیحت با دلیل پائی جاتی ہے اس کا مثل بنانا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

چہارم: سورہ طور آیت ۳۴ میں صرف ایک "حدیث" لانے کا چیلنج ہے کیونکہ اس سے عظیم الشان پیشگوئی مراد ہے فرمایا وَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تجھے اخبار غیبیہ عطا کی جاتی ہیں اور تو ان لوگوں میں سے نہیں جو خیالی اور بیہودہ اور بے بنیاد باتیں کرتے رہتے ہیں اور بغیر ثبوت غیبی امور جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

فصاحت و بلاغت کے ایک دو نمونے

یوں تو قرآن حکیم ابتدا سے انتہاء تک ایسی کتاب ہے کہ جب بھی کوئی منصف مزاج اور صاحب علم اسے پڑھیگا اور جتنا بھی پڑھیگا اس کی فصاحت و بلاغت، اسلوب بیان اور طرزِ استدلال وغیرہ سے دنگ ہوتا چلا جائیگا، لیکن میرے خیال میں بہتر ہو گا اگر میں چند ایسی آیات یہاں پیش کر دوں جسے عام فہم انسان بھی پڑھکر حیران ہو جائے اور عش عش کر اُٹھے ذرا غور فرمائیے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ (سورۃ البقر آیت ۱۷۹) کہ اے عقل مندو!! تمہارے لیے قصاص لینے میں زندگی ہے۔ قصاص کی غرض بیان کرنے کے لیے کتنے شستہ اور دلکش الفاظ ہیں۔

اس آیت کے متعلق تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے۔ "هُوَ كَلَامٌ فِي غَايَةِ الْبَلَاغَةِ"

کہ یہ کلام نہایت ہی بلیغ ہے۔

پھر امام رازی تحریر فرماتے ہیں: اِتَّفَقَ عُلَمَاءُ الْبَیَانِ عَلٰی اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ فِی الْاِیْجَازِ مَعَ جَمْعِ الْمَعَانِیْ بِاللُّغَۃِ بَالِغَۃٌ اِلٰی اَعْلَی الدَّرَجَاتِ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۱۰۶ مصری) کہ علم بیان کے ماہر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مختصر ہونے کے باوجود بہت سے لغوی معنوں پر مشتمل ہے اور بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر حاوی ہے۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۝ اِذْ نَادٰہُ رَبُّہٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝ اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ۝ فَقُلْ ھَلْ لَّکَ اِلٰٓی اَنْ تَزَکّٰی ۝ وَاَھْدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخْشٰی ۝ فَاَرٰىہُ الْاٰیَۃَ الْکُبْرٰی ۝ فَکَذَّبَ وَعَصٰی ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰی ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ۝ فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی (سورۃ النازعات آیت ۱۵-۲۵)

ترجمہ: کیا موسیٰ کا واقعہ تجھے پہنچا ہے جبکہ اس کے رب نے اسے وادی مقدس طویٰ میں پکارا (اور فرمایا) کہ فرعون کے پاس جا کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کی ہے، پھر اسے کہہ کہ کیا تجھے خیال ہے کہ پاکباز بنے اور کیا میں تیری رہنمائی کروں تاکہ تو (خدائے قادر کے سامنے) جھکے، پھر اس نے فرعون کو ایک بڑا نشان دکھایا (لیکن) اس نے تکذیب کی اور نافرمان بنا اور فساد کرنے کی نیت سے منہ پھیرا، بلکہ لوگوں کو جمع کیا اور اعلان کیا کہ میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں، اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے اسے پکڑا اور اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں مبتلا کیا۔"

کتنے نپے تُلے الفاظ ہیں اور کتنا لمبا مضمون ان میں سمو یا گیا ہے گویا کہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے اور کیا عمدہ اسلوب بیان ہے!

پھر طرز استدلال ملاحظہ فرمائیے، فرمایا: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمْ ھُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ۝ اَمْ لَھُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْہِ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُھُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اَمْ لَہُ الْبَنٰتُ وَلَکُمُ الْبَنُوْنَ ۝ اَمْ تَسْـَٔلُھُمْ اَجْرًا فَھُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ (سورۃ الطور آیت ۳۵-۴۰) ترجمہ: کیا ان کو بغیر کسی غرض کے پیدا کیا گیا ہے؟ یا

وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ (خالقِ ارض وسماء پر) یقین ہی نہیں رکھتے، کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا وہ داروغے ہیں یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھکر وہ (غیب کی باتیں) سنتے ہیں اگر ایسا ہے تو چاہیئے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل پیش کرے (ان سے کہو) کہ کیا خدا کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے؟ کیا تو ان سے کوئی اجر مانگتا ہے کہ وہ اس چٹی کی وجہ سے بوجھے جا رہے ہیں؟

دیکھیئے انسان کی پیدائش کی غرض، خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت، نعمتِ نبوت کے عطا کرنے، توحیدِ الٰہی وغیرہ کو کس طرح سوالوں کے رنگ میں بیان فرما دیا ہے اور پھر کیسے عمدہ پیرایہ میں انسان کو جھنجھوڑا ہے کہ عقل سے کام لے۔ اور سیدھے راستہ پر گامزن ہو، اس کے مقابل ذرا مسیلمہ الکذاب، نضر بن الحرث اور اسود العنسی کا وہ کلام بھی مطالعہ کر کے دیکھیں جو انہوں نے پیش کیا۔ (اعلام النبوۃ ص۵)

امامِ وقت کی پیشگوئیاں

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ علمی قرآن کریم ہے اور یہ آخری زمانہ بھی ایک خاص علمی زمانہ ہے۔ اس لیے امام الزمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بھی جو معجزات دیئے گئے ان میں سے کثرت علمی معجزات کی ہے۔

۱۔ آپ کو کثرت سے اخبارِ غیبیہ عطا کی گئیں،

۲۔ تفسیرِ قرآن کا خاص علم دیا گیا۔

۳۔ اور عربی زبان کے ہزاروں مفردات سکھائے گئے۔

۴۔ اور آپ کی دعائیں اس کثرت سے قبول ہوئیں کہ انسان دیکھکر حیران رہ جاتا ہے۔

پھر اخبارِ غیبیہ کئی قسم کی ہیں۔

۱۔ وہ جو آپ کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً آپ کا خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہونا، ستر۔ اسّی سال تک عمر پانا وغیرہ

۲۔ اپنے اہل وعیال کے متعلق کہ خدا تعالیٰ ایک خدیجہ صفت اہلیہ دیگا اور نیک اور صالح اولاد پیدا ہوگی، ایک لڑکا "مصلح موعود" ہوگا جو حضور کا خلیفہ ہوگا جس کے ذریعہ جماعت دُور دُور تک پھیل جائیگی اسے "فضلِ عمر" کا نام بھی دیا گیا نیز بعض

نیچے بچپن میں وفات پا جائینگے وغیرہ

۳۔ پھر اس گھر کو برکت دی گئی جس میں حضور رہتے تھے بلکہ یہ وعدہ دیا گیا کہ اس میں رہنے والے بلائے طاعون سے محفوظ رکھے جائینگے اور یہ وعدہ بڑی شان سے پورا ہوا۔

۴۔ قادیان کے متعلق وعدہ دیا گیا کہ وہ بھی طاعون جارف سے بچایا جائیگا اور بڑا ترقی کریگا۔

۵۔ جماعت کی ترقی کا وعدہ دیا گیا کہ دنیا میں پھیل جائیگی اور حضور کے محبوں کا گروہ بڑھتا چلا جائیگا اور لوگ دور دور سے اس مقام میں آئینگے۔

۶۔ یورپ خصوصاً لنڈن میں مضبوط جماعت قائم ہو گی۔

۷۔ گورنمنٹ انگریزی کے بارے میں خبر دی کہ الہام کے نزول کے بعد آٹھ سال تک یہ حکومت مضبوط رہے گی، پھر گرنا اور کمزور ہونا شروع ہو گی۔

۸۔ روس کے بادشاہ زار کی حالت ایک دن ایسی ہوگی کہ اس کو حالِ زار قرار دیا جائیگا۔

۹۔ ۱۹۰۶ء میں بنگال کی تقسیم کے منسوخ ہونے کی خبر دی جو ۱۹۱۱ء میں پوری ہوئی۔

۱۰۔ مشرقی طاقت (جاپان) اور کوریا کی نازک حالت کے متعلق کئی سال پہلے بتا دیا گیا پھر

۱۱۔ جاپان کی شکست اور گرنے کے متعلق بتایا گیا کہ کوئی "مصنوعی خدا" (جاپان کا بادشاہ) اس ملک کو بچا نہیں سکیگا (۱۹۴۵ء)

۱۲۔ ایران کے حق میں اعلان کیا گیا کہ "تزلزل درایوان کسریٰ فتاد" ۱۹۰۶ء حتیٰ کہ ایران کا بادشاہ بھاگ کر اپنی جان بچا سکا۔

۱۳۔ دو بڑے مظلوم بزرگوں کی بابت جو افغانستان میں قتل کئے گئے پہلے ہی ان الفاظ میں خبر دی تھی شَاتَانِ تُذْبَحَانِ (کہ دو بکرے ذبح کئے جائینگے) اور ان کے قتل کے کے بعد اس ملک پر ایک عذاب آئیگا جس میں بہت سے لوگ ہلاک ہونگے چنانچہ مولانا عبداللطیف صاحب اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب قتل کئے گئے اور اس کے بعد وہاں ہیضہ کی وبا پھیل گئی جس سے اسّی ہزار سے زاید نفوس تباہ ہوئے۔

۱۴۔ ۱۹۰۵ء میں پہلی جنگ عظیم کی خبر دی گئی (۱۹۱۴ء)

۱۵۔ ۱۹۰۵ء میں الہام ہوا، آہ نادر شاہ کہاں گیا، اور جس شان سے پورا ہوا وہ ہمارے سامنے کا واقعہ ہے۔

۱۶۔ دشمن اسلام لیکھرام کے قتل کا واقعہ آپ کی سچائی پر شاہد ناطق ہے۔

۱۷- جلسہ مذاہب لاہور ۱۸۹۶ء میں مضمون "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے غلبہ کے متعلق پیشگوئی اس شان سے پوری ہوئی کہ خود اغیار کی زبان اور قلم سے اس کا اقرار کرایا گیا۔

۱۸- سعد اللہ لدھیانوی کے ابتر اور بے اولاد مرنے کی جو اطلاع پہلے ہی شائع کر دی گئی کون اس کی تکذیب کی جرأت کر سکتا ہے۔

۱۹- ایگزنڈر ڈوئی نامی شخص نے امریکہ میں الیاس ہونے کا دعویٰ کیا اور اعلان کیا کہ وہ اسلام کو مٹانے کے لیے کھڑا ہوا ہے اس کے مقابل حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے دعویٰ فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی ترقی اور کامیابی کی بشارت دی ہے اور اعلان کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اطلاع بخشی ہے کہ اس (ڈوئی) کے (آباد کردہ شہر) صیحون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے (۱۹۰۳ء) اس کے بعد اس پر فالج کا حملہ ہوا، اس کی بیوی اور بیٹا اس کے دشمن ہو گئے اور بالآخر مارچ ۱۹۰۷ء میں پاگل ہو کر فوت ہو گیا۔

۲۰- ۱۸۹۱ء میں آپ کو خبر دی گئی "میں تجھے زمین کے کناروں تک عزت کے ساتھ شہرت دونگا اور تیرا ذکر بلند کرونگا" جب سے آپ نے مجدد، مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ آپ کے خلاف کئی بار مخالفت کے طوفان اُٹھے اور کئی دفعہ زوردار جھکڑ چلے مگر ہر ایک طوفان اور ہر ایک جھکڑ آپ کی کامیابی اور ترقی پر منتج ہوا اور خدا تعالیٰ کا یہ کلام بڑی شان سے پورا ہوا اور اس وقت دنیا کا کوئی بڑا ملک نہیں جس میں آپ کو "عزت کے ساتھ شہرت" حاصل نہ ہو اور جس میں آپ کے سینکڑوں ہزاروں فدائی موجود نہ ہوں الا ماشاء اللہ

مدعا یہ ہے کہ یہ پیشگوئیاں اس کثرت سے ظہور پذیر ہوئیں کہ کوئی غیر متعصب منصف مزاج آدمی ان کی سچائی کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ ابھی پاکستان نہ بنا تھا کہ اس وقت مولوی سمیع اللہ خانصاحب فاروقی جالندھری نے ایک رسالہ "اظہار حق" نذیر پرنٹنگ پریس امرتسر میں باہتمام سید مسلم حسن زیدی پرنٹر طبع کرا کر شائع کیا۔ جس میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی سترہ پیشگوئیاں درج کر کے علماء اسلام سے بطور استفسار دریافت کیا، کہ کیا ایسی سچی پیشگوئیاں کرنے والے کو جھوٹا اور مفتری قرار دیا جا سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام نے اپنی کچھ پیشگوئیاں کتاب سراج منیر اور نزول المسیح اور کتاب حقیقۃ الوحی میں درج فرمائی ہیں، ہر شخص انھیں مطالعہ کر کے اپنا ایمان تازہ کر سکتا ہے۔

تفسیر قرآن کا معجزہ

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد علیہ السلام نے کسی استاد یا شیخ سے قرآن کریم کی تفسیر یا حدیث شریف کا ایک سبق بھی نہیں لیا، حضور اپنی کتاب ایام الصلح کے صفحہ ۱۴۷ طبع اول پر تحریر فرماتے ہیں: "کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے"

پھر آپ کو علوم روحانی، حقائق حقانی اور معارف ونکات باطنیہ اور قرآن پاک کے اسرار اور رموز کہاں سے حاصل ہوئے؟ اس کا جواب خود خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام دیا ہے فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ---- (تذکرہ صفحہ ۴۴) کہ خدا نے تجھے قرآن سکھایا ----"

حضور فرماتے ہیں: "اس الہام کی رُو سے مجھے قرآنی علوم عطا کئے ہیں اور میرا نام اول المومنین رکھا اور مجھے سمندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھر دیا ہے اور مجھے بار بار الہام دیا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الہیٰ اور کوئی محبت الہیٰ تیری معرفت اور محبت کے برابر نہیں۔" (ضرورت الامام صفحہ ۳۱)

ایک جگہ حضور فرماتے ہیں" اور جو دینی اور قرآنی معارف، حقائق اور اسرار مع لوازم بلاغت اور فصاحت کے میں لکھ سکتا ہوں دوسرا ہرگز نہیں لکھ سکتا، اگر ایک دنیا جمع ہو کر میرے اس امتحان کے لیے آوے تو مجھے غالب پائیگی" (ایام الصلح صفحہ ۱۵۹) پھر حضور نے بڑے زور دار الفاظ میں چیلنج فرمایا کہ "دیکھو میں صاف کہتا ہوں اور کھول کر کہتا ہوں کہ اس وقت اے مسلمانو!! تم میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو مفسر اور محدث کہلاتے ہیں اور قرآن کے معارف اور حقائق جاننے کے مدعی ہیں اور بلاغت اور فصاحت کا دم مارتے ہیں اور وہ لوگ بھی موجود ہیں جو فقراء کہلاتے ہیں اور چشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی وغیرہ ناموں سے اپنے تئیں موسوم کرتے ہیں اُٹھو!! اور اس وقت ان کو میرے مقابلہ پر لاؤ پس اگر میں اس دعوے میں جھوٹا ہوں ------ تو میں اس مقابلہ میں مغلوب ہو جاؤنگا ورنہ غالب آجاؤنگا" (ایام الصلح صفحہ ۱۵۹)

یہ الفاظ ایسے نہ تھے کہ اپنے آپ کو طبقہ علماء میں شمار کرنیوالے پیر گردا ننے والے اور شیخ طریقت خیال کرنیوالے انھیں سنکر خاموش بیٹھے رہتے، چنانچہ وہ اُٹھے اور مخالفت کا طوفان بے تمیزی برپا ہوا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی طاقت اور زور کے مطابق اس مخالفت میں حصہ لیا، لیکن افسوس کہ انہوں نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا اور وہ اس راستہ سے

مقابل پر نہ آئے۔ جس راستہ سے انہیں بلایا گیا تھا بلکہ انہوں نے نئے نئے
اور ایسی ایسی شرائط اور قیود لگائیں جو قطعاً غیر معقول بلکہ دھوکا دہی کے
پیر گولڑوی کا غیر مناسب رویہ
سب سے عجیب شرط وہ تھی جو پیر
گولڑوی نے پیش کی، اس نے لکھا

مقابل بیٹھ کر تفسیر لکھنے کے لیے تیار ہوں لیکن اس شرط پر کہ پہلے آپ مجھ
مباحثہ میں ثالث یا فیصلہ دینے والا مولوی محمد حسین بٹالوی جیسا کوئی عالم ہو، پھر
نے مجھے سچا اور آپ کو جھوٹا قرار دے دیا تو آپ کو میری بیعت کرنا ہوگی اس کے
مقابلہ ہوگا۔

کتنی لغو شرط ہے، لیکن یہ شرط اس لیے پیش کی گئی کہ گولڑوی صاحب
حضرت مسیح موعود علیہ السلام مباحثہ کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہونگے کیونکہ پہلے ہی
ص ۲۸۲ حاشیہ) میں حضور نے اعلان کر دیا ہوا تھا کہ کئی مباحثات کرنے کے بعد میں
ہوں کہ مباحثات کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرتے اس لیے میں نے خدا سے عہد کیا
کسی سے مباحثہ نہیں کرونگا، لیکن جن لوگوں کو اس اعلان اور عہد کا علم ہو چکا
کی شرائط کی حقیقت کو فوراً بھانپ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ ایک گمراہ کن راہ
پیر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چیلنج سے پیچھا چھڑانا چاہتے
فتح کا ڈھنڈورا پیٹنا چاہتے ہیں۔

اعجاز المسیح کی تصنیف
حق حق ہی ہوتا ہے اور جب باطل اس کے مقا
تو اس کا بطلان جلد ہی ظاہر ہو جاتا ہے،

مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا چیلنج تفسیر کے مقابلہ کا ہے۔ میں ستر دن
شریف کی تفسیر عربی زبان میں لکھکر شائع کرونگا اور پیر صاحب کو چاہیئے کہ
تفسیر لکھکر ستر دن کے اندر شائع کر دیں۔ اہل علم خود فیصلہ کر لیں گے کہ خدا تعالیٰ
کس کو حاصل ہے اور کون ہے جسے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل اور کرم سے نوا
چنانچہ باوجود بیماری اور دیگر مختلف عوارض کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سورہ فا
نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں لمبی تفسیر لکھ کر ۲۰ فروری ۱۹۰۱ء کو مدت
اندر شائع فرما دی اور اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ الہام بھی تحریر فرما

مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ (اعجاز المسیح صفحہ ۶۸) کہ آسمان سے روکنے والے نے اسے اس کتاب کی مثل لکھنے سے روک دیا ہے۔" اور اس کتاب کے ٹائٹیل پر حضور نے تحریر فرمایا: "فَاِنَّهٗ كِتَابٌ لَيْسَ لَهٗ جَوَابٌ وَمَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَرٰى اَنَّهٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ" کہ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کا جواب نہیں بن پڑیگا اور اگر کسی نے جرأت کی اور جواب دینے کی کوشش کی تو یقیناً وہ دیکھے گا کہ وہ شرمندہ اور ذلیل ہوا۔

حضور نے یہ ساری تفسیر خود اپنی قلم سے تحریر فرمائی لیکن گولڑوی کو لکھا اِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ الْغُمْرَ اِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّتَوَلّٰى بِنَفْسِهٖ هٰذَا الْاَمْرَ فَلَهٗ اَنْ يُّشْرِكَ بِهٖ مِنَ الْعُلَمَاءِ الزُّمَرَ اَوْ يَدْعُوَ مِنَ الْعَرَبِ طَائِفَةَ الْاُدَبَاءِ اَوْ يَطْلُبَ مِنْ صُلَحَاءِ قَوْمِهٖ هِمَّةً وَّدُعَاءً لِّهٰذِهِ اللَّأْوَاءِ" (اعجاز المسیح صفحہ ۴۲) کہ اگر یہ ناواقف خود یہ کام نہ کر سکے تو اپنے ساتھ علماء کو بھی ملالے یا عرب کے کچھ ادباء کو بلائے یا اپنے نیک ساتھیوں کو دعا کے لیے کہے کہ تا وہ اس مصیبت سے بچ سکے۔"

باوجود اس کے پھر بھی علماء اور مشائخ میں سے کوئی نہ آیا کہ مقابلہ کرے گولڑوی اور اسکے تمام ساتھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئے اور اس طرح میدان خدا کے مسیح کے ہاتھ میں رہا۔

فیضی صاحب کا ناکام ہونا

خدا تعالیٰ نے پیر گولڑوی صاحب کی شکست اور ندامت کے لیے ایک اور راہ بھی نکالی وہ یوں کہ جب کتاب اعجاز المسیح شائع ہوئی تو ایک شخص مولوی محمد حسن صاحب فیضی ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم مدرس مدرسہ نعمانیہ شاہی مسجد لاہور نے اعلان کیا کہ وہ اس کتاب کا جواب لکھے گا اور پھر اس جواب کے لیے اس نے نوٹ تیار کئے اور نوٹ تیار کرتے ہوئے بعض جگہ اس نے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ لکھدیا چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ ملک الموت نے اسے آلیا اس طرح وہ جواب لکھنے کی توفیق نہ پاسکا اور حضور کا الہام بڑی آب و تاب سے پورا ہوا۔

جب پیر مہر علی صاحب کو فیضی صاحب کے نوٹ تیار کرنے کا پتہ چلا تو انہوں نے وہ کتاب عاریتاً منگوائی اور پھر اعجاز المسیح کا جواب اردو میں لکھنا شروع کیا اور فیضی صاحب کے نوٹوں کو بغیر تبدیلی کے اس میں درج کر دیا جس کا علم ہونے پر پیر صاحب کو ذلت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی علمیت کا راز فاش ہو گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے جب اس کتاب

اعجاز المسیح کا بہت عرصہ کے بعد جواب اُردو میں لکھا تو اس بات کے ثابت ہوجانے سے کہ یہ اُردو عبارت بھی لفظاً بلفظ مولوی محمد حسن بھیں کی کتاب کا سرقہ ہے، مہر علی شاہ کی بڑی ذلت ہوئی اور مذکورہ بالا الہام اس کے حق میں بھی پورا ہوا۔" (نزول المسیح ص۱۹۳)

عربی زبان کا علم آپکو دیا گیا

جب بعض علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق حقارت آمیز رویہ اختیار کیا اور کہا کہ دعویٰ تو مجدد ہونے کا ہے، لیکن علم عربی سے بالکل بے بہرہ ہیں تو اس پر آپ نے اپنے خدا سے دعا کی اور مدد طلب فرمائی جس پر آپ کو عربی زبان کے ہزاروں الفاظ ایک رات میں سکھائے گئے (انجام آتھم ص۲۳۴) اور آپ نے عربی میں کتابیں لکھنا شروع کیں اور چیلنج کیا کہ آپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والے علماء سامنے آئیں اور ایسی فصیح و بلیغ عربی زبان میں مضمون لکھکر پیش کریں مگر کوئی مقابل پر آنے کی جرأت نہ کر سکا۔

کتاب اعجاز المسیح کی اشاعت پر آپ نے مناسب سمجھا کہ یہ کتاب مصری علماء کو بھی بھیجی جائے تا کہ وہ بھی اس معجزہ سے استفادہ کر سکیں چنانچہ مدیر المنار کو وہ کتاب بھیجی گئی مگر بجائے اس پر غور کرنے کے اور بجائے فائدہ اٹھانے کے اس نے بھی مخالفت سے کام لیا اور اس معجزہ کی ہنسی اڑائی اس پر حضور پرنور نے اس کے تکبر کو توڑنے کے لیے ایک کتاب الھدیٰ تحریر فرمائی اسمیں لکھا: فَمَا بَالُ الَّذِیْ مِنَ الْمَنَارِ هَوٰی وَاشْتَرَی الضَّلَالَةَ وَمَا اهْتَدٰی اَمْرُلَهٗ فِی الْبَرَاعَةِ یَدٌ طُوْلٰی سَیُهْزَمُ فَلَا یُرٰی نَبَأٌ مِنَ اللّٰهِ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی" (الھدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ ص۹ طبع اول) کہ اس شخص کا کیا حال ہے جو منارہ سے گر پڑا اور بجائے ہدایت پانے کے اس نے گمراہی اختیار کی، کیا فصاحت و بلاغت میں اسے مہارت حاصل ہے؟ عنقریب وہ گریز کر جائیگا اور پھر نظر نہ آئیگا یہ پیشگوئی خدا کی طرف سے ہے جو نہاں در نہاں کو جاننے والا ہے۔"

اس کے بعد حضور نے مصر کے تمام مخالف علماء کو خطاب فرمایا: اَمْ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ مِنْ اَهْلِ اللِّسَانِ سَیُهْزَمُوْنَ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ عَنِ الْمَیْدَانِ (الھدیٰ ص۴۷) یعنی کیا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہل زبان ہیں عنقریب وہ شکست کھائینگے اور میدان سے بھاگ جائینگے۔

ایک شک کا ازالہ

ہو سکتا ہے کہ کوئی نادان خیال کرے کہ اس سے تو قرآن کریم کے بے مثل

مقابل پر نہ آئے۔ جس راستہ سے انہیں بلایا گیا تھا، بلکہ انہوں نے نئے نئے راستے اختیار کئے اور ایسی ایسی شرائط اور قیود لگائیں جو قطعاً غیر معقول بلکہ دھوکا دہی کے مترادف تھیں۔

پیر گولڑوی کا غیر مناسب رویہ

سب سے عجیب شرط وہ تھی جو پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے پیش کی، اس نے لکھا کہ میں آپ کے مقابل بیٹھ کر تفسیر لکھنے کے لیے تیار ہوں، لیکن اس شرط پر کہ پہلے آپ مجھ سے مباحثہ کریں اور مباحثہ میں ثالث یا فیصلہ دینے والا مولوی محمد حسین بٹالوی جیسا کوئی عالم ہو، پھر اگر اس ثالث نے مجھے سچا اور آپ کو جھوٹا قرار دے دیا تو آپ کو میری بیعت کرنا ہوگی اس کے بعد پھر تفسیر کا مقابلہ ہوگا۔

کتنی لغو شرط ہے، لیکن یہ شرط اس لیے پیش کی گئی کہ گولڑوی صاحب کو یقین تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مباحثہ کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہونگے کیونکہ پہلے ہی (انجام آتھم ص۲۸۲ حاشیہ) میں حضور نے اعلان کر دیا ہوا تھا کہ کئی مباحثات کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مباحثات کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرتے اس لیے میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ آئندہ میں کسی سے مباحثہ نہیں کرونگا، لیکن جن لوگوں کو اس اعلان اور عہد کا علم ہو چکا تھا وہ پیر صاحب کی شرائط کی حقیقت کو فوراً بھانپ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ ایک گمراہ کن راہ ہے جس کے ذریعہ پیر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چیلنج سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں اور اپنی جھوٹی فتح کا ڈھنڈورا پیٹنا چاہتے ہیں۔

اعجاز المسیح کی تصنیف

حق حق ہی ہوتا ہے اور جب باطل اس کے مقابل آکھڑا ہو تو اس کا بطلان جلد ہی ظاہر ہو جاتا ہے، ہوا یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا چیلنج تفسیر کے مقابلہ کا ہے۔ مَیں ستر دن کے اندر فاتحہ شریف کی تفسیر عربی زبان میں لکھکر شائع کرونگا اور پیر صاحب کو چاہیئے کہ وہ بھی اس کی تفسیر لکھکر ستر دن کے اندر شائع کر دیں۔ اہل علم خود فیصلہ کر لیں گے کہ خدا تعالیٰ کی تائید کس کو حاصل ہے اور کون ہے جسے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل اور کرم سے نوازا ہوا ہے۔

چنانچہ باوجود بیماری اور دیگر مختلف عوارض کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سورہ فاتحہ کی مفصل مگر نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں لمبی تفسیر لکھ کر ۲۰ر فروری ۱۹۰۱ء کو مدت مقررہ کے اندر شائع فرما دی، اور اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ الہام بھی تحریر فرما دیا منعہ

اور بے نظیر ہونیکے دعویٰ کا انکار مترشح ہوتا ہے۔ حضور اس شک کے ازالہ کے لیے فرماتے ہیں:
"اَلَا اِنَّ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّا نَاْتِیْ بِمِثْلِ الْقُرْاٰنِ، اِنَّہٗ مُعْجِزَۃٌ لَا یَاْتِیْ بِمِثْلِہٖ اَحَدٌ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ (الھدیٰ ص۱۳) کہ سنو! خدا کی لعنت ان پر جو دعویٰ کریں کہ وہ قرآن کریم کی مثل لا سکتے ہیں، قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انسان یا جن نہیں لا سکتا"۔

پھر اولیاء اللہ کو جو ایسے خوارق یا معجزات دیئے جاتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟
فرمایا: وَاِنَّ الَّذِیْنَ وَرِثُوْا نَبِیَّھُمْ یُعْطَوْنَ مِنْ نِعَمِہٖ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الظِّلِّیَّۃِ وَلَوْلَا ذٰلِکَ لَبَطَلَتْ فُیُوْضُ النُّبُوَّۃِ۔" (الھدیٰ ص۳) یعنی وہ لوگ جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہو جاتے ہیں انھیں بطور ظلیت کے آپ کی نعمتیں مرحمت ہوتی ہیں، اور اگر یہ قاعدہ جاری نہ رہتا تو نبوت کے فیض بالکل باطل ہو جاتے"۔

پس یہ کرامت یا معجزہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عطا ہوا وہ قرآن کریم کا ظل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمام انسان ملکر بھی مسیح موعود علیہ السلام کے معجزہ کا جو ظل کی حیثیت رکھتا ہے کوئی مثل نہیں لا سکتے تو قرآن کریم کی جو اصل ہے وہ کیسے کوئی مثل لا سکتے ہیں؟ حضور اپنی کتاب الاستفتاء ص۹ پر بھی فرماتے ہیں: "وَوَاللّٰہِ اِنَّہٗ ظِلٌّ فَصَاحَۃِ الْقُرْاٰنِ۔ کہ خدا کی قسم کہ یہ عربی علم (جو مجھے دیا گیا ہے) فصاحت قرآن کا ظل ہے"۔

دیکھیئے عجم کا پاشندہ جس نے کبھی کسی مفسر یا محدث سے تفسیر قرآن کریم اور حدیث کا کوئی سبق نہیں لیا، قرآن کریم کی تفسیر، نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں پیش کرتا ہے اور اس کے چیلنج کے باوجود تمام مفسر اور محدث کہلانے والے اس کی مثل لانے سے عاجز رہتے ہیں تو بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک عظیم معجزہ ہے جو آپ کی سچائی پر مہر ثبت کرتا ہے لَوْنَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَا کہنے سے اس معجزہ کی شان میں کمی نہیں آ سکتی، کیونکہ یہی بات کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کے متعلق بھی کہی تھی کہ اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس کی مثل بنا کر پیش کر سکتے تھے (سورۃ الانفال آیت ۳۱) سوال یہ ہے کہ کیا کسی نے تحدی کے مطابق اس کتاب (الھدیٰ) کی مثل بنا کر پیش کی؟ ہرگز نہیں!! حالانکہ ایڈیٹر المنار اور اس کے ہمنواؤں کو جن الفاظ میں چیلنج دیا گیا ان الفاظ میں کم ہی چیلنج کسی اور کو دیا گیا تھا، حضور فرماتے ہیں:
"فَاِنْ اَتٰی بِالْجَوَابِ الْحَسَنِ وَاَحْسَنَ الرَّدَّ عَلَیْہِ۔ فَاُحْرِقُ کُتُبِیْ وَاُقَبِّلُ قَدَمَیْہِ

(الہدیٰ صہ) کہ اگر وہ اس کتاب کی مثل بنا سکا اور اس کا اچھا جواب دے سکا تو میں اپنی کتابیں جلا دونگا اور اس کے پاؤں چوم لونگا۔"

اسی طرح آپ نے کتاب "اعجاز احمدی" تحریر فرمائی جس میں ایک لمبا عربی قصیدہ درج فرما کر علماء کو چیلنج کیا کہ اس کی مثل بنا کر پیش کرو اور دس ہزار روپیہ انعام حاصل کرو مگر مدت مقررہ میں کوئی ایسا قصیدۂ عربی بنا کر پیش نہ کر سکا۔

قبولیتِ دُعا کا معجزہ

۱۵۔ دعا کا مسئلہ اسلام میں بڑا اہم قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے عجیب الفاظ استعمال کئے ہیں فرمایا: "اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّیْنِ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (الجامع الصغیر جزء ۲ ص فصل الدال) کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون ہے بلکہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

ایک دفعہ فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ (حوالہ مذکور ترمذی) کہ دُعا عبادت کا مغز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ (رواہ الترمذی) کہ خدا تعالیٰ کے حضور دُعا سے زیادہ معزز اور قابل قدر اور کوئی چیز نہیں ہے۔" (مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

دعا کے طریق، دعا کے آداب، دعا کے مختلف مواقع، دعا کی قبولیت کے گُر وغیرہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن یہ اس کا موقع نہیں، اس لیے میں اس امر کی طرف آتا ہوں جس کا پیش کرنا اس وقت مطلوب ہے۔

رمضان المبارک کے احکام بیان کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ روزے داروں کے متعلق فرماتا ہے: "وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ (سورۃ البقرآیت ۱۸۶) ترجمہ: اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو (ان سے کہدے کہ) میں قریب ہوں میں دعا مانگنے والے کی دُعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ میرے احکام کی اطاعت کریں اور مجھ پر حقیقی اور محکم ایمان رکھیں تاکہ وہ کامیاب ہوں۔"

یہ ارشاد بوضاحت دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو اپنے قرب سے

نوازتا ہے جس کے نتیجہ میں ان کی دعائیں بھی قبول فرماتا ہے، دوسری جگہ فرمایا: "اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (سورۃ المائدہ آیت ۲۷) کہ ہابیل نے اپنے بھائی کو کہا کہ خدا تعالیٰ اپنے متقی بندوں کی قربانی اور دعا قبول فرماتا ہے۔"

مدعا یہ ہے کہ بندہ جتنا زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اور جتنا زیادہ اسے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، حضرت امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں آیت بقرہ کے ماتحت لکھتے ہیں: اَلَا تَرٰی اَنَّا اِذَا اَرَدْنَا الْمُبَالَغَةَ فِیْ تَعْظِيْمِ حَالِ اِنْسَانٍ فِی الدِّيْنِ قُلْنَا اِنَّهٗ مُسْتَجَابُ الدَّعْوَةِ۔ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۱۳۱ مصری) یعنی جب ہم کسی شخص کی دینی حالت کے متعلق بہت تعریف کرنا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ ایسا شخص ہے جس کی دعا قبول ہوا کرتی ہے۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "یہ بالکل سچ ہے کہ مقبولین کی اکثر دعائیں منظور ہوتی ہیں، بلکہ بڑا معجزہ انکا استجابت دعا ہی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸)

پھر خود اپنے متعلق فرماتے ہیں: "خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں (۱) میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے (۲) میں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے (۳) میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور ان کا میرے پاس ثبوت موجود ہے (۴) میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔" (ضرورت الامام صفحہ ۲۶)

ایک اور جگہ حضور فرماتے ہیں: "اگر میرے مقابل پر تمام دنیا کی قومیں جمع ہو جائیں اور اس بات کا بالمقابل امتحان ہو کہ کس کو خدا غیب کی خبریں دیتا ہے اور کس کی دعائیں قبول کرتا ہے اور کس کی مدد کرتا ہے اور کس کے لیے بڑے بڑے نشان دکھاتا ہے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہی غالب رہونگا، کیا کوئی ہے کہ اس امتحان میں میرے مقابل پر آوے!!" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۶)

کیا کوئی مفتری اور کذاب اس قسم کے چیلنج دنیا کو دینے کی جرأت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

ایک اہم بات

ممکن ہے کہ عدم فہم کی وجہ سے کوئی یہ خیال کرے کہ سچے نبی کی ہر ایک دعا قبول ہوتی ہے یہ خیال غلط ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کے محبوب اور

مقبول بندوں کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر یہ کہنا غلط ہے کہ ان کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔
ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر کون تھا جو خدا تعالیٰ کو زیادہ پیارا تھا، لیکن حضور کی بعض دعائیں بھی قبول نہ ہوئی تھیں، حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَأَلْتُ رَبِّیْ ثَلٰثًا فَاَعْطَانِیْ ثِنْتَیْنِ وَمَنَعَنِیْ وَاحِدَۃً سَأَلْتُ رَبِّیْ اَنْ لَّا یُهْلِكَ اُمَّتِیْ بِالسَّنَةِ فَاَعْطَانِیْهَا وَسَأَلْتُهٗ اَنْ لَّا یُهْلِكَ اُمَّتِیْ بِالْغَرَقِ فَاَعْطَانِیْهَا وَسَأَلْتُهٗ اَنْ لَّا یَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَیْنَهُمْ فَمَنَعَنِیْهَا رواہ مسلم " (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صفحہ ۵۱۲) کہ میں نے اپنے رب سے تین باتوں کی درخواست کی جن میں سے دو تو اس نے مجھے دیدیں مگر ایک نہ دی۔ میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ کرے، یہ درخواست اس نے منظور فرمائی پھر میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ وہ میری امت کو غرق نہ کردے، یہ درخواست بھی اس نے منظور کر لی پھر میں نے درخواست کی کہ میری امت آپس میں نہ لڑے مرے۔ یہ درخواست اس نے منظور نہ کی۔"

حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: اَنَّهٗ تَعَالٰی لَمَّا اَذِنَ فِی الدُّعَاءِ مُطْلَقًا وَبَیَّنَ اَنَّهٗ تَارَةً یُجِیْبُ وَاُخْرٰی لَا یُجِیْبُ فَلِلرَّسُوْلِ اَنْ یَّدْعُوَ كُلَّ مَا شَاءَ وَاَرَادَ مِمَّا لَا یَكُوْنُ مَعْصِیَةً ثُمَّ اِنَّهٗ تَعَالٰی تَارَةً یُجِیْبُ وَاُخْرٰی لَا یُجِیْبُ وَذٰلِكَ لَا یَكُوْنُ نُقْصَانًا بِمَنْصَبِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِاَنَّهُمْ عَلٰی بَابِ رَحْمَةِ اللّٰهِ سَائِلُوْنَ فَاِنْ اَجَابَهُمْ فَبِفَضْلِهٖ وَاِحْسَانِهٖ وَاِنْ لَمْ یُجِبْهُمْ فَمِنَ الْمَخْلُوْقِ " (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۴۴) کہ جب اللہ تعالیٰ نے مطلق دعا کی اجازت دی ہے اور اس نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ کبھی وہ دعا کو قبول کرتا ہے اور کبھی قبول نہیں کرتا تو رسول (اور نبی) جو چاہے دعا کرے بشرطیکہ وہ دعا کسی قسم کی معصیت میں سے نہ ہو پھر خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اس دعا کو قبول کرے یا نہ قبول کرے اس سے انبیاء کے منصب میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، کیونکہ وہ تو خدا کے در کے سوالی ہیں، اگر وہ ان کی دعا کو قبول کرے تو یہ اس کا فضل اور احسان ہوتا ہے اور اگر قبول نہ کرے تو وہ اس کی مخلوق ہیں۔"

حضرت مسیح موعود کے نشانات

ایک سلیم الفطرت متلاشی حق انسان کے نزدیک یہ چار قسم کے معجزات حضور کی سچائی کو معلوم کرنے کے لیے کافی ہیں

ورنہ ان معجزات کے علاوہ اور کئی قسم کے نشان پورے ہوئے جو آپ کی صداقت پر مہر ثبت کرتے ہیں، حضور فرماتے ہیں: "اس (خدا) نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۶۲)

پہلے انبیاء کی طرف سے حضور کی آمد کے متعلق کئی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہدی اور مسیح کی آمد کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں فرمائیں، اس کے علاوہ ہزارہا لوگوں کو خدا تعالیٰ نے کشف اور رویا کے ذریعہ آپ کی سچائی کا علم دیا، وغیرہ یہ سارے نشانات ہیں حضور کے لیے۔ کیونکہ ان کے پورا ہونے سے آپ کی سچائی ظاہر ہوگئی اور جو معجزات اور نشانات خود حضور کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے ان کی تعداد بھی ہزارہا تک پہنچتی ہے۔

حضور فرماتے ہیں "ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو اور ہمارے گواہوں کی شہادت رؤیت جو حلفی شہادت ہوگی قلمبند کرتے جاؤ اور پھر اگر آپ لوگوں کے لیے ممکن ہو تو باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو ان کے مقابل پر پیش کرو۔" (نزول المسیح ص۸۴)

پھر فرماتے ہیں۔ "اس (خدا) نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے اس قدر معجزات دکھائے کہ بہت ہی کم نبی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳۶)

پھر فرماتے ہیں: "کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ..... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آ رہے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے جو کچھ ہماری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳۵)

پھر ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں صرف وہ معجزات جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہونگی جو اپنے وقتوں پر پوری ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں ماسوائے اس کے بعض معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں

کہ ہمارے لیے بھی اس زمانہ میں محسوس و مشہود کا حکم رکھتی ہیں اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا (تصدیق النبی صفحہ ۲) دراصل اگر اس الہام کو مدنظر رکھا جائے، جو حضور کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا، تو ثابت ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیئے گئے معجزات اور نشانات بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور نشانات ہیں، حضور کو الہام ہوا تھا "کُلُّ بَرَکَۃٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ یعنی ہر ایک برکت جو اسے حاصل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہے۔" پس مبارک ہے وہ جس نے سکھایا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور مبارک ہے وہ جس نے سیکھا (مسیح موعود علیہ السلام)

حضور کی ان تحریرات کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

۱۔ وہ معجزات جو صرف صحابہ کی شہادت سے ثابت ہیں وہ تین ہزار ہیں۔

۲۔ پیشگوئیاں ان معجزات کے علاوہ ہیں۔

۳۔ پیشگوئیوں کا شمار دس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

۴۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اور معجزات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے اور ان کا شمار ممکن نہیں۔

مدعی الوہیت اور معجزات

۱۶۔ یہ تو بیان ہو چکا ہے کہ سچے نبی کے دعویٰ کی تصدیق کے لیے خدا تعالیٰ اسے معجزات عطا فرماتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جھوٹے مدعیٔ نبوت کو معجزات نہیں دیئے جاتے، مگر کیا مدعیٔ الوہیت کو معجزہ ملتا ہے؟ اس سوال کا جواب بعض علماء کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ مدعیٔ الوہیت کو معجزہ حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے دعویٰ الوہیت پر اس کے معجزہ کا کوئی تائیدی یا مثبت اثر نہیں پڑ سکتا، وجہ یہ کہ ایک عاجز انسان کی طرف سے ایسے دعویٰ کا بطلان اظہر من الشمس ہوتا ہے اور کوئی عقلمند اور باشعور انسان کسی صورت میں اس دعویٰ کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا، بھلا کوئی شخص اپنے جیسے دوسرے انسان کو اپنا خدا تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی کیسے ہوگا؟ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: اِنَّ ظُهُوْرَ خَوَارِقِ الْعَادَۃِ عَلٰی یَدِ مُدَّعِی الْاِلٰهِیَّۃِ جَائِزٌ (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۱۵۱) کہ مدعی الوہیت کے ہاتھ پر خارق عادت امور کا ظہور جائز ہے۔

پھر جہاں دوسری جگہ لکھتے ہیں "وَاِنْ کَانَ (مُدَّعِی النُّبُوَّۃِ) کَاذِبًا لَمْ یَجُزْ ظُهُوْرُ الْخَوَارِقِ عَلٰی یَدِہٖ کہ اگر مدعیٔ نبوت جھوٹا ہو تو خارق عادت امور (معجزات) کا ظہور

اس کے ہاتھ پر جائز نہیں!" وہاں ساتھ ہی مدعیٔ الوہیت کے متعلق لکھتے ہیں "جَوَّزَ اَصْحَابُنَا ظُهُوْرَ خَوَارِقِ الْعَادَاتِ عَلٰی یَدِہٖ -------- وَاِنَّمَا جَازَ ذٰلِكَ لِاَنَّ شَكْلَهٗ وَخِلْقَتَهٗ تَدُلُّ عَلٰی كِذْبِهٖ فَظُهُوْرُ الْخَوَارِقِ عَلٰی یَدِہٖ لَا یُفْضِیْ اِلَی التَّلْبِیْسِ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صـ۴۶۳) کہ ہمارے اہل سنت والجماعۃ علماء نے مدعیٔ الوہیۃ کے ہاتھ پر معجزات کے ظہور کو جائز قرار دیا ہے -------- کیونکہ اس کی شکل اور خلقت خود اس کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتی ہے اس لیے خوارق کا ظہور کسی کو شبہ میں نہیں ڈال سکتا" یہی بات امام ملا علی القاری نے (شرح الفقہ الاکبر صـ۶۵) پر بھی تحریر فرمائی ہے۔

لیکن الشیخ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی اپنی مشہور کتاب (اعلام النبوۃ صـ۲۲ مصری) میں لکھتے ہیں: وَالَّذِیْ عَلَیْهِ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ اَنَّهٗ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَظْهَرَ الْمُعْجِزُ عَلٰی مُدَّعِی الرُّبُوْبِیَّةِ كَمَا لَا یَجُوْزُ اَنْ یَظْهَرَ عَلٰی مُدَّعِی النُّبُوَّةِ" کہ فتویٰ جمہور علماء یہ ہے کہ جیسے ایک (جھوٹے) مدعیٔ نبوت کے ہاتھ پر معجزہ کا ظہور جائز نہیں اسی طرح مدعیٔ ربوبیت کے ہاتھ پر بھی جائز نہیں"۔

اور یہی فتویٰ زیادہ محتاط ہے۔

معجزہ اور شعبدہ

۱۷۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ معجزہ اور شعبدہ دونو ایک ہی چیز ہیں، حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ معجزہ اور شعبدہ میں بڑا فرق ہے اور کئی لحاظ سے فرق ہے۔

۱۔ شعبدہ ایک قسم کا کھیل ہے، معجزہ کھیل نہیں۔

۲۔ شعبدہ باز خود اقرار کرتا ہے کہ وہ کھیل یا تماشہ دکھا رہا ہے، کسی نبی نے کبھی ایسا نہیں فرمایا ہے۔

۳۔ شعبدہ باز تماش بین لوگوں کی خواہش کے مطابق ان کا دل بہلانا چاہتا ہے تاکہ لوگ خوش ہوکر اسے بطور انعام کچھ پیسے دیدیں، لیکن نبی، انسانوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔

۴۔ شعبدہ باز جہاں چاہے اور جب چاہے اپنا شعبدہ دکھا سکتا ہے، لیکن نبی کو معجزہ دکھانے کا اختیار نہیں ہوتا، اسی لیے کفار ہر نبی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ہمارے منہ مانگے نشانات یا معجزات کیوں نہیں پیش کرتا۔

۵- شعبدہ بازوں کی عملی حالت بدتر ہوتی ہے، لیکن انبیاء پاکباز لوگوں کا گروہ ہوتا ہے جن کی پاکبازی دعویٰ سے قبل بھی بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہے۔

۶- شعبدہ بازی ایک ہنر ہے جو سیکھا جا سکتا ہے اور سکھایا جا سکتا ہے، لیکن معجزہ انسانوں کے سیکھنے سکھانے کی بات نہیں وہ خدا تعالیٰ کے منشا اور ارادہ پر منحصر ہوتا ہے۔

۷- شعبدہ بازی کا روحانی انقلاب سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن معجزہ انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے وہ حیوان انسان کو انسانیت سکھاتا ہے اور انسان کو کامل انسان بنا دیتا ہے اور کامل انسان کو باخدا بلکہ خدا نما انسان بنا دیتا ہے اور خدا تعالیٰ پر وہ ایمان اور یقین پیدا کر دیتا ہے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

پس کوئی سطحی عقل کا شخص ہی شعبدہ اور معجزہ کو ایک قرار دے سکتا ہے ورنہ غور و فکر سے کام لیا جائے تو فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ شعبدہ اور معجزہ میں بہت سی امتیازی باتیں پائی جاتی ہیں اور ان دونوں کو ایک جیسا قرار دینا بڑی غلطی ہے چونکہ عقل سلیم اس خیال کو بڑے زور سے دھکے دیتی ہے۔ اس لیے میرے نزدیک زیادہ حوالجات پیش کرنے کی ضرورت نہیں ایک دو حوالجات پیش کر دیتا ہوں، فرمایا: قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَّأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورۃ ابراہیم آیت: ۱۱) یعنی خدا تعالیٰ کے رسولوں نے کفار سے کہا کہ بے شک ہم تمہاری طرح انسان ہی ہیں، لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے، خاص احسان اور لطف بھی کر دیتا ہے اور ہمارے امکان میں نہیں ہے کہ ہم اذن الٰہی کے بغیر کوئی معجزہ لا سکیں اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیئے۔" اس آیت میں سلطان سے مراد کفار کے مطلوبہ معجزات قاہرہ ہیں اور معجزات مطلوبہ کا دکھانا یا نہ دکھانا محض خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (التفسیر الکبیر امام رازی جزء ۵ صـ۲۲۶)

دوسری جگہ فرمایا: "وَقَالُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ إِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَآ أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (سورۃ العنکبوت آیت ۵۰) کہ کافروں نے کہا کہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کے رب کی طرف سے آیات (معجزات) نازل کیوں نہیں کئے گئے، تو کہہ دے کہ آیات اللہ کے اختیار میں ہیں اور میں تو واضح طور پر صرف ڈرانے والا ہوں۔"

اس آیت کے متعلق علامہ ابوالسعود فرماتے ہیں: يُنَزِّلُهَا حَسْبَمَا يَشَاءُ مِنْ غَيْرِ

دَخْلٍ لِاَحَدٍ فِيْ ذٰلِكَ قَطْعاً" (تفسیر للعلامۃ ابی السعود) کہ خدا تعالیٰ اپنے حسب منشا معجزات نازل فرماتا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔

نیز دیکھئے (التفسیر الکبیر جزء ۴ ص۴۳)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۃ الرعد آیت ۳۸) یعنی کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی نشان (معجزہ) پیش کرے"

اس آیت کے ماتحت حضرت امام رازی لکھتے ہیں: قَالُوْا لَوْ كَانَ رَسُوْلًا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لَكَانَ اَيُّ شَيْئٍ طَلَبْنَا مِنْهُ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ اَتٰى بِهٖ وَلَمْ يَتَوَقَّفْ وَلَمَّا لَمْ يَكُنِ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ عَلِمْنَا اَنَّهٗ لَيْسَ بِرَسُوْلٍ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۲۰۹) کہ کفار نے کہا کہ اگر محمد واقعی خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوتا تو ایسا ہوتا کہ جو معجزہ بھی ہم اس سے طلب کرتے وہ دکھا دیتا۔ اور توقف نہ کرتا اور چونکہ معاملہ یوں نہیں اس لیے ہم نے جان لیا کہ وہ سچا رسول نہیں"

ان دلائل پر غور کرنے سے ہمیں شعبدہ اور معجزہ کے درمیان فرق کرنے والے امور کا بآسانی علم ہو سکتا ہے۔

معجزات میں اخفاء کا پہلو

۱۸۔ آخر میں پھر اس امر کی طرف توجہ مبذول کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب سچے نبی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عقلی دلائل (بینات) اور معجزات (آیات) دیئے جاتے ہیں جو اس کی صداقت پر شاہد ناطق ہوتے ہیں تو پھر بڑے بڑے لوگ، زمانہ کے دانشور اور علماء کہلانے والے ان کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

گو اس کے متعلق پہلے بھی فصل دوم (نمبر ۲۰) میں تفصیلاً بہت کچھ درج کیا جا چکا ہے لیکن یہاں ایک اور بات کا بیان بھی ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ معجزات میں بھی کچھ اخفاء کا پہلو ہوتا ہے اور اسی اخفاء کی وجہ سے اس پر ایمان قابل قدر اور ایمان لانیوالا ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اگر کوئی چیز ہر لحاظ سے واضح ہو تو اس کے ماننے پر کوئی ثواب نہیں مثلاً سورج کا وجود یہ ایسی واضح چیز ہے کہ اس کے وجود کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس کے وجود کو تسلیم کر لینا ہمیں خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہراتا اور نہ ہی ایسا ایمان کسی مدح و ثنا کا موجب ہو سکتا ہے، حضرت امام رازی فرماتے ہیں: اَلْاِقْرَارُ بِوُجُوْدِ شَيْئٍ حَاضِرٍ مُشَاهَدٍ مُعَايَنٍ لَا يُوْجِبُ الْمَدْحَ وَالثَّنَاءَ اَلَا تَرٰى اَنَّ الْاِقْرَارَ بِوُجُوْدِ

الشَّمْسِ وَكَوْنِهَا مُضِيْئَةً لَا يُوْجِبُ الْمَدْحَ وَالثَّنَاءَ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۲۸۵) یعنی کسی ایسی چیز کے وجود کا جو حاضر ہو، مشاہدہ کی جا رہی ہو اور اسے آنکھ سے دیکھا جا رہا ہو، اقرار کرنا موجب مدح وستائش نہیں ہوتا کیا تو نہیں دیکھتا کہ سورج کے وجود کا اقرار کر لینا اور یہ مان لینا کہ وہ روشن ہے کسی مدح اور تعریف کا موجب نہیں۔

دوسری جگہ اسی امر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُرْسِلُ رَسُوْلًا مَعَ كَوْنِ الْإِيْمَانِ بِهٖ ضَرُوْرِيًّا وَإِلَّا لَكَانَ الْإِيْمَانُ بِهٖ إِيْمَانَ الْيَأْسِ فَلَا يُقْبَلُ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۶۵۷) یعنی خدا تعالیٰ کوئی ایسا رسول نہیں بھیجتا جس پر ایمان بدیہی ہو (جس میں کچھ اخفاء یا شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو) ورنہ وہ ایمان مایوسی کا ایمان ہوگا جو قابل قبول نہیں" (دیکھئے تفسیر آیۃ كَذٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُوْنٌ (سورۃ الذاریات)

یہی حکمت ہے کہ اکثر معجزات میں بھی کچھ نہ کچھ اخفاء کا رنگ پایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے جاہل اور ضدی لوگوں کے لیے انکار کا موقع ہاتھ لگ جاتا ہے، مسلمان مانتے ہیں کہ اسراء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے، لیکن اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا وہ جسمانی تھا یا روحانی اور کشفی۔ بلکہ اسی زمانہ میں اسی معجزہ کی وجہ سے تکذیب ہوئی اور خوب ہوئی حتیٰ کہ بعض مسلمان مرتد ہوگئے اور یہ معجزہ ان کی گمراہی کا موجب بن گیا، امام رازی لکھتے ہیں: إِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا ذَكَرَ لَهُمْ قِصَّةَ الْإِسْرَاءِ كَذَّبُوْهُ وَكَفَرَ بِهٖ كَثِيْرٌ مِمَّنْ كَانَ اٰمَنَ بِهٖ وَازْدَادَ الْمُخْلِصُوْنَ إِيْمَانًا (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۴۱۳ زیر آیت الا فتنۃ للناس) کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسراء کا واقعہ سنایا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی اور بہت سے آدمی جو ایمان لا چکے تھے پھر سے انکار کر گئے ہاں مخلص لوگوں کا ایمان بڑھ گیا"

خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ناقہ (اونٹنی) والا جو معجزہ صالح علیہ السلام کی قوم کو دیا گیا وہ ان کے لیے فتنہ (امتحان) تھا إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ (سورۃ القمر آیۃ ۲۷) اگر وہ معجزہ ہر لحاظ سے واضح تھا تو پھر امتحان کیسے بنا؟ (تفسیر جامع البیان للعلامہ معین بن صفی)

اس تفصیل کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص واضح معجزہ کی وجہ سے ایمان لایا اس کو ثواب بھی کم ملا

اور جو کسی قدر دقیق یا کم واضح معجزہ کے ذریعہ ایمان لایا، اس کے ایمان پر اسے زیادہ ثواب ملا، امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں کُلُّ مَنْ کَانَتْ مُعْجِزَتُهٗ اَظْهَرَ یَکُوْنُ ثَوَابُ قَوْمِهٖ اَقَلَّ ۔" (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ) یعنی جس نبی کا معجزہ زیادہ واضح ہو اس کی قوم کا ثواب بھی کم ہوگا۔"

چونکہ ایمان بالغیب میں استدلال اور غور سے کام لیا جاتا ہے اس لیے وہ بھی قابل قدر اور زیادہ ثواب کا سبب بنتا ہے۔

پس بلا ریب معجزات میں بھی اخفاء کا ایک رنگ پایا جاتا ہے جو مومن کے لیے موجب زیادتی ثواب بنتا ہے اور کافر کے لیے ابتلاء اور امتحان بلکہ کفر کا سبب بن جاتا ہے۔

خاکسار کے خیال میں معجزہ کے مالہٗ و ماعلیہ کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے اس لیے اب امام رازیؒ کے بیان کردہ دوسرے معیار کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

دوسرا معیار

مدعی کی پاک تعلیم

حزب اللہ اور حزب الشیطان

ہر الٰہی سلسلہ کا پیرو اس بات کا قائل ہے کہ دنیا میں دو گروہ پائے جاتے ہیں ایک وہ گروہ جسے حِزْبُ اللّٰہِ یعنی الٰہی جماعت کہتے ہیں اور دوسرا وہ گروہ جسے حِزْبُ الشَّیْطٰنِ کہا جاتا ہے۔

بنی آدم کے لیے ابتداء آفرینش سے سلسلہ انبیاء جاری کیا گیا تا کہ بنی نوع انسان کو شیطان اور اس کے پیرو کاروں کے حملے اور وساوس سے بچایا جائے اور انہیں سعادت دارین کی طرف راہنمائی کی جائے۔ یہ پاکباز گروہ اور ان کے پیچھے پیرو خدا تعالیٰ سے ایسی محبت اور قرب کا تعلق رکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا اس کا خیال بھی نہیں کر سکتا اور انہیں وہ صدق اور اخلاص حاصل ہوتا ہے کہ غیر کے لیے اس کا اندازہ کرنا مشکل کیا ناممکن ہوتا ہے ان کے خیالات، ان کے جذبات ان کے اقوال اور ان کی حرکات و سکنات سے بزبان حال یہ آواز آتی ہے ؎

در دو عالم مرا عزیز توئی   آنچہ مے خواہم از تو نیز توئی

ان کے ہر عمل اور فعل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدا کی محبت میں محو ہیں اور اس سے توجہ ہٹانا

ہاں ایک لمحہ کے لیے اسے بھولنا وہ گناہ کبیرہ یقین کرتے ہیں۔

وَلَوْ خَطَرَتْ لِيْ فِيْ سِوَاكَ إِرَادَةٌ
لَدَى خَاطِرِيْ يَوْمًا حَكَمْتُ بِرِدَّتِيْ

انہیں اپنے رب کے متعلق یقین اور پھر اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں انھیں ایک نئی زندگی نصیب ہوتی ہے اور ان پر خدا کا نور ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ اسی کے جمال اور جلال کا مظہر بن جاتے ہیں، جہاں خدا کے جمال کو دیکھتے ہوئے ان کے دل میں بے مثال عشق پیدا ہو جاتا ہے وہاں اس کے جلال پر نظر رکھتے ہوئے انھیں خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف اور رُعب بھی ہر دم لاحق رہتا ہے ؎

ہر کہ عارف تر است ترساں تر

وہ اس کی راہ میں اپنی جان، مال اور عزت کو قربان کرنے کے لیے ہر آن تیار رہتے ہیں اور ہر مصیبت اور تکلیف کو برداشت کرنا اپنے لیے فخر یقین کرتے ہیں، کیونکہ انھیں علم ہوتا ہے کہ ابتلا ان کی ترقی کا موجب ہوتے ہیں اور ان کے عشق اور قرب کو اور بڑھاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ

ڈاکٹر اقبال کہتا ہے ؎

تندیٔ بادِ صبا سے تو نہ گھبرا اے عقاب
وہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

خدا کی معیّت

ان پر خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور انوارِ الٰہیہ کی بارشیں برستی ہیں۔ حقائق و معارف سے انھیں نوازا جاتا ہے اور وہ علوم روحانی ان پر کھولے جاتے ہیں جو ریاضت اور محنت اور کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتے اور وہ آیات و برکات انھیں عطا کیے جاتے ہیں کہ دنیا دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے اور سعید روحیں ان سے زندگی حاصل کرتی ہیں۔ اور ازلی بدبخت ان کے مقابل آکر نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور خدا کی لعنت کا مورد بنتے ہیں، خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنے ان بندوں کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ بھی ہر حال میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس کے اشارہ پر چلتے ہیں، خدا تعالیٰ خود فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (سورۃ النحل آیت آخری)

لہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کُنْ مَعَ اللّٰهِ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ كُنْ مَعَ مَنْ

كَانَ مَعَ اللّٰهِ (تنویر القلوب صفحہ ۵۲۰ للشیخ محمد امین الکردی) کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جا اور اگر تجھے یہ بات میسر نہ ہو تو ان لوگوں کے ساتھ ہو جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔

۲۔ ابوعثمان الحیری کہتے ہیں: اَلصُّحْبَةُ مَعَ اللّٰهِ بِحُسْنِ الْاَدَبِ وَدَوَامِ الْهَيْبَةِ وَالْمُرَاقَبَةِ (علاج الامراض الردیہ صفحہ ۵۶ لمولانا الشریف السید علوی بن السید احمد السقاف) کہ اللہ کے ساتھ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حسن ادب اور ہمیشہ اس کی ہیبت اور اس کی نگرانی ملحوظ ہو۔"

۳۔ حضرت ابن حجر ہیتمی، صوفی کے متعلق فرماتے ہیں: "اَلْمُرَاعُوْنَ اَنْفَاسَهُمْ مَعَ اللّٰهِ" (الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۲۸۱) کہ وہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کے سانس تک خدا کی مرضی کے ساتھ ہوں۔"

۴۔ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ جب عارف خدا تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو ذکر اس پر غالب آجاتا ہے۔ اس صورت میں وہ عالم مادی سے غائب ہو جاتا ہے اور ہر دیکھنے والا اس سے ہیبت کھاتا ہے۔ هُوَ مَعَ اللّٰهِ وہ اس وقت خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ (الیواقیت والجواہر جزء اول صفحہ ۴۶)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ اِنْفَرَدُوْا بِقُلُوْبِهِمْ مَعَ اللّٰهِ (الیواقیت والجواہر جزء ۲ صفحہ ۵۷) کہ اولیاء اپنے دلوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو کر دنیا سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔"

۵۔ حضرت شیخ ابن عربی فرماتے ہیں "اِنَّ الْعَارِفَ اِنَّمَا هُوَ مَعَ اللّٰهِ" الکبریت الاحمر حاشیہ الیواقیت جزء اول صفحہ ۱۶۵) کہ عارف ہمیشہ خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔"

۶۔ نیز امام رازی فرماتے ہیں: هُوَ مَعَ اللّٰهِ وَاَوْلٰئِكَ مَعَ الْهَوٰى۔ (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۵۱۴) کہ مومن تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن نافرمان لوگ ہوا و ہوس کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

۷۔ نیز حضرت غلام احمد قادیانی علیہ السلام فرماتے ہیں: "وَبِعِزَّتِهٖ اِنَّهٗ مَعِيْ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ وَاَنَا مَعَهٗ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ" (تحفہ بغداد صفحہ ۱۴) یعنی خدا کی عزت کی قسم، وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے اور میں بھی ہر وقت اس کے ساتھ ہوں۔"

۸۔ فیلسوف طنطاوی جوہری اپنی تفسیر الجواہر جلد ۹ صفحہ ۱۳ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں: "فَهُوَ مَعَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَهٗ" کہ آپ اللہ کے ساتھ ہیں اور اللہ آپ کے ساتھ ہے۔"

یہی طرفین کی معیت ہے جسکی برکت سے تعلق قریب تر اور مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے جسے وصال کہا جاتا ہے یا محبت اور عشق سے تعبیر کیا جاتا ہے ، عارف اپنے خدا کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے اور ہمیشہ اسی کے گن گاتا ہے کوئی خوشی اور کوئی مصیبت اس میں روک نہیں بن سکتی وہ دنیا کو للکارتا ہے اور کہتا ہے ۔ ؎

صادق آں باشد کہ ایام بلاء   مے گزارد با محبّت باوفاء

بلکہ وہ تو اپنے آپ کو محبوب سے جدا سمجھنا بھی گوارا نہیں کرتا ، حضرت امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ کسی نے مجنون سے پوچھا مَا اسْمُكَ تیرا نام کیا ہے قَالَ لَیْلٰی اس نے جواب دیا کہ میرا نام لیلیٰ ہے ۔" جب لیلیٰ مرگئی تو کسی نے اس سے کہا کہ لیلیٰ تو مرگئی ، مجنون کہنے لگا اِنَّ لَیْلٰی فِی قَلْبِی لَمْ تَمُتْ اَنَا لَیْلٰی کہ لیلیٰ تو میرے دل میں زندہ موجود ہے بلکہ میں خود لیلیٰ ہوں (مکاشفۃ القلوب ص۳۲ الباب العاشر فی العشق)

ایسے لوگ کبھی نہیں مرتے ، ان کا نام اور ذکر خیر ہمیشہ ہمیش کے لیے زندہ رہتا ہے ۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اَوْلِیَاءُ اللہِ لَا یَمُوْتُوْنَ وَلٰکِنْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ (تفسیر کبیر جزء ۳ ص۹۵) خدا کے اولیاء نہیں مرا کرتے ہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں ۔"

کامل اور مکمل لوگ نبی

یہ لوگ اپنی ذات میں کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیے نمونہ چھوڑ جاتے ہیں ، بلکہ یہ زندگی کی روح دوسروں میں بھی ڈال دیتے ہیں لیکن تکمیل کا اصلی اور حقیقی کام نبی کا ہوتا ہے ۔ اسے خدا تعالیٰ دوسروں کو کامل بنانے کی وہ طاقت اور قوت بخشتا ہے کہ جس کی مثال کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی ۔

۱۔ حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں : فَالْوَلِیُّ هُوَ الْاِنْسَانُ الْکَامِلُ لَا یَقْوٰی عَلَی التَّکْمِیْلِ وَالنَّبِیُّ هُوَ الْاِنْسَانُ الْکَامِلُ الْمُکَمِّلُ (تفسیر الکبیر جزء ۵ ص۲۲۶) کہ ولی خود کامل ہوتا ہے ، لیکن اس میں دوسرے کو کامل بنانے کی طاقت نہیں ہوتی ، مگر نبی خود بھی کامل ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی کامل کر سکتا ہے ۔"

۲۔ حضرت امام الخازن اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں : "اِنَّ اَعْلٰی مَرَاتِبِ الْبَشَرِ اَنْ یَکُوْنَ کَامِلًا فِیْ نَفْسِهٖ مُکَمِّلًا لِغَیْرِهٖ وَهُمُ الْاَنْبِیَاءُ فَلَا جَرَمَ یَجِبُ عَلٰی کُلِّ اَحَدٍ الْاِقْتِدَاءُ بِهِمْ ۔" (تفسیر الخازن جزء ۲ ص۳۴ مصری) کہ انسان کا سب سے بڑا

مرتبہ یہ ہے کہ وہ خود کامل ہو اور دوسرے کو کامل بنا سکے اور اس مرتبہ والے نبی ہوتے ہیں، پس ہر شخص پر واجب ہے کہ ان کی پیروی کرے۔"

۳۔ علامہ ملا علی القاری "شرح الفقہ الاکبر" میں فرماتے ہیں کہ علامہ القونوی نے عمدۃ النسفی کی شرح میں لکھا ہے کہ لوگ تین طبقات میں منقسم ہیں، اوّل عوام جہلاء کا طبقہ دوم کامل لوگوں کا طبقہ جو خود تو کمال رکھتے ہیں، لیکن دوسرے کو کامل بنانے کی روحانی طاقت ان میں نہیں پائی جاتی، سوئم وہ طبقہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکتے ہیں جیسے کہ انبیاء (ص ۹۳)

۴۔ حضرت امام رازیؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّ اَکْثَرَ الْخَلْقِ نَاقِصُوْنَ وَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ مُکَمِّلٍ یُکَمِّلُهُمْ وَمُرْشِدٍ یُرْشِدُهُمْ وَهَادٍ یَهْدِیْهِمْ وَمَا ذٰلِکَ اِلَّا الْاَنْبِیَاءُ (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص ۱۶۵) یعنی مخلوق میں سے اکثر لوگ ناقص ہوتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے کوئی کامل بنانے والا ہو، کوئی رہنما ہو جو ان کی رہنمائی کرے اور کوئی ہادی ہو جو انھیں ہدایت دے اور وہ انبیاء کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

کسی قوم کی اصلاح کرنا کسی قوم میں دوبارہ زندگی کی روح پھونکنا اور کسی قوم میں روحانی انقلاب برپا کرنا، کسی ایسے فلاسفر، کسی ایسے مفکر، کسی ایسے لیڈر کا کام نہیں جو خود روحانیت پاکیزگی اور نورانی زندگی سے بیگانہ ہو اور جن کا خدائے حی و قیوم سے گہرا تعلق نہ ہو، اقوام عالم کی تاریخ کا ابتداء سے ابتک مطالعہ کر جائیں، قوانین فطرت پر بغور نظر ڈالیں تو آپ پر واضح ہو جائیگا کہ مردہ کسی دوسرے کو حرکت میں نہیں لا سکتا، کوئی اندھا اندھے کو راستہ نہیں دکھا سکتا کوئی بے عمل اور خدا تعالیٰ کا نافرمان کسی دوسرے نافرمان کو قرب الٰہی سے مشرف نہیں بنا سکتا باتیں بنانا آسان ہے، لیکن کام کر دکھانا اور پھر روحانی کام، ہرگز ہرگز آسان نہیں، یہ بڑے جوکھوں کی بات ہے اور دل و جگر رکھنے والوں کا کام ہے۔ جو خدا ہی کے ہو جاتے ہیں اور اپنے نفس امارہ اور اس کی ہر خواہش سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ وہ بظاہر دنیا میں رہتے ہیں، لیکن ان کا دل صرف اپنے رب سے تعلق رکھتا ہے (دست بکار دل بایار) انھیں ہر چیز میں انکا پیارا خدا نظر آتا ہے اور ہر طرف وہ اس کے جلوے دیکھتے رہتے ہیں۔

یہی خدا تعالیٰ کی سنت ہے جو ابتداء آفرینش سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی یہ انبیاء کرام کا کام ہے (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نہ کہ کسی انجمن کا یا مفکر کا یا اولیاء اللہ۔

ہی ہیں جو خدائے قدوس کی رہنمائی اور تائید کے ساتھ اس کے مرتب کردہ نظام حیات کو جاری کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں، خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کی تائید اور نصرت کے لیے مامور کئے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے نشانات اور بینات اس کثرت سے نازل ہوتے ہیں کہ ایک عالم کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں ان نشانات کو دیکھکر لوگ خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اسی کا یقین کرتے ہیں اس نبی کا نیک اور پاک نمونہ دیکھکر لوگ اپنی اصلاح کرتے ہیں۔ اور اس کی روحانی قوت سے متاثر ہوکر اس کی ہر نیک تحریک پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتے ہیں وہ ایک ہاتھ پر جمع ہو جاتے ہیں اور ایک آواز کے پیچھے دوڑتے ہیں اور رضاء الٰہی کا حصول ہاں صرف اسی کا حصول ہر حال اور ہر کام میں انھیں مدنظر رہتا ہے، دنیا راضی ہو یا ناراض انھیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی، ان کی ساری طاقت اور قوت کا منبع ان کا خدا ہوتا ہے وہ اسی کا بھروسہ کرتے ہیں اور اسی پر انکا توکل ہوتا ہے اسی لیے ان کی کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

روحانی انقلاب برپا کرنا انبیاء کا کام

اگر دنیاوی انجمنیں، اگر دنیا کی مرتب کردہ تنظیمیں، اگر خدا تعالےٰ سے بیگانہ مفکر، بلند خیال شاعر اور اگر عوام کے کھڑے کئے ہوئے لیڈر، روحانی انقلاب برپا کرنیکی اہلیت رکھتے، اگر ان میں یہ استعداد یا قابلیت ہوتی تو یقیناً انبیاء کا سلسلہ بے معنی ٹھہرتا اور نبوت اور رسالت بے فائدہ اور عبث قرار پاتی، مگر ایسا ہرگز نہیں ہرگز نہیں، خدائے پاک نے سلسلہ انبیاء و رسل کو خود اپنی رحمت اور فضل اور اپنی خاص نعمت قرار دیا ہے اور سچی بات یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اپنے نبی اور رسول نہ بھیجتا تو انسان اپنی ساری عمر بھٹکتے بھٹکتے ختم کر دیتا اور پھر بھی یقین سے یہ اعلان کرنے کے قابل نہ ہوتا کہ سعادت دارین کے حصول کے لیے اسے صراط مستقیم حاصل ہوگیا ہے پس صراطِ مستقیم نبی کے ذریعہ ہی ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (سورہ الدخان آیت ۵-۶) کہ ہم ہی رسول بھیجتے ہیں اور یہ تیرے رب کی ایک رحمت عظیمہ ہے (سورہ البقرہ آیت ۱۰۵)

دوسری جگہ فرمایا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (سورۃ الجمعۃ آیت: ۴) کہ یہ نبی اور رسول کا رتبہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے"

ایک اور جگہ فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (سورۃ المائدہ آیت ۲۰) یاد کرو جب موسیٰ

نے اپنی قوم کو کہا کہ اے میری قوم اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں نبی پیدا کئے اور تمہیں حکومت بھی دی۔"

یہ لوگ خدائے پاک کی طرف سے آتے ہیں جس کی صفت نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے (سورۃ النور آیت ۳۵) انھیں اس کے نور سے وافر حصہ دیا جاتا ہے۔ پھر ان کی صحبت اور معیت سے اندھیرے دل منور ہوجاتے ہیں اور روحانی آنکھوں کو بینائی حاصل ہوتی ہے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری روحانی حالت اور ایمانی کیفیت اسی طرح قائم رہے جس طرح میرے ساتھ بیٹھتے وقت ہوتی ہے تو لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔

اکثریت اور اقلیت کا سوال

یہ کہنا نادانی کی دلیل ہے کہ فلاں نبی کے متبع چند لوگ ہیں اکثریت انکے مخالف ہے اور اس وجہ سے ان کی پیروی کرنا ہتک سمجھا جاتا ہے کیونکہ مذہب کی ساری بنیاد خدا تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی پر ہوتی ہے اور نبی کو لوگوں کی اصلاح کے لیے بھیجا جاتا ہے نہ کہ اکثریت کی اتباع اور تقلید کے لیے۔

۱۔ اگر بالفرض تمام دنیا ایک سچے نبی کا انکار کردیتی ہے تو بھی وہ جھوٹی قرار دی جائیگی اور خدا کا نبی سچا ٹھہریگا اور اکثریت کے مقابل اسی کی پیروی لازم بلکہ فرض ہوگی۔ حضرت امام رازی فرماتے ہیں: "اَلرَّسُوْلُ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِقَوْلِ الْمُرْسِلِ فَاِذَا قَالَ مَلِکٌ: هٰذَا رَسُوْلِیْ" لَوْ اَنْکَرَ کُلُّ مَنْ فِی الدُّنْیَا اَنَّهٗ رَسُوْلٌ فَلَا یُفِیْدُ اِنْکَارُهُمْ فَقَالَ تَعَالٰی اَیُّ خَلَلٍ فِیْ رِسَالَتِهٖ بِاِنْکَارِهِمْ مَعَ تَصْدِیْقِیْ اِیَّاهُ بِاَنَّهٗ رَسُوْلِیْ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص ۵۵۶) یعنی رسول اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق رسول بنتا ہے۔ پس جب کوئی بادشاہ کہے کہ یہ شخص مرا رسول (ایلچی) ہے، تو اگر دنیا بھر کے لوگ اس کا انکار کردیں اور اسے رسول نہ مانیں تو ان کا انکار لغو اور بے فائدہ ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں نے محمدؐ کو رسول مقرر کیا ہے اور میں اسے سچا ٹھہراتا ہوں کہ وہ واقعی میرا رسول ہے تو لوگوں کے انکار سے اس کی رسالت میں کونسا خلل پیدا ہوسکتا ہے۔"

دراصل نبی جتھا بنانے نہیں آتا اور نہ ہی دنیا اسے مطلوب ہوتی ہے اور نہ وہ لوگوں کی اکثریت کا خیال رکھتا ہے اسے ہر آن یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ مخلوقِ خدا کو شیطان کے پنجے سے نجات دی جائے لوگوں کے دلوں کو پاک کیا جائے ان کے خیالات و افکار کو ہر گند سے صاف کیا جائے

وہ اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہوں اور اعمال صالحہ بجالائیں اور اس طرح خدا کی رضا اور قرب کا شرف انھیں حاصل ہو اور جہاں انسان کو عالم فانی میں امن و آشتی اور راحت و اطمینان پانے کا موقع ملے وہاں عالم اخروی میں بھی حقیقی خوشی اور دائمی عزت نصیب ہو، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو آپس میں ہمدردی اور حسن سلوک، امانت، سچائی، رواداری، تعاون، محبت و پیار، اتحاد اور اتفاق کا چرچا اور غلبہ ہو، جھوٹ، دغابازی، ظلم، فساد، خیانت، بدگوئی، چوری، بے حیائی، بغاوت، جوابازی اور شراب نوشی وغیرہ بدیوں کو ختم کیا جائے۔

نبی اور اس کے سچے پیروؤں کا یہی مشن ہوتا ہے یہی ان کے حق پر ہونے کی بڑی دلیل ہوتا ہے جیسا کہ صحت مند آنکھ روشنی اور اندھیرے میں فرق کر لیتی ہے جیسے انسان کی زبان مزیدار اور بدمزہ کھانے میں امتیاز کر لیتی ہے جیسے قوت شامہ خوشبو اور بدبو کو فوراً پہچان لیتی ہے، جیسے قوت سامعہ خوشکن اور بیزاری پیدا کرنے والے راگ اور آواز کو جان جاتی ہے، ویسے ہی عقل صحیح اور فطرت سلیمہ اس سچے نبی کی پیش کردہ تعلیم کو قبول کر لیتی ہے خود آدمی اسے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قبول نہ کرے اور یا اپنے ماحول اور پیش آمدہ حالات کی وجہ سے اس کا انکار کر دے تو علیحدہ بات ہے۔

۲۔ ہمارے بعض علماء تو عام سیاسی حالات میں بھی اکثریت کی پرواہ نہیں کرتے چہ جائیکہ مذہب میں خدائی فیصلے کو نظر انداز کر کے اکثریت کی تقلید کی جائے، عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے ایک دفعہ کہا تھا "ہم نام نہاد اکثریت کی تابعداری نہیں کرینگے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اکثریت باطل پر ہے" (سوانح حیات بخاری ص۱۱۱ اخبار زمزم لاہور مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء)

۳۔ علامہ الشوکانی فرماتے ہیں: قَوْلُ الْاَکْثَرِ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ (ارشاد الفحول ص۷۹) کہ "اکثریت کا قول حجت نہیں ہوتا"

اسی کتاب میں "مرجحات" کی بحث کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں: لَا حُجَّۃَ فِیْ قَوْلِ الْاَکْثَرِ وَلَا فِیْ عَمَلِھِمْ فَقَدْ یَکُوْنُ الْحَقُّ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْمَسَائِلِ مَعَ الْاَقَلِّ۔ (ص۲۴۳ طبع مصری) کہ اکثریت کا قول یا عمل بالکل حجت نہیں بن سکتا کیونکہ بہت سے مسائل میں حق اقلیت کے ساتھ ہوتا ہے"

۴۔ اور تو اور خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (سورۃ الانعام آیت ۱۱۶) کہ اگر تو دنیا میں اکثریت کی پیروی کرے گا

تو وہ تجھے خدا کے راستہ سے بہکا دینگے۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی امت کی اکثریت کے متعلق جو تفرقہ اور اختلاف کی زد میں آچکی ہوگی فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیگی، حدیث صحیح میں ہے وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَتَفْتَرِقَنَّ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً فَوَاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھُمْ قَالَ اَلْجَمَاعَۃُ۔ (کتاب سنن ابن ماجہ باب افتراق الامم) یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور باقی بہتر آگ میں جائینگے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا جماعت"۔

۶۔ علامہ نظام الدین الشاشی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: "فَلَا یُعْتَبَرُ بِقَوْلِ الْعَوَامِّ" (اصول الشاشی صفحہ ۷۶ البحث الثالث) کہ مذہب میں عوام کے قول کی کوئی قدر نہیں"۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے اپنے شہید ہونے سے پہلے مکہ کے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا جسمیں فرمایا: فَاِنَّہٗ لَمْ یَعِزَّ مَنْ کَانَ الْبَاطِلُ مَعَہٗ وَلَوْ کَانَ مَعَہُ الْاَنَامُ طُرًّا وَلَمْ یَذِلَّ مَنْ کَانَ الْحَقُّ مَعَہٗ وَلَوْ کَانَ فَرْدًا (العقد الفرید الجزء الثالث صفحہ ۱۶۱ مصری لابن عبد ربہ الاندلسی) کہ جو شخص باطل پر ہو کبھی عزت نہیں پاتا خواہ تمام دنیا اس کے ساتھ ہو اور جو شخص حق پر ہو کبھی ذلیل نہیں ہوتا خواہ وہ اکیلا ہی ہو"۔

کیا ہی پیاری اور حق بات ہے!

۸۔ آیئے ایک اور بڑے بزرگ شیخ الموفق کا قول بھی سن لیں، انھوں نے شیخ ابن تیمیہ کی خدمت میں ایک اہم خط لکھا جس کا ایک جملہ یہ ہے۔

"اِذَا کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ حِزْبِہٖ مُتَّبِعًا لِلسُّنَّۃِ مَا اُبَالِیْ مَنْ خَالَفَنِیْ وَلَا مَنْ خَالَفَ فِیَّ وَلَا اَسْتَوْحِشُ لِفَوَاتِ مَنْ فَارَقَنِیْ وَاِنِّیْ لَمُعْتَقِدٌ اَنَّ الْخَلْقَ کُلَّھُمْ لَوْ خَالَفُوا السُّنَّۃَ وَتَرَکُوْھَا وَعَادُوْنِیْ مِنْ اَجْلِھَا لَمَا ازْدَدْتُ بِھَا اِلَّا لُزُوْمًا وَلَا بِھَا اِلَّا اغْتِبَاطًا" (التاج المکلل صفحہ ۲۵ السید صدیق حسن خاں قنوجی) کہ جب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے گروہ میں شامل ہوں اور آپ کی سنت کی پیروی کرنیوالا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں کہ کون میری مخالفت کرتا ہے اور کون میرے متعلق مخالفت اختیار کرتا ہے اور نہ مجھے خوف ہوتا ہے کہ کون مجھ سے جدا ہوتا ہے

میں اس اعتقاد پر قائم ہوں کہ اگر تمام مخلوق سنت کی مخالفت کرے اور اسے چھوڑ دے اور سنت کی وجہ سے مجھ سے دشمنی کرنا شروع کر دے تو میں سنت کو اپنے لیے اور زیادہ لازم کر لونگا اور اس کی طرف شوق سے اور زیادہ جھک جاؤنگا۔"

۹۔ حضرت امام رازی نے ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے: اِنَّ التَّمْيِيْزَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالصِّدْقِ وَالْكِذْبِ عَطِيَّةٌ مِنَ اللهِ تَعَالٰى وَفَضْلٌ مِنْهُ وَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَّخُصَّ بَعْضَ عَبِيْدِهٖ بِهٰذِهِ الْعَطِيَّةِ وَاَنْ يَّحْرُمَ الْجَمْعَ الْعَظِيْمَ مِنْهَا ۔ (تفسیر کبیر جزء ۵ صفحہ ۲۵۵) یعنی حق اور باطل اور سچ اور جھوٹ کے درمیان تمیز کرنا بھی خدا کا عطیہ ہوتا ہے اور اس کے فضل سے ہوتا ہے اور بعید نہیں کہ خدا تعالیٰ اس عطیہ سے اپنے بعض بندوں کو مخصوص کرے اور بڑے انبوہ کو اس سے محروم کر دے۔"

پس کسی انبوہِ کثیر اور بڑے گروہ کے خیال کو صرف اس وجہ سے حق یا سچ قرار دینا کہ اکثریت اس پر قائم ہے۔ صحیح نہیں کیونکہ یہ بعید نہیں بلکہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بعض اپنے خاص بندوں کو حق کی شناخت کی توفیق بخش دیتا ہے اور اکثریت اس سے محروم رہ جاتی ہے۔

۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ قَائِمٍ لِلّٰهِ بِحُجَّتِهٖ كَيْلَا تَبْطُلَ حُجَجُ اللهِ وَبَيِّنَاتُهٗ اُولٰئِكَ الْاَقَلُّوْنَ عَدَدًا اَلْاَعْظَمُوْنَ عِنْدَ اللهِ قِيْلًا۔" (غایۃ الامانی جزء ۱ صفحہ ۵) کہ زمین ایسے شخص سے ہرگز خالی نہ ہوگی جو خدا کی حجت قائم کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت اور دلیل باطل نہ ہو وہ (اور اسکے ساتھی) تعداد میں کم ہوا کرینگے، لیکن خدا کے نزدیک ان کی بات کی بڑی قدر اور عزت ہوگی۔"

کیسی سچی اور مؤثر بات ہے!

پس حقیقت یہی ہے کہ دین الٰہی میں اصل فیصلہ وہی ہے جو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے آئے اس کے مقابل اکثریت ہی سہی عوام کے قول یا عمل کی کوئی قیمت نہیں، عوام کی اکثریت تو اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتی ہے انھیں حق کی پرواہ نہیں ہوتی، ادھر خدا تعالیٰ ان نفسانی خواہشات کے خلاف ہی جہاد کا ارشاد فرماتا ہے جسے انبیاء کا فرض قرار دیا جاتا ہے۔

جماعت اور سوادِ اعظم

یہاں ایک بڑا شبہ پیدا ہوتا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنتی فرقہ الجماعۃ ہوگا اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا: اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ (تحفۃ الاخوان تصنیف علامہ محمد عبید اللہ صاحب

صـ۱۳۳ و شرح الفقہ الاکبر صـا) کہ سواد اعظم کی پیروی کرو۔" یہ دو روایات اشارہ کرتی ہیں کہ حق اکثریت کے ساتھ ہوتا ہے اور اکثریت کی ہی پیروی کرنا ضروری ہے۔

۱۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے آپ سب سے پہلے "جماعت اسلامی" کے بانی مولوی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی رائے ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں:

"اسلام میں نہ اکثریت کا کسی بات پر متفق ہو جانا اس کے حق ہونے کی دلیل ہے نہ اکثریت کا نام سواد اعظم، نہ ہر بھیڑ جماعت کے حکم میں داخل ہے اور نہ کسی مقام کے مولویوں کی جماعت کا کسی رائے کو اختیار کر لینا اجماع ہے۔"

(ترجمان القرآن ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء)۔

(نیز دیکھیے سیاسی کشمکش جلد ۳ صـ۴۸)

واضح ہوگیا کہ ہر اکثریت کا نام "سواد اعظم" نہیں اور نہ ہی ہر بھیڑ کا نام "جماعت"

۲۔ ایک اور بزرگ ابوالمعالی الشافعی السلمی اپنی (کتاب "غایۃ الامانی" جزء ا صـ۴۴۲ طبع مصری) میں لکھتے ہیں: "اِنَّ الْاِعْتِمَادَ عَلَی الْکَثْرَۃِ وَالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ وَالْاِحْتِجَاجَ عَلٰی بُطْلَانِ الشَّیْءِ بِقِلَّۃِ اَھْلِہٖ مِنَ الْجَھْلِ" کہ کثرت اور سواد اعظم پر اعتماد کرنا اور کسی بات کو باطل قرار دینا اس لیے کہ اس کے ماننے والے کم اور قلیل ہیں ایک قسم کی جہالت ہے۔"

آگے لکھتے ہیں: "فَالْحَقُّ اَحَقُّ بِالْاِتِّبَاعِ وَاِنْ قَلَّ اَنْصَارُہٗ" پس حق ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے خواہ اس کے ماننے والے اور تائید کرنیوالے تھوڑے ہی ہوں۔"

۳۔ بلکہ حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی تو تحریر فرماتے ہیں اور جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔ اِذْ صَاحِبُ الْعَقْلِ السَّلِیْمِ یُؤَثِّرُ فِیْہِ الْکَلَامُ الْحَقُّ عَلٰی یَدِ اَیِّ مَنْ جَاءَ بِہٖ مِنَ النَّاسِ وَلَوْ مِنْ کَافِرٍ بِاللّٰہِ" (الیواقیت والجواھر جزء ۲ صـ۳۲ طبع مصری) یعنی جو شخص عقل سلیم رکھتا ہے کلام حق اس پر ضرور اثر کرتا ہے خواہ وہ کسی کافر ہی کی طرف سے اسے پہنچا ہو۔

۴۔ یہی امام شعرانی رحمہ اللہ اپنی اس کتاب کے صـ۳ پر تحریر فرماتے ہیں: "وَکَانَ سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ یَقُوْلُ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ ھُمْ مَنْ کَانَ عَلَی الْحَقِّ وَلَوْ وَاحِدًا وَکَذٰلِکَ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا سُئِلَ عَنِ السَّوَادِ الْاَعْظَمِ مَنْ ھُمْ وَکَذٰلِکَ کَانَ یَقُوْلُ الْاِمَامُ الْبَیْھَقِیُّ" کہ حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے

کہ اہل السنت والجماعت وہ ہیں جو حق پر ہوں خواہ ایک فرد ہی ہو، اسی طرح جب آپ سے سوادِ اعظم کے متعلق دریافت کیا جاتا کہ وہ کون ہیں تو آپ یہی جواب دیتے ان کے علاوہ حضرت امام بیہقی بھی اسی بات کے قائل تھے۔" (نیز ملاحظہ ہو المیزان الکبریٰ جزء ۱ صفحہ ۵۴)

۵۔ علامہ ابن القیمؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "اعلام الموقعین" میں تحریر فرمایا ہے۔
وَاعْلَمْ اَنَّ الْاِجْمَاعَ وَالْحُجَّةَ وَالسَّوَادَ الْاَعْظَمَ هُوَ الْعَالِمُ صَاحِبُ الْحَقِّ وَاِنْ كَانَ وَحْدَهٗ وَاِنْ خَالَفَهٗ اَهْلُ الْاَرْضِ کہ اجماع اور حجت اور سوادِ اعظم وہ عالم ہے جو حق پر ہو خواہ وہ اکیلا ہو اور دنیا کے لوگ اس کے خلاف ہوں" پھر لکھتے ہیں:

۶۔ ابن مسعودؓ نے عمرو بن میمون سے کہا یَا عَمْرَو بْنَ مَيْمُوْنٍ اَتَدْرِيْ مَا الْجَمَاعَةُ قُلْتُ لَا قَالَ۔۔۔۔۔ اَلْجَمَاعَةُ مَا وَافَقَ الْحَقَّ وَاِنْ كُنْتَ وَحْدَكَ کہ اے عمرو! کیا تو جانتا ہے کہ جماعت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ نہیں، انہوں نے فرمایا۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو خواہ تو اکیلا ہی ہو" پھر لکھتے ہیں:

۷۔ "وَقَالَ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ اِذَا فَسَدَتِ الْجَمَاعَةُ فَعَلَيْكَ بِمَا كَانَتْ عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ قَبْلَ اَنْ تَفْسُدَ وَاِنْ كُنْتَ وَحْدَكَ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْجَمَاعَةُ حِيْنَئِذٍ" کہ نعیم بن حمادؒ کہتے ہیں کہ جب جماعت بگڑ جائے تو تجھے لازم ہے کہ تو اس حق پر قائم رہے جس پر جماعت اپنے بگڑنے سے پہلے قائم تھی خواہ تو اکیلا ہی ہو، اس وقت تو اکیلا ہی جماعت ہو گا"

۸۔ وَقَالَ بَعْضُ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ وَقَدْ ذُكِرَ لَهُ السَّوَادُ الْاَعْظَمُ فَقَالَ اَتَدْرِيْ مَا السَّوَادُ الْاَعْظَمُ، هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ اَسْلَمَ الطُّوْسِيُّ وَاَصْحَابُهٗ۔۔۔۔۔ اِنَّ الشَّاذَّ مَا خَالَفَ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ النَّاسُ كُلُّهُمْ عَلَيْهِ اِلَّا وَاحِدًا مِّنْهُمْ فَهُمُ الشَّاذُّوْنَ" یعنی ائمہ حدیث میں سے بعض کے سامنے جب سوادِ اعظم کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا کہ جانتے ہو سوادِ اعظم کیا ہے؟ وہ محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھی ہیں۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ اس کے برعکس شاذ وہ ہے جو حق کے خلاف ہو خواہ تمام لوگ اس پر قائم ہوں سوائے ایک شخص کے۔

پس وہ ایک شخص سوادِ اعظم ہوگا اور دوسرے لوگ شاذ شمار ہونگے رد دیکھیے جزء ۳ صفحہ ۲۹۵ طبع مصر) ایک اور حوالہ پڑھ لیجیے۔

۹۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا:

"آج کل جمہوریت کو شخصیت پر ترجیح دی جا رہی ہے اور کہتے ہیں کہ جس طرف کثرت ہو وہ سوادِ اعظم ہے اسی زمانہ میں میرے ایک دوست نے اس کے متعلق ایک عجیب اور لطیف بات بیان کی تھی کہ اگر سوادِ اعظم کے معنی یہ بھی مان لیے جائیں کہ جس طرف زیادہ ہوں تو ہر زمانہ کے سوادِ اعظم مراد نہیں بلکہ خیر القرون کا زمانہ مراد ہے جو غلبۂ خیر کا وقت تھا ان لوگوں میں سے جس طرف مجمع کثیر ہو وہ مراد ہے نہ کہ ثُمَّ یَفْشُو الْکَذِبُ کا زمانہ۔ یہ جملہ ہی بتا رہا ہے کہ خیر القرون کے بعد شر میں کثرت ہوگی مجھے تو یہ بات بہت ہی پسند آئی۔ واقعی کام کی بات ہے۔"

(البلاغ ماہنامہ کراچی بابت ماہ جولائی ۱۹۷۶ء صفحہ ۵۹) از (الفضل ۷ اگست ۱۹۷۶ء صفحہ ۲

۱۰۔ آخر میں ایک اور بزرگ کا قول بھی ملاحظہ فرمایئے۔

امام مجتہد سید محمد بن ابراہیم بن علی بن المرتضیٰ جو ابن الوزیر کے نام سے مشہور ہیں، فرماتے ہیں:۔

"وَلَا یَحِلُّ التَّمَسُّکُ بِمَا یُخَالِفُہٗ مِنَ الرَّأْیِ سَوَاءٌ کَانَ قَائِلُہٗ وَاحِدًا اَوْ جَمَاعَۃً اَوِ الْجُمْھُوْرَ۔" (التاج المکلل صفحہ ۲۳۱ تالیف سید نواب صدیق حسن خان صاحب)

"کہ جو بات قرآن مجید اور سنت کے خلاف ہو اس پر قائم ہونا جائز نہیں، خواہ اس کا قائل ایک فرد ہو خواہ کوئی جماعت ہو یا جمہور ہو۔"

کیا ہی سچ کہا گیا ہے۔ "فَاِنَّ الرِّجَالَ تُعْرَفُ بِالْحَقِّ لَا الْحَقُّ بِالرِّجَالِ۔" (التاج المکلل صفحہ ۳۱۵) کہ لوگ حق کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں نہ کہ حق لوگوں کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے۔"

الجماعت اور حدیث

ان حوالجات سے واضح ہوگیا کہ الجماعت اور سوادِ اعظم سے مراد اکثریت نہیں، بلکہ وہ عالم یا وہ لوگ مراد ہیں جو حق پر قائم ہوں خواہ ان کی تعداد بہت کم (اقلیت) ہو اور انہیں حقیر سمجھا جاتا ہو ہاں الجماعت کے لفظ میں ایک اور اہم امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی تھی جس کا ذکر مذکورہ بالا حوالجات میں نہیں پایا جاتا۔

۱۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آئندہ اپنی امت میں اختلاف اور افتراق پیدا ہونے کا

ذکر فرمایا اور خبر دی کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی، تو طبعاً سوال پیدا ہوتا تھا کہ ان فرقوں میں سے کون سا فرقہ سچا اور ناجی ہوگا اور اسکی کیا نشانی ہے؛ اس سوال کے جواب میں آپؐ نے جو الفاظ استعمال فرمائے ان میں سے ایک اَلْجَمَاعَۃُ کا لفظ ہے اور دوسرا جملہ ہے مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ یعنی جس طریق پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں؛

۲- یہ الفاظ گو واضح تھے، لیکن اتنے واضح نہ تھے کہ عوام الناس بھی انہیں بنظرِ غائر سوچے بغیر پوری طرح سمجھ سکتے۔ اس لیے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ اس کی پوری طرح وضاحت فرمادی فرمایا: "تَلْزَمُ جَمَاعَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِمَامَھُمْ" (البخاری جزء ۲ ص۱۵۱ باب علامات النبوۃ فی الاسلام) کہ اختلاف پیدا ہو تو اے مسلم! تجھے چاہیئے کہ تو مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ مل جائے؛

اس میں صراحت سے بیان کردیا گیا ہے کہ الجماعۃ وہ گروہ ہے جس کا "امام" ہو اگر بعض لوگوں کی طرف سے کوئی جماعت قائم کی جائے۔ یا کسی انجمن کی بنیاد خود انسانوں کے ہاتھوں رکھی جائے تو اس کا پریزیڈنٹ تو ہوگا، مگر واجب الاطاعت "امام" نہ ہوگا۔

۳- دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَآءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ فُوْا بَیْعَۃَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ (البخاری، مسلم، مشکوۃ باب الامارۃ) یعنی پہلے اسرائیل کی نگرانی، ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، جب کبھی کوئی نبی فوت ہوجاتا تو اس کے بعد نبی ہی اس کا جانشین (خلیفہ) ہوتا، لیکن میری وفات کے معاً بعد کوئی نبی نہ ہوگا، البتہ صرف خلفاء ہونگے اور بہت ہونگے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر ہمیں کیا حکم ہے؛ حضور نے فرمایا: پہلا خلیفہ جس کی تم بیعت کر چکے ہو، اسے نبھاؤ، پھر اس کے بعد جو خلیفہ بنے اور تم اس کی بیعت کرو، اسے نبھاؤ؛

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں ان کا ایک خلیفہ ہو جس کی بیعت کی جائے اور اس کی بیعت کو نبھایا جائے۔

۴- پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً (مسلم، مشکوۃ کتاب الامارۃ ص۳۲۰) کہ جو مسلمان اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں کسی خلیفہ (امام) کی بیعت کا جوا نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت

کی موت ہوگی "۔

۵۔ ایک موقع پر فرمایا: اِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوا الْاٰخِرَ مِنْهُمَا (رواہ مسلم ")
یعنی ایک ہی وقت میں دو خلیفوں کی بیعت کی جائے، تو ان میں سے پچھلے خلیفہ کو قتل کر دیا جائے۔

۶۔ حضرت شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں: "وَخَلِیْفَتَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ" (الفتوحات المکیہ باب ۵۵۸) نیز (الکبریت الاحمر بحاشیہ الیواقیت والجواہر جزء ۲ صلا)

الٰہی جماعت اور اس کے نشان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات اور احادیث نبویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:۔

۱۔ الجماعت ان لوگوں کے مجموعہ کا نام ہے جو خدا کے حکم سے کسی مرکز میں اکھٹے ہوئے ہوں نہ کہ انھوں نے اپنی مرضی سے کسی انجمن یا جتھہ کی بنیاد ڈالی ہو۔

۲۔ خدا تعالیٰ کے مامور یا اس کے خلیفہ یا ان کے مقرر کردہ امیر کی بیعت کا جوا اپنی گردن پر رکھے ہوں اور اسے واجب الطاعۃ یقین کریں، کیونکہ ان کا دستور العمل خدا کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے جو امام یا خلیفہ پیش کرتا ہے۔

۳۔ وہ امام یا خلیفہ، تمام امت مسلمہ کے لیے ایک ہونا چاہیئے، البتہ وہ اپنے ماتحت دیگر امراء یا عمال کو مختلف علاقوں میں مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے، جو مرکز کے نمائندے کی حیثیت سے کام کریں۔

۴۔ دوسری احادیث سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے[ل] کہ اس خلیفہ یا امام کو معزول نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کے خلاف بغاوت جائز ہے کیونکہ خدا تعالیٰ خود اس کی راہ نمائی فرماتا ہے اور اسے ہر ایسے عمل اور فیصلے سے بچائے رکھتا ہے جو قوم کی تباہی کا موجب ہو، دیگر ائمہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ علامہ عبد المغیث بن زہیر بن علوی الحربی المحدث کہتے ہیں: مِنْ مَذْهَبِیْ اَنَّ الَّذِیْ هُوَ خَلِیْفَةُ الْمُسْلِمِیْنَ، اِذَا طَرَأَ عَلَیْهِ فِسْقٌ لَا یُوْجِبُ خَلْعَهٗ " (التاج المکلل ص۱۳۶) کہ میرا مذہب یہ ہے کہ جب کسی خلیفہ المسلمین پر فسق طاری ہو جائے تو اس کو معزول کرنا ضروری نہیں "۔ چہ جائیکہ وہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ مزید وضاحت

ل اور علامہ الشوکانی نے بھی اپنی کتاب الدرد البہیہ کی آخری فصل میں پُر زور الفاظ میں یہ بیان کیا ہے۔

کے لیے مطالعہ فرمائیں (کتاب شرح العقاید النسفیہ ص۱۴۵ مصری فصل امامت)

۵۔ اگر اس امام یا خلیفہ کا مقرر کردہ امیر یا عامل کبھی کسی معصیت یا کسی خلافِ منشاء الٰہی امر کا حکم دے تو اس کی اس امر میں اطاعت نہ کی جائے اور اس کی رپورٹ خلیفہ وقت کے پاس کر کے فیصلہ کی درخواست کی جائے، لیکن یہ جائز نہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے امام (خلیفہ) کے خلاف مہم چلائی جائے۔

انہی احادیث کی بناء پر ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا ہے: اِنَّ الْاِمَامَةَ فَرْضٌ وَأَنَّهُ لَا بُدَّ لِلْمُسْلِمِيْنَ مِنْ إِمَامٍ يُقِيْمُ شَعَائِرَ الدِّيْنِ وَيُنْصِفُ الْمَظْلُوْمِيْنَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ وَعَلٰى اَنَّهُ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ فِي جَمِيْعِ الدُّنْيَا إِمَامَانِ لَا مُتَّفِقَانِ وَلَا مُفْتَرِقَانِ۔ (کتاب المیزان للشعرانی جزء۲ کتاب الحدود، باب البغاۃ ص۱۵۷) کہ امامت فرض ہے اور ضروری ہے کہ مسلمانوں کا ایک امام ہو جو شعائر دین قائم کرے اور ظالم سے مظلوم کا حق لیکر اسے دے اور کہ یہ جائز نہیں کہ مسلمانوں کے لیے ایک ہی وقت میں تمام دنیا میں دو امام ہوں خواہ وہ متفق ہوں یا الگ الگ ہوں۔"

یہ تو مقلدین کا مذہب ہے اہلِ حدیث کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے لکھا ہے: "تمام عالم اسلام کو ایک خلیفہ واحد کے تحت منظم کیا جائے... تعدّد خلفاء کے جواز کا نظریہ ہمارے نزدیک ملتِ اسلامیہ کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کرنے کا باعث ہے بلکہ روحِ اسلام کے بھی خلاف ہے۔"
(ماہنامہ "محدث" لاہور ماہ محرم ۱۳۹۶ھ)

اگر ذرا غور اور سوچ سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس فیصلے پر صرف اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ خلیفہ یا امام "روحانی بادشاہ" ہو نہ کہ "دنیوی بادشاہ" کیونکہ ایک وقت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر کسی ایک دنیوی بادشاہ کا حکومت کرنا ناممکن ہے، نہ کبھی ایسا ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ پس "امامت" اور "خلافت" سے مراد "روحانی خلافت" اور "روحانی امامت" ہی ہے جو خدا تعالیٰ کے ان بندوں کو حاصل ہوتی ہے جنہیں وہ خود مقرر فرماتا ہے۔

۶۔ اس کے علاوہ خدا کی جماعتوں میں یا خدا کی حکومت میں مسلّمہ اپوزیشن کا کوئی وجود جائز قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ سوال کرنے یا کسی شبہ کے ازالہ کی درخواست کرنے کی ممانعت نہیں ہوتی بلکہ کھلی اجازت ہوتی ہے ہاں فتنہ اور بغاوت برپا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

۷۔ اگر بالفرض اس جماعت کا کچھ حصہ اس سے نکل جائے، بالفاظ دیگر مرتد ہو جائے تو وہ ختم نہیں ہو جاتی اور نہ ہی کسی کو اس کے ختم کر دینے کا حق دیا جاتا ہے اور نہ کسی کو ایسی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

۸۔ خدا کی جماعتوں میں اخلاقی پاکیزگی، روحانیت اور اخوت و مساوات کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (سورۃ الحجرات آیۃ ۱۰) بلکہ اسلام تو یہاں تک تعلیم دیتا ہے کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (الجامع الصغیر جزء ۲ ص ۳۵) کہ قوم کا سردار دراصل اس کا خادم ہوتا ہے۔" البتہ انتظام حکومت چلانے کے لیے مختلف فرائض کی وجہ سے مختلف نام تجویز کر دیئے جاتے ہیں تاکہ تدبیر عمل میں کوئی روک پیدا نہ ہو۔

۹۔ روحانی مراتب کا عطا کرنا خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ جسے چاہتا ہے صالح بنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے شہید ٹھہراتا ہے جسے چاہتا ہے صدیق کا مرتبہ بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نبی اور رسول کے درجہ پر فائز کر دیتا ہے ہاں وہ اپنے کسی مقرب بندے کو کسی کے متعلق اطلاع کر دے تو علیحدہ بات ہے ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ کسی کو عطا کرنا کسی انسان کے اختیار میں نہیں دیا گیا مزید یہ کہ ان مراتب عالیہ کے پانے کے لیے خدا تعالیٰ نے دروازہ کھلا رکھا ہے غریب سے غریب بلکہ اَن پڑھ شخص بھی ان مراتب سے مشرف کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ خدا تعالیٰ نے اسے صلاحیت بخشی ہو۔

۱۰۔ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت کی کامیابی اور غلبہ یقینی ہوتا ہے کیونکہ خدا نے اسے قائم کیا ہوتا ہے اور وہی اس کی حفاظت اور اس کی کامیابی اور ترقی کا ذمہ دار ہوتا ہے کچھ دیر ہو جائے۔ کچھ وقت لگ جائے، تو الگ امر ہے مگر فرمایا أَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ المجادلہ آیت اخری) کہ یاد رکھو کہ خدا کا گروہ ہی کامیاب ہوتا ہے" اور اس گروہ کے مخالف ناکام رہتے ہیں۔

ایک وہم کا ازالہ یہ خیال کہ خلیفہ کا قریشی نسل سے ہونا شرط ہے، صحیح نہیں، چنانچہ علامہ الشیخ الحافظ محمد عبد الباری الانصاری لکھنوی اپنی کتاب مقدمۃ التعلیق المختار علیٰ کتاب الاثار" ص ۴۲ پر لکھتے ہیں۔

قَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوِاسْتَخْلَفْتُ اَحَدًا بِغَیْرِ مَشْوَرَۃِ الْمُسْلِمِیْنَ لَاسْتَخْلَفْتُہٗ وَھُوَ غَیْرُ قُرَشِیٍّ فَھٰذَا یُؤَیِّدُ قَوْلَ اٰبَائِنَا الْحَنَفِیَّۃِ

لَمْ یَشْتَرِطِ الْقَرَشِیَّةَ فِی الْخِلَافَةِ وَھُوَ قَوِیٌّ عِنْدِیْ۔"

کہ عبداللہ بن مسعود الہذلی ابو عبدالرحمٰن الکوفی (نمبر ۱۲۷) کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کو مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر خلیفہ مقرر کرنا ہوتا تو اسے ہی اپنا خلیفہ مقرر کرتا، حالانکہ عبداللہ بن مسعود قریش سے نہ تھے۔ یہ حدیث علامہ الباقلانی کے اس فتویٰ کی تائید کرتی ہے کہ خلیفۂ اعظم کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں اور یہی فتویٰ میرے نزدیک قوی ہے"۔

علامہ محمد الغزالی المصری اپنی کتاب "کیف نفھم الاسلام" صـ۱۵۰ پر خلیفہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اِنَّ اِخْوَانَنَا الشِّیْعَةَ یَرَوْنَ ضَرُوْرَتَہٗ اِنْتِخَابِہٖ مِنْ بَیْتِ النُّبُوَّةِ وَ یَرٰی اِخْوَانُنَا السُّنَّةُ اَنَّہٗ یَکُوْنُ مِنْ قُرَیْشٍ وَالرَّأْیُ عِنْدِیْ اَنَّ زَعِیْمَ الْمُسْلِمِیْنَ لَایُنْمِیْہِ بَیْتٌ مُعَیَّنٌ وَلَا قَبِیْلَةٌ مُعَیَّنَةٌ وَاِنَّ اَکْفَأَ النَّاسِ اَحَقُّ بِقِیَادِھِمْ مِنْ غَیْرِہٖ دُوْنَ نَظْرٍ اِلٰی نَسَبٍ اَوْ جِنْسٍ" کہ ہمارے بھائی شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفہ اہل بیت سے ہونا چاہیئے اور ہمارے بھائی اہل سنت کہتے ہیں کہ قریش سے ہونا چاہیئے، میری رائے میں مسلمانوں کا راہنما کسی خاندان یا خاص قبیلہ سے ہونا ضروری نہیں بلکہ جو زیادہ لائق ہو، وہی بلا لحاظ نسب یا جنس مسلمانوں کا راہنما بننے کا مستحق ہے"

ایک وضاحت: دوسرے خلیفہ کو قتل کرنے کا جو حکم ہے اس سے مراد حقیقی قتل نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا ساتھ چھوڑ دو اور اس سے ایسا سلوک کرو کہ گویا وہ قتل کر دیا گیا ہے اور اس کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔

حدیث کی لغت کی کتاب نہایۃ میں ہے: اِنَّ عُمَرَ قَالَ یَوْمَ السَّقِیْفَةِ اُقْتُلُوْا سَعْدًا قَتَلَہُ اللّٰہُ اَیْ اِجْعَلُوْہُ کَمَنْ قُتِلَ وَاحْسِبُوْہُ فِیْ عِدَادِ مَنْ مَاتَ وَھَلَکَ ...... کَذٰلِکَ الْحَدِیْثُ الآخر اِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوا الْاٰخِرَ مِنْھُمَا اَیْ اَبْطِلُوْا دَعْوَتَہٗ وَاجْعَلُوْہُ کَمَنْ مَاتَ (حرف القاف مع التاء) کہ حضرت عمر نے یوم سقیفہ کو فرمایا تھا۔ اُقْتُلُوْا سَعْدًا کہ سعد کو قتل کرو اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے ایسا بنا دو کہ گویا وہ قتل کر دیا گیا اور اسے ایسے لوگوں میں شمار کرو جو مر چکے اور ہلاک ہو چکے ہوں ...... اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے پچھلے کو قتل کر دو مطلب یہ کہ اس کے دعویٰ کو باطل قرار دو اور اسے ایسا ہی سمجھو کہ وہ مر گیا"۔

پس قتل سے مراد سچ مچ مار دینا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ مبذول ہی نہ کرو اور یہ سمجھو کہ وہ لاشے ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو ہلاک ہو چکا ہے۔

کثرت وقلت کی بحث اور امامت کی اہمیت کے بیان کو میں مولانا ابوالکلام آزاد کی وضاحت پر ختم کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو آپ نے اپنی مشہور کتاب "مسئلہ خلافت" میں تحریر فرمائی ہے آپ لکھتے ہیں:۔

"کتاب وسنت نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ہیں تمام لوگ کسی ایک صاحب علم وعمل مسلمان پر جمع ہو جائیں اور وہ ان کا امام ہو۔ وہ جو کچھ تعلیم دے ایمان وصداقت کے ساتھ قبول کریں۔

قرآن وسنت کے ماتحت اس کے جو کچھ احکام ہوں ان کی بلا چون وچرا تعمیل واطاعت کریں، سب کی زبانیں گونگی ہوں صرف اس کی زبان گویا ہو سب کے دماغ بیکار ہو جائیں صرف اس کا دماغ کارفرما ہو، لوگوں کے پاس نہ زبان ہو نہ دماغ صرف دل ہو جو قبول کرے صرف ہاتھ پاؤں ہوں جو عمل کریں۔

اگر ایسا نہیں تو ایک بھیڑ ہے ایک انبوہ ہے، جانوروں کا ایک جنگل ہے کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ہے مگر نہ تو جماعت ہے۔ نہ امت نہ قوم نہ اجتماع۔ اینٹیں ہیں مگر دیوار نہیں کنکر ہیں مگر پہاڑ نہیں قطرے ہیں مگر دریا نہیں کڑیاں ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دی جا سکتی ہیں مگر زنجیر نہیں جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کر سکتی ہے۔" (ملاحظہ ہو ص ۲۴۳)

آگے فرماتے ہیں:۔

"کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے اس قینچی سے پہاڑ کو بھی کترنا چاہتے ہو؟

ہر زبان تجویز پیش کر رہی ہے ہر قلم امام ومجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی دہنے بلاتا ہے کوئی بائیں، کیا اس طوائف الملوکی اور ذہنی انارکی کے ساتھ جو عالم فکر ونظر کا پورا پورا غدر ہے یہ مہم سر ہو سکتی ہے۔" (مسئلہ خلافت ص ۲۴۵)

مجددین اور نزولِ مسیح و مہدی

میں کہتا ہوں کہ ہر صدی کے سر پر مجدد کی بعثت کا وعدہ جو امت مسلمہ کو دیا گیا ہے اور آخری زمانہ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ہمیں مہدی اور مسیح کی آمد کی بشارت عظیمہ دی گئی ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آخری زمانہ میں اصلاحِ امت کا کام اسی شخص کے ہاتھوں انجام پذیر ہونا ہے اور ہو سکتا ہے جسے خدا تعالیٰ اپنی مرضی سے منتخب فرمائے اور اس کام کے لیے اسکو مبعوث کرے، یہ کسی ایسی انجمن کا کام نہیں جسے لوگ اپنی مرضی سے قائم کریں اور یا لوگوں کی خواہش یا مرضی کے مطابق ہی کام کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (ابو داؤد) کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سر پر ایسا آدمی مبعوث کرتا رہے گا جو دین کی تجدید کیا کریگا، یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔

اور جب آخری زمانہ میں فساد حد سے زیادہ بڑھ جائیگا اور انحطاط کی وجہ سے امتِ مسلمہ کی حالت قابلِ رحم ہو جائے گی، قرآن مجید عملاً اُٹھ جائیگا اور اسلام کا نام ہی باقی رہ جائے گا لوگ مسلمان کہلائینگے، لیکن خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق نہ ہونیکے برابر ہو گا وہ زبان سے رسالتِ خاتم النبیین کا اقرار کرینگے، مگر دل ایمان سے خالی ہونگے، دنیوی اور دینی لحاظ سے ان پر مایوسی چھائی ہوئی ہوگی اور دشمن خیال کرنے لگیں گے کہ اسلام ایک مردہ دین ہے اور مسلمان بے جان قوم ہے اپنی موت آپ مر جائے گی اس وقت خدا تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور ایک شخص جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص ہدایت اور ایمانی روح حاصل ہوگی (مہدی و مسیح) مبعوث کیا جائیگا جو طہارت قلبی اور سلامت فطرت رکھتا ہوگا، اس کی زبان سے پُر حکمت و پُر نور کلمات صادر ہونگے، اس کے پاکیزہ اخلاق و اعمال لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیئے جائینگے اور اسے وہ مؤثر اور انقلاب انگیز روحانی طاقت دی جائے گی کہ جس کی برکت سے کئی مردے جی اُٹھیں گے کئی اندھے بینائی سے بہرہ ور ہونگے اور کئی بہرے خدا کی آواز کو سننے کے قابل ہو جائینگے۔

اس شخص کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اپنی امت کو خبر دی اور محققین علماء نے تسلیم کیا ہے کہ وہ احادیث جو اس پاک شخصیت سے تعلق رکھتی ہیں، متواتر ہیں، اسی لیے آج تک امت مسلمہ اس یقین پر قائم رہی اور قائم ہے کہ آخری زمانہ میں مہدی اور مسیح آئیگا اور اس کے ذریعہ اسلام کو "نشاۃ ثانیہ" نصیب ہوگی۔ امام محمد بن علی الشوکانی فرماتے ہیں:

"تَتَقَرَّرُ بِجَمِيْعِ مَا سُقْنَاهُ فِي هٰذَا أَنَّ الْاَحَادِيْثَ الْوَارِدَةَ فِي الْمَهْدِيِّ الْمُنْتَظَرِ مُتَوَاتِرَةٌ وَالْاَحَادِيْثَ الْوَارِدَةَ فِي الدَّجَّالِ مُتَوَاتِرَةٌ وَالْاَحَادِيْثَ الْوَارِدَةَ فِي نُزُوْلِ عِيْسٰى مُتَوَاتِرَةٌ۔" (حجج الكرامة ص۴۳۲)

"یعنی ان تمام دلائل سے جو ہم نے بیان کئے ہیں یقیناً ثابت ہوگیا ہے کہ وہ احادیث جو مہدیٔ منتظر سے تعلق رکھتی ہیں متواتر ہیں اور وہ احادیث جو دجال کے بارے میں وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں اور وہ احادیث جن میں عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے وہ بھی متواتر ہیں۔"

اور یہی امام اپنی مشہور کتاب ارشاد الفحول میں متواتر احادیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "وَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ يُخَالِفْ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ وَلَا مِنَ الْعُقَلَاءِ فِي اَنَّ خَبَرَ التَّوَاتُرِ يُفِيْدُ الْعِلْمَ وَمَا رُوِيَ مِنَ الْخِلَافِ فِي ذٰلِكَ عَنِ السَّمَنِيَّةِ وَالْبَرَاهِمَةِ فَهُوَ خِلَافٌ بَاطِلٌ لَا يَسْتَحِقُّ قَائِلُهُ الْجَوَابَ عَلَيْهِ۔" (ارشاد الفحول ص۴۱ طبع مصری)

کہ یاد رکھو کہ اہل اسلام بلکہ اہل عقل میں سے بھی کسی نے اس امر کی مخالفت نہیں کی کہ خبر متواتر علم (الیقین) کا فائدہ دیتی ہے اور جو اختلاف اس بارے میں سمنیہ یا براہمہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے وہ باطل ہے اور جواب کے قابل نہیں ہے۔"

مہدی و نزول مسیح کے متعلق کسی قدر تفصیل بعد میں آئے گی یہاں صرف یہ بیان کرنا مدنظر ہے کہ آخری زمانہ میں اسلام کا احیاء اور اُمّتِ مسلمہ کا روحانی انقلاب اس شخص سے وابستہ ہے جسے خدا تعالیٰ اس کام کے لیے مبعوث فرمائے۔

اب پھر میں اصل مضمون کی طرف عود کرکے لکھتا ہوں کہ تمام انبیاء کی تعلیم کا مطالعہ کرکے دیکھ لو اور ان کے اخلاق اور کردار پر انصاف سے نظر ڈالو، واضح اور ظاہر ہو جائیگا کہ ان کے ہر ارادے ان کے ہر قول، ان کے ہر خلق اور ان کے ہر کردار سے پاکیزگی ٹپکتی نظر آتی ہے جس سے نیک فطرت انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم مسلمان ہیں اور سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا شرف ہمیں حاصل ہے ہم اس یقین پر قائم ہیں کہ یہ بلکہ یہی وہ مذہب ہے جس کی پاکیزہ تعلیم ہر انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے اور ہر زمانہ میں اسے روشنی بخشتی ہے ہرگز مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اسلام نور ہی نور ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ:

۱- اس کے اتارنے والے خدا کا نام نور ہے (سورۃ النور آیت ۳۵)
۲- اس کے قرآن پاک کا نام بھی نور ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۷۴)
۳- ہمارے نبی کریمؐ کا نام بھی نور ہے (سورہ المائدہ آیت ۱۷)
۴- ہمارے دین کا نام بھی نور ہے (سورہ الصف آیت ۸) (سورہ التوبہ آیت ۳۲)
۵- ہمارا ایمان بھی نور کہلاتا ہے (سورہ الزمر آیت ۲۲)
۶- اتباع اسلام کا نتیجہ بھی نور ہوتا ہے (سورہ الحدید آیت ۱۲)
۷- ہماری دنیا اور آخرت میں طلب بھی نور ہے (سورہ التحریم آیت ۸)

مدعا یہ ہے کہ اس دین پاک میں نور ہی نور ہے۔

پس کسی کی مجال نہیں کہ وہ ان انوار کا احاطہ کر سکے جو قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں ہاں اس کی کچھ جھلکی پیش کی جا سکتی ہے ہاں تھوڑی سی جھلکی!! سو اب آئیے۔ خدا کے پاک باز بندوں میں سے ایک کا کلام سن لیجئے جو حقیقی اسلام سے تعلق رکھتا ہے فرمایا میری: پیروی کرنے کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں کہ

پاک تعلیم کا نمونہ

۱- وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دُکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے دور ہے اور باوجود ایک ہونیکے اس کی تجلّیات الگ الگ ہیں، انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے تو اس کے لیے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے، لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ خدا کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھاتا ہے جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے اس پر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اس کے کل تعلقات پر اس کو مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں

صدق و وفا دکھلاؤ، دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اس کی جماعت لکھے جاؤ۔"

رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر وقت اور ہر ایک حالتِ مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہو گا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے اور اس کی قضا اور قدر پر ناراض نہ ہو، سو تم مصیبت کو دیکھکر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لیے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو۔

بندگانِ خدا سے سلوک

۲- "اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لیے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو، گو وہ گالی دیتا ہو غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا قبول کئے جاؤ، بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں مگر وہ اندر سے بھیڑیئے ہیں بہت ہیں جو اوپر سے صاف ہیں مگر اندر سے سانپ ہیں سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن صاف نہ ہو، بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو، نہ ان کی تحقیر اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو۔ نہ خود پسندی سے ان پر تکبر، ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لیے زندگی بسر کرو اور اس کے لیے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو، کیونکہ وہ پاک ہے چاہیے کہ ہر ایک صبح تمہارے لیے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لیے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔"

۳- دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو کہ وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں اور وہ دن کو رات نہیں کر سکتیں، بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور

جس پر پڑتی ہے۔ اس کی دونو جہانوں میں بیخ کنی کر جاتی ہے۔ تم ریاکاری کے ساتھ اپنے تئیں نہیں بچا سکتے کیونکہ وہ خدا جو تمہارا خدا ہے اس کی انسان کے پاتال تک نظر ہے، کیا تم اس کو دھوکا دے سکتے ہو، پس تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ، اگر ایک ذرہ تیرگی تم میں باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دیگی اور اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریاء ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو جو قبول کے لائق ہو ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لے کر اپنے تئیں دھوکا دو کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا کر لیا ہے کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کریگا، تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو، کیونکہ شریر ہے، وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا، کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے، تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو۔ اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو تا تم بخشے جاؤ، نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لیے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔

کیا ہی بد قسمت ہے وہ شخص جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں، تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی، تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بد بخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں، خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو کہ وہ قدوس اور غیور ہے۔

کیسے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے

۴۔ بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا، متکبر اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا، ظالم اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا، خائن اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا اور ہر ایک جو اس کے نام کے لیے غیرت مند نہیں اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا وہ جو دنیا پر کتوں یا چیونٹیوں یا گدوں کی طرح گرتے ہیں اور دنیا سے آرام یافتہ ہیں وہ اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اس سے دور ہے، ہر ایک ناپاک دل اس سے بے خبر ہے وہ جو اس کے لیے آگ میں ہے وہ آگ سے نجات دیا جائیگا وہ جو اس کے لیے روتا ہے وہ ہنسے گا وہ جو اس کے لیے دنیا

سے توڑتا ہے۔ وہ اس کو ملے گا، تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو تا وہ بھی تمہارا دوست بن جائے، تم اپنے ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو، تم سچ مچ اس کے ہو جاؤ تا وہ بھی تمہارا ہو جائے، دنیا ہزاروں بلاؤں کی جگہ ہے، سو تم خدا سے صدق کے ساتھ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائیں تم سے دور رکھے، کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو، سو تمہاری عقلمندی اسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہیں دوا اور تدبیر سے ممانعت نہیں ہے مگر ان پر بھروسہ کرنے سے ممانعت ہے اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا اگر کوئی طاقت رکھے تو توکل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑھکر ہے۔

۵ - "اور تمہارے لیے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن مجید کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو، کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دینگے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائیگا، نوع انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو، اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ تا آسمان پر نجات یافتہ لکھے جاؤ۔"

حقیقی نجات کیا ہے

۶ - فرمایا "کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھاتی ہے، نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اُسکے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کریم کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لیے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے۔ اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کے لیے ایک مسیح روحانی رنگ کا

نہ دیا جاتا۔ جیساکہ موسوی سلسلہ کے لیے دیا گیا تھا، اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ موسیٰ نے وہ متاع پائے جس کو قرون اولی کھو چکے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ متاع پائے جس کو موسیٰ کا سلسلہ کھو چکا تھا۔ اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کے قائمقام ہے مگر شان میں ہزار ہا درجہ بڑھکر، مثیل موسے موسیٰ سے بڑھکر اور مثیل ابن مریم، ابن مریم سے بڑھکر۔"

۷۔ پھر فرمایا! "سوائے دے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ سچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لیے صدق کے ساتھ پورے کرو، ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو، یقین رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہ ہوگا ضروری ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے سو خبردار رہو، ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ زمین تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے، اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہی تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دیگا، سو تم اس کو مت چھوڑو، اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ، سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو، کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو، تم خدا کی آخری جماعت ہو، سو وہ عمل نیک دکھاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہوں ہر ایک جو تم میں سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائیگا اور حسرت سے مریگا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانو

۸۔ پھر فرمایا: "عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے، وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھکر ہے، اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ [illegible] اپنے مخدوم سے جُدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے اور تم یقیناً سمجھو کہ عیسیٰ بن مریم فوت ہوگیا ہے اور کشمیر سری نگر محلہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اس کے مرجانے کی خبر دی ہے اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کا منکر نہیں گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے، لیکن تاہم میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں روحانیت کی رُو سے اسلام میں خاتم الخلفاء ہوں جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لیے خاتم الخلفاء تھا موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔"

کون میری جماعت میں سے ہے

۹- پھر فرمایا: "ان سب باتوں کے بعد پھر مَیں کہتا ہوں کہ یہ مت خیال کرو کہ تم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں، خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا۔ دیکھو میں یہ کہہ کر فرضِ تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے، اس کو مت کھاؤ، خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے۔ اس سے بچو، دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے، جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص پورے طور پر بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قماربازی سے، بدنظری سے اور خیانت سے، رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں

ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت سے نہیں
ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا
وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ سے ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا
ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور
کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند
سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اس عہد کو جو اس
نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں نہیں ہے، جو شخص مجھے
فی الواقع مسیح موعود اور مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص امور معروفہ
میں میری اطاعت کرنے کے لیے تیار نہیں وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص مخالفوں کی
جماعت میں بیٹھتا ہے اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ہر ایک
زانی، فاسق، شرابی، خونی، چور، قمار باز، خائن، مرتشی، غاصب، ظالم، دروغ گو، جعل ساز
اور ان کا ہم نشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے
توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے اور تاریکی اور روشنی
ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی، ہر ایک جو پیچ در پیچ طبیعت رکھتا ہے اور خدا کے ساتھ صاف
نہیں ہے وہ اس برکت کو ہرگز نہیں پا سکتا۔ جو صاف دلوں کو ملتی ہے۔ کیا ہی خوش قسمت وہ
لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے
ہیں اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں کیونکہ وہ ہرگز ضائع نہ کئے جائیں گے
ممکن نہیں کہ خدا ان کو رسوا کرے۔ کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا ان کا۔
وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔ احمق ہے وہ دشمن جو ان کا قصد کرے کیونکہ وہ
خدا کی گود میں ہیں اور خدا ان کی حمایت میں۔ کون خدا پر ایمان لایا؟ صرف وہی جو ایسے
ہیں، ایسا ہی وہ شخص بھی احمق ہے جو ایک بے باک گنہگار اور بد باطن اور شریر النفس
کے فکر میں ہے کیونکہ وہ خود ہلاک ہوگا جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبھی ایسا
اتفاق نہ ہوا، کہ اس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو بلکہ وہ ان
کے لیے بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے اور اب بھی دکھائے گا۔"

غیر قوموں کی ریس نہ کرو

۱۵۔ پھر فرمایا: "غیر قوموں کی تقلید مت کرو جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے۔ انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی اور جیسے گدھ اور کتے مردار کھاتے ہیں، انھوں نے مردار پر دانت مارے وہ خدا سے بہت دُور جا پڑے، انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے اور آسمانی روح ان میں سے ایسی نکل گئی، جیسے کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے ان کے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے ان کے تمام اندرونی اعضاء کاٹ دیئے ہیں پس تم اس جذام سے ڈرو، میں تمہیں حد اعتدال تک رعایتِ اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں، کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آ جائے کہ خدا ہی خدا ہے اور باقی سب ہیچ ہے، تم نہ ہاتھ لمبا کر سکتے ہو اور نہ اکٹھا کر سکتے ہو، مگر اس کے اذن سے۔ ایک مردہ اس پر ہنسی کریگا، مگر کاش اگر وہ مر جاتا تو اس ہنسی سے اس کے لیے بہتر تھا۔" (کشتی نوح)

یہ ہے حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی تحریر جس میں حقیقی اسلام کی تعلیم کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور وہ بھی بالاختصار آپ مسیلمۃ الکذاب کی وحی اور تعلیم کا مطالعہ کر دیکھیں۔

(تاریخ الفتوحات الاسلامیہ جزء ا صفحہ ۱، تاریخ الکامل جزء ۲ صفحہ ۱۳۶، البدایہ والنہایہ جزء ۶ صفحہ ۳۳۱ وغیرہ)

آپ پر واضح ہو جائیگا اور خود آپ کی روح گواہی دے اٹھیگی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیلمہ میں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور مسیلمہ میں کتنا بڑا فرق ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت میرزا صاحب علیہ السلام کی یہ تعلیم جو دراصل اسلام کی تعلیم کا خلاصہ ہے اتنی پیاری اور روح افزا معلوم ہوتی ہے کہ گویا نور ہے جس سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور گویا روحانی تریاق ہے جس سے تمام روحانی بیماریاں کافور ہو جاتی ہیں اور گویا ایک اکسیر ہے جس سے مردہ روحیں زندہ ہونے لگتی ہیں اور زندگی کی روح ان میں دوڑنے لگتی ہے۔

کیا سچ فرمایا ہے، خدائے پاک نے : وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (سورۃ الفاطر آیت ۱۹-۲۲) کہ اندھا اور صاحب بصارت برابر نہیں ہوتے نہ اندھیرے اور نور اور نہ ہی ٹھنڈا سایہ۔ اور سخت گرمی اور نہ ہی زندے اور مردے برابر ہوتے ہیں "

صدق اللہ العظیم

دراصل اسی آیت پر اس دوسرے معیار کی بنیاد ہے۔

تیسرا معیار

دُعا اور مباہلہ

مذکورہ بالا دو معیار حضرت امام رازی نے بیان فرمائے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی کئی معیار قرآن مجید اور حدیث میں بیان کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ کسی مدعی کے دعوے کے صدق یا کذب کو معلوم کیا جا سکتا ہے مثلاً

قسم اُٹھانا

۱- مدعی اپنے مخالفین کو اپنی سچائی کا یقین دلانے کے لیے خدا تعالیٰ کے اشارہ سے خدا تعالیٰ کی قسم اٹھاتا ہے کہ میرا دعویٰ سچا ہے اور جو کچھ میں پیش کر رہا ہوں وہ حق ہے چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ "وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝ (یونس آیت ۵۳) کہ یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات جو تو پیش کر رہا ہے حق ہے ؟ تو کہدے ہاں میرے خدا کی قسم وہ حق ہے اور تم اسے کمزور اور عاجز نہیں بنا سکتے "

خدا تعالیٰ کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا عالم الغیب خوب جانتا ہے کہ میں اس کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہوں ، اگر میں اس دعویٰ میں جھوٹا ہوں تو وہ یقیناً مجھے

جلد پکڑ لیگا یا مجھے نیست و نابود کردیگا اور مجھے ہر طرح ناکام و نامراد بنائیگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اَلْيَمِيْنُ الْكَاذِبَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ" (التفسیر الکبیر جزو ۷ صفحہ ۵ و صفحہ ۶) کہ جھوٹی قسم علاقوں کو اجاڑ کر چھوڑتی ہے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (سورۃ الذریات آیت ۲۳) کہ آسمانوں و زمین کے رب کی قسم یقیناً یہ (قرآن) اسی طرح حقیقت ہے جس طرح تمہارا باتیں کرنا۔"

۲۔ بعض دفعہ مخالفین مدعی کی قسم پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس کی تکذیب پر اصرار کرتے ہیں اور اسے قسم اٹھانے میں بھی فریبی اور مکار ٹھہراتے ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے۔ "قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سورہ البقرہ آیت ۹۴) یعنی تو ان سے کہہ کہ اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر (باقی) لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لیے ہے اور پھر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی خواہش کرو۔" نیز دیکھئے (سورہ الجمعہ آیت ۶-۷)

اس میں یہودی کفار کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا یقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو سچا اور نجات یافتہ خیال کرتے ہو تو فیصلہ کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم خدا تعالیٰ سے دُعا کرو کہ اے خدا! اگر ہم جھوٹے ہیں اور یہ مدعی سچا ہے تو ہمیں ہلاک کر دے۔ آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو قسم اٹھائی ہے۔ اب اس کے مقابل تم بھی بد دُعا کر کے دیکھ لو کہ کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ انہیں اپنی سچائی کا یقین نہیں اس لیے وہ ہرگز ایسی دعا کرنے کی جرأت نہیں کرینگے چنانچہ یہود نے اس چیلنج کو قبول نہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ جھوٹے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور اگر وہ ایسی دعا کرنے کی جرأت کرتے بھی تو تباہ ہو جاتے۔

۳۔ ان دو آیات کے ایک تو یہ معنی ہیں دوسرے معنی یہ ہیں کہ کفار کو چیلنج کرو کہ وہ مسلمانوں کے بالمقابل اگر یہ دعا کریں کہ جو فریق جھوٹا ہے خدا کی اس پر لعنت ہو جس کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اسے تباہ کر دیتا ہے اور ایسی دعا جو دونو فریق کی طرف سے خدا کے حضور کی جائے عام اصطلاح میں مباہلہ کہلاتی ہے۔

اور نہ ہی مالوں کو دیکھتے "۔

مختصر یہ کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ یہودی مباہلہ کے لیے سامنے نہیں آئینگے سو ایسا ہی وقوع میں آیا اور انہیں جرأت نہ ہوئی کہ مباہلہ کرتے یا یکطرفہ بددعا ہی کرتے۔

یہ حدیث میرے بیان کردہ دونو معنوں کی تائید کرتی ہے۔

عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج

اوپر بحث ان آیات کے متعلق تھی جو یہود سے تعلق رکھتی ہیں خدا تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے نصاریٰ کو بھی مباہلہ کا چیلنج دینے کا ارشاد فرمایا ہے چنانچہ فرمایا۔

" فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (سورہ آل عمران آیہ ۶۱) کہ تیرے پاس یقینی علم آجانے کے بعد پھر بھی کوئی شخص اس بارے میں تیرے ساتھ حجت بازی کرے تو تو ان سے کہہ کہ آؤ ہم اور تم اپنے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اپنے دیگر رشتہ داروں کو بلائیں پھر عاجزانہ طور پر خدا سے دعا (مباہلہ) کریں اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کریں "۔

جب یہ چیلنج عیسائیوں کو دیا گیا تو انہوں نے بھی یہود کی طرح مباہلہ کے لیے میدان میں آنے کی جرأت نہ کی اور یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔ جبکہ عیسائیانِ نجران کا وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

بعض روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مباہلہ کا انجام (نتیجہ) اس کے ختم ہونے کے بعد جلد ہی ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ ایسی روایات خاص انفرادی واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں جس کا نبی کو پہلے ہی علم دیدیا گیا ہو یا مجمل ہیں ورنہ اجتماعی مباہلہ کے نتیجہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک سال کی مدت کا تقرر فرمایا ہے۔ فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الْھَلَاکَ قَدْ تَدَلّٰی عَلٰی اَھْلِ نَجْرَانَ وَلَوْلَا عَنُوْا لَمُسِخُوْا قِرَدَۃً وَّخَنَازِیْرَ وَلَاضْطَرَمَ عَلَیْھِمُ الْوَادِیْ نَارًا وَّلَاسْتَأْصَلَ اللّٰہُ نَجْرَانَ وَاَھْلَہٗ حَتّٰی الطَّیْرَ عَلٰی رُءُوْسِ الشَّجَرِ وَلَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَی النَّصَارٰی کُلِّھِمْ حَتّٰی یُھْلَکُوْا " (التفسیر الکبیر للرازی جزء ۲ ص ۶۹۵) یعنی اس (خدائے قادر) کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہلاکت اہل نجران پر امڈ رہی ہے اور اگر وہ ملاعنہ (مباہلہ)

کر لیتے تو انہیں بندروں اور سوروں میں تبدیل کر دیا جاتا۔ اور ان پر آگ کی وجہ سے وادی بھڑک اٹھتی اور اللہ تعالیٰ نجران اور اس کے لوگوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا حتیٰ کہ پرندے درختوں پر بیٹھے ہلاک ہو جاتے اور ایک سال نہ گذرنے پاتا کہ نصاریٰ تمام ہلاک کر دیئے جاتے۔"

دیکھئے اس روایت میں نتیجہ کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کر دی گئی ہے اسی ایک سال کی مدت کے اندر اندر ذرا جلدی یا دیر سے نتیجہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

ہاں خاص واقعہ کی ایک دو مثالیں اور عرض کر دیتا ہوں۔

روایت ہے: اِنَّ اَبَا جَهْلٍ قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ: اَللّٰهُمَّ انْصُرْ اَفْضَلَ الدِّيْنَيْنِ وَاَحَقَّهُ بِالنَّصْرِ وَرُوِيَ اَنَّهُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَيُّنَا كَانَ اَقْطَعَ لِلرَّحِمِ وَاَفْجَرَ فَاَهْلِكْهُ الْغَدَاةَ (التفسیر الکبیر رازی جزء ۴ صفحہ ۳۶ زیر آیت اِنْ تَسْتَفْتِحُوا) کہ ابوجہل نے بدر کے دن خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے خدا! دو دینوں میں سے جو دین تیرے نزدیک افضل اور مدد کا مستحق ہے، اس کی مدد فرما اور یہ بھی روایت ہے کہ اس نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! ہم دونوں (ابوجہل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں سے جو رشتوں کو توڑنے والا اور بدکار ہے اسے آج ہی صبح ہلاک کر دے۔" (نیز دیکھئے تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر جزء ۲ مصری صفحہ ۲۹۶)

چنانچہ ابوجہل کی درخواست کو خدا تعالیٰ نے قبول فرمایا اور اسی دن اسے ہلاک کر ڈالا گیا، بلکہ اس دعا کے قبول ہونے میں ایک دن کا عرصہ بھی نہیں لگنے پایا تھا، مگر اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابوجہل، یہودیوں کی نسبت زیادہ دلیر اور اپنے عقیدہ پر زیادہ مضبوطی سے قائم تھا،

تاریخ میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہمیں ملتا ہے جس میں کسی مدت کا ذکر نہیں اور اس کا نتیجہ بھی کئی سال کے بعد مرتب ہوا۔ وہ ابو عامر راہب کا واقعہ ہے جو حضرت حنظلہ غسیل الملئکہ کا باپ تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور آپ کی آمد کا چرچا شروع ہوا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا: قَالَ لَهُ اَبُوْ عَامِرٍ: مَا هٰذَا الدِّيْنُ الَّذِيْ جِئْتَ بِهٖ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم جِئْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ اَبُوْ عَامِرٍ: فَاَنَا عَلَيْهَا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ عَلَيْهَا..... فَقَالَ

اَبُوْعَامِرٍ: اَمَاتَ اللّٰہُ الْکَاذِبَ مِنَّا طَرِیْدًا وَحِیْدًا غَرِیْبًا فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: اٰمِیْنَ - وَسَمَّاہُ النَّاسُ اَبَا عَامِرِ الْفَاسِقِ - فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ اُحُدٍ قَالَ اَبُوْعَامِرِ الْفَاسِقُ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا اَجِدُ قَوْمًا یُقَاتِلُوْنَکَ اِلَّا قَاتَلْتُکَ مَعَھُمْ فَلَمْ یَزَلْ کَذٰلِکَ اِلٰی یَوْمِ حُنَیْنٍ فَلَمَّا انْھَزَمَتْ ھَوَازِنُ یَئِسَ اَبُوْعَامِرٍ وَخَرَجَ ھَارِبًا اِلَی الشَّامِ" (تفسیر الخازن جزء ۳ صفحہ ۱۳۱)

ترجمہ: اور اس نے آنحضرت سے کہا کہ یہ دین جو تم لائے ہو اس کی ماہیت کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابراہیم کا سیدھا سادھا دین لیکر آیا ہوں، یہ سنکر ابوعامر نے کہا کہ میں اسی دین پر قائم ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تو اس پر نہیں ہے ......

ابوعامر (غضب میں آگیا اور) کہنے لگا: ہم میں سے جو جھوٹا ہے خدا تعالیٰ اسے اس حال میں موت دے کہ وہ مردود ہو تنہا ہو اور پردیس میں ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا آمین۔ اور لوگوں نے ابوعامر کو الفاسق کا نام دیا۔ جب اُحد کی جنگ ہوئی تو ابوعامر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ جو قوم بھی تجھ سے برسرِ پیکار ہو گی، میں اس کے ساتھ ملکر تجھ سے جنگ کرونگا، اسی طرح وہ یوم حنین تک رہا (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری زمانہ کا واقعہ ہے) پس جنگ حنین میں جب ہوازن کو بھی شکست فاش ہوئی تو ابوعامر مایوس ہوگیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا"

اور ایک لمبے عرصہ تک اپنی ناکامی اور نامرادی دیکھنے کے بعد بد دعا کے مطابق وہیں مرگیا۔

یہ دونو واقعات دراصل مباہلہ انفرادی تھے اور اچانک وقوع میں آئے، اسی لیے ان میں اجتماعی مباہلہ کی پوری شرائط نہیں پائی جاتیں۔

اب پھر میں اصل بات کی طرف عود کرکے کہتا ہوں کہ اس قسم کی دعائیں انبیاء سابقین کے مخالفین نے پہلے بھی خدا تعالیٰ کے سامنے گزرانیں، چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں "قَالُوْا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰؤُلَاءِ الرُّسُلُ صَادِقِیْنَ فَعَذِّبْنَا" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۲۲۸) کہ تمام انبیاء کے مخالفین نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ مدعیانِ رسالت واقعی سچے ہیں تو پھر ہمیں عذاب دے" چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے رجوع بحق نہ کیا۔ تباہ کر دیئے گئے اور ان کا انجام برا ہوا اور خدا تعالیٰ نے اپنے سچے بندوں کی تائید فرمائی اور دنیا نے مشاہدہ کرلیا کہ یہ واقعی حق پر تھے اور ان کے مخالف غلطی پر۔ تفاسیر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ محمد صلعم کے دشمن آپ کی ہلاکت کے لیے

دعا کیا کرتے تھے چنانچہ امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

"یُرْوٰی اِنَّ کُفَّارَ مَکَّۃَ کَانُوْا یَدْعُوْنَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْھَلَاکِ (تفسیر کبیر امام رازی جلد ۸ ص ۱۸۲) کہ مکہ کے کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کی ہلاکت کے لیے دعائیں کرتے تھے"

گویا جہاں وہ ظاہری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دینے اور ہلاک کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہاں وہ اپنی روحانی طاقتوں کو بھی اس مقصد کے لیے بروئے کار لا رہے تھے اور دعا کر رہے تھے کہ خدا تعالیٰ اور ان کے دیگر بُت اس معاملہ میں انکی مدد کریں۔

اجتماعی مباہلہ کے متعلق جو فرمان الٰہی سورۂ آل عمران میں موجود ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ ایک بڑا اہم معاملہ ہے۔ اور اس پر آمادہ ہونیوالوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھیں پھر صحیح اور اجتماعی مباہلہ قرار پائیگا:

۱۔ وہ اہم دینی معاملہ ہو جو متنازعہ فیہ ہو۔

۲۔ مباہلہ سے قبل ایک بار پھر فریقین کے درمیان تبادلہ خیالات یا مناظرہ ہو۔

۳۔ بحث کے بعد بھی ہر ایک فریق یہ سمجھتا ہو کہ دوسرا فریق حق کو عمداً چھپا رہا ہے۔ یا رد کر رہا ہے۔

۴۔ اپنے علاوہ اپنے اہل وعیال کے کچھ افراد کو اور دوسرے لوگوں کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔

۵۔ اس مباہلہ کے نتیجہ کا انتظار ایک سال تک کیا جائے۔

باقاعدہ اور اجتماعی مباہلہ اسی وقت قرار پائے گا جب یہ پانچ امور اس میں پائے جائیں۔ ورنہ یا تو اسے انفرادی مباہلہ قرار دیا جائیگا یا "یکطرفہ دعا" میں شمار کیا جائیگا۔

اس تمام بحث سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ مدعی اپنے دعویٰ کے متعلق حلفیہ بیان دے۔

۲۔ مدعی یہ دعا کرے کہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے تو خدا تعالیٰ اسے تباہ و برباد کرے۔

۳۔ مدعی کے مخالفین خود دعا کریں کہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو خدا انہیں تباہ کرے۔

۴۔ مخالفین مدعی دعا کریں کہ اگر وہ مدعی جھوٹا ہے تو خدا تعالیٰ اسے تباہ کرے۔

۵۔ مدعی اور مخالفین مدعی باہم ملکر خدا سے التجا کریں کہ ان میں سے جو فریق جھوٹا ہے

خدا اس پر اپنی ایسی لعنت ڈالے جس سے واضح ہو جائے اور ہر **عقلمند** معلوم کرلے کہ وہ واقعی جھوٹا تھا اسی بیسے ذلیل وخوار اور ناکام ونامراد ہوا اور دنیا میں کوئی اس کی مدد نہ کرسکا اور نہ اسے لعنت الٰہی سے چھڑا سکا۔

مسیح موعود کے حلفیہ بیان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا غلام احمد) نے ان چاروں طریق سے اپنے دعویٰ کی سچائی کا ثبوت دیا ہے اور بڑے زوردار الفاظ میں انھیں اپنے مخالفین کے سامنے پیش فرمایا ہے، تیسرا طریق صرف مخالفین سے تعلق رکھتا ہے اور ان کی مرضی پر منحصر ہے اس لیے اس پر حضور نے زیادہ زور نہیں دیا ہے۔

۱۔ آپ نے اپنے دعویٰ پر کن الفاظ میں حلفیہ بیان دیا ذرا ملاحظہ فرمایئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

"وَوَاللّٰہِ اِنِّی اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ وَمَعِیَ رَبِّیَ الْوَدُوْدُ وَوَاللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُضَیِّعُنِیْ وَلَوْعَادَانِیَ الْجِبَالُ وَوَاللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَتْرُکُنِیْ وَلَوْ تَرَکَنِی الْاَحِبَّاءُ وَالْعِیَالُ۔ وَوَاللّٰہِ اِنَّہٗ یَعْصِمُنِیْ وَلَوْ اَتَی الْعِدَا بِالْمُرْھَفَاتِ وَوَاللّٰہِ اِنَّہٗ یَاْتِیْنِیْ وَلَوْ اُلْقِیْ فِی الْفَلَوَاتِ۔ فَلْیَکِیْدُوْا کُلَّ کَیْدٍ وَلَا یُمْھِلُوْنِ فَسَیَعْلَمُوْنَ اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَنْقَلِبُوْنَ" (مواہب الرحمٰن ص۵۳ تا ص۵۴)

ترجمہ: "یعنی خدا تعالیٰ کی قسم کہ میں مسیح موعود ہوں اور میرا پیارا خدا میرے ساتھ ہے اور خدا کی قسم وہ مجھے ضائع نہیں ہونے دیگا خواہ پہاڑ مجھ سے دشمنی کریں اور خدا تعالیٰ کی قسم وہ مجھے نہیں چھوڑیگا خواہ میرے دوست اور میرے اہل وعیال مجھے چھوڑ دیں اور خدا تعالیٰ کی قسم وہ مجھے اپنی حفاظت میں رکھیگا خواہ دشمن تلواروں کے ساتھ حملہ آور ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم وہ میرے پاس پہنچے گا خواہ مجھے صحراؤں میں پھینک دیا جائے۔ پس چاہیئے کہ میرے مخالف ہر تدبیر اختیار کرکے دیکھ لیں اور مجھے بالکل ڈھیل نہ دیں پھر وہ خود جان لینگے کہ ان کا انجام کیا ہونا ہے۔"

کیا ایسا حلفیہ بیان ایک جھوٹے مکار کے قلم سے نکل سکتا ہے ہرگز نہیں۔

ایک اور جگہ حضور فرماتے ہیں: "اور مجھے اس خدائے کریم وعزیز کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست ونابود کرنیوالا ہے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں اور اس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے ضائع نہیں کریگا اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالے گا جب تک وہ اپنا کام پورا نہ کرلے جس کا اس نے ارادہ فرمایا ہے۔" (اربعین نمبر ۲ صفحہ ۲)

آپ نے دیکھا اور اندازہ کیا کہ کس قدر پُر جلال - یہ کلام ہے - کیا کوئی جھوٹا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ ! اگر بالفرض کرے بھی تو وہ خدائے علیم و خبیر کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام نے اسی پر ہی بس نہیں کی، بلکہ صاف الفاظ میں بد دعا کی کہ اے مولا! اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے تباہ کر دے اور دنیا جہاں سے میرا نام و نشان مٹا دے، ذرا آپ کے الفاظ پر نظر ڈالیں اور پھر سوچیں کہ کس شان کا یہ کلام ہے حضور فرماتے ہیں: ؎

اے قدیر و خالقِ ارض و سما	اے رحیم و مہربان و راہنما
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر	گر تو دیدا ستی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کن منے بدکار را	شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
آتش افشاں بر در و دیوار من	دشمن باش و تباہ کن کار من
گر مرا از بندگانت یافتی	قبلۂ من آستانت یافتی
چشم بکشا ایں جہانِ کور را	اے شدید البطش بنما زور را

(حقیقۃ المہدی صـ۷)

ایک اور جگہ حضور فرماتے ہیں: "رَبِّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ اَعْدَاءِیْ ھُمُ الصَّادِقُوْنَ الْمُخْلِصُوْنَ فَاَھْلِکْنِیْ کَمَا تُھْلِکُ الْکَذَّابُوْنَ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ مِنْکَ وَمِنْ حَضْرَتِکَ فَقُمْ لِنُصْرَتِیْ" (اعجاز المسیح صـ۲۰۳ طبع دوم) کہ اے میرے رب! اگر میرے دشمن ہی سچے اور تیرے مخلص ہیں تو مجھے اسی طرح ہلاک کر جس طرح جھوٹے ہلاک کئے جاتے ہیں اور اگر تو جانتا ہے کہ میں سچا ہوں اور تیری طرف سے بھیجا گیا ہوں تو میری مدد کے لیے آ پہنچ!!"

پھر ایک اور جگہ حضور یوں دعا گو ہیں: "رَبِّ اِنْ کُنْتَ وَجَدْتَنِیْ اخْتَرْتُ طَرِیْقًا غَیْرَ طَرِیْقِ الْفَلَاحِ - فَلَا تَتْرُکْنِیْ مِنْ لَیْلَتِیْ ھٰذِہٖ اِلَی الصَّبَاحِ" (مواہب الرحمٰن صـ۱۳۴) کہ اے میرے رب! اگر تیرے علم میں میں نے ایک ایسا طریق اختیار کر رکھا ہے جو فلاح و بہبود کا راستہ نہیں تو مجھے اس رات سے صبح تک سلامت نہ چھوڑیو۔"

۳۔ آپ کے مخالفین جو ہر وقت آپکے پیچھے پڑے رہتے اور آپ کی تباہی اور بربادی کے خواہاں تھے اور ہر طرح آپ کو گرانا چاہتے تھے کیا انہوں نے آپ کے خلاف خدا کے حضور دعائیں نہ کی ہونگی، ضرور کی ہونگی، مگر ان کا نتیجہ کیا نکلا؟ کیا آپ تباہ کر دیئے گئے؟ کیا آپ کی جماعت تتر بتر ہوگئی؟

اب کیا آپ کا نام دنیا کے کناروں تک عزت سے یاد نہیں کیا جاتا؟ کیا آپ کے ماننے والے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی نہیں کر رہے؟

یہ اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ آپ واقعی صادق تھے اور یہ حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہی آپ کو اس زمانہ میں دنیا کی ہدایت کے لیے مامور فرمایا، گویا آپ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ ہیں جو کبھی ضائع نہیں ہوگا حضور خود فرماتے ہیں: "دنیا مجھکو نہیں پہچانتی، لیکن وہ (خدا) مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے۔"

آگے حضور فرماتے ہیں: "اے لوگو تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کریگا، اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لیے دعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنیگا اور نہیں رُکیگا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کرے اور اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہونگے اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر میرے لیے گواہی دیں۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو کاذبوں کے اور منہ ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور، خدا کسی امر کو بغیر فیصلہ کے نہیں چھوڑتا، میں اس زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو جھوٹ اور افترا کے ساتھ ہو اور نیز اس حالت پر بھی کہ مخلوق سے ڈر کر خالق کے امر سے کنارہ کشی کی جائے وہ خدمت جو عین وقت پر خداوند قدیر نے میرے سپرد کی ہے اور اسی کے لیے مجھے پیدا کیا ہے ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں سستی کروں اگرچہ آفتاب ایک طرف سے اور زمین ایک طرف سے باہم ملکر مجھے کچلنا چاہیں۔ انسان کیا ہے محض ایک کیڑا اور بشر کیا ہے محض ایک مضغہ!! پس کیونکر میں حی و قیوم کے حکم کو ایک کیڑے یا ایک مضغہ کے لیے ٹال دوں جس طرح خدا نے پہلے مامورین اور مکذبین میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا اسی طرح وہ اس وقت بھی فیصلہ کریگا خدا کے مامورین کے آنے کے لیے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لیے بھی ایک موسم، پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں نہ بے موسم جاؤنگا. خدا سے مت لڑو۔

یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کردو۔" (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۵)

کیا پُر شوکت کلام ہے۔ جو ایک سچے مامور کے منہ سے ہی نکل سکتا ہے!!

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بہت سے مخالفین نے تبادلہ خیال کیا، مباحثے ہوئے اور بہت سی کتابیں اور رسالہ جات شائع ہوئے، جن میں حضور کا دعویٰ موضوعِ تحریر بنا رہا۔ حضور پُر نور نے اپنے دعاوی پر حلفیہ بیان بھی دیئے، اپنے لیے خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں بھی کیں کہ اے میرے رب! اگر میں تیری نظر میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو مجھے برباد کر وغیرہ، مگر افسوس کہ بہت سے علماء نے ان دلائل بینہ سے فائدہ نہ اُٹھایا، بلکہ عناد اور مخالفت میں اور بڑھ گئے، آخر حضور نے خدا تعالیٰ سے ہدایت پاکر مکذبین و مکفرین کو مباہلہ کی دعوت دی، علماء اور سجادہ نشینوں کو ان کے نام درج کرکے پکارا کہ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم سچے ہو اور میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو آؤ مباہلہ کرلو، تاکہ خدا تعالیٰ جو عالم الغیب اور سچوں کا حامی ہے۔ جھوٹوں کو برباد کرے اور انہیں ذلیل کرے اور سچے کی مدد فرماکر اسے اپنے افضال و رحمتوں کا وارث بنائے۔

آپ نے فرمایا:

"اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ مُحِقٌّ صَادِقٌ فِیْ اِدِّعَائِیْ۔ وَاِیَّاکُمْ وَمِرَائِیْ۔ وَاِنْ کُنْتُمْ لَا تَقْبَلُوْنَ قَوْلِیْ وَلَا تَخَافُوْنَ صَوْلِیْ وَلَا تُهَاجِرُوْنَ اِلَی الْهِدَایَةِ وَلَا تَنْتَهُوْنَ مِنَ الْغَوَایَةِ فَتَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَکُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ وَنَسْتَفْتِحُ بَیْنَنَا وَمَنْ بَیْنَنَا لِیُقْضَی الْاَمْرُ وَیَظْهَرَ الْحَقُّ وَیَنْجُوَ عِبَادُ اللّٰهِ مِنْ قَوْمٍ کَاذِبِیْنَ۔ وَاِنِّیْ اُحْضِرُ بِرَازَ الْمُبَاهَلَةِ مَعَ کِتَابٍ فِیْهِ اِلْهَامَاتِیْ مِنْ حَضْرَةِ الْعِزَّةِ۔ فَاٰخُذُ الْکِتَابَ بِیَدِ التَّوَاضُعِ وَالْاِنْکِسَارِ وَاَدْعُو اللّٰهَ رَبَّ الْعِزَّةِ وَالْاِقْتِدَارِ۔ وَاَقُوْلُ:

یَارَبِّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ کِتَابِیْ هٰذَا مَمْلُوْءٌ مِنَ الْمُفْتَرَیَاتِ وَلَیْسَ هٰذَا اِلْهَامَكَ وَکَلَامَكَ وَمُخَاطَبَاتِكَ مِنَ الْعِنَایَاتِ۔ فَتَوَفَّنِیْ اِلٰی سَنَةٍ وَعَذِّبْنِیْ بِعَذَابٍ مَا عَذَّبْتَ اَحَدًا مِنَ الْکَائِنَاتِ وَاَهْلِکْنِیْ کَمَا تُهْلِكُ الْمُفْتَرِیْنَ الْکَاذِبِیْنَ بِاَنْوَاعِ الْعُقُوْبَاتِ۔ لِیَنْجُوَ الْاُمَّةُ مِنْ فِتْنَتِیْ وَلِیَتَبَیَّنَ

ذِلَّتِیْ عَلَی الْمَخْلُوْقَاتِ الخ۔" (انجام آتھم ص۱۶۱ و ص۱۶۲ ۱۸۹۷ء)

یعنی اے لوگو! مَیں حق پر ہوں اور اپنے دعویٰ میں سچا ہوں پس تم مجھ سے جھگڑا نہ کرو اور اگر تمہیں میری یہ بات منظور نہ ہو اور نہ میرے مقابلے سے ڈرو اور تمہیں ہدایت پانا مقصود نہ ہو اور نہ گمراہی سے باز رہو تو آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے لوگوں کو اور تمہارے لوگوں کو بلائیں پھر مل کر خدائے پاک سے بعجز دعا کریں اور خدا سے مانگیں کہ وہ جھوٹوں پر لعنت ڈالے اور اپنے رب سے اپنے تنازعہ میں سچے کے لیے فتح کی درخواست کریں تاکہ وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرے اور حق ظاہر ہوجائے اور خدا کے بندے جھوٹوں سے نجات پائیں۔

اور میں میدان مباہلہ میں ایک کتاب کیساتھ جس میں خدائے عزوجل کی طرف سے اترے ہوئے الہام ہونگے حاضر ہونگا اور اس کتاب کو تواضع اور انکسار کے ساتھ پکڑے ہوئے اپنے ذوالعزۃ اور قادر خدا سے دعا کرونگا اور کہونگا کہ اے میرے رب! اگر تو جانتا ہے کہ میری یہ کتاب جھوٹے الہامات سے بھری ہوئی ہے اور اس میں وہ الہام اور کلام نہیں جو تونے اپنی عنایت سے مجھ پر نازل کئے ہیں تو مجھے ایک سال تک موت دیدے اور ایسا عذاب دے کہ کائنات میں سے کسی کو کبھی نہ دیا ہو اور مجھے مختلف دکھوں سے ہی ہلاک کر جس طرح تو جھوٹے اور مفتری لوگوں کو ہلاک کیا کرتا ہے تاکہ یہ امت مجھ سے نجات پائے اور تمام مخلوق پر میری ذلت ظاہر ہوجائے۔"

اس طرح آپ نے مباہلہ کے لیے تمام بڑے بڑے علماء، مشائخ اور گدی نشینوں کو نام بنام چیلنج دیا اور اس فیصلہ کن طریق پر آمادہ کرنیکے لیے انہیں جھنجھوڑتے ہوئے لکھا:

"سو اب اٹھو! اور مباہلہ کے لیے تیار ہوجاؤ۔ تم سن چکے ہو کہ میرا دعویٰ دو باتوں پر مبنی تھا اوّل نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ پر دوسرے الہامات الٰہیہ پر۔

سو تم نے نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کو قبول نہ کیا اور خدا تعالیٰ کے کلام کو یوں ٹال دیا جیسا کہ کوئی تنکا توڑ کر پھینک دے۔

اب میرے بناء دعویٰ کا دوسرا شق باقی رہا، سو میں اس ذات قادر وغیور کی آپ کو قسم دیتا ہوں جس کی قسم کو کوئی ایماندار رد نہیں کرسکتا کہ اب اس دوسرے بناء کی تصفیہ کے لیے مجھ سے مباہلہ کر لو۔"

(انجام آتھم ص۶۵)

آخر میں حضور نے فرمایا اور اسی پر مباہلہ کے معاملہ کو ختم کیا:

"گواہ رہ اے زمین! اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنیوالوں کی مجلسوں سے الگ ہو اور اے مومنو! برائے خدا تم سب کہو کہ آمین"

(انجام آتھم صفحہ ۶۷)

اور تمام قسم کے شک و شبہ کے ازالہ کے لیے آپ نے ساتھ ہی تحریر فرما دیا:

"میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اسی صورت میں سمجھا جائے کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں، ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلاء میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھونگا، اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار"

(انجام آتھم صفحہ ۶۸)

ان تمام عبارات سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی صداقت پر یقین محکم حاصل تھا، اسی لیے آپ نے زبردست تحدی سے تمام علماء، مشائخ اور گدی نشینوں کو للکارا

جن علماء اور سجادہ نشینوں کو نام بنام چیلنج کیا گیا ان میں سے بعض سعید الفطرت ہستیوں نے انکار و تکفیر سے توبہ کی اور حضور پُر نور کے دامن کو آ پکڑا ان میں سے خاص طور پر حضرت صوفی غلام فرید صاحب سکنہ چاچڑاں قابل ذکر ہیں اور جو لوگ ضد اور تعصب سے کام لیتے ہوئے اپنے انکار اور تکفیر پر مصر رہے ان میں سے کسی کو مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی، انسان کو جان بڑی پیاری ہوتی ہے مگر خدائے پاک کے قول کے مطابق وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ (سورۃ البقرہ: آیت ۹۵) وہ ظالم اور جھوٹے قرار پائے۔

اسی آیت کے ماتحت مولوی ثناء اللہ امرتسری اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر آرزو موت کی نہ کریں تو ثابت ہو جائیگا کہ ان کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ صرف خواہش نفسانی کے پیچھے چلتے ہیں اور ہم ابھی سے کہدیتے ہیں کہ اپنے کیئے ہوئے بداعمال کی وجہ سے جن کی سزا بھگتنا ان کو بھی یقینی ہے ہرگز کبھی موت کی خواہش نہ کرینگے، باوجود اس بداعمالی اور جسارت کے دعوی نجات کیسا بڑا ظلم ہے"

(تفسیر ثنائی جلد ۱ صفحہ ۹)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ فیصلہ

ان علماء میں جنہیں مباہلہ کے لیے چیلنج کیا گیا مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا نام بھی شامل تھا مگر مولانا صاحب موصوف بھی دوسرے علماء کی طرح دم بخود ہو کر رہ گئے اور انھیں جرأت نہ ہوئی کہ اس طریق فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے میدان میں آئیں۔

چند سال بعد موضع مُدّ میں مولانا ثناء اللہ صاحب کے ساتھ احمدیت کے متعلق ایک مباحثہ ہوتا ہے اور مولانا صاحب کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اگر آپ واقعی سچے ہیں تو آپ نے مباہلہ کے میدان میں آنے کی جرأت کیوں نہیں کی، اس پر مولوی صاحب موصوف نے کہا کہ میں مباہلہ کے لیے تیار ہوں، چنانچہ انہوں نے اس کے لیے ایک تحریر بھی دے دی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں "اعجاز احمدی" کتاب میں اس مباحثہ کا حال تحریر فرمایا وہاں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

"مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلہ کے لیے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین (یعنی میں اور وہ) یہ دُعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے۔"

اس پر حضور پُرنور نے فرمایا:

"یہ تو انہوں نے اچھی تجویز نکالی ہے اس پر قائم رہیں تو بات ہے۔"
(کتاب اعجاز احمدی ص۱۴)

پھر فرمایا:

"اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مرینگے۔" (کتاب اعجاز احمدی ص۳۶)

اس تحدّی کو پڑھکر مولوی صاحب کے چھکے چھوٹ گئے اور بجائے اس کے کہ اپنی تحریر کے مطابق مقابلہ کے لیے تیار ہوتے یوں گویا ہوئے کہ

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں، نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے اس لیے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا ...... میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان باتوں پر جرأت نہیں اور یہ عدم جرأت میرے لیے عزت ہے

ذلت نہیں۔" (رسالہ "الہامات مرزا" صفحہ ۱۱۶ ایڈیشن ششم)

ملاحظہ تو فرمائیے کہ پہلے کس طرح تحریراً" مباہلہ پر آمادگی کا اظہار کیا، لیکن بعد میں پھر گئے اور تعجب یہ کہ اس پھرنے کو اپنے لیے عزت قرار دے رہے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بلکہ کھلی ہزیمت اور بڑی ذلت تھی جس پر ہر طرف سے آواز اُٹھی اور اپنوں اور بیگانوں نے مولوی صاحب کو ہدف ملامت بنایا اور آخر مجبور ہو کر ایک عرصہ کے بعد یعنی ۱۹۰۷ء میں آپ کو لکھنا پڑا:

"مرزائیو! سچے ہو تو آؤ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ......جس نے ہمیں
رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لیے دعوت دی ہوئی ہے کیونکہ جب تک
پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو سب امت کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔"

(اہل حدیث ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰)

جب مولانا صاحب کی یہ تحریر حضور پُرنور تک پہنچی تو فوراً ہی مکرم ایڈیٹر صاحب اخبار بدر نے "حضرت مسیح موعودؑ کے حکم سے" یہ اعلان شائع کیا کہ:

"اس مضمون کے جواب میں میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں
کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔"

(بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء)

دنیا تو اس انتظار میں تھی کہ یہ مقابلہ ہو جائے اور خدا خدا کر کے انہیں یہ امید ہوئی کہ اب آئندہ چند دنوں میں مقابلہ ہو کر رہیگا، صرف اس بات کی دیر ہے کہ مولوی صاحب اپنے اس چیلنج پر قائم رہتے ہوئے سامنے آجائیں مگر مولوی صاحب نے جنہیں مرزا صاحب کی اس منظوری سے موت نظر آنے لگی فوراً بیتنرا بدلا اور لکھدیا:

"میں نے آپ کو مباہلہ کے لیے نہیں بلایا: میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی
(ظاہر) کی ہے مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں، حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو
فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔" (اہلحدیث ۱۹ر اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۴)

انصاف پسند لوگ مولوی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر اہل حدیث ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰ کا اس تحریر سے مقابلہ کر دیکھیں، انہیں معلوم ہو جائیگا کہ مولوی صاحب کس طرح مقابلہ سے گریز کی راہیں تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ کیا سچوں کا یہی طریق ہے۔ کیا صادقوں کی یہی روش ہوتی ہے

اور کیا خدا ترس انسانوں کا یہی شیوہ ہے ؟؟

جب حضور پُر نور نے دیکھا کہ مولوی ثناءاللہ صاحب کسی بات پر قائم نہیں رہتے اور بات بات پر پانسہ پلٹنے سے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، تو آپ نے از خود ایک تحریر بعنوان "مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" شائع فرمادی اور اس میں مضمون مباہلہ درج کرکے آخر میں تحریر فرمایا کہ

"بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

حضور پُر نور نے یہ طریق اس لیے اختیار کیا کہ اس کے لیے تمام فرار کی راہیں بند ہو جائیں صرف اتنی بات باقی تھی کہ مولوی صاحب اس تحریری مباہلہ کو منظور کرتے ہوئے اس کو اپنے اخبار میں شائع کر دیں، مگر مولانا صاحب نے کیا رویہ اختیار کیا ؛ پڑھ لیں انہوں نے اس دعا کے جواب میں لکھا کہ :

"اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔" (اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

بلکہ ساتھ ہی لکھا کہ :

"یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔"

چونکہ مولانا صاحب نے اس تحریر کے مطابق مباہلہ کرنا منظور نہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ تکذیب و تکفیر میں حق پر نہ تھے۔ بلکہ بزدل اور ڈرپوک تھے اسی لیے انہیں یہ فیصلہ کن طریق اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور طرح دے گئے۔

کاش کہ وہ یہ صحیح اور واضح طریق فیصلہ اختیار کرتے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ خود بھی مشاہدہ کرتے اور ایک دنیا بھی اسے مشاہدہ کرنے کی سعادت حاصل کرتی۔ مگر دنیا سے پیار نے انہیں اس سے روکا اور موت سے ڈر اور خوف انہیں حق سے دور لے گیا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا تھا کہ

"اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مرینگے۔" (اعجاز احمدی ص۳۷)

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ مباہلہ نہ کرنے کی صورت میں مولوی صاحب کا زندہ رہنا ہی مقدر تھا۔ پس مباہلہ سے فرار اختیار کر کے مولوی صاحب کا زندہ رہنا بذات خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے۔

پھر مولوی صاحب کی لمبی زندگی خود ان کے مسلمہ کے مطابق انہیں جھوٹا ثابت کرتی ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ تحریر پڑھنے کے بعد نائب ایڈیٹر اہل حدیث نے اس کے خلاف ایک نوٹ لکھا اور مولوی صاحب نے لکھا کہ

"میں اس کو صحیح جانتا ہوں"۔ (اہلحدیث ۳۱ رجولائی ۱۹۰۸ء)

اس نوٹ کے الفاظ یہ ہیں:

"قرآن تو کہتا ہے کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مہلت ملتی ہے سنو! مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (پ ۱۶ ع ۷) اور اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (پ ۴ ع ۹) اور يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (پ ۱ ع ۲) وغیرہ آیات تمہارے اس دجل کی تکذیب کرتی ہیں اور سنو! بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (پ ۱۷ ع ۴) جن کے صاف یہی معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے، دغاباز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کر لیں"۔

(اہل حدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء ص ۴ حاشیہ)

اور خود مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عام مخالف لوگوں کی نسبت فرما دیا تھا کہ

"ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے"۔ (الحکم ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء)

خلاصہ یہ کہ باوجودیکہ مباہلہ کی دعوت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے بار بار دہرائی گئی مخالف علماء، مشائخ اور سجادہ نشینوں میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ سامنے آتا اور مقابلہ کی جرأت کرتا، آخر کار مولوی ثناء اللہ صاحب نے مجبور ہو کر کچھ آواز نکالی مگر جلد ہی دم سادھ گئے اور طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر جان بچانے کی کی۔ اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی گواہی پر مہر ثبت کر گئے۔

ہم کہتے ہیں کہ مولوی صاحب سے زیادہ جرأت تو ابوعامر نے دکھائی کہ اس نے

علی الاعلان دعا کی کہ خدا تعالیٰ ہم میں سے جھوٹے کو ناکام و نامراد مارے، لیکن اس میں کیا شک ہے کہ انجام کے لحاظ سے ابو عامر اور مولوی صاحب موصوف میں کوئی زیادہ فرق نظر نہیں آتا، ابوعامر کو بھی نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد ایک لمبے عرصہ تک زندہ رہ کر اسلام کی کامیابی اور اپنی ناکامی کو دیکھنا پڑا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا انجام

ادھر مولوی ثناء اللہ صاحب ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودہا میں فوت ہوئے گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد چالیس سال کی مہلت انہیں دی گئی، پھر اس عرصہ میں بھی ان کی طرف سے مخالفت کا سلسلہ جاری رہا، تاکہ سلسلہ حقہ احمدیہ کو نابود کر دیا جائے مگر ایک عالم گواہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام رہے اور سلسلہ احمدیہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا، جب مولوی صاحب اپنے وطن امرتسر کو چھوڑ کر پاکستان آ رہے تھے تو "آپ کا مکان کو چھوڑنا ہی تھا کہ بدمعاش لیٹرے جو اسی انتظار میں گھات لگائے بیٹھے تھے ٹوٹ پڑے اور تمام سامان، نقدی، زیورات وغیرہ لوٹ کر لے گئے اور اس لوٹ کھسوٹ کے بعد مکان کو بھی نذر آتش کر دیا۔

لیٹروں نے اسی پر بس نہ کی بلکہ آپ کا وہ عزیز ترین کتب خانہ جس میں ہزار ہا روپے کی نایاب و قیمتی کتابیں تھیں اور جن کو آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے جمع کیا تھا اور خریدا تھا جلا کر خاک کر دیں، کتابوں کے جلنے کا صدمہ مولانا کو اکلوتے فرزند کی شہادت سے کم نہ تھا۔ یہ کتابیں حضرت کا سرمایۂ زندگی تھیں اور ان میں سے بعض تو اس قدر نایاب تھیں کہ انکا ملنا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہو چکا تھا یہ صدمۂ جانکاہ آپ کو آخر دم تک رہا اور حقیقت یں آپ کی ناگہانی موت کا سبب یہ دو ہی صدمات تھے ایک فرزند کی اچانک شہادت اور دوسرے بیش قیمت کتب کی سوختگی۔ چنانچہ یہ دونو صدمے تھوڑے عرصہ میں آپ کی جان لے کر رہے۔"

(سیرت ثنائی مصنفہ مولوی عبدالمجید صاحب سوہدرہ صفحہ ۳۱۹ و صفحہ ۳۲۹)

اخبار "الاعتصام" لاہور کا بیان ہے:-

"اگست ۱۹۴۷ء میں امرتسر نہایت قیامت صغریٰ کا نمونہ پیش کر رہا تھا فسادات کے ہلاکت خیز طوفانوں نے مولانا کی اقامت گاہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہر چند کہ وہ اپنے دیگر عزیزوں کے ہمراہ سلامتی سے نکل آنے میں

کامیاب ہو گئے، لیکن ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا جوان اکلوتا بیٹا عطاء اللہ جس بُری طرح ذبح کیا گیا اس نے ان کے قلب و جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پاکستان میں تشریف لا کر کچھ عرصہ تک گوجرانوالہ میں ٹھہرے اور پھر وہاں سے سرگودہا جا کر اقامت پذیر ہوئے اور وہیں چند ماہ کے بعد اپنے اللہ کے حضور تشریف لے گئے۔" (الاعتصام ۱۵ جون ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۰)

مولانا صاحب اور دیگر مخالف علماء کی ناکامی اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کی گواہی خود معاندین نے دی۔ چنانچہ مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر "المنبر" لائلپور نے ۱۹۵۶ء میں برملا طور پر لکھا:

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمامتر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا، لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا ان میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ، دیانت، خلوص علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے، سید نذیر حسین صاحب دہلوی، مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی، مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفر لہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے۔ کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہوں گے اور قادیانی اخبار اور رسائل چند دن انھیں اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے، لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے۔ تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں ان کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں اور دوسری جانب

"۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۵۷-۱۹۵۶ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ ہو۔"

(المنبر لائل پور ۲۳ر فروری ۱۹۵۶ء)

کتنا کھلا نشان ہے اس بات کا کہ یہ جماعت واقعی خدا تعالیٰ کی قائم کردہ ہے، یہ اسی کا لگایا ہوا پودہ ہے۔ جسے اس کے مالک کی پناہ حاصل ہے اور کوئی نہیں جو اسے نقصان پہنچا سکے اور جو اسے نقصان پہنچانا چاہیگا وہ خود ناکام و نامراد رہیگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان کیسا سچا ثابت ہو رہا ہے:۔

"دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے پہچانتا ہے۔ جس نے مجھے بھیجا ہے یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جو دشمن مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے، میں ہر روز اس بات کے لیے چشم پُر آب ہوں کہ کوئی میدان میں نکلے اور منہاج نبوت پر مجھ سے فیصلہ کرنا چاہے پھر دیکھے کہ خدا کس کے ساتھ ہے مگر میدان میں نکلنا کسی مخنث کا کام نہیں، ہاں غلام دستگیر ہمارے ملک پنجاب میں کفر کے لشکر کا ایک سپاہی تھا جو کام آیا۔ اب ان لوگوں میں سے اس کی مثل بھی نکلنا محال اور غیر ممکن ہے۔" (اربعین نمبر۳ صفحہ ۱۴)

مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور چیلنج

جب مولوی ثناء اللہ صاحب جنہوں نے کچھ آواز نکالی تھی، بھاگ نکلے اور حضور پُرنور کے اشتہار "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" کا معاملہ کالعدم ہوگیا تو حضور پُرنور نے علماء اور قوم آریہ کو ایک اور طرح گھیرنے کی کوشش کی، آپ نے ۳۰ راپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں اپنے الہام اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کو پیش کر کے فرمایا:

"اگر کسی کو یہ گمان ہے کہ یہ انسان کا افتراء ہے یا یہ خدا کا کلام نہیں تو اسے چاہیئے کہ ایسا ہی افتراء وہ بھی شائع کرے یا قسم کھا کر یہ شائع

کرے کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو پھر میں یقین رکھتا ہوں کہ خدائے قدیر اس کو اس بے باکی کا جواب دیگا۔" (الحکم ۳۰ر اپریل ۱۹۰۷ء صٹ)

یہ مضمون پڑھکر نہ مولوی ثناءاللہ صاحب ٹس سے مس ہوئے اور نہ کوئی اور شخص تو ۶ رجون ۱۹۰۷ء کو آپ نے "اعلان باردوم" کے عنوان کے ماتحت بھی دعوت پیش کرتے ہوئے بالخصوص ثناءاللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالجبار صاحب اور مولوی عبدالواحد صاحب اور مولوی عبدالحق صاحب غزنوی ثم امرتسری اور جعفر زٹلی لاہوری اور ڈاکٹر عبدالحکیم خانؔ اور ان کے ہمرنگ لوگوں کو مخاطب کیا اور لکھا:

"اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اشخاص میں سے یا جو شخص ان کا ہمرنگ ہے یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ انسان کا افتراء ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ قسم کھاکر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افترا ہے۔خدا کا کلام نہیں وَلَعْنَۃُ اللہِ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَحْیَ اللہِ۔ جیسا کہ میں بھی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے وَلَعْنَۃُ اللہِ عَلٰی مَنِ افْتَرٰی عَلَی اللہِ اور میں امید رکھتا ہوں کہ خدا اس راہ سے کوئی فیصلہ کرے۔"

اس دعوت سے عیاں ہے کہ "مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" والے اشتہار کے متعلق گفتگو ختم ہو گئی تھی اور یہ ایک نیا دعویٰ پیش کیا گیا تھا، حضور پُرنور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ مخالف و معاند لوگ سامنے آئیں مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی اور کسی طور سامنے آنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔

مختصر یہ کہ حدیث نبوی میں نجران کے عیسائیوں کے متعلق جو لَمَّا حَالَ الْحَوْلُ الخ کے الفاظ وارد ہیں باقاعدہ مباہلہ ہونے کی صورت میں ہر مسلمان کے لیے قابل حجت ہیں کہ مباہلہ کے نتیجہ کا ایک سال تک بہرحال انتظار کیا جائے، پس مباہلہ میں ایسی شرائط نہیں لگانی چاہئیں کہ اس کا نتیجہ کس صورت میں یا کتنی جلدی ظاہر ہو، بلکہ لعنت کو مطلق رکھا جائے یا اس میں عموم کو قائم رکھا جائے کہ خدا تعالیٰ جس رنگ میں چاہے اسے وارد کردے تاوقتیکہ کسی مباہلہ کرنے والے کو جھوٹے کی موت سچے سے پہلے واقع ہونے کے بارے میں القاء نہ ہو چکا ہو یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے مستنبط ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں سے مباہلہ ہونے کی صورت میں نتیجہ کا اعلان یوں فرمایا تھا لَاضْطَرَمَ عَلَیْہِمُ الْوَادِیْ نَارًا

کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو ان پر آگ برسادی جاتی اور انہیں تباہ و برباد کر دیا جاتا۔ چونکہ اس بات میں علم غیب کا دخل ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم از خود یہ الفاظ کہنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے، یہ الفاظ اسی صورت میں کہے جا سکتے تھے کہ آپ کو اس بارہ میں القاء ہو چکا ہو۔

ابو عامر راہب کی دعا کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے وہ وحیداً طریداً مارا جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر آمین کہنا گو ایک مباہلہ کا رنگ رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ باقاعدہ مباہلہ طے نہیں ہوا تھا اور ابو عامر بظاہر اس یقین پر قائم معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دیگا چنانچہ وہ اپنے اس یقین کی بنا پر ہی آپ کے خلاف مختلف جنگوں میں شامل ہوتا رہا اور خدا تعالیٰ نے اسے اس کی اندرونی خواہش کے مطابق مہلت دی تا وہ اپنی شکست ہر میدان میں ملاحظہ کر کے مرے اور اس کی دعا پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آمین کہنے کو قبول فرما لیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ اپنی شکست کو پورے طور پر مشاہدہ کر لینے کے بعد ملک شام میں وحید و طرید ہونے کی صورت میں ہلاک ہوا اور بالکل نامراد مرا۔

اس کے برعکس مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی دل سے یہی خواہش تھی کہ مباہلہ کے میدان میں نہ آئیں اس لیے وہ ہر موقع پر طرح دیکر مباہلہ سے بچ جاتے اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی ثناء اللہ صاحب پر اتمام حجت کے لیے "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ" کا مضمون لکھا تو مولوی صاحب نے اس طریق کو قبول نہ کیا کہ جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مارا جائے، بلکہ اس بات کو درست تسلیم کیا کہ جھوٹے، دغاباز اور مفسد لوگوں کو لمبی عمریں ملا کرتی ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے انہیں لمبی عمر تو دے دی تاکہ مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی شکست کو لمبے عرصہ تک ملاحظہ کرتے رہیں، لیکن حجت ملزمہ ان پر پھر بھی قائم کر دی کہ وہ مسیح موعود علیہ السلام کے الہام اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کے مقابل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چیلنج پر یہ نہ کہہ سکے کہ یہ وحی خدا کی طرف سے نہیں اور اس شخص پر جو وحی کی تکذیب کرے لعنت ہو، اس سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ دعا کر چکے تھے کہ یہ خدا کی وحی ہے۔ مفتری پر خدا کی لعنت ہو۔ مولوی صاحب اس چیلنج کے مقابلہ میں ایسے دم بخود ہوئے کہ اس کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں لکھا۔

ان صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور حقانیت ظاہر و باہر ہے اور ہر ایک عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ واقعی آپ خدا تعالیٰ کے سچے مامور اور برحق مرسل تھے۔

معیار چہارم

کاذب مدعی نبوت ناکام مرتا ہے

خدائے تعالیٰ سورہ الحاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بیان کرنے کے لیے فرماتا ہے۔

"وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ (آیت ۴۵-۴۷) کہ اگر یہ مدعی بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے پس تم میں سے کوئی اسے بچا نہ سکتا"

اس دلیل میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے وحی و الہام کو مخلوق کے سامنے پیش کرنے کے بعد تئیس سال کی لمبی مہلت پانا اور اتنا لمبا عرصہ ہلاکت سے بچے رہنا اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ آپ اپنے وحی و الہام کے دعویٰ میں جھوٹے نہیں۔

چونکہ دلیل کی قوت عام ہوتی ہے گو مدلول اس کا اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے ہر وہ شخص جو بناوٹ سے خدا کی طرف وحی منسوب کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا رہے وہ تئیس سال کی مہلت نہیں پا سکتا بلکہ ذلیل ہوتا اور آخر جان سے مارا جاتا ہے۔

اور بناوٹی وحی کا دعویٰ اتنا خطرناک ہے کہ اگر کوئی شخص بعض باتیں بطور جھوٹ خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ پکڑا جاتا ہے اور خدا کی اس گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

اگر اس دلیل کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کے لیے حجت قرار دیا جائے اور آپ کی ذات سے ہی مخصوص مانا جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس معیار پر نہ پرکھا جائے تو مخالفین اسلام کے سامنے اس دلیل کا کوئی وزن نہیں رہتا اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح مرزا غلام احمد صاحب قادیانی الہام و وحی کا جھوٹا دعویٰ کر کے تئیس سال سے بھی زیادہ مہلت پا چکے ہیں تو پھر یہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت کیسے بن سکتی ہے؟ پھر

۱۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب اربعین میں بڑی تحدی سے اس دلیل کو لوگوں کے سامنے پیش فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرکے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تیئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنیوالوں کو بعد اس کے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دیدے پانسو روپیہ نقد دونگا۔"

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۵)

۲۔ علامہ فخرالدین الرازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هٰذَا ذِكْرُهُ عَلٰى سَبِيلِ التَّمْثِيلِ بِمَا يَفْعَلُهُ الْمُلُوكُ بِمَنْ يَتَكَذَّبُ عَلَيْهِمْ فَإِنَّهُمْ لَا يُمْهِلُونَهُ بَلْ يَضْرِبُونَ رَقَبَتَهُ فِي الْحَالِ۔" (التفسیر الکبیر جزء ۸ صفحہ ۲۹۱) یعنی اس آیت میں مفتری کی حالت تمثیلاً بیان کی گئی ہے کہ اس سے وہی سلوک ہوگا جو بادشاہ ایسے شخص سے کرتے ہیں جو ان پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اس کو مہلت نہیں دیتے بلکہ فی الفور قتل کروا دیتے ہیں۔"

گویا یہی حال مفتری علی اللہ کا ہوتا ہے اس کو لمبی مہلت نہیں ملتی۔

۳۔ علامہ سعدالدین تفتازانی اپنی کتاب "شرح العقائد النسفیہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

فَإِنَّ الْعَقْلَ يَجْزِمُ بِامْتِنَاعِ اجْتِمَاعِ هٰذِهِ الْأُمُورِ فِي غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْ يَجْمَعَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْكَمَالَاتِ فِي حَقِّ مَنْ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَفْتَرِي عَلَيْهِ ثُمَّ يُمْهِلُهُ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ سَنَةً۔" (صفحہ ۱۳۵) کہ عقل اس بات پر کامل یقین رکھتی ہے کہ یہ امور (معجزات اور اخلاق عالیہ وغیرہ) غیر نبی میں نہیں پائے جاتے۔ نیز یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں کسی مفتری میں جمع نہیں کرتا اور یہ بھی کہ پھر اس کو تیئیس برس مہلت نہیں دیتا۔"

۴۔ حضرت علامہ قاضی العیاض الیحصبی اپنی مشہور کتاب (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ) میں تحریر فرماتے ہیں اور اسی آیۃ کے متعلق فرماتے ہیں: إِنَّ هٰذَا جَزَاءُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا وَجَزَاؤُكَ لَوْ كُنْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهُ وَهُوَ لَا يَفْعَلُهُ (جزء ۲ صفحہ ۹۲) یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سزا ہے اس شخص کی جو ایسا (یعنی افتراء) کرے اور اگر تو بھی ایسا

کرنا تو تیری بھی یہی سزا ہوتی اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتراء نہیں کر رہے۔
پس علامہ قاضی نے اس معیار کو عام مانا ہے۔

۵۔ حضرت رئیس الصوفیاء خاتم الاولیاء شیخ محی الدین ابن عربی اپنی مشہور کتاب الفتوحات المکیۃ جزء ا صفحہ ۳۶۹ باب فی مباشرۃ الحائض) میں فرماتے ہیں:

"وَمَنْ عَوَّدَ نَفْسَهُ الْكِذْبَ عَلَى النَّاسِ يَسْتَدْرِجُهُ الطَّبْعُ حَتّٰى يَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ الطَّبْعَ يَسْرِقُهُ يَقُوْلُ تَعَالٰى لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الآية فَتَوَعَّدَ عِبَادَهُ أَشَدَّ الْوَعِيْدِ إِذَا هُمُ افْتَرَوْا عَلَى اللّٰهِ الْكِذْبَ وَهٰذَا الْحُكْمُ سَارٍ فِيْ كُلِّ مَنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ" یعنی جو شخص اپنے آپ کو لوگوں پر جھوٹ باندھنے کا عادی بنا لے آہستہ آہستہ اس کی یہ عادت اسے خدا پر جھوٹ باندھنے پر بھی دلیر کر دیتی ہے کیونکہ طبیعت اسے دھوکا دیتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الآية پس اس نے اپنے بندوں کو جب وہ خدا پر افترا کریں سخت وعید کی ہے اور یہ حکم ہر اس شخص پر لاگو ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا (افتراء کرتا) ہے۔"

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر خدا پر افتراء باندھے اور اس کی طرف وہ بات منسوب کرے جو اس نے اس شخص کو نہ کہی ہو تو خدا تعالیٰ اسے جلد پکڑ لیتا ہے۔ یعنی اسے ذلیل کرتا ہے اور آخر اسے ناکام موت مارتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے الہامات ہاں کئی الہامات ۱۸۷۶ء سے شائع کرنا شروع کئے اور زبانی اور تحریری طور پر شائع کرتے چلے گئے۔ اُن کی برکات سے کئی سعید روحیں یقین و ایمان سے متمتع ہوئیں، کئی انسان جو اندھیرے میں بھٹک رہے تھے منور ہوئے، کئی نفوس جو گناہوں اور بداخلاقی کی گندگی میں ملوث تھے دُھل کر صاف ستھرے ہو گئے اور فوج در فوج گمراہ لوگ سیدھے راستہ پر آ گئے، الحمد للہ علیٰ ذالک، اور یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ آپ کی روح خدائے پاک کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ ۱۹۰۸ء کا سال تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ بتیس ۳۲ سال کا زمانہ روحانی انقلاب کا زمانہ ثابت ہوا، امتِ مسلمہ میں ایک نئی روح پھونکی گئی اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا، کئی مردے قبروں سے جی اُٹھے، کئی بہرے شنوائی سے محظوظ ہوئے، کئی اندھوں کو بینائی نصیب ہوئی اور اسلام کو مردہ دین کہنے والے

حیران و ششدر ہوکر رہ گئے حتیٰ کہ آپ کو دین کا مفکر اعظم اور فتح نصیب جرنیل تسلیم کیا گیا۔
عیسائیت جو مخلوق خدا کو مرعوب کر رہی تھی اپنی بقاء کے لیے فکر مند ہوئی اسے لینے کے دینے پڑ گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ زندہ مذہب روئے زمین پر صرف اور صرف اسلام ہے۔ کوئی دوسرا مذہب نہیں جو دلائل و براہین کے میدان میں اس کے سامنے ٹھہر سکے، اس شیر خدا نے دنیا کا رُخ موڑ دیا اور اسلام کو جو بظاہر ماند پڑ گیا تھا، اسے پھر غالب کر دیا، دنیا بدلنا شروع ہوئی اور روحانی دنیا میں نیا آسمان اور نئی زمین اُبھرنے لگے اور خدا کے بندوں نے کچھ آرام کا سانس لیا ایسا کیوں نہ ہوتا؟

جبکہ حضور پر نور علیہ السلام نے خود تحریر فرمایا ہے:

"خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس زمانہ کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے، تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالیٰ کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے، سو یہی ہو رہا ہے، قرآن شریف کے معارف ظاہر ہو رہے ہیں لطائف اور دقائق کلام ربانی کھل رہے ہیں، نشانِ آسمانی اور خوارق ظہور میں آ رہے ہیں۔ اور اسلام کے حسنوں اور نوروں اور برکتوں کا خدا تعالیٰ نئے سرے جلوہ دکھا رہا ہے۔ جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہیں دیکھے اور جس میں سچا جوش ہے، طلب کرے اور جس میں ایک ذرہ حُب، اللہ اور رسول کریم کی ہے وہ اُٹھے اور آزمائے اور خدا تعالیٰ کی اس پسندیدہ جماعت میں داخل ہووے جس کی بنیادی اینٹ اس نے اپنے پاک ہاتھ سے رکھی ہے۔"

(برکات الدعاء صفحہ ۱۴ و صفحہ ۱۵)

پھر حضور پُر نور دعا فرماتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ دعا کے بغیر اتنا اہم مقصد حاصل ہونا ناممکن ہے، فرمایا:

"اے میرے قادر خدا! میری عاجزانہ دعائیں سن لے اور اس قوم کے کان اور دل کھول دے اور ہمیں وہ وقت دکھا کہ باطل معبودوں کی پرستش دنیا سے اٹھ جائے

اور زمین پر تیری پرستش اخلاص سے کی جائے اور زمین تیرے راستباز موحد بندوں سے اس طرح بھر جائے، جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اور تیرے رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور سچائی دلوں میں بیٹھ جائے آمین۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۱۶۴)

؎ کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

فصل چہارم

خاتم النبیّین کی کچھ تفسیر

بعض ناواقف لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ختم نبوت کا انکار کیا ہے اور نبوت کا دعویٰ کرکے "خاتم النبیین" کی تردید کی ہے۔

یہ غلط فہمی انہیں صرف اس لیے ہوئی کہ انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی تعلیم کا مطالعہ نہیں کیا اور اگر مطالعہ کیا بھی ہے تو انصاف سے کام نہیں لیا۔

آپ فرماتے ہیں :

" وَنُؤْمِنُ بِاَنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اِلَّا الَّذِیْ رُبِّیَ مِنْ فَیْضِہٖ وَاَظْہَرَہٗ وَعْدُہٗ ۔ (مواہب الرحمٰن ص۶۶)

کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، سوائے اس کے جو آپ کے فیض سے تربیت یافتہ ہو اور آپ کے وعدہ (پیشگوئی) کے مطابق ظاہر کیا گیا ہو۔"

پھر آپ فرماتے ہیں: " وَاِنَّ نَبِیَّنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اِلَّا الَّذِیْ یُنَوَّرُ بِنُوْرِہٖ وَیَکُوْنُ ظُہُوْرُہٗ ظِلَّ ظُہُوْرِہٖ " کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جو آپ کے نور سے منور ہو اور اس کا ظہور آپ کے ظہور کا ظل ہو" (کتاب الاستفتاء ص۲۲)

ایک دوسری جگہ حضور فرماتے ہیں: "ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔

قرآن کریم بہرحال مقدم ہے

اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض یا اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔

غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ اُمور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افتراء کرتا ہے اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کرکے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ الْمُفْتَرِيْنَ۔ (الکتاب ایام الصلح صفحہ ۸۶، ۸۷)

کیا کوئی منصف مزاج اور سلیم الفطرت انسان ایسے شخص کو ختم نبوت کا منکر قرار دینے کی جرأت کر سکتا ہے، ہرگز نہیں ہرگز نہیں!!

اب آئیے! دیکھیں کہ اہل سنت کا کیا عقیدہ ہے؛ اور وہ خاتم النبیین کے کیا معنی سمجھتے ہیں۔

احادیث متواترہ کیا کہتی ہیں

تمام اہل سنت اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نزول فرمائیں گے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

۱۔ حضرت امام حدیث علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ مہدی کی آمد اور دجال کے خروج اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دینے والی احادیث متواتر ہیں جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۲- حضرت امام اسماعیل ابن کثیر اپنی "تفسیر القرآن العظیم" جزء ۱ صـ۵۸۲ پر نزول مسیح کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "فَهٰذِهٖ اَحَادِیْثُ مُتَوَاتِرَةٌ" کہ یہ متواتر احادیث ہیں" (دیکھئے تفسیر آیت لیؤمنن بہ)

۳- پھر آپ آیت وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:

"وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَحَادِیْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ اَخْبَرَ بِنُزُوْلِ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔"

(تفسیر القرآن العظیم جزء ۴ صـ۱۳۲)

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث میں خبر دی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے قبل نزول فرمائیں گے۔"

حدیث متواترہ کا انکار کفر ہے

اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ متواتر احادیث کا منکر کافر ہوتا ہے۔

۱- علامہ محمد عبید اللہ صاحب اپنی اہم تصنیف تحفة الاخوان میں لکھتے ہیں: "حدیث متواتر کا منکر کافر ہے (صـ۱۲۶ مطبع فاروقی) شیخ ملّا علی القاری شرح الفقہ الاکبر صـ۱۳۲ پر لکھتے ہیں: "وَفِی الْمُحِیْطِ مَنْ اَنْکَرَ الْاَخْبَارَ الْمُتَوَاتِرَةَ فِی الشَّرِیْعَةِ کَفَرَ" کہ محیط میں ہے کہ جو شخص شریعت میں متواتر احادیث کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔"

۳- علامہ السید الشریف علی بن محمد بن علی السید الزین ابی الحسن الحسینی الجرجانی اپنی کتاب "اَلتَّعْرِیْفَات" میں لکھتے ہیں: "یَکُوْنُ جَاحِدُ الْخَبَرِ الْمُتَوَاتِرِ کَافِرًا بِالْاِتِّفَاقِ" کہ خبر متواتر کا انکار کرنے والا بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔

۴- علامہ الشیخ نظام الدین صاحب الشاشی اپنی مشہور کتاب "اُصول الشاشی" کے المبحث الثانی میں فرماتے ہیں:

"ثُمَّ الْمُتَوَاتِرُ یُوْجِبُ الْعِلْمَ الْقَطْعِیَّ وَیَکُوْنُ رَدُّہٗ کُفْرًا۔"

کہ متواتر (حدیث) سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے۔"

۵ حضرت استاد العصر مولانا الشیخ حسین آفندی الجسر اپنی معرکة الآراء کتاب الرسالة الحمیدیہ کے صـ۲۱۲ پر فرماتے ہیں: "وَاِنْکَارُ وُرُوْدِہٖ وَتَکْذِیْبُ مَعْنَاہُ بِدُوْنِ تَاْوِیْلٍ یَکُوْنُ کُفْرًا۔" کہ متواتر کے ورود کا انکار یا اس کے معنوں کی تکذیب کفر ہوتا ہے سوائے

اس کے کہ اس کی تاویل کی جائے۔"

مدعا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد پر ایمان لانا ضروری ہے، کیونکہ وہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس کا رد کرنا یا اس کی تکذیب کرنا کفر ہے، البتہ ان احادیث کی یہ تاویل کہ نزول عیسیٰ سے مراد حسب احادیث وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح بخاری) و حسب حدیث فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ (صحیح مسلم) ایک امتی فرد ہے کفر نہیں ہوگا، اسی لیے شیخ ابن حجر ہیتمی اپنے الفتاوی الحدیثیہ میں فرماتے ہیں:

وَقَدْ وَرَدَ فِیْ حَدِیْثٍ عِنْدَ اَبِیْ بَکْرِ الْاِسْکَافِیْ اِنَّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ کَذَّبَ بِالدَّجَّالِ فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ کَذَّبَ بِالْمَهْدِیِّ فَقَدْ کَفَرَ" (ص۳۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دجال کے وجود کا انکار کرے وہ کافر ہوا اور جو شخص مہدی کے وجود کا انکار کرے وہ کافر ہوا"

کیوں کافر ہوا؟ اس لیے کہ اس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ خبر کو جھٹلایا خصوصاً اس خبر کو جو متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

پس احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں آئینگے اور وہ دجال کو قتل کرینگے اور چونکہ یہ بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس لیے اس کا انکار اور تکذیب انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

اہلسنت کا عقیدہ انہی احادیث کی بناء پر اہل سنت کے چاروں فرقے (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو برحق مانتے چلے آئے ہیں، گویا کہ آخری زمانہ میں نبی اللہ آئیگا، ان چار فرقوں میں سے کسی ایک نے ان احادیث کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی نبی اللہ عیسیٰ کی آمد کو رد کیا ہے، حالانکہ وہ ایمان لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، ذرا غور فرمایئے۔

۱۔ حنفی کلام کی مشہور کتاب "شرح الفقہ الاکبر" ص۱۳۵ میں لکھا ہے:

"وَنُزُوْلُ عِیْسٰی مِنَ السَّمَاءِ حَقٌّ" کہ آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول برحق ہے" یعنی آخری زمانہ میں عیسیٰ نبی اللہ اتریںگے۔

قرآن مجید میں ہے وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ یعنی تمہارا رزق بھی آسمان میں ہے اور جس کا تم وعدہ دیئے جاؤ وہ آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے۔ پس مہدی موعود اور مسیح موعود کے لیے

آسمان سے نازل ہونا رزق نازل ہونے کی طرح ضروری ہے۔

۲۔ امام عبدالوہاب الشعرانی مذہب شافعی کے مشہور امام ہیں وہ لکھتے ہیں:

"إِنَّ جَمِيعَ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ الَّتِي أَخْبَرَنَا بِهَا الشَّارِعُ حَقٌّ لَا بُدَّ أَنْ تَقَعَ كُلُّهَا قَبْلَ قِيَامِ السَّاعَةِ وَذَٰلِكَ كَخُرُوجِ الْمَهْدِي ثُمَّ الدَّجَّالِ ثُمَّ نُزُولِ عِيسَى" (الیواقیت والجواھر جزء ۲ صفحہ ۱۴۲ مبحث ۶۵) کہ قیامت کی تمام علامات جن کی خبر ہمیں شارع نے دی ہے۔ برحق ہیں ضرور ہے کہ قیامت کے قیام سے قبل وہ سب واقع ہوں وہ مثلاً خروج مہدی، پھر دجال کا ظہور اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے"

۳۔ الشیخ العلامہ احمد الصاوی جو مالکی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے جلالین کی شرح بھی لکھی ہے تحریر فرماتے ہیں:

"إِنَّ مِنَ الثَّلَاثِينَ إِلَى الْأَرْبَعِينَ هُوَ سِنُّ الْكُهُولَةِ فَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى وَكَهْلًا صَادِقٌ بِكَلَامِهِ قَبْلَ الرَّفْعِ وَبَعْدَهُ ------ وَ ---- تَقَدَّمَ لَنَا أَنَّهُ بُعِثَ عَلَى رَأْسِ الْأَرْبَعِينَ كَغَيْرِهِ وَمَكَثَ ثَمَانِينَ بَعْدَ الْبَعْثَةِ وَرُفِعَ وَهُوَ ابْنُ مِائَةٍ وَعِشْرِينَ سَنَةً فَإِذَا نَزَلَ عَاشَ أَرْبَعِينَ فَيَكُونُ مُدَّةُ عُمْرِهِ مِائَةً وَسِتِّينَ سَنَةً" (حاشیہ الصاوی جزء ۱ صفحہ ۲۷۳)

"یعنی تیس سے چالیس سال تک کا زمانہ کہولۃ کا زمانہ ہوتا ہے، پس خدا تعالیٰ کا فرمان وَكَهْلًا (کہ عیسیٰ کہولۃ میں کلام کریگا) اس کے رفع سے قبل اور بعد کے کلام پر صادق آتا ہے ------ اور ------ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ (عیسیٰ علیہ السلام) دوسرے انبیاء کی طرح چالیس سال کی عمر پاکر مبعوث ہوئے اور بعثت کے بعد اسّی سال تک (اپنی قوم میں) رہے اور ایک سو بیس سال کے ہوئے تو اٹھائے گئے۔ پس جب نازل ہونگے تو چالیس سال اور زندہ رہیں گے اس طرح آپ کی کل عمر ایک سو ساٹھ سال کی ہو گی"

گویا کہ آسمان پر رہنے کا زمانہ شمار ہی نہیں ہوگا، العجب!!! بہرحال مالکی مذہب کے لوگ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں تشریف لائینگے۔

۴۔ الشیخ ابوبکر بن محمد عارف خوقیر جو حنبلی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اپنی کتاب "مَا لَا بُدَّ مِنْهُ" میں فرماتے ہیں:

"وَكَوْنُهُ خَاتَمَ الْأَنْبِيَاءِ فَلَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَلَا يُنَافِي ذٰلِكَ نُزُولُ

عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ لِاَنَّہٗ یَحْکُمُ بِشَرِیْعَۃِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّاسِخَۃِ لِجَمِیْعِ الشَّرَائِعِ۔" (المطلب الثانی ص۱) یعنی اس امر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ عقیدہ آخری زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے منافی نہیں کیونکہ جب وہ آئیں گے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شریعت کے مطابق فیصلے دیا کرینگے کیونکہ یہ ہماری شریعت تمام پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے"۔

"تنظیم اہل حدیث" نے بھی اپنی اشاعت میں لکھا کہ "امت محمدیہ کا متفقہ عقیدہ ہے اور احادیث نبویہ میں اس کی تصریح ہے کہ مسیح موعود نبی ہیں"۔ (دیکھئے رسالہ تنظیم اہل حدیث ۲۹ نومبر ۱۹۶۵ء ص۷) ثابت ہوا کہ اہل حدیث کا بھی اہل السنت والجماعۃ سے اس مسئلہ میں پورا پورا اتفاق ہے۔

مدعا یہ ہے کہ "ختم نبوت" پر بھی ایمان ضروری ہے اور نزول عیسیٰ پر بھی اور ان دونو میں درحقیقت کوئی منافات نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے نہ کہ کسی دوسری شریعت کے۔ پس تمام اہل سنت اور اہل حدیث آخری زمانہ میں تبع شریعت محمدیہ نبی کے آنے کے قائل ہیں۔

معتزلہ اور جہمیہ کا عقیدہ البتہ اہل سنت اور اہل حدیث کے خلاف فرقہ معتزلہ اور بعض جہمیہ کہتے ہیں کہ چونکہ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور امت کا اجماع بھی اس آیت خاتم النبیین اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ پر ثابت ہے، اس لیے ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور وہ احادیث جو عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر پر مشتمل ہیں یقیناً مردود ہیں۔

معتزلہ کے ان دلائل کا جو جواب اہل سنت وغیرہم کی طرف سے دیا گیا ہے وہ ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے لکھا ہے: قَالَ الْقَاضِیْ نُزُوْلُ عِیْسٰی علیہ السَّلَامُ وَقَتْلُہُ الدَّجَّالَ حَقٌّ صَحِیْحٌ عِنْدَ اَھْلِ السُّنَّۃِ لِلْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ فِیْ ذٰلِکَ وَلَیْسَ فِی الْعَقْلِ وَلَا فِی الشَّرْعِ مَا یُبْطِلُہٗ فَوَجَبَ اِثْبَاتُہٗ۔ وَاَنْکَرَ ذٰلِکَ بَعْضُ الْمُعْتَزِلَۃِ وَالْجَھْمِیَّۃِ وَمَنْ وَافَقَھُمْ وَزَعَمُوْا اَنَّ ھٰذِہِ الْاَحَادِیْثَ مَرْدُوْدَۃٌ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی خَاتَمَ

النَّبِيِّيْنَ وَبِقَوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَبِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ أَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَ نَبِيِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم وَاَنَّ شَرِيْعَتَهٗ مُؤَبَّدَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُنْسَخُ۔

وَهٰذَا اِسْتِدْلَالٌ فَاسِدٌ لِاَنَّهٗ لَيْسَ الْمُرَادُ بِنُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ يَنْزِلُ نَبِيًّا بِشَرْعٍ يَنْسَخُ شَرْعَنَا وَلَا فِي هٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ وَلَا فِي غَيْرِهَا شَيْئٌ مِنْ هٰذَا بَلْ صَحَّتْ الْاَحَادِيْثُ فِي الصِّحَاحِ وَغَيْرِهَا اَنَّهٗ يَنْزِلُ حَكَمًا مُقْسِطًا بِحُكْمِ شَرْعِنَا وَيُحْيِيْ مِنْ شَرْعِنَا مَا هَجَرَهُ النَّاسُ"

(حدیث ابن ماجہ ص۳۰۹ حاشیہ)

یعنی حضرت قاضی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور انکا دجال کو قتل کرنا حق ہے اور اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ اس کے متعلق صحیح احادیث پائی جاتی ہیں، پھر نہ ہی عقلی کوئی روک ہے اور نہ ہی شریعت میں کوئی ایسی دلیل پائی جاتی ہے جو اس عقیدہ کو باطل قرار دے سکے۔ پس اسے ثابت کرنا ہی ضروری ہے، ہاں بعض معتزلہ اور جہمیہ اور جو لوگ ان سے اتفاق رکھتے ہیں، انہوں نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ تمام احادیث (جو نزول عیسیٰ اور قتل دجال سے متعلق ہیں) مردود ہیں

کیونکہ: ۱۔ خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا خطاب دیا ہوا ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے لَا نَبِيَّ بَعْدِي میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

۳۔ نیز تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اس عقیدہ پر کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی نہ ہوگا اور آنحضرت کی شریعت تا قیامت قائم رہیگی اور منسوخ نہ ہوگی۔

اہل سنت کا اس کے جواب میں یہ کہنا ہے کہ معتزلہ وغیرہ کا یہ استدلال فاسد اور غیر صحیح ہے کیونکہ نزول عیسیٰ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایسے نبی کی حیثیت میں آئیں گے جو نئی شریعت لائیگا اور ہماری شریعت (اسلام) کو منسوخ کر دیگا۔ اس بات کا ان احادیث وغیرہ میں کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے خلاف صحیح احادیث اس امر کو بیان کرتی ہیں کہ وہ (عیسیٰؑ) نازل ہوگا تو ہماری شریعت کے مطابق فیصلے دیگا اور ان امور کو دوبارہ (جاری اور) زندہ کریگا جنہیں لوگ چھوڑ چکے ہونگے۔"

انڈونیشیا میں ایک جمعیت علماءِ اسلام قائم ہے جو نهضة العلماء کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ہمیشہ اہم سوالات کو اپنی مجلس شوریٰ میں پیش کر کے فیصلے صادر کرتی ہے، ان کے سامنے بھی یہی سوال پیش ہوا، وہ سوال بھی سن لیجئے اور اس کا جواب بھی۔

"۴۶ - مَا رَأْيُكُمْ فِي عِيْسٰى عليه السلام بَعْدَ نُزُوْلِهٖ إِلَى الْأَرْضِ هَلْ هُوَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ؛ فَإِنْ قُلْتُمْ: نَعَمْ، فَكَيْفَ وَقَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ خَاتَمَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ وَهَلْ تَكُوْنُ الْمَذَاهِبُ الْأَرْبَعَةُ ثَابِتَةً بَعْدَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عليه السلام أَوْ لَا؛ أَفْتُوْنِيْ مَاجُوْرِيْنَ۔

الجواب: يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نَعْتَقِدَ بِأَنَّ عِيْسٰى عليه السلام سَيَنْزِلُ فِي الْأَرْضِ نَبِيَّ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ، وَلَيْسَ لَهٗ شَرِيْعَةٌ إِلَّا شَرِيْعَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَلَا يُنَافِيْ فِيْ كَوْنِهٖ صلى الله عليه وسلم خَاتَمَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ لِكَوْنِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى شَرِيْعَةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم۔

وَإِنَّ الْمَذَاهِبَ تَنْدَرِسُ حِيْنَئِذٍ كَمَا ذَكَرَهٗ فِي الْجُزْءِ الثَّالِثِ مِنَ الرَّوْضِ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ وَنَصُّهٗ:

قَالَ تَعَالٰى وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَلَا يُعَارِضُهٗ مَا ثَبَتَ مِنْ نُزُوْلِ عِيْسٰى عليه السلام آخِرَ الزَّمَانِ لِأَنَّهٗ لَا يَأْتِيْ بِطَرِيْقَةٍ نَاسِخَةٍ بَلْ مُقَرِّرَةٍ لِشَرِيْعَةِ نَبِيِّنَا صلى الله عليه وسلم عَامِلًا بِهَا۔

وَفِي الْفَتَاوَى الْحَدِيْثِيَّةِ مَا نَصُّهٗ: سُئِلَ نَفَعَ اللّٰهُ بِهٖ بِمَا لَفْظُهٗ أَجْمَعُوْا عَلٰى أَنَّ عِيْسٰى يَحْكُمُ بِشَرِيْعَتِنَا فَمَا كَيْفِيَّةُ حُكْمِهٖ بِذٰلِكَ بِمَذْهَبِ أَحَدٍ مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ أَمْ بِاجْتِهَادٍ؛

فَأَجَابَ بِقَوْلِهٖ: عيسى صلى الله عليه وسلم مُنَزَّهٌ عَنْ أَنْ يُقَلِّدَ غَيْرَهٗ مِنْ بَقِيَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ بَلْ هُوَ أَوْلٰى بِالْاِجْتِهَادِ۔ اھ

وَفِي الْجُزْءِ الْأَوَّلِ مِنْ مِيْزَانِ الشَّعْرَانِيِّ تَحْتَ صُوْرَةِ الشَّجَرَةِ بَعْدَ بَيَانِ مَعْنَى الشَّجَرَةِ بِقَوْلِهٖ: فَانْظُرْ يَا أَخِيْ! إِلَى الْعَيْنِ فِيْ أَسْفَلِ الشَّجَرَةِ وَإِلَى الْفُرُوْعِ وَالْأَغْصَانِ وَالثِّمَارِ تَجِدْهَا كُلَّهَا مُتَفَرِّعَةً مِنْ عَيْنِ الشَّرِيْعَةِ إِلٰى أَنْ قَالَ إِلٰى أَنْ يَخْرُجَ الْمَهْدِيُّ عليه السلام فَيَبْطُلُ فِيْ عَصْرِهِ التَّقْلِيْدُ بِالْعَمَلِ

بِقَوْلِ مَنْ قَبْلَهٗ مِنَ الْمَذَاهِبِ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ: "هَلْ الْكَشْفِ إِلَى اَنْ قَالَ ثُمَّ اِذَا نَزَلَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنْتَقَلَ الْحُكْمُ اِلٰى اَمْرٍ اٰخَرَ وَهُوَ اَنَّهٗ يُوْحٰى اِلَى السَّيِّدِ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِشَرِيْعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبَبِ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔" (احکام الفقہاء فی مقررات مؤتمرات نہضۃ العلماء ص۳۴ و ص۳۵۔)

ترجمہ: سوال: آپ کا کیا فتویٰ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جب وہ دنیا میں نازل ہونگے تو کیا وہ خدا کے نبی اور رسول ہونگے؟ (یا نہیں؟) اگر آپ کہیں کہ ہاں وہ نبی اور رسول ہوں گے تو یہ کس طرح ہوگا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔

اور کیا اس وقت عیسیٰؑ کی موجودگی میں مذاہب اربعہ قائم رہیں گے یا نہیں، جواب دیکر اجر حاصل کریں۔

جواب: ہم پر فرض ہے کہ ہم اعتقاد رکھیں کہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے اور نبی اور رسول ہونگے، لیکن ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سوا اور کوئی شریعت نہ ہوگی اور انکا نزول خاتم النبیین کے منافی نہیں ہوگا کیونکہ آپ شریعت محمدیہ پر قائم ہونگے اور جیسا کہ شرح الروض جزء ۳ باب النکاح میں لکھا ہے اس وقت مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) مٹ جائینگے، شرح الروض کی عبارت یہ ہے:

خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ خاتم النبیین ہیں اور آخری زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی جو خبر صحیح ثابت ہے وہ اس کے خلاف نہیں کیونکہ وہ کوئی ایسا طریقہ پیش نہیں کرینگے جو (شریعت محمدیہ کو) منسوخ کرے بلکہ انکا طریقہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو مضبوط کرنیوالا ہوگا اور وہ اسی پر عمل پیرا ہونگے۔

اور الفتاوی الحدیثیہ میں ہے، کہ یہ سوال حضرت ابن حجر الہیتمی کے سامنے بھی پیش ہوا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام (جب آئینگے تو) ہماری شریعت کے مطابق فیصلے دیا کرینگے، اس فیصلے کی کیا کیفیت ہوگی؟ آیا مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے مطابق فیصلے دینگے یا خود وہ اجتہاد سے کام لینگے۔

اس سوال کا جواب شیخ ہیتمی نے یوں دیا ہے: عیسیٰؑ اس سے بالا ہے کہ وہ کسی اور

مجتہد کے مذہب کا مقلد ہو بلکہ وہ خود اجتہاد کی قابلیت رکھتا ہوگا۔

اور میزان شعرانی کے جزء ا میں جہاں شجرہ (درخت) کی تصویر ہے لکھا ہے: "اے میرے بھائی! اس چشمہ کو دیکھو جو درخت کے نیچے ہے، پھر اس کی چھوٹی بڑی شاخوں پر نظر کرو اور پھلوں کو دیکھو کہ تمام کے تمام شریعت کے چشمہ سے پھوٹتے نظر آتے ہیں ...... پھر انہوں نے لکھا ہے کہ مہدی ظاہر ہوگا تو اس کے زمانہ میں کسی گزشتہ مذہب کے فتویٰ کا پابند ہونا بے فائدہ ہو جائیگا جیساکہ اہل کشف نے اس کی تصریح کی ہے۔

پھر لکھا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے تو حکم کی ایک دوسری صورت ہوگی وہ یوں کہ حضرت کی طرف بذریعہ جبریل علیہ السلام شریعت محمدیہ کے متعلق وحی ہوا کریگی"

اس دلیل میں

۱۔ شارح کتاب الردنس

۲۔ ابن حجر ہیثمی اور

۳۔ امام شعرانی

کا جواب درج کیا گیا ہے۔

ان کے جواب اور شارح حدیث ابن ماجہ کے جواب سے ظاہر ہے کہ اہل سنت کے فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہوئے یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نزول فرمائینگے اور "ختم نبوت" ان کے آنے میں اس لیے روک نہیں کہ وہ شریعت محمدیہ کے تبع ہوکر آئیں گے، کوئی نئی شریعت جو شریعت اسلام کی ناسخ ہو اپنے ساتھ نہیں لائینگے۔

پس معلوم ہوا کہ "ختم نبوت" صرف ان انبیاء کے لیے روک ہے جو کوئی نئی شریعت لائیں یا شریعت اسلام میں ردّ و بدل کا دعویٰ کریں، تبع شریعت محمدیہ کے لیے "ختم نبوت" روک نہیں ہے۔

۴۔ اسی لیے حضرت محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب الفتوحات المکیۃ باب ۴۶۲ میں تحریر فرمایا ہے: "قَدْ خَتَمَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْعَ الشَّرَائِعِ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ يُشَرِّعُ وَلَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ يُرْسَلُ اِلَيْهِ بِشَرْعٍ يَتَعَبَّدُ بِهٖ فِيْ نَفْسِهٖ اِنَّمَا يَتَعَبَّدُ النَّاسُ بِشَرِيْعَتِهٖ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (الیواقیت و الجواہر جزء ۲ باب ۳۵ صـ۳۷) کہ اللہ تعالیٰ نے شرعِ محمدی کے ذریعہ تمام شرائع کو بند

کر دیا ہے۔ پس آپ کے بعد کوئی رسول نہیں جو نئی شریعت لائے اور نہ کوئی ایسا نبی ہوگا جس کی طرف ایسی شریعت وحی کی جائے جس کی وہ خود پیروی کرنا ضروری سمجھتا ہو، لوگوں پر تا قیامت شریعت محمدیہ پر ہی عمل پیرا ہونا ہوگا۔"

۵۔ امام ملا علی القاری "ختم نبوت" کا مفہوم بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِّنْ اُمَّتِہٖ" (موضوعات کبیر ص۵۹) کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئیگا جو آپ کی ملت (شریعت) کو منسوخ کر دے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔

۶۔ عارف ربانی حضرت عبدالکریم جیلانی فرماتے ہیں: "فَانْقَطَعَ حُکْمُ نُبُوَّۃِ التَّشْرِیْعِ بَعْدَہٗ وَکَانَ مُحَمَّدٌ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ لِاَنَّہٗ جَاءَ بِالْکَمَالِ وَلَمْ یَجِیْٔ اَحَدٌ بِذٰلِکَ" (الانسان الکامل جلد ۱ ص۹ مطبوعہ مصر) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوت کا حکم ختم ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے کیونکہ آپ ایسی کامل شریعت لے کر آئے جو کوئی اور نبی نہیں لایا۔"

کیا "ختم نبوت" کا یہ مفہوم کسی متبع نبی کے آنے میں مانع ہے؟ ہرگز نہیں، البتہ کوئی نبی شریعت جدیدہ لیکر آئے تو وہ ختم نبوت کے اس مفہوم کے منافی پڑیگا۔

۷۔ حضرت امام شیخ محمد بن عبداللہ الباقی الزرقانی المالکی (شرح المواہب اللدنیہ جلد ۳ ص۱۶۴) پر فرماتے ہیں: اَمَّا بِفَتْحِہَا (الخاتم) مَعْنَاہُ اَحْسَنُ الْاَنْبِیَاءِ خَلْقًا وَّخُلُقًا" کہ اگر خاتم کا لفظ ت کی فتح سے ہو (جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے) تو اس کے معنی ہونگے سب انبیاء سے زیادہ خوبصورت صورت میں اور سیرت میں۔"

کیا ان معنوں میں کوئی ایسا مطلب پایا جاتا ہے جو کسی امتی اور متبع نبی کے آنے کے منافی نظر آئے؟

۸۔ حضرت علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں بیان کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام کے نزدیک خاتم الاولیاء اور خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں:

"وَیُمَثِّلُوْنَ الْوِلَایَۃَ فِیْ تَفَاوُتِ مَرَاتِبِہَا بِالنُّبُوَّۃِ وَیَجْعَلُوْنَ صَاحِبَ الْکَمَالِ فِیْہَا خَاتَمَ الْاَوْلِیَاءِ اَیْ حَائِزًا لِلرُّتْبَۃِ الَّتِیْ ہِیَ

خَاتِمَةُ الْوِلَايَةِ كَمَا كَانَ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ حَائِزًا لِلرُّتْبَةِ الَّتِیْ هِیَ خَاتِمَةُ النُّبُوَّةِ۔" (مقدمہ ابن خلدون ص۲۷۱ و ص۲۷۲ فصل ۵۳)

یعنی وہ ولایت کو نبوت کی طرح مختلف مراتب کا قرار دیتے ہیں اور جو شخص ولایت میں صاحبِ کمال ہو اسے خاتم الاولیاء قرار دیتے ہیں یعنی وہ شخص جسے ولایت کا آخری بلند مرتبہ حاصل ہو جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء تھے، نبوت کے آخری بلند درجہ کو سمیٹے ہوئے تھے۔"

پھر خاتم النبیین کے کیا معنے ہوئے؟

لکھتے ہیں: "وَمَعْنَاہُ النَّبِیُّ الَّذِیْ حَصَلَتْ لَہُ النُّبُوَّۃُ الْکَامِلَۃُ" کہ وہ نبی جسے کامل نبوت حاصل ہوئی ہو۔"

پس ویسا کامل نبی نہیں آئیگا، لیکن تبع اور امتی نبی کے آنے میں کوئی روک نہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ خاتم کے معنے "آخر" کے ہیں، صوفیاء کرام کے بیان کردہ معنے کی رو سے اس معنے کی وضاحت بھی ہو گئی۔

۹۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور زیادہ وضاحت فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب کمال ایسی طرح ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں، اس لیے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں۔" (حجۃ الاسلام ص۴۳)

کیا عمدہ اور واضح معنے ہیں؟

ایک ضروری سوال اور جواب

اگر کہا جائے کہ خاتم النبیین کے معنے صرف زمانہ کے لحاظ سے آخری نبی ہیں نہ کہ مرتبہ کے لحاظ سے۔

تو اس پر پھر وہی اعتراض ہوگا کہ آخری زمانہ میں تو عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہونگے، اس لیے خاتم النبیین وہ ٹھہرے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم!

پھر زمانہ کے لحاظ سے "آخری ہونا" کوئی خوبی نہیں، چنانچہ الشیخ ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی لکھتے ہیں:

فَاِنَّ الَّذِیْ عَمِیَ عَنْ خَبَرِ ھٰذَا یَظُنُّ اَنَّ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ تَاْوِیْلُہٗ اَنَّہٗ

آخِرُهُمْ مَبْعَثًا۔ فَاَیُّ مَنْقَبَةٍ فِی هٰذَا ؟ وَاَیُّ عِلْمٍ فِی هٰذَا ؟ هٰذَا تَاْوِیلُ الْبُلْهِ الْجَهَلَةِ ؛" (کتاب خاتم الاولیاء ص۳۴۱)

یعنی جو شخص اس بات سے اندھا (ناواقف) ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کے آخر میں مبعوث ہوئے، ان معنوں میں کونسی خوبی ہے ؟ اور کون سا علم ہے ؟ یہ تو بیوقوف اور جاہل لوگوں کے معنے ہیں ؛

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں:

"عوام کے خیال میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ؟" (تحذیر الناس ص۲)

بلکہ صرف "آخری ہونا" عموماً موجب ہتک سمجھا جاتا ہے، چنانچہ مشہور شاعر زیاد العجم ایک قوم کی تذلیل و توہین کی غرض سے کہتا ہے:

قَضَی اللّٰهُ خَلْقَ النَّاسِ ثُمَّ خُلِقْتُمُ
بَقِیَّةَ خَلْقِ اللّٰهِ آخِرَ آخِرِ

(العقد الفرید جزء ۳ ص۲۷)

کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے پیدا کر چکنے کے بعد پھر تمہیں پیدا کیا، اے مخلوق خدا کے بقیہ اور سب سے آخری قوم !!

پھر یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ آدم علیہ السلام کو اگر پہلا نبی تسلیم کیا جائے تو آپ کے بعد جتنے نبی مبعوث ہوئے وہ اپنے سے پہلے انبیاء کے پیچھے مبعوث ہوئے اس طرح وہ اپنے زمانہ میں آخری اور خاتم النبیین ٹھہرتے ہیں نہ مرتبہ میں آخری، کون یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ رسول کریم مرتبہ کے لحاظ سے آخری بلند مقام پر نہیں، صرف پہلے انبیاء کی طرح آخری نبی ہیں۔

۱۰۔ علامہ شیخ نواب صدیق حسن خاں صاحب اپنی تفسیر فتح البیان جلد ۷ ص۲۸۶ پر خاتم النبیین کے مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ خاتم کے معنی عربی میں "انگوٹھی" کے ہیں اس لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صار کَالْخَاتَمِ لَهُمُ الَّذِیْ یَتَخَتَّمُوْنَ بِهٖ وَیَتَزَیَّنُوْنَ بِکَوْنِهٖ مِنْهُمْ۔" ان تمام

انبیاء کے لیے بطور انگوٹھی کے ہوئے جس کے ذریعہ ان پر مہر لگائی جاتی ہے اور وہ اس کی وجہ سے زینت حاصل کرتے ہیں"۔

یہی مفہوم لغت کی کتاب "مجمع البحرین" میں لفظ ختم کے ماتحت بیان کیا گیا ہے۔

یہ دس اقوال ہیں جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ خاتم النبیین کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مفہوم کسی "متبع نبی" امتی کے آنے میں حائل نہیں، نہ آپ کے زمانہ میں اور نہ آپ کے بعد، بشرطیکہ وہ آپ کی مہر نبوت سے تصدیق یافتہ ہو۔

اسی نتیجہ پر مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی پہنچتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"بعد آنحضرت کے یا زمانے میں آنحضرت کے کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحبِ شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے"۔

(دافع الوسواس فی اثر ابن عباس صـ۱۶)

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اہلسنت کے عقیدہ کا خلاصہ یوں بتاتے ہیں:

"علماء اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ کی عام ہے اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہو گا وہ متبع شریعتِ محمدیہ کا ہو گا"۔

(تحذیر الناس صـ۴۳)

میں کہتا ہوں کہ خاتم النبیین کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے جو اور زیادہ اعلیٰ اور خوشکن ہے، حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی قادری اپنی کتاب جواھر النصوص فی حل کلمات الفصوص جلد ۱ صـ۸۲ کلمۃ نفسیہ فی حکمۃ شبثیہ میں خاتم الاولیاء کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَاِنَّہٗ مَقَامٌ عَالٍ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی مَنْ لَّمْ یَکُنْ خَاتَمًا مِّنْ نَّوْعِہٖ ذٰلِکَ لِحُصُوْلِہٖ عَلٰی ذٰلِکَ الْعِلْمِ بِطَرِیْقِ الْاِصَالَۃِ وَغَیْرِہٖ بِالتَّبْعِیَّۃِ لَہٗ۔"

(کہ انبیاء و اولیاء میں سے ایک خاتم ہوتا ہے) اور ہر ایک نوع کا خاتم ہونا ایک عالی مقام ہے ان لوگوں کی نسبت جو خاتم نہیں ہوتے کیونکہ وہ (خاتم) علم الٰہی مستقل طور پر اصالتاً حاصل کرتا ہے جبکہ دوسرے لوگ اس کی پیروی سے وہ علم حاصل کرتے ہیں"۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اس کی اور وضاحت فرماتے ہیں اور خاتم بمعنی مہر کو زیر بحث

لاکر لکھتے ہیں :

"جیسے خاتَم بفتح التاء کا اثر مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے موصوف بالذات (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا اثر موصوف بالعرض (دوسرے تمام انبیاء) میں ہوگا حاصل مطلب آیت کریمہ (وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) اس صورت میں یہ ہوگا کہ اُبُوّت معروفہ (جسمانی باپ ہونا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوتِ معنوی (روحانی باپ ہونا) امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی، انبیاء کی نسبت تو فقط آیت خاتم النبیین شاہد ہے، کیونکہ اوصاف معروض (مثلاً دیگر انبیاء کی نبوت) اور موصوف بالعرض (دیگر سب نبی) موصوف بالذات (مثلاً خاتم النبیین) کے فرع ہوتے ہیں اور موصوف بالذات اوصاف عرضیہ کا اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل۔"

(تحذیر الناس ص۱۰)

اس میں مولانا صاحب فرما رہے ہیں کہ "ختم نبوت" صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اس لیے آپ اصل ہیں اور باقی تمام انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرع ہیں بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "باپ" ہیں اور دیگر تمام انبیاء آپ کی "نسل"۔

پس یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی حقیقی اولاد (امتِ محمدیہ) سے کوئی شخص نبوت غیر تشریعی کے درجہ عالیہ سے مشرف نہ ہو اور یہ امت آپ کی امت کہلاتی ہوئی اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہے۔؟

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی بھی فرماتے ہیں: "فَهُوَ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَبُو الرُّوْحَانِيَّةِ كُلِّهَا كَمَا كَانَ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَبَا الْجُثْمَانِيَّاتِ كُلِّهَا۔" (الیواقیت والجواہر جلد ۲ مبحث ۳۲) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام روحانیت کے باپ ہیں جیسے کہ آدم علیہ السلام تمام جسمانی نسل کے باپ ہیں۔"

اسی مبحث میں وہ لکھتے ہیں کہ اسی خوبی کی وجہ سے آپ کو "نَبِیُّ الْاَنْبِیَاء" کہا جاتا ہے "یعنی انبیاء کا نبی۔"

اور اسی لیے وہ لکھتے ہیں: نَلَمْ يُخَصَّ نَبِيٌّ بِشَيْئٍ اِلَّا اَنْ كَانَ ذَا الشَّيْئُ

لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰہ علیہ وسلم بِالْاِصَالَۃِ " کہ کسی نبی کو کسی علم یا خوبی سے خاص نہیں کیا گیا مگر وہ علم یا خوبی اصالتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی "
دیکھئے اس تفسیر میں شان نزول آیت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور لغوی معنوں کو بھی اور پھر اس تفسیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور شرف بھی ظاہر و باہر ہے اور اس پر مزید یہ کہ کسی آیت یا حدیث سے اس کا ٹکراؤ نہیں۔

پس واضح ہوگیا کہ اہل سنت کے علماء کے نزدیک امتی نبی کی آمد آیت خاتم النبیین کے ہرگز منافی نہیں بلکہ اس کے برعکس ایسے امتی نبی کا مبعوث ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور شرف کی زبردست دلیل ہے۔

شیعوں کا عقیدہ

رہ گئے شیعہ فرقہ کے لوگ، سو ان کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے صرف ایک حوالہ درج کردینا کافی سمجھتا ہوں۔

" قَالَ (ابو عبد اللّٰہ) مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا مِنْ لَّدُنْ آدَمَ اِلٰی عِیْسٰی اِلَّا اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیَنْصُرَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ علیہ السلام "
(مقدمہ تفسیر علامہ القمی ص ۲۵)

کہ حضرت ابو عبد اللہ (جعفر صادق) فرماتے ہیں کہ آدمؑ سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، مگر وہ دنیا میں حضرت امیر المومنین (علی) علیہ السلام کی مدد کے لیے لوٹ کر آئیگا "

گویا ان کے نزدیک ایک نبی عیسیٰ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہ السلام آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ اہل سنت اور شیعہ دونو مسلم گروہ اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو کوئی ایسی شریعت لائے جو شریعت اسلامیہ کو منسوخ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوکر اپنا نیا طریق جاری کرے البتہ وہ نبی جو آپ کا امتی ہو، یعنی آپ کی شریعت پر عامل ہو اور آپ کے فیض سے نبوت حاصل کرکے امت کی اصلاح کے لیے مبعوث ہو، اس کے آنے میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا روک ہے اور نہ ہی آپ کا ارشاد لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ایسے امتی نبی کی بعثت کو ممتنع قرار دیتا ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُّخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔" (الفتوحات المکیہ جزء ۲ صـ۳) کہ حدیث لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ کا مطلب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ہے کہ اب آئندہ ایسا نبی کوئی نہیں ہوگا جو میری شریعت کے مخالف شریعت پر ہو بلکہ جب کبھی کوئی نبی ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔"

اسی طرح حضرت ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ علماء اسلام بھی یہی کہتے ہیں لکھا ہے ۔

" وَرَدَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ مَعْنَاہُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ لَا یَحْدُثُ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ بِشَرْعٍ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ۔" (الاشاعہ فی اشراط الساعۃ صـ۲۲۶) کہ حدیث میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے ۔ علماء کے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہیں ہوگا جو ایسی شریعت لائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کر دے۔"

نواب نور الحسن خاں ابن نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

" حدیث لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ (کہ میری موت کے بعد کوئی وحی نہیں آئے گی، صادق) بے اصل ہے البتہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے جس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائیگا۔"

تمام محققین علماء کا یہی مذہب ہے ۔

آیئے سنیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے :

" اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجۂ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں دی گئی۔" (حاشیہ حقیقۃ الوحی صـ۹۷)

پھر فرمایا:

"اور وہ خاتم الانبیاء ہے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملیگا، بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا...... سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا لہٰذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کردے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملہم ہو سکتا ہے کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیضِ محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تاکہ انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو اور تا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے قیامت تک یہی چاہا ہے کہ مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کے دروازے کھلے رہیں اور معرفتِ الٰہیہ جو مدارِ نجات ہے مفقود نہ ہو جائے۔" (حقیقۃ الوحی ص)

بلحاظ سیاق آیت خاتم النبیین تحریر فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ نے جس جگہ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اسی جگہ یہ اشارہ بھی فرمایا ہے کہ آنجناب اپنی روحانیت کی رو سے ان صلحاء کے حق میں باپ کے حکم میں ہیں جن کی بذریعہ متابعت تکمیل نفوس کی جاتی ہے اور وحی الٰہی اور شرف مکالمات ان کو بخشا جاتا ہے جیسا کہ وہ جل شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور خاتم الانبیاء ہے۔"

اب ظاہر ہے کہ لٰکِنْ کا لفظ زبان عرب میں استدراک کے لیے آتا ہے یعنی تدارکِ مافات کے لیے، سو اس آیت کے پہلے حصہ میں جو امر فوت شدہ قرار دیا گیا تھا یعنی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی وہ جسمانی طور پر کسی مرد کا باپ ہونا تھا سو لٰکِنْ کے لفظ سے فوت شدہ امر کا اس طرح تدارک کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا

جس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے اب کمالِ نبوت صرف اسی شخص کو ملیگا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مہر رکھتا ہوگا۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی)

حضور کا اخبار "عام" لاہور مورخہ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء میں ایک اہم خط چھپا تھا جس میں آپ نے اپنی نبوت کی توضیح کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

"کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعتِ اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے، بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے، سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں ۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ

یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔"

پھر آپ نے اپنے ایک رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں فرمایا:

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے، رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا اور میرا یہ قول ؎

کہ من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

اس کے معنے صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب شریعت نہیں ہوں۔"

اسی رسالہ میں آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کو درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"اس کے معنی یہ ہیں کہ لَيْسَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِ الدُّنْيَا وَلٰكِنْ هُوَ اَبُ لِرِجَالِ الْاٰخِرَةِ لِاَنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا سَبِيْلَ اِلٰى فُيُوْضِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ تَوَسُّطِهٖ" کہ محمدؐ دنیا کے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ آخرت کے مردوں کے باپ ہیں کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے واسطہ کے بغیر فیوض الٰہی کی طرف کوئی اور راہ نہیں ہے۔"

یہ تحریرات واضح ہیں اور ان کا مطلب بھی واضح ہے۔ پس ہم احمدی لوگ وہی ایمان رکھتے ہیں جو کہ اہل السنت والجماعت کا ہے کہ:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور یہ رتبہ کسی دوسرے نبی کو نہیں دیا گیا اور صرف ایک نبی کو ہی دیا گیا ہے۔

۲۔ آپ خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے سب نبیوں کے سردار ہیں اور اصل ہیں۔

۳۔ تمام فیوض روحانی اور قرب الٰہی کے تمام درجات آپ کی طاعت و اتباع سے

وابستہ ہیں۔

۴۔ آپ کی شریعت کامل اور محفوظ ہے اس لیے کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں۔

۵۔ البتہ شریعت اسلام کے احیاء کے لیے خدا تعالیٰ امتی نبی مبعوث فرمائے تو "ختم نبوت" اس کی مانع نہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نبی اللہ عیسیٰ کے آنے کی بشارت دی جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

۶۔ وہ لوگ جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کرکے شریعت اسلام کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا (جیسے مسیلمہ کذاب یا بہاؤ اللہ ایرانی) یا جو آئندہ ایسا کریں وہ یقیناً خدا کی طرف سے نہیں بلکہ گمراہ اور جھوٹے ہیں اور خدا کے نزدیک مجرم اور مفتری ہیں۔

اُمتی کے معنی اور درجات

آگے چلنے سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ نبی کی امت دو قسم کی ہوتی ہے۔

۱۔ امتِ دعوت یعنی وہ قوم جس کی طرف کوئی نبی اور رسول بھیجا گیا ہو۔

۲۔ امتِ اجابت، یعنی امت دعوت میں سے وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لے آئیں اور پیش کردہ تعلیم پر عمل کریں۔

گو یہ بات ایسی نہیں کہ کوئی صاحب علم اس کا انکار کرے لیکن پھر بھی ایک حوالہ پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، حضرت امام فخر الدین رازی زیر آیت، يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ (سورۃ الصف) بیان کرتے ہیں:

"روی عنه صلی الله علیه وسلم بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ فَلَا يُوجَدُ شَخْصٌ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِلَّا وَيَكُونُ مِنْ أُمَّتِهِ إِنْ كَانَ مُؤْمِنًا فَهُوَ مِنْ أُمَّةِ الْمُتَابَعَةِ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا فَهُوَ مِنْ أُمَّةِ الدَّعْوَةِ" (التفسیر الکبیر جزء ۸ صفحہ ۱۴۰) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سُرخ اور کالے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں پس کوئی بڑا یا چھوٹا شخص نہیں جو آپ کی امت میں داخل نہ ہو اگر وہ ایمان لے آیا ہے تو وہ امت متابعت (امت اجابت) میں سے ہے اور اگر اس نے انکار کیا ہے تو وہ امتِ دعوت میں سے ہے۔

پھر وہ لوگ جو "امتِ اجابت" میں شامل ہوئے اور انہوں نے اخلاص سے آپ کی اقتداء اور طاعت کو اپنا فرض سمجھا اور آپ کی پیش کردہ تعلیم پر پوری طرح

عمل پیرا ہوئے انہوں نے حسب توفیق مختلف درجات پائے۔ کوئی صالحین میں شامل ہوا، کوئی شہداء کے گروہ میں کوئی اس سے بڑھا تو وہ صدیق بن گیا اور جسے خدا تعالیٰ نے چاہا نبی کے مقام پر فائز فرمادیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (سورۃ النساء آیت: ۶۹) یعنی وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرینگے پس وہ جا ملیں گے ان لوگوں سے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین سے اور کیا ہی اچھے ہیں وہ لوگ رفیق ہونے کے لحاظ سے۔"

علامہ المراغی المصری نے اس آیت کے ماتحت لکھا ہے:

"وَمَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كَانَ مِنْهُمْ وَحُشِرَ مَعَهُمْ" کہ اس امت میں سے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی طاعت کریگا وہ ان (منعم علیہم) میں سے ہو جائیگا اور انہی کے ساتھ اس کا حشر بھی ہوگا۔"

پھر اس آیت کے ساتھ ہی دوسری آیت ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ (کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے) کے ماتحت لکھتے ہیں:

اِنَّ هٰذَا الَّذِىْ ذُكِرَ مِنَ الْجَزَاءِ لِمَنْ يُّطِيْعُ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ هُوَ الْفَضْلُ الَّذِىْ لَا يَعْلُوْهُ فَضْلٌ وَاَنَّ السُّمُوَّ اِلٰى اِحْدٰى تِلْكَ الْمَنَازِلِ فِى الدُّنْيَا وَمُرَافَقَةَ اَهْلِهَا فِى الْاٰخِرَةِ هُوَ مُنْتَهٰى مَا يَاْمُلُهُ الْمَرْءُ مِنَ السَّعَادَةِ وَبِهٖ يَتَفَاضَلُ النَّاسُ فَيَفْضُلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔" (تفسیر المراغی الجزء ۵ ص۷۵ طبع ثانی)

یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنیوالوں کی جزاء بیان کی گئی ہے وہ وہ فضل ہے جس سے بالا اور کوئی فضل نہیں کیونکہ دنیا میں ان مراتب میں سے کسی ایک تک پہنچ جانا اور پھر آخرت میں ان مراتب والوں کے ساتھ اکٹھے رہنا ہی آخری سعادت ہے جس کی کوئی شخص امید رکھ سکتا ہے اور یہی فضیلت کا مابہ الامتیاز ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔"

سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر تو نبوت وغیرہ کسبی ٹھہری کیونکہ وہ اطاعت کی جزاء قرار دیگئی ہے

شیخ رشید رضا صاحب کیسا اچھا جواب دیتے ہیں اور سارے درجات کے متعلق ؟

سَمِّہٖ جَزَاءً اَوْ لَا تُسَمِّہٖ ھُوَمِنْ فَضْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

(تفسیر القرآن الحکیم جزء ۵ ص ۲۴۸) کہ اسے جزا کا نام دو یا نہیں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے۔

اُمتی کی بحث میں حضرت امام ابوحامد غزالی کا ایک حوالہ بھی پیش کر دینا مفید رہیگا وہ لکھتے ہیں:

" فَاِنَّمَا اُمَّتُہٗ مَنِ اتَّبَعَہٗ وَمَا تَبِعَہٗ اِلَّا مَنْ اَعْرَضَ عَنِ الدُّنْیَا وَاَقْبَلَ عَلَی الْاٰخِرَۃِ فَاِنَّہٗ مَا دَعَا اِلَّا اِلَی اللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا صَرَفَ اِلَّا عَنِ الدُّنْیَا وَالْحُظُوْظِ الْعَاجِلَۃِ فَبِقَدْرِ مَا اَعْرَضْتَ عَنِ الدُّنْیَا وَاَقْبَلْتَ عَلَی الْاٰخِرَۃِ فَقَدْ سَلَکْتَ سَبِیْلَہُ الَّذِیْ سَلَکَہٗ وَبِقَدْرِ مَا سَلَکْتَ سَبِیْلَہٗ فَقَدِ اتَّبَعْتَہٗ وَبِقَدْرِ مَا اتَّبَعْتَہٗ فَقَدْ صِرْتَ مِنْ اُمَّتِہٖ۔" (احیاء علوم الدین جزء ۴ کتاب ذکر الموت الباب الثامن ص ۴۳)

کہ وہ شخص آپ کی حقیقی امت ہے جو آپ کی پیروی کرے اور آپ کی پیروی وہی کریگا جو دنیا سے منہ پھیرلے اور آخرت کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ آپ نے مخلوق کو اللہ کی طرف بلایا اور آخرت کی طرف متوجہ کیا اور آپ نے دنیا اور اس کی لذات سے بے توجہی برتی لیس جتنا تو (اے مسلم!) دنیا سے بے توجہی کرے اور آخرت کی طرف متوجہ ہو، اسی قدر تو اس راستہ پر چلا جس پر حضور چلے تھے اور جس قدر تو اس کے راستہ پر چلا تو تُو نے ان کی پیروی کی اور جس قدر تو ان کی پیروی کریگا اتنا ہی تو اس کی امت میں اعلیٰ درجہ حاصل کریگا۔"

کیسی اچھی تعریف ہے امتی کی!!

عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ویسے ہی مکلف ہیں جیسے ہم۔ کوئی زمین پر ہو یا فضاء میں اُڑ رہا ہو، یا بالفرض زمین سے نکل کر کسی دوسرے کرّے میں پہنچ جائے خدا تعالیٰ کے احکام کا وہ یقیناً پابند ہوگا وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بیٹھا خیال کرتے ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں:

وَالْاٰیَۃُ (اَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔ مریم) دَالَّۃٌ عَلٰی اَنَّ تَکْلِیْفَہٗ علیہ السلام لَمْ یَتَغَیَّرْ حِیْنَ کَانَ فِی الْاَرْضِ وَحِیْنَ رُفِعَ اِلَی السَّمَاءِ وَحِیْنَ یَنْزِلُ مَرَّۃً اُخْرٰی" (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۵۴)

کہ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کا مکلف ہونا تبدیل نہیں ہوا جب کہ وہ زمین میں تھے اور جب وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور جب وہ دوبارہ زمین پر اتریں گے"

مطلب یہ کہ وہ جہاں بھی ہیں مکلف ہیں، نماز زکوٰۃ وغیرہ احکام کے پابند ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی نماز ادا کرتے ہیں وہی پرانی نماز جس کے وہ پہلے پابند رہے؟ تو پھر کیا وہ ابھی تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے؟ اگر معراج میں ان کی ملاقات ہوئی اور ایمان لے آئے اور معراج سے واپسی پر بیت المقدس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز بھی ادا کی اور اسی کو علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح قرار دیا ہے دیکھئے (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶) اور اسی کی تائید کی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے (سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۱۴۱، ۱۵۱ حاشیہ) میں تو اس طرح انکا دوبارہ نزول بھی ماننا پڑیگا اور یہ بھی ماننا پڑیگا کہ وہ ابھی تک زمین میں ہی ہیں کیونکہ کسی روایت میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ پھر آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔

امام احمد الصاوی اپنی تفسیر میں ایک اور عجیب بات لکھتے ہیں:

"اِعْلَمْ اَنَّہٗ بَعْدَ رَفْعِہٖ بِسَبْعَۃِ اَیَّامٍ قَالَ اللّٰہُ لَہٗ اِھْبِطْ اِلٰی مَرْیَمَ فَاِنَّہٗ لَمْ یَبْکِ عَلَیْکَ اَحَدٌ بُکَاءَھَا ...... فَاَھْبَطَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فَاجْتَمَعَتْ لَہُ الْحَوَارِیُّوْنَ (حاشیہ جزء ۱ صفحہ ۱۴۰) کہ جان لو کہ نبی عیسیٰ کو سات دن اُٹھانے کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ مریم کے پاس اُتر جا کیونکہ جیسے تجھ پر وہ روئی ہے کوئی اور نہیں رویا .... پس اللہ تعالیٰ نے اسے اتار دیا اور حواری لوگ آپ کے پاس جمع ہوگئے"

اس روایت کے مطابق تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے سینکڑوں سال پہلے ہی زمین پر نازل ہو چکے تھے۔ بلکہ امام ابن عدی اور ابن عساکر کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی کریمؐ سے بار بار ملتے رہے۔ (الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۱۵۴)

اگر کہا جائے کہ بیت المقدس میں نماز باجماعت پہلے ادا کی گئی تھی اور عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام سب نے اس نماز میں شمولیت اختیار کی تھی اور پھر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ معراج (سیڑھی) آسمان پر تشریف لے گئے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آسمانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کیسے پہلے پہنچے ہوئے پائے گئے؟؟ روایات صحیحہ میں صاف صاف ذکر آتا ہے کہ وہ معراج (سیڑھی) صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی اُتری تھی تاکہ آنحضرت اس کے ذریعہ آسمان پر چڑھیں، لیکن عیسیٰ علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام آدم، یوسف، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام وغیرہ سب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے اور بغیر کسی سیڑھی کے، کیا اس سے ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر کیا یہ تسلیم نہ کرنا پڑیگا کہ وہ تمام انبیاء بھی آسمانوں پر زندہ موجود ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی طرح آسمانوں میں دیکھے گئے تھے؟؟

استاذ اکبر علامہ المراغی بھی فرماتے ہیں:

"لَوْ دَلَّ هٰذَا عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ لَدَلَّ عَلٰی رَفْعِ يَحْيٰی وَسَائِرِ مَنْ رَاٰهُمْ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ" (تفسیر المراغی جزء ۶ صـ۱۵) کہ اگر عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کے خیال کے لیے معراج کو دلیل بنایا جائے تو پھر یحییٰ وغیرہ دیگر انبیاء کو بھی آسمانوں پر زندہ ماننا پڑیگا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں"۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَصَلَّيْتُ بِهِمْ۔ اِلَّا هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى عليهم السلام (الدر المنثور جزء ۴ صـ۱۴۲) کہ سوائے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ تینوں کے تمام انبیاء کو میں نے نماز پڑھائی"۔ اگر غور کیا جائے تو یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کہ ادر بیت المقدس کے درمیان حضور ان تینوں کو ملے اور پیچھے چھوڑ آئے تھے پھر کیا انہوں نے تعلیم اسلام کا سبق لے لیا تھا، کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟ مزید یہ کہ صرف نماز کا سوال ہی نہیں، دوسرے کئی سو احکام بھی تو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ کیا عیسیٰؑ ان کے پابند ہیں یا نہیں؟ اگر پابند ہیں تو اس کا ثبوت دیجئے۔ قرآن مجید سے؟ حدیث صحیح سے؟ چلئے آپ ہی ثابت کر دیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن مجید پڑھ چکے اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں اگر نہیں تو ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے آپ کا۔ جو بات بھی کریں دلیل سے کریں، اگر پڑھ چکے ہیں تو کس سے پڑھا، وحی کا دروازہ تو بند پڑا ہے۔؟

علماء کا تو اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت اسلام کا

علم کیسے ہوگا۔

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ پہلے ہی بذریعہ وحی انہیں سب کچھ سکھا دیگا، پھر نازل کریگا، لکھا ہے: "فَلَا يَتَعَبَّدُ اِلَّا بِهٰذِهِ الشَّرِيْعَةِ اُصُوْلًا وَّ فُرُوْعًا فَيَكُوْنُ خَلِيْفَةً لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَ حَاكِمًا مِنْ حُكَّامِ مِلَّتِهٖ بَيْنَ اُمَّتِهٖ بِمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي السَّمَاءِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ۔" (لوائح الانوار البھیۃ للسفارینی جزء ۲ صفحہ ۲۶۵) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام اصول اور فروع میں شریعت اسلامیہ کی پیروی کریں گے پس وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہونگے اور ملت کے حاکم ہونگے کیونکہ خدا تعالیٰ انھیں نزول سے پہلے ہی آسمان میں سب کچھ سکھا دیگا۔"

علامہ الوسی مفسر روح المعانی اور علامہ اللقانی کا بھی یہی خیال ہے (تفسیر روح المعانی آیت خاتم النبیین)

۲۔ ادھر آپ پہلے حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی کا عقیدہ پڑھ چکے ہیں کہ خدا تعالےٰ خود انہیں حسب ضرورت الہام کرتا چلا جائیگا اور نزول کے بعد اللہ تعالیٰ بذریعہ جبرئیل انہیں شریعت اسلام کے احکام سے آگاہ کرتا رہیگا۔

۳۔ حضرت علامہ ابن حجر ہیتمی اپنی کتاب (الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۱۵۱) پر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی امام مجتہد کی تقلید نہیں کرینگے بلکہ وہ خود اجتہاد کی قابلیت رکھتے ہونگے اور احکام شریعت کا علم انہیں صرف قرآن مجید سے ہوگا (اِمَّا بِعِلْمِهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ فَقَطْ) یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے انہیں یہ تمام علم حاصل ہوگا کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی دفعہ ملاقات کا موقع پایا ہے (فَاِنَّهٗ اجْتَمَعَ بِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ مَرَّاتٍ) اس طرح ہوسکتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام شریعت سیکھ لیے ہوں (اِمَّا بِكَوْنِهٖ يَتَلَقَّاهَا مِنْ نَّبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِفَاهًا بَعْدَ نُزُوْلِهٖ مِنْ قَبْرِهٖ) یہ بھی ممکن ہے کہ نازل ہونیکے بعد نبی عیسیٰ علیہ السلام خود حضور سے علم شریعت سیکھنے کے لیے حضور کی قبر پر جایا کریں اور جو سوال درپیش ہو اس کا جواب لے لیا کریں (وَ اِمَّا بِكَوْنِهٖ تَعَالٰى اَوْحَاهَا اِلَيْهِ فِيْ كِتَابِهِ الْاِنْجِيْلِ اَوْ غَيْرِهٖ) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی شریعت

اسلام کے تمام احکام عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب انجیل وغیرہ میں بذریعہ وحی نازل فرما دیئے ہوں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ علم شریعت علماء آخرالزمان سے سیکھیں گے اسی لیے کتاب اَلْمَشْرَبُ الْوَرْدِیُ فِی مَذْهَبِ الْمَهْدِیّ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی سے یہ سوال کیا گیا، کہ کیا جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے تو وہ قرآن کریم اور سنت نبوی حفظ کئے ہونگے یا نزول کے بعد وہ علم دین اس زمانہ کے علماء سے سیکھیں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ "لَمْ یُنْقَلْ فِی ذٰلِکَ شَیْئٌ صَرِیْحٌ (رحمانی مهدی صـ۸۲ للحافظ عبدالرحمٰن صاحب لاہور) کہ اس بارے میں کوئی صریح دلیل منقول نہیں ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی پر اللہ رحم فرمائے کہ کس قدر صاف اقرار کیا ہے کہ اس سوال کے جواب میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

غرض غور فرمائیں کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء کرام کو کس قدر پریشانی لاحق رہی ہے اس کے متعلق وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائے (اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ) اور اگر یہ عقیدہ صحیح مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جو مطابق فرمان الٰہی وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (سورۃ آل عمران آیت: ۴۹) صرف اور صرف قوم اسرائیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے، ابھی تک زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے تو ہمیں ایسے دو لاکھوں مشکل سوالات کا سامنا کرنا پڑیگا جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہ بن پڑیگا حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے امتی کے جو معنی بیان فرمائے ہیں ان کے مطابق تو وہ ایک ناقص امتی ہی بن سکینگے کیونکہ کہیں سے ثابت نہیں کہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی اتباع کاملہ کا موقع ملا ہو جس کے نتیجہ میں انھیں کوئی خاص روحانی فیض یا مرتبہ حاصل ہوا ہو، یا حاصل ہونا ممکن ہو نبی اور رسول کا مرتبہ تو انھیں پہلے ہی صدیوں سے عطا کیا جا چکا تھا، آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں کیا مل سکتا ہے؟

انہی مشکلات کے زیر نظر بعض متکلمین نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اترینگے ہی نہیں، امام رازی لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْمُتَکَلِّمِیْنَ اِنَّهٗ لَا یَمْنَعُ نُزُوْلَهٗ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الدُّنْیَا اِلَّا اَنَّهٗ اِنَّمَا یَنْزِلُ عِنْدَ ارْتِفَاعِ التَّکَالِیْفِ اَوْ بِحَیْثُ لَا یُعْرَفُ۔ اِذْ لَوْ نَزَلَ مَعَ بَقَاءِ التَّکَالِیْفِ عَلٰی وَجْهٍ یُعْرَفُ اَنَّهٗ عِیْسٰی لَکَانَ اِمَّا اَنْ یَکُوْنَ

نَبِیًّا وَلَا نَبِیَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْ غَیْرَ نَبِیٍّ وَذٰلِکَ غَیْرُ جَائِزٍ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ۔" (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۳۴۳) کہ بعض علماء متکلمین اس خیال کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے میں کوئی امر مانع نہیں سوائے اس کے کہ جب وہ نازل ہونگے تو تمام احکام کی پابندی سے آزاد ہونگے یا اس حیثیت سے نازل ہونگے کہ پہچانے نہ جاسکیں کیونکہ اگر وہ اس حالت میں نازل ہوں گے اُن پر احکام کی پابندی ضروری ہو اور پہچانے جائیں کہ وہی عیسیٰ ہیں تو یا تو وہ نبی ہوں گے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور یا وہ اس وقت نبی نہیں ہونگے اور یہ انبیاء کے حق میں جائز نہیں کہ وہ نبوت سے معزول کئے جائیں۔"

گویا بعض لوگ ان کے نزول کے اسی لیے منکر ہیں کہ ان کا واپس آنا شریعت اسلام کے رو سے ممکن نہیں، کیونکہ اگر وہ نبی ہوتے ہوئے آئیں تو ان کے نزدیک وہ خود اپنی شریعت کے تابع ہونگے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آ ہی نہیں سکتا اور اگر وہ اپنی شریعت کے تابع نہیں ہونگے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے عہدہ سے معزول کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی شرعاً ناجائز ہے کہ کوئی نبی اپنے عہدہ سے معزول کر دیا جائے۔

اور اسی لیے بعض لوگ یہاں تک لکھنے کی جرأت کر گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی امتی نہیں۔ علامہ النسفی اپنی تفسیر جزء ۳ ص۲۰۵ میں لکھتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ اس حالت میں آئینگے۔

کَاَنَّہٗ بَعْضُ اُمَّتِہٖ۔ "گویا کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کا ایک فرد ہوگا۔"

لفظ "گویا" پر غور فرمایئے!! اس سے آگے سنیئے!

امام عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

وَقَالَ الشَّیْخُ کَمَالُ الدِّیْنِ بْنُ اَبِیْ شَرِیْفٍ فِیْ حَاشِیَتِہٖ الَّذِیْ یَتَّجِہُ اَنَّ عِیْسٰی علیہ السلام لَا یُعَدُّ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَنَّہٗ غَیْرُ دَاخِلٍ فِیْ دَعْوَتِہٖ فَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّۃِ الدَّعْوَۃِ وَلَا مِنْ اُمَّۃِ الْمِلَّۃِ۔" (الیواقیت والجواھر جزء ۲ ص۲۳ مبحث ۴۳)

کہ شیخ کمال الدین بن ابی شریف اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ جو بات وجہ رکھتی ہے یہ ہے کہ عیسیٰؑ کو امت محمدیہ میں سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نہ تو وہ امت دعوت میں

شامل ہیں اور نہ ہی اُمّت ملت (اجابت) ہیں۔"

ویسے تو سارے انبیاء علیہم السلام ہی آپ کی امت قرار دیئے گئے ہیں، حضرت موسیٰؑ کا قول احادیث میں منقول ہے کہ معراج میں انہوں نے کہا کُلُّ نَبِیٍّ وَمَنْ تَبِعَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ کہ تمام نبی اور جس نے آپ کی پیروی کی، آپ کی امت میں سے ہیں۔ (الدر المنثور جزء ۴ صفحہ ۱۴۳)

پھر فرق کیا رہا؟

مسیح ابن مریم وفات پا گئے ہیں

جیسے کہ فصل دوم نمبر ۱۳ میں مختصر طور پر بیان کیا جا چکا ہے نبی عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا اجماع جو ہوا تو اسی بات پر ہوا کہ تمام انبیاء کرام دنیا سے گزر چکے ہیں اور اس امر کے ثبوت کے لیے جب حضرت ابوبکرؓ نے آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴) پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمْ اَسْمَعْهَا اِلَّا مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ (حاشیۃ الجلالین للامام احمد الصاوی المالکی جزء ۱ صفحہ ۱۶۱) کہ خدا تعالیٰ کی قسم! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے یہ آیت نہیں سُنی تھی مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔"

حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"فَوَاللّٰهِ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْبَكْرٍ يَوْمَئِذٍ" (تفسیر الدر المنثور جزء ۲ صفحہ ۸۱ مطبوعہ مصر) کہ خدا کی قسم گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس آیت کو پیش کرنے سے پہلے تمام لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی تھی۔"

بلکہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: فَقَالَ عُمَرُ: هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِى الْقُرْاٰنِ؟ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اُنْزِلَتْ قَبْلَ الْيَوْمِ۔" (تفسیر الدر المنثور جزء ۲ صفحہ ۸۱) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ آیت قرآن مجید میں ہے؟ خدا کی قسم! مجھے آج سے پہلے یہ علم نہیں تھا کہ یہ آیت بھی اُتاری جا چکی ہے۔"

یہ صحابہ کا اجماع تمام اہم احادیث کی کتابوں میں لکھا موجود ہے۔ امام البزدوی اور حنفی علماء کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے۔ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ مِثْلُ الْكِتَابِ

وَالْخَبَرِ الْمُتَوَاتِرِ (ارشاد الفحول صث) کہ اجماع صحابہ کتاب اللہ اور خبر متواتر کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی اسی کی طرح واجب القبول ہے

پس قرآن کریم سے اور صحابہ کے اجماع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہے
خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب صحابہ کی تشویش دیکھی تو فرمایا: اَیُّھَا النَّاسُ بَلَغَنِیْ اَنَّکُمْ تَخَافُوْنَ عَلَیَّ الْمَوْتَ " لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم ڈر رہے ہو کہ میں مرجاؤنگا " ھَلْ خَلَدَ نَبِیٌّ قَبْلِیْ " کیا مجھ سے پہلے کوئی ایسا نبی ہوا ہے جو اپنی امت میں مرا نہ ہو؟؟ (احیاء علوم الدین للغزالی جلد ۲ ص۳۹۹ الباب الرابع فی وفات رسول اللہ) (المواھب اللدنیہ جزء ۲ ص۲۶۸) علامہ المراغی لکھتے ہیں:

اَلْخُلُوْدُ بَقَاءُ الشَّیْءِ مُدَّةً طَوِیْلَةً عَلٰی حَالٍ وَاحِدَةٍ لَا یَطْرَأُ عَلَیْهِ فِیْهَا تَغْیِیْرٌ وَلَا فَنَاءٌ (تفسیر المراغی جزء ۲ ص۲۶) کہ خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا مدت مدید تک ایک حالت میں رہنا کہ اس پر کوئی تغیر یا فنا اس حالت میں اثر پذیر نہ ہو" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بتاتا ہے کہ حضور سے پہلے کوئی ایسا نبی نہیں ہوا جو حضور کے زمانہ تک بجسم زندہ رہا ہو بلکہ سب انبیاء وفات پا گئے تھے۔ خلود کے معنی ہیں اَلثَّبَاتُ الْمَدِیْدُ دَامَ اَمْ لَمْ یَدُمْ۔ یعنی غیر معمولی مدت دائمی ہو یا نہ ہو۔ (کلیات ابی البقاء)

لفظ خلا قرآن کریم میں لفظ خَلَا بغیر اِلٰی کے صلہ کے جن لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے وہاں ان کے گزر جانے سے ان کا وفات پا جانا اور اس دنیا میں دوبارہ اصالتاً نہ آنا مراد ہے اور لغت عرب اس معنی پر شاہد ناطق ہے:

۱۔ "لسان العرب" میں ہے خَلَا فُلَانٌ: اِذَا مَاتَ کہ خَلَا فُلَانٌ کے معنی ہیں وہ مرگیا۔

۲۔ اقرب الموارد میں ہے: خَلَا الرَّجُلُ اَیْ مَاتَ کہ خَلَا الرَّجُلُ کے معنی ہیں وہ مرد مرگیا۔

۳۔ تاج العروس میں ہے: خَلَا فُلَانٌ اَیْ مَاتَ کہ خَلَا فُلَانٌ کے معنی ہیں وہ مرگیا۔

مدینہ منورہ میں عیسائیوں سے ایک مباحثہ ہوا اور اہم مباحثہ ہوا کیونکہ وہاں کوں کی تعداد

میں بڑے بڑے عیسائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور تبادلہ خیالات کیا۔ اس میں الوہیت مسیح پر جب بات چلی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یوں شکست فاش دی، فرمایا، کہ خدا تعالیٰ تو حیّ و قیوم ہے۔ اس پر فنا طاری نہیں ہو سکتی" وَاِنَّ عِیْسٰی اَتٰی عَلَیْہِ الْفَنَاءُ "اور یقیناً" "عیسیٰ پر تو فنا وارد ہو چکی ہے۔" (کتاب اسباب النزول تالیف ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی ۴۶۸ ھ صفحہ ۵۳ سورۃ آل عمران طبعہ ثانیہ)

صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فنا وارد ہو چکا ہونا قرار دیکر ان کی الوہیت کا ابطال فرمایا تھا۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (سورۃ النحل آیت ۲۱-۲۲)

کہ وہ لوگ جنہیں یہ مشرک اللہ کے سوا بطور خدا کے پکارتے ہیں کوئی بھی چیز پیدا نہیں کر سکتے ہیں بلکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں وہ مردہ ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب انہیں دوبارہ اٹھایا جائیگا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مشرک جن لوگوں کو خدا کا شریک بنا رہے ہیں:

۱۔ وہ شریک کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔

۲۔ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔

۳۔ وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں۔

۴۔ اور انہیں یہ بھی علم نہیں کہ کب انھیں دوبارہ زندہ کیا جائیگا۔

خلاصہ یہ کہ وہ لوگ جو پیدا کئے گئے، پھر انہیں موت دیدی گئی اور انہیں اتنی طاقت نہ ہوئی کہ اپنی جان کی حفاظت کر سکیں بلکہ مر کر ڈھیر ہو گئے، پھر انہیں یہ علم بھی نہیں کہ ان کا کیا حشر ہوگا ایسے لوگ خدائے قادر و توانا اور خالق و مالک کے برابر کیسے مانے جا سکتے ہیں؛

یہ آیت نص ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن لوگوں کی عبادت کی جاتی تھی مثلاً عیسیٰ و عزیر وغیرہ وہ سب مر چکے تھے زندہ نہیں تھے۔

لفظ اَمْوَاتٌ جمع ہے لفظ مَیْتٌ کی نہ کہ مَیِّتٌ کی، ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَیَا سَائِلِیْ تَفْسِیْرَ مَیْتٍ وَّمَیِّتٍ
فَدُوْنَکَ قَدْ فَسَّرْتُ مَا عَنْہُ تَسْأَلُ

"کہ اے جو مَیِّتٌ اور مَیْتٌ کے معنی پوچھتا ہے، سمجھ لو کہ میں نے تمہارے سوال کا جواب یہ دیا ہے

فَمَا كَانَ ذَا رُوحٍ فَذَلِكَ مَيِّتٌ وَمَا الْمَيْتُ إِلَّا مَنْ إِلَى الْقَبْرِ يُحْمَلُ

جو شخص ابھی زندہ ہو اسے مَیِّت کہتے ہیں (کیونکہ وہ آئندہ مریگا) اور المَیْتُ اس شخص کو کہتے ہیں جو مر چکا ہو اور اسے قبر کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔" (حاشیہ الصاوی جزء ۲ صت ۱۳۳) (الفتوحات الالٰہیہ جزء ۳ صت ۶۲۴)

چونکہ جن لوگوں کی پرستش کی جاتی ہے، خدا تعالیٰ نے انہیں اَمْوَات جمع مَیْتٌ قرار دیا ہے تو ثابت ہوا کہ وہ لوگ آیت کے نزول سے پہلے قبروں میں جا چکے تھے۔

مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد ۲ صت ۵۳۲ حاشیہ نمبر ۱۹ میں قرآن مجید کی یہ آیت اور اس کا ترجمہ درج کر کے لکھا ہے:

"لا محالہ اس آیت میں اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد وہ انبیاء اولیاء شہداء اور صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں۔ ---------- کون پڑھا لکھا نہیں جانتا کہ عرب کے متعدد قبائل ---------- میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے اور یہ دونوں مذاہب بُری طرح انبیاء اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے۔ آیت میں ان سب کو جن کی عیسائی اور یہودی پرستش کرتے تھے "مردہ ہیں نہ کہ زندہ" قرار دیا گیا ہے۔"

پس جناب مودودی صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان وفات یافتہ معبودوں کی صف سے باہر نہیں نکال سکتے، کیونکہ انہیں اللہ کے سوا معبود سمجھا گیا اور خالق مانا گیا اور آیت اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ سے یہ ظاہر کیا گیا کہ مُردوں میں سے وہ قیامت کو ہی زندہ ہونگے۔

پھر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

"وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ (حدیث کنز العمال جزء ۶ صت ۱۶۰ بروایت فاطمہ) اور (حجج الکرامہ صت ۴۲۸) کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے۔"

یہ حضرت عیسیٰؑ کے وفات پا جانے کی واضح دلیل ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ (الیواقیت والجواہر

جزء ۲ صفحہ ۲۲) یہ حدیث (مدارج السالکین تصنیف امام ابن القیم جلد ۲ صفحہ ۳۱۳) میں بھی اور (امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر جلد ا صفحہ ۳۷۶) میں بھی درج ہے۔ یعنی" اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انھیں میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔" گویا وہ دونو زندہ نہیں ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تمام موجود مسلمانوں کے سامنے ایک خطبہ پڑھا جس میں فرمایا:

"وَلَقَدْ قُبِضَ فِي اللَّيْلَةِ الَّتِيْ عُرِجَ فِيْهَا بِرُوْحِ عِيْسٰى بْنِ مَرْيَمَ لَيْلَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ" (طبقات کبیر جزء ۳ صفحہ ۲۶) کہ حضرت علیؓ اس رات فوت ہوئے ہیں جس رات عیسیٰ علیہ السلام کی روح اٹھائی گئی تھی۔"

اس خطبہ میں ان کی روح اٹھائے جانے کا ذکر ہے نہ کہ جسم عنصری کے اٹھائے جانے کا۔ مراد یہ ہے کہ اسی رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی وفات پائی تھی۔

ان دلائل کے علاوہ وہ علماء اسلام جنہوں نے اس مسئلہ میں قرآن مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا غور سے مطالعہ کیا ہے وفات مسیح کے قائل ہیں۔

۱۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے:

"وَالْاَکْثَرُ اَنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ (مجمع البحار لفظ حکم) کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے لیکن امام مالک کہتے ہیں کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔"

۲۔ علامہ ابن حزم اپنی مشہور کتاب المحلّی میں فرماتے ہیں:

"وَاِنَّ عِيْسٰى عليه السّلام لَمْ يُقْتَلْ وَلَمْ يُصْلَبْ وَلٰكِنْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ رَفَعَهُ اِلَيْهِ (باب التوحید ع ۲۱) کہ نبی عیسیٰ علیہ السلام نہ ہی قتل ہوئے اور نہ ہی صلیب پر مرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں (طبعی موت سے) وفات دی اور پھر اپنی طرف اٹھالیا۔"

مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ نے انہیں عزت کی موت دی۔

۳۔ حضرت ابن القیم اپنی مشہور کتاب زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

"وَمَنْ سِوَاهُ لَا يَنَالُ بِذَاتِ رُوْحِهِ الصُّعُوْدَ اِلَى السَّمَاءِ اِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمُفَارَقَةِ فَالْاَنْبِيَاءُ اِنَّمَا اسْتَقَرَّتْ اَرْوَاحُهُمْ

هُنَاكَ بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْأَبْدَانِ۔" (جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ طبع مصر) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص اپنی روح کے ساتھ آسمان کی طرف صرف موت اور مفارقتِ بدنی کے بعد ہی چڑھ سکتا ہے۔ پس تمام انبیاء کی ارواح نے آسمان پر موت اور مفارقت بدنی کے بعد ہی قرار پکڑا ہے۔"

چونکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم وغیرہم سے آسمانوں میں ملاقات کی تھی، معلوم ہوا کہ وہ ارواح سے ملاقات تھی اور وہ وہاں ان کی موت کے بعد ہی پہنچی تھیں۔

۴۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف نے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے ماتحت کہا ہے:

"اَنَّهٗ تَوَفَّاهُ وَفَاةَ الْمَوْتِ قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَهٗ (البحر المحیط جزء ۴ صفحہ ۶۱) کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رفع سے پہلے موت دیدی تھی۔"

۵۔ علامہ الجبائی اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں:

"وَفِي هٰذِهِ الْاٰيَةِ دَلَالَةٌ اَنَّهٗ اَمَاتَ عِيْسٰى وَتَوَفَّاهُ ثُمَّ رَفَعَهٗ اِلَيْهِ (تفسیر مجمع البیان) یعنی یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو موت دی اور پھر ان کا رفع اپنی طرف کیا۔"

۶۔ شیخ محمد عبدہ سابق مفتی مصر نے اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کے معنوں کی تائید میں لکھا ہے:

"اَلتَّوَفِّيْ هُوَ الْاِمَاتَةُ كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ الْمُتَبَادِرُ (تفسیر القرآن الحکیم زیر آیت مذکور) کہ یہاں تَوَفِّی سے مراد موت ہی ہے اور ظاہر اور متبادر الفہم معنے یہی ہیں۔"

۷۔ استاذ مصطفیٰ المراغی مصری اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں:

"وَاَنَّ التَّوَفِّيَ هُوَ الْاِمَاتَةُ الْعَادِيَةُ وَاَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَهٗ لِلرُّوْحِ وَالْمَعْنٰى اِنِّيْ مُمِيْتُكَ وَجَاعِلُكَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِيْ مَكَانٍ رَفِيْعٍ عِنْدِيْ (تفسیر المراغی جزء ۳ صفحہ ۱۶۵) کہ تَوَفِّی کے معنے عام موت دینے کے ہیں اور اس کے بعد رفع کا روح سے تعلق ہے یعنی یہ معنی ہوئے کہ اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دونگا اور موت کے بعد اپنے نزدیک بلند مرتبہ سے تمہیں مشرف کرونگا۔"

۸۔ استاد عبدالکریم الشریف تحریر فرماتے ہیں:

"وَالْمَسِیحُ علیہ السلام طَبْعًا کَمَا یَذْکُرُ الْقُرْاٰنُ قَدْ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ وَ رَفَعَہُ اِلَیْہِ وَ طَھَّرَہُ مِثْلَ مَا یَتَوَفَّانَا وَ یَرْفَعُنَا اِلَیْہِ" (النفحۃ من التاویل)

یعنی مسیح علیہ السلام بھی طبعاً جیسا کہ قرآن کریم ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دیدی ہوئی ہے اور اپنی طرف انکا رفع بھی فرمالیا ہے اور انہیں پاک کردیا ہوا ہے، جیسے کہ وہ ہمیں وفات دیتا ہے اور اپنی طرف اٹھاتا ہے"

۹۔ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی آیت مُتَوَفِّیکَ کے ماتحت لکھتے ہیں:

"وَمَعْنٰی مُتَوَفِّیکَ مُمِیْتُکَ وَ اَمَّا مَا شَاعَ بَیْنَ النَّاسِ مِنْ حَیَاۃِ عِیْسٰی علیہ السّلام فَھِیَ اُسْطُوْرَۃٌ یَھُوْدِیَّۃٌ وَّ صَابِیَّۃٌ ...... وَلَیْسَ فِیْہِ اٰیَۃٌ تَدُلُّ صَرَاحَۃً عَلٰی اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَ اَنَّہٗ حَیٌّ (الھام الرحمٰن فی تفسیر القراٰن الجزء ۲ صفحہ ۴۹) کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ کے معنی ہیں میں خود تجھے وفات دونگا اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو وہ یہودی اور مجوسی لوگوں کی کہانی ہے ...... ادھر (قرآن مجید میں) کوئی ایک آیت بھی نہیں جو بصراحت دلالت کرے کہ عیسیٰ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں"

۱۰۔ سید قطب مصر کے مشہور عالم نے اپنی تفسیر (فِی ظِلَالِ الْقُرْاٰنِ) میں جو اس امر کے بارے میں فیصلہ دیا ہے۔ وہ بھی سن لیں، لکھتے ہیں:

وَظَاھِرُ النُّصُوْصِ الْقُرْاٰنِیَّۃِ یُفِیْدُ اَنَّ اللّٰہَ سبحانہ وتعالیٰ۔ قَدْ تَوَفّٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ثُمَّ رَفَعَہُ اِلَیْہِ وَ بَعْضُ الْاٰثَارِ تُفِیْدُ اَنَّہٗ حَیٌّ عِنْدَ اللّٰہِ وَلَیْسَ ھُنَالِکَ ۔فِیْمَا اَرٰی اَیُّ تَعَارُضٍ یُثِیْرُ اَیَّ اِشْکَالٍ بَیْنَ اَنْ یَکُوْنَ اللّٰہُ قَدْ تَوَفَّاہُ مِنْ حَیَاۃِ الْاَرْضِ وَاَنْ یَکُوْنَ حَیًّا عِنْدَہٗ فَالشُّھَدَاءُ کَذٰلِکَ یَمُوْتُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَھُمْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ اللّٰہِ" (الجزء ۷ صفحہ ۴۳) کہ بظاہر نصوصِ قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات دیدی ہے اور پھر اپنی طرف ان کا رفع فرمالیا ہے اور بعض آثار (روایات) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کے پاس زندہ موجود ہیں، لیکن میرے خیال کے مطابق ان دونو باتوں میں کوئی ایسا تعارض نہیں جو کوئی مشکل پیدا کرے کہ خدا نے انہیں دنیاوی زندگی سے وفات

دیدی ہو اور خدا کے نزدیک زندہ بھی ہوں کیونکہ شہداء بھی تو دنیا میں مرجاتے ہیں اور خدا کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں۔"

علامہ محمود شلتوت سابق مفتی مصر، سید احمد العجوز صاحب، سید رشید رضا سابق مفتی مصر وغیرہ بھی وفات مسیح کے قائل ہیں، انڈونیشیا کے بہت بڑے عالم الحاج عبدالکریم امراللہ صاحب مرحوم نے ہمارے خلاف ایک کتاب القول الصحیح تصنیف فرمائی تھی (قریباً ۱۹۲۷ء میں) اس میں انہوں نے فصل نہم میں "وفاتِ مسیح" پر مضمون لکھا ہے اور چار آیات قرآنیہ پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ نبی عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں آخر صفحہ ۱۸۱ پر لکھتے ہیں:

"رساپ چوکف دان ممدائ دليل يڠ کيت سبتکن ايت بوأت فنتفکن اعتقاد کيت بهاس عيسیٰ ايت سوده وفات سبلوم اداث محمد صم. والله اعلم۔" یعنی وہ دلائل جو ہم نے پیش کئے ہیں کافی معلوم ہوتے ہیں ہمارا یہ اعتقاد ثابت کرنے کے لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی وفات پاچکے ہیں۔"

پھر حیات مسیح کے قائلین کے دلائل کو ردّ کرنیکے بعد ص۱۹۶ پر لکھتے ہیں:

"اوله کارن ترڠ بنربهاس اورڠ يڠ مندعوا کن عيسى المسيح لاگی هيدف سکارڠ، امت ميلاهی دليل نقل يڠ قطعی دان دليل عقل يڠ تيدق تروف بروبهن۔ ملك تيد قلمهر دان ممکن لاگی ولوفون تربتث نغاکوأن ايت درفد علماء بسر کارن بنرايت ترلبه بسر درفد مريکئيت۔ یعنی چونکہ یہ بات نہایت ہی واضح ہے کہ وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ المسیح ابھی زندہ ہیں (انکا یہ دعویٰ) دلائلِ نقلِ قطعیہ اور دلائلِ عقل جن کا بدلنا عقل میں نہیں آسکتا، کے خلاف ہے اس لیے اس کی پرواہ نہ کی جائیگی خواہ وہ دعویٰ بڑے بڑے علماء کی طرف سے ہی ظاہر کیا گیا ہو، کیونکہ حق اور سچائی ان سے زیادہ بڑی ہے۔"

کتنی بڑی جرأت سے کام لیکر انہوں نے عوام کے خلاف حق کو واضح کیا اور اپنے مخالف گروہ یعنی احمدیوں کی تائید کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

اس کے برعکس جب مولانا مودودی صاحب سے اس اہم سوال کے متعلق دریافت کیا گیا تو عوام کے ڈر سے انہوں نے جو رنگ اختیار کیا وہ بھی ذرا دیکھ لیں، وہ لکھتے ہیں:

"قرآن کی رو سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرزِ عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی اجتناب کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی، بلکہ مسیح علیہ السلام کے اُٹھائے جانے کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا ایک غیر معمولی ظہور سمجھتے ہوئے اس کی کیفیت کو اسی طرح مجمل چھوڑ دیا جائے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے مجمل چھوڑ دیا ہے۔"

(مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ مصنفہ مولوی محمد یوسف صاحب حصہ اوّل صفحہ ۱۶۹)

مولانا صاحب سے بہتر اور صاف گوئی کا طریق غلام احمد صاحب پرویز نے اختیار کیا جنہوں نے لکھا کہ:

"عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ (عیسیٰ) زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تو قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دوسرے رسولوں کی طرح اپنی مدتِ عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائی۔"

(شعلۂ مستور شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام کراچی صفحہ ۴۷)

علامہ محمد عنایت اللہ المشرقی بانی "خاکسار تحریک" نے اپنی مشہور کتاب تذکرہ میں وفات مسیح کے متعلق تاریخی شہادات پر بحث کرنے کے بعد علی الاعلان لکھا کہ "اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت بھی اسی سنتِ الٰہی کے مطابق ہوئی جس کی بابت قرآن نے کہا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔" (تذکرہ جلد ۱ حاشیہ صفحہ ۱۶-۱۷)

مولانا ابوالکلام آزاد نے ڈاکٹر انعام اللہ خاں صاحب سالاری، بلوچستان کے ایک استفسار مرقومہ ۶ر اپریل ۱۹۵۶ء کے جواب میں فرمایا:

"وفات مسیح کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے۔" (ملفوظات آزاد مرتبہ محمد اجمل خاں صفحہ ۱۲۹ مطبوعہ مکتبہ ماحول کراچی)

سر سید احمد خاں صاحب نے جو تفسیر لکھی ہے اس میں انہوں نے تفصیل سے "وفات مسیح" پر بحث کی ہے، لکھتے ہیں :

"اب ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کیا لکھا ہے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طبعی موت سے وفات پانا ظاہر ہے مگر چونکہ علماء اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ قرآن پر غور کریں۔ یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔" (جلد ۲ صفحہ ۴۸)

رفع الی اللہ کے معنے

دراصل بہت سے علماء کرام کو "وفات مسیح" کے دلائل سمجھنے میں اس وجہ سے مشکل پیش آئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے کہ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورۃ النساء آیت ۱۵۸-۱۵۷) کہ یہودیوں نے یقینی طور پر آپ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

"اپنی طرف اُٹھا لیا" سے مراد انہوں نے یہ لیا کہ انھیں آسمان پر اٹھا لیا حالانکہ :

۱- اس میں آسمان کا لفظ ہے ہی نہیں۔

۲- پھر ان معنوں سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ مانا جائے کہ خدا تعالیٰ صرف آسمان پر ہے زمین میں نہیں، حالانکہ خود خدائے پاک فرماتے ہیں: "وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ (سورۃ الانعام آیت : ۳) کہ اللہ تعالیٰ صرف آسمانوں میں ہی نہیں زمین پر بھی ہے۔"

۳- پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ خدا آسمانوں سے چھوٹا ہے اسی لیے تو وہ وہاں سما گیا ہے۔

۴- انہی وجوہ کی بناء پر محققین نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی مکان میں محدود ماننا کفر ہے۔

علامہ احمد الصاوی المالکی نے حدیث رَجَعْتُ اِلٰى رَبِّىْ کے متعلق لکھا ہے۔

"اَىْ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ نَاجَيْتُ فِيْهِ رَبِّىْ وَلَيْسَ الْمُرَادُ اَنَّ اللّٰهَ فِىْ

ذٰلِكَ الْمَكَانِ وَرَجَعَ لَهٗ فَاِنَّ اعْتِقَادَ ذٰلِكَ كُفْرٌ (حاشیہ الجلالین للصاوی جزء ۲ صفحہ ۲۸۵) کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں اس مکان کی طرف گیا جہاں خدا تعالیٰ نے مجھ سے ہمکلامی فرمائی یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ اس مکان میں تھا اور آپ اس کے پاس گئے ایسا اعتقاد تو کفر ہے۔"

حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی آیت اسْرٰی بِعَبْدِہٖ کی بابت اپنی کتاب الیواقیت والجواہر جزء ۲ صفحہ ۲۳ مبحث نمبر ۴۴) میں فرماتے ہیں کہ خدا کے فرمان کا مطلب یہ ہے "۔ لَا يَحْوِيْنِيْ مَكَانٌ وَنِسْبَةُ الْاَمْكِنَةِ اِلَيَّ نِسْبَةٌ وَاحِدَةٌ۔ کہ مجھے کوئی مکان نہیں گھیرے ہے اور تمام مکان میرے لیے ایک ہی نسبت رکھتے ہیں۔"

پس "خدا کی طرف اٹھائے جانا" سے یہ مطلب لینا کہ وہ آسمان پر اُٹھائے گئے قطعاً غلط ہے اور اہل السنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے اور محققین اس کی بزور تردید کرتے ہیں۔

جہاں خدا تعالیٰ کے لیے بظاہر لفظ السَّمَاء استعمال ہوا بھی ہے، وہاں محققین نے بصراحت تنبیہ کی ہے کہ خدا تعالیٰ کو آسمان پر ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے، مثلاً خدا تعالےٰ فرماتا ہے:

" أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا (سورہ الملک آیت ۱۷) کیا تم اس (ذات) سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر کوئی عذاب بھیج دے۔"

اس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید خدا تعالیٰ آسمان میں ہے اس لیے مفسرین نے اس شبہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَا يُمْكِنُ اِجْرَاءُهَا عَلٰى ظَاهِرِهَا بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِيْنَ لِاَنَّ كَوْنَهٗ فِي السَّمَاءِ يَقْتَضِيْ كَوْنَ السَّمَاءِ مُحِيْطًا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الْجَوَانِبِ فَيَكُوْنُ اَصْغَرَ مِنَ السَّمَاءِ۔ (التفسیر الکبیر للامام الرازی جزء ۸ صفحہ ۱۷۸) کہ تمام اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کو ظاہر پر محمول کرنا ممکن نہیں کیونکہ اس کا آسمان میں ہونا" تقاضا کرتا ہے کہ آسمان اسے تمام اطراف سے گھیرے ہوئے ہو اس طرح ماننا پڑیگا کہ وہ آسمان سے بہت چھوٹا ہو۔"

اسی تفسیر میں لکھا ہے کہ امام ابو مسلم اصفہانی کا کہنا ہے :-

"کَانَتِ الْعَرَبُ مُقِرِّیْنَ بِوُجُوْدِ الْاِلٰہِ لٰکِنَّہُمْ کَانُوْا یَعْتَقِدُوْنَ اَنَّہٗ فِی السَّمَاءِ عَلٰی وَفْقِ قَوْلِ الْمُشَبِّھَۃِ فَکَاَنَّہٗ قَالَ لَھُمْ اَتَاْمَنُوْنَ مَنْ قَدْ اَقْرَرْتُمْ بِاَنَّہٗ فِی السَّمَاءِ" کہ عرب لوگ ہستی باری تعالیٰ کے قائل تو تھے، لیکن وہ مشبہہ فرقہ کی طرح یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ آسمان میں ہے تو گویا خدائے تعالیٰ نے انھیں فرمایا کہ کیا تم بے خوف ہوا س ذات سے جس کے متعلق تمہارا اقرار ہے کہ وہ آسمان میں ہے"

مدعا کہ یہ فرمان ان کے خیال کے مطابق ادا کیا گیا ہے دوسری جگہ ہے کہ خدائے تعالیٰ مشرکوں کو کہے گا کہ" اَیْنَ شُرَکَاءِیْ" (سورہ حٰم السجدہ آیت ۴۷) کہ میرے شریک کہاں ہیں"

یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کے واقعی شریک ہیں، نہیں (معاذ اللہ) بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں تم میرا شریک گردانتے تھے، جیسا کہ دوسری آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

سورہ الملک کی اس آیت کے متعلق (نزھۃ المجالس جزء ۱ صٓ) پر لکھا ہے:

" خَاطَبَھُمْ بِذٰلِکَ عَلٰی زَعْمِھِمْ" کہ اس آیت میں کفار کو انکے خیال (اعتقاد) کے مطابق مخاطب کیا گیا ہے"

حضرت امام رازی اپنی تفسیر میں تو یہاں تک تحریر کرتے ہیں:

اِنَّ تَعْرِیْفَ ذَاتِ اللّٰہِ بِکَوْنِہٖ فِی السَّمَاءِ دِیْنُ فِرْعَوْنَ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۳۱۱) کہ خدا تعالیٰ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ آسمان میں ہے فرعون کا مذہب ہے"

خدا تعالیٰ ہمیں ایسے گمراہ کن خیالات سے بچائے رکھے، آمین!

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (سورہ العنکبوت آیت ۲۶) کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں" کیا زمین سے آسمان کو اڑ گئے؟ نہیں!!

پھر اس قول کا کیا مطلب ہے، لکھا ہے:" اِلٰی حَیْثُ اَمَرَنِیْ بِالتَّوَجُّہِ اِلَیْہِ" (التفسیر الکبیر جزء ۶ ص۴۸۴) کہ خدا کی طرف ہجرت کا مطلب یہ تھا کہ جہاں اللہ تعالیٰ جانے کا حکم دے میں وہاں جاؤنگا" چنانچہ تفاسیر میں آیا ہے: فَھَاجَرَ مِنْ کُوْثٰی وَھِیَ مِنْ سَوَادِ الْکُوْفَۃِ اِلٰی حَرَّانَ ثُمَّ ھَاجَرَ اِلَی الشَّامِ (تفسیر الخازن

جزء ۵ صہ ۱۵۹) (و جامع البیان للشیخ معین بن صفی) کہ آپ نے کوثیٰ سے جو کوفہ میں ہے حران کو ہجرت کی وہاں سے پھر شام کو۔"

دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ان الفاظ میں درج ہے: اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ (سورۃ الصافات آیت ۹۹) کہ میں خدا کی طرف جانیوالا ہوں، اس کا مطلب بھی ایک تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ دوسرا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے: اِنِّیْ مَیِّتٌ کَمَا یُقَالُ لِمَنْ مَاتَ قَدْ ذَهَبَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی" (تفسیر الفتوحات الالھیۃ جزء ۳ صہ ۵۶۸) کہ خدا کی طرف جانیوالا ہوں کا مطلب یہ تھا کہ میں مرنیوالا ہوں جیسے کہ اس شخص کے حق میں جو مر جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلا گیا۔"

سورہ العنکبوت کی تفسیر پر جامع البیان میں حاشیہ میرا یوں درج ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَى الْحَبْشَةِ بِاَهْلِهٖ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَحِبَهُمَا اللّٰهُ اِنَّ عُثْمَانَ لَاَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ اِلَى اللّٰهِ بِاَهْلِهٖ اَخْرَجَهٗ ابُو یَعْلٰى" کہ حضرت انس سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے* اپنے اہل و عیال کے ساتھ حبشہ کی طرف پہلے پہل ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں الوداع کہتے ہوئے دعا فرمائی اور فرمایا کہ عثمان پہلا شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کر رہا ہے:

*سب سے پہلے (حاشیہ)

دیکھئے اللہ کی طرف جانے یا ہجرت کرنے کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ آسمان پر چلے گئے۔

رہا لفظ رفع کا تو اس کے متعلق خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جب یہ خدا کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی صرف ایک ہیں وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے اسے اپنے قرب سے نوازا ہے۔

لغت عرب کی مشہور اور ضخیم کتاب لِسَانُ الْعَرَبِ میں ہے:

"وَفِیْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى الرَّافِعُ هُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَهٗ بِالتَّقْرِیْبِ۔ یعنی خدا تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت الرَّافِعُ بھی ہے (جس کا مطلب یہ ہے کہ) وہی (خدا) ہے جو مومنوں کو سعادت بخشنے اور اپنے اولیاء کو قرب دینے کے ذریعہ رفع دیتا ہے"۔ (نیز دیکھئے لغت حدیث کی کتاب النھایۃ تالیف علامہ ابن الاثیر الجزری لفظ رفع)

پس جیسا کہ قرب الٰہی کے یہ معنے نہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات سے وہ نزدیک جا بیٹھتے ہیں ویسے ہی رفع الی اللہ کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں کسی ایسی جگہ لے جاتا ہے جہاں آسمانوں میں وہ ہے۔

۱۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ صاف الفاظ میں فرمایا ہے :۔

"اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَةِ بِالسِّلْسِلَةِ (کنز العمال جزء ۲ صفحہ ۲۵) کہ جب بندہ اللہ کی خاطر عجز و انکسار سے کام لیتا ہے تو خدا تعالیٰ اسے ساتویں آسمان تک ایک زنجیر کے ذریعہ اٹھا لے جاتا ہے"۔

کہیئے!! کیا کبھی کسی نے دیکھا کہ کوئی آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا، کیا امتِ محمدیہ میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس نے حقیقی تواضع اور انکسار سے کام لیا ہو اور وہ آسمان پر اُٹھایا گیا ہو، دراصل اس حدیث کا وہ مطلب ہی نہیں، اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ متواضع انسان کو خدا تعالیٰ سلسلہ وار اپنے قرب سے نوازتا اور ایسے بلند مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

۲۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اپنی مشہور کتاب (فتوح الغیب مقالہ ع۱۵) میں فرماتے ہیں :۔

فَقَوْمٌ یَرْفَعُهُمْ اِلَی الْعِلِّیِّیْنَ کہ ایک ایسی نیک قوم ہے جنہیں خدا تعالے عِلّیین تک اٹھا لے جاتا ہے"

عِلّیین کہاں ہے لکھا ہے :

وَرَدَ مَرْفُوْعًا عِلِّیِّیْنَ فِی السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ (حاشیۃ الجلالین للصاوی زیر آیت ان کتاب الابرار لفی علیین، نیز تفسیر جامع البیان) کہ مرفوع حدیث میں وارد ہے کہ مقام عِلّیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے"

کیا نیک لوگ مع جسم کے ساتویں آسمان پر اُٹھتے کسی نے دیکھے؟ یا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ دوسری جگہ وہ مومن مخلص کو بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں : ثُمَّ تُرْفَعُ اِلَی الْمَلِكِ الْاَکْبَرِ (دیکھئے مقالہ ع۲۸) یعنی مرتبہ فناء حاصل ہونے پر تو خدائے تعالےٰ کی طرف اُٹھایا جائے گا" کیا اُمت میں سے کوئی فانی فی اللہ اپنے اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر کبھی اُٹھا لیا گیا؟

۳۔ استاد عبدالحمید محمود صاحب اپنی کتاب (المطالب الجمالیہ صہ ۲۶) پر حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی کی نسبت لکھتے ہیں: " رَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا"۔ کیا یہ مطلب ہے کہ واقعی حضرت امام شافعی ان کے نزدیک خاکی جسم ساتھ زندہ آسمان پر لے جائے گئے ہیں؟ نہیں!! وہ تو ان الفاظ سے ان کی باعزت وفات کا بیان کر رہے ہیں۔

۴۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی کتاب مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ مطبوعہ مطبع مجتبائی صہ ۹۲ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا ہے:

" كَانَ الْحِكْمَةُ فِيْ بَعْثِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِدَايَةَ الْخَلْقِ وَتَتْمِيْمَ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَكْمِيْلَ مَبَانِي الدِّيْنِ فَحِيْنَ حَصَلَ هٰذَا الْاَمْرُ وَتَمَّ هٰذَا الْمَقْصُوْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ - وَتَوَفَّاهُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّيْنَ سَنَةً" کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے کی حکمت مخلوق کی ہدایت، مکارم اخلاق کو پورا کرنا اور دینی اصول کی تکمیل تھی جب یہ سب کچھ ہو چکا اور یہ مقصد پورا ہو گیا تو خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور ترسیٹھ سال کی عمر میں آپکو وفات دیدی"

کہیئے! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے زندہ آسمان پر معہ جسم لیجایا گیا اور پھر وہاں ان کی وفات ہوئی؟ یا حضور پُر نور نے مدینہ منورہ میں جان دی اور اپنے صحابہ کرام کے ہاتھوں دفن ہوئے۔؟

۵۔ اسی طرح الکافی کتاب الرَّوْضَة میں جو شیعہ اصحاب کی مشہور کتاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "دَعَا اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بلا لیا اور اسے اپنی طرف اٹھا لیا"

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

"اَكْرَمَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ اَنْ يُّرِيَهٗ مَا يَكْرَهُ فِيْ اُمَّتِهٖ فَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ وَبَقِيَتِ النَّقْمَةُ (البیہقی، بحوالہ کَنْزُ الْمُوْفِيْ) کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم کی یوں عزت افزائی فرمائی کہ امت کے لیے جو باتیں آپ کو ناپسند تھیں وہ آپ کی موجودگی میں ظاہر نہ ہوئیں اور خدا نے آپ کو اُٹھا لیا اور موجب عذاب باتیں بعد کو ظہور پذیر ہوئیں"۔

اس کا مطلب واضح ہے کہ آپ کو باعزت وفات دیکر خدا تعالیٰ نے آپ کے درجات کو بلند کیا۔

سلیم الفطرت انسان کے لیے یہ چھ شواہد کافی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ رفع الی اللہ کے معنی "انسان کا مع جسم عنصری آسمان کی طرف اُٹھایا جانا" نہیں ہے اور ہرگز نہیں۔ اسی لیے حضرت امام فخر الدین رازی نے وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کے معنے میں لکھا ہے:

"اِعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الرَّفْعَ فِيْ رَافِعُكَ اِلَيَّ هُوَ رَفْعُ الْمَنْقَبَةِ وَالدَّرَجَةِ لَا فِي الْمَكَانِ وَالْجِهَةِ۔" (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۴۵۹)

یعنی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ حضرت مسیح کو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے رَافِعُكَ اِلَيَّ اس سے مراد رفع درجہ اور منزلت ہے کسی مکان یا جہت کی طرف رفع مراد نہیں۔"

علامہ محمود شلتوت سابق مفتی مصر اپنے الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اِنَّ الرَّفْعَ الَّذِيْ بَعْدَ التَّوَفِّيْ هُوَ رَفْعُ الْمَكَانَةِ لَا رَفْعُ الْجَسَدِ (صفحہ ۵۶) کہ رفع جو توفی کے بعد ہے وہ مرتبہ کا رفع ہے نہ جسم کا۔"

اسی کے ہم معنی علامہ مصطفیٰ المراغی نے اپنی تفسیر جزء ۳ صفحہ ۶۵ پر اور علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر القرآن الحکیم جزء ۶ صفحہ ۲ پر لکھا ہے۔

رفع کس عمر میں ہوا؟

یہ سوال بھی کوئی کم اہمیت نہیں رکھتا خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع جسم آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

۱۔ ان میں سے ایک فریق کا یہ کہنا ہے کہ آپ علیہ السلام نے تیس سال کی عمر میں دعویٰ نبوت کیا اور ابھی صرف تین سال کا عرصہ ہی گزرنے پایا تھا کہ آپ کی مصائب اور یہودیوں کی شرارتوں کی وجہ سے انہیں تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اٹھا لیا گیا یہی بات امام ابن القیم نے اپنی کتاب زاد المعاد جزء ۱ صفحہ ۲۰ پر تحریر فرمائی ہے اور شیخ الحاج عبدالکریم امراللہ صاحب نے اپنی کتاب القول الصحیح صفحہ ۱۲۷ پر اسے بیان کیا ہے، تفسیر فتح البیان جزء ۲ صفحہ ۴۹ میں ہے:

نَفِيْ زَادِ الْمَعَادِ لِلْحَافِظِ ابْنِ قَيِّمٍ مَا يُذْكَرُ اَنَّ عِيْسٰى رُفِعَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً لَا يُعْرَفُ بِهٖ اَثَرٌ يَجِبُ الْمَصِيْرُ اِلَيْهِ قَالَ

الشَّامِیُّ وَھُوَ کَمَا قَالَ فَاِنَّ ذٰلِکَ اِنَّمَا یُرْوٰی عَنِ النَّصَارٰی ۔ کہ حافظ ابن قیمؒ کی کتاب زاد المعاد میں ہے کہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تینتیس ۳۳ سال کی عمر میں اُٹھائے گئے، اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی جسے قبول کرنا ضروری ہو۔

علامہ شامی کہتے ہیں کہ علامہ ابن قیم کی یہ بات واقعی صحیح ہے کیونکہ دراصل یہ بات نصاریٰ سے مروی ہے۔

۔ علامہ ابن حجر ہیثمی کی تحقیق کے مطابق نصاریٰ کا یہ خیال صحیح ہے"۔ فَاِنَّہٗ رُفِعَ وَسِنُّہٗ ثَلَاثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً" ۔ (الفتاوی الحدیثیہ ص۱۵۹) کہ وہ (عیسیٰ علیہ السلام) یقیناً تینتیس سال کی عمر میں اٹھائے گئے تھے" اور انہوں نے اس خیال کی بنیاد دو حدیثوں کو بنایا جن میں سے ایک حدیث مسلم میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد سات سال تک دنیا میں رہیں گے۔ ادھر مسند ابو داؤد الطیالسی میں ہے کہ وہ زمین میں چالیس سال تک رہیں گے۔

وہ ان دونو احادیث کو یوں تطبیق دیتے ہیں کہ تینتیس سال کی عمر میں وہ زمین سے اٹھا بیے گئے اور نزول کے بعد وہ سات سال اور زمین پر رہینگے اس طرح انھیں زمین پہ زندگی بسر کرنیکا موقع جو ملیگا وہ کل چالیس سال ہوگا۔

پس ابن قیم اور شامی ایک طرف ہیں اور ابن حجر ہیثمی دوسری طرف۔

۲۔ ان کے خلاف علامہ احمد الصاوی المالکی کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے (حاشیہ الجلالین للصاوی جزء ۱ ص۲۷۳) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال کی عمر کے تھے تو مبعوث ہوئے اور اس کے بعد اسّی سال گزارنے پر ۱۲۰ سال کی عمر میں آسمان پر اُٹھائے گئے، کجا چالیس سال اور کجا ایک سو بیس سال؟ کوئی مناسبت ہے؟

۳۔ امام اسماعیل بن کثیر اپنی تفسیر (ابن کثیر جزء ۱ ص۵۸۳ "صفت عیسیٰ") کے عنوان کے ماتحت نصاریٰ کے خیال کو صحیح قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی ابن عساکر کی روایت درج کرتے ہیں" عَنْ بَعْضِھِمْ اَنَّہٗ رُفِعَ وَلَہٗ مِائَۃٌ وَّ خَمْسُوْنَ سَنَۃً " کہ بعض سے روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع ہوا تو آپ ایک سو ۱۵۰ پچاس برس کے تھے"۔ گویا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ ۔

ایسی بے بنیاد باتیں سنکر اور ایسے ناہموار خیالات پڑھکر نوجوان طبقہ تو یہاں تک کہنے

لگ گیا ہے کہ" آسمان سے کوئی مسیحا نہیں آئیگا اور نہ ہی مہدی موعود قدم رنجہ فرمائینگے"۔ (چٹان لاہور ۲ جولائی ۱۹۶۲ء) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ" پورے عالم اسلام کو ایک ایسے مسیحا کی ضرورت ہے جو ۷۵ کروڑ فرزندان توحید کو تازہ ولولہ، عزم اور ذوق عمل بخشے"۔ (ہفت روزہ" زندگی" لاہور ۸ ستمبر ۱۹۶۹ء) اور یہی مسلمانان عالم کے حالات حاضرہ کا تقاضا ہے اور یہی اسلام کی" نشاۃ ثانیہ" کی بنیاد ہے۔ اگر مسلمان بھائی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی طرف توجہ کرتے اور خلوص سے اس کی ہدایت کو قبول کرتے تو یقین کر لیتے کہ عیسیٰ علیہ السلام تمام دیگر انبیاء کی طرح طبعی موت سے گزر گئے ہیں اور ان میں اور دوسرے انبیاء میں موت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں اور اس طرح وہ کئی پیش آمدہ ذہنی الجھنوں اور مشکل سوالات سے نجات پا جاتے اور مسیح موعود کی آمد کی اہمیت پر غور کرتے اور اس مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔

نزول کے معنی

البتہ ایک سوال باقی رہ جاتا تھا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی رو سے وفات پا چکے ہیں تو پھر ان کے" نزول" کا کیا مطلب ہوا؟ نزول کے معنی تو ہیں" اترنا" اور بظاہر اس سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہونگے۔

سو اس کے لیے بھی ہمیں قرآن مجید اور احادیث رسول کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے اور اسی ذریعہ سے یہ عقیدہ بھی بآسانی حل ہو سکیگا انشاء اللہ، لیکن اس سے پہلے آپ یہ ضرور سمجھ لیں کہ" اترنے" کے لیے پہلے" چڑھنا" ضروری ہے کیونکہ جو چیز پہلے آسمان پر چڑھی ہی نہ ہو وہ اترے گی کیسے؟ گویا" چڑھنا" اصل ہے اور" اترنا" اس کی فرع۔ اصل ثابت ہو تو فرع بھی ثابت ہوگی، اصل ثابت نہ ہو تو فرع کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ مگر آپ نے اوپر پڑھ لیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بمع جسم عنصری زندہ آسمان پر لیجایا گیا اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث جو صحیح، مرفوع متصل ہو، اس خیال کی تائید کرتی ہے، قرآن مجید کو شروع سے آخر تک پڑھ جائیں اور احادیث صحیحہ کی ورق گردانی میں کوئی قصر نہ اٹھا رکھیں آپ کو کوئی ایک دلیل ہاتھ نہ آئے گی جو اس خیال کی تصدیق کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بمع جسم عنصری

زندہ آسمان پر اُٹھا لیے گئے تھے۔

یہ ہمارا چیلنج ہے تمام علماء کرام کے لیے اور درخواست ہے تمام انصاف پسند مسلمانوں کی خدمت میں کہ وہ کسی آیت قرآنیہ یا کسی حدیث صحیح، مرفوع متصل سے یہ دکھا دیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع جسم خاکی زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا تھا۔

یاد رکھیئے کہ بعض لوگوں کے بے بنیاد اقوال یا کوئی حدیث ضعیف کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ یہ ایک مسلّمہ اصول ہے اس لیے کسی شخص کا قول یا کسی ضعیف حدیث کا پیش کرنا یا اسے عقیدہ کی بنیاد بنانا قطعاً بے موقع اور بے محل ہے۔

پھر عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے کیا معنے ہیں؟ یہ سوال بھی واقعی اہم ہے اس لیے اس کا جواب عرض کرنا ضروری ہے۔

۱۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُوْمٍ (سورۃ الحجر آیت ۲۱) کہ ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے موجود ہیں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر مقررہ اندازہ کے مطابق۔"

دیکھیئے! اس میں ہر ایک چیز کے اترنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ اس آیت سے ایک آیت پہلے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَالْاَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ کہ ہم نے زمین کو پھیلایا ہے پھر اس میں پہاڑوں کو ڈالدیا اور اس میں ہر ایک موزون چیز پیدا کی۔"

پہلی آیت میں ہر چیز کے اترنے کا ذکر ہے اور اس آیت میں ہر ایک موزوں چیز کے زمین سے پیدا ہونے کا ذکر ہے کیا ان دونوں میں تضاد نہیں؟ یا اترنا اور "پیدا کرنا" برابر ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں:

"وَالْمُرَادُ مِنَ الْاِنْزَالِ الْاِحْدَاثُ وَالْاِنْشَاءُ وَالْاِبْدَاعُ۔ (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۲۶۵) کہ آیت میں "اتارنے" سے مراد "پیدا کرنا" ہیں۔ پس فرمایا کہ بظاہر یہ سب کچھ زمین اُگاتی ہے لیکن دراصل یہ سب کچھ ہمارے حکم سے پیدا ہوتا ہے ہمارا حکم نہ ہو تو کوئی چیز زمین میں سے پیدا ہی نہ ہو۔

۲- پھر فرمایا: "قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا (سورۃ الاعراف آیت: ۲۵) کہ اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا" بتائیے کیا انسانوں کے لیے سلے سلائے لباس آسمان سے اُتارے جاتے تھے۔

۳- اور تو اور چوپایوں کے متعلق فرمایا: "وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (سورۃ الزمر آیت ۶) کہ خدا نے تمہارے لیے چوپایوں کے آٹھ جوڑے بھی نازل فرمائے۔" کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ چوپائے بھی آسمان سے عام صورت میں اتارے جاتے ہیں، یا ان کے اتارے جانے کی کوئی اور صورت ہے؟

۴- کون نہیں جانتا کہ لوہے کی کانیں زمین میں ہیں اور لوہا انہی سے نکالا جاتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (سورۃ الحدید آیت ۲۵) کہ ہم نے لوہا بھی اُتارا" کہاں سے؟ آسمان سے؟ کیا ہر سال دنیا میں کروڑوں اربوں ٹن لوہا آسمان سے اتارا جاتا ہے یا کانوں سے کریدا جاتا ہے!! مشاہدہ کو جھٹلانا کہاں کی عقل ہے۔

۵- خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے متعلق قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورۃ الطلاق آیت ۱۱،۱۲) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف یاد دہانی کرانیوالا یعنی رسول نازل فرمایا ہے جو تم پر خدا کی کھلی آیات پڑھتا ہے تاکہ تمہیں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔"

کیا آمنہ کا جایا (صلی اللہ علیہ وسلم) جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اتارا گیا تھا؟ (دیکھئے مفردات راغب) بلکہ تمام انبیاء کرام کی بابت فرمایا:

"وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (سورۃ البقرہ آیت: ۲۱۴) کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ساتھ کتابیں بھی نازل فرمائیں" یعنی انبیاء بھی نازل ہوئے اور کتابیں بھی ان کے ساتھ نازل کی گئیں۔ فرمائیے کیا اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ تمام انبیاء آسمان سے اسی جسم کے ساتھ اترے تھے، ہرگز نہیں؟

مِنَ السَّمَاءِ

پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی پیشگوئی میں کسی نبی یا بزرگ کے متعلق "آسمان سے" اترنے

یا مبعوث ہونے کے الفاظ پائے جائیں تو ان سے بھی یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اُترے گا چنانچہ جہاں قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نازل فرمایا ہے وہاں پہلے نوشتوں میں بھی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ پیشگوئی تھی "یَبْعَثُہُ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاءِ (تاریخ الکامل للجزری جزء ۱ صفحہ ۱۱۴) کہ اللہ تعالیٰ اسے (محمد کو) آسمان سے مبعوث فرمائیگا" کیا وہ نوشتے پورے ہوئے یا نہ ؟ کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے بجسم عنصری اُتارے گئے تھے ؟ ہاں علماء نے یہ تسلیم کیا ہے اور یوں تسلیم کیا ہے۔ "اِنَّ اَصْلَہٗ مِنَ السَّمَاءِ (تفسیر الخازن جزء ۵ صفحہ ۶) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل آسمان سے ہے" ملاحظہ فرمایا آپ نے ! کہ علماء نے کس طرح تاویل سے کام لیا ہے۔

۲۔ خدا تعالیٰ ہمارے لیے رزق زمین سے مہیا فرماتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جسے کوئی عقلمند رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا (سورۃ المؤمن آیت ۱۳) کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے" کیا گندم آسمان سے گرائی جاتی ہے، کیا چاول آسمان سے اُتارا جاتا ہے؟ کوئی شخص یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ! ! اس لیے علماء نے مختلف تاویلات سے کام لینا شروع کر دیا (دیکھئے تفسیر الکبیر رازی جزء ۷ صفحہ ۶۳۹) آیت وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (سورۃ الذاریات آیت ۲۲) میں بھی بظاہر یہی بیان ہوا ہے کہ انسانی رزق آسمان میں ہے اور موعود بھی آسمان میں ہیں، پس جیسے تاویل سے رزق آسمان سے آتا ہے اُسی تاویل سے موعود مسیح کو آسمان سے آنا تھا۔

۳۔ حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے "آسمان" کے متعلق لکھا ہے :

"اِنَّھَا مَکَانُ اِرْسَالِ الْاَنْبِیَاءِ وَنُزُوْلِ الْوَحْیِ (التفسیر الکبیر رازی جزء ۶ صفحہ ۱۹۰ زیر آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ) کہ آسمان انبیاء کو بھیجنے اور وحی کے نزول کی جگہ ہے" مطلب یہ ہوا کہ تمام نبی آسمان سے بھیجے گئے۔

۴۔ امام موصوف نے اس کی اور زیادہ وضاحت فرمائی ہے لکھتے ہیں : "اِنَّ قَضَاءَ اللّٰہِ وَتَقْدِیْرَہٗ وَحُکْمَہٗ مَوْصُوْفٌ بِالنُّزُوْلِ مِنَ السَّمَاءِ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۲۴۰) کہ جب خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی امر مقدر ہو چکا ہو اور اس کا فیصلہ ہو چکا

ہو تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوگا۔"

۵- اس لیے وہ برکاتِ الٰہی جو انسان کو زمین سے حاصل ہوتی ہیں ان کا آسمان ہی کی طرف سے آنا قرار دیا گیا ہے، حضرت امام الخازن اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اِنَّ جَمِيْعَ بَرَكَاتِ الْاَرْضِ تُنْسَبُ اِلَى السَّمَاءِ وَاِلَى النُّزُوْلِ (تفسیر الخازن جزء ۲ ص۱۸۱) کہ زمین کی تمام برکات کو آسمان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اتری ہیں۔"

کیا ان دلائل سے واضح نہیں ہو جاتا کہ اگر کسی چیز، نبی یا خیر و برکت کے متعلق کہا جائے کہ وہ آسمان سے نازل ہوئی تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا جسم خاکی یا وہ چیز خود آسمان سے بنی بنائی گری اور ہوائی جہاز کی طرح اتری ہے۔

۶- گزشتہ زمانہ کے لوگ بھی اس محاورہ کو سمجھتے تھے چنانچہ حضرت قتادہ کی تفسیر کے مطابق مخالفین موسیٰ نے خود کہا تھا:

"اِنْ كَانَ سَاحِرًا فَسَنَغْلِبُهٗ وَاِنْ كَانَ مِنَ السَّمَاءِ فَلَهٗ اَمْرٌ (التفسیر الکبیر جزء ۶ ص۴۷ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی) کہ اگر تو موسیٰ ایک جادوگر ہے تو یقیناً ہم اس پر (جادو کے ذریعہ سے) غالب آجائینگے لیکن اگر وہ آسمان سے ہے تو پھر اسے ہی غلبہ حاصل ہوگا۔"

اس میں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے ہونے کی صورت میں ان کے غالب آنے کا یقین ظاہر کیا ہے کیا ان کا یہ جھگڑا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوئے ہیں یا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں؟ نہیں! وہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہ سچا رسول ہے اور خدا نے اسے بھیجا ہے تو پھر وہی غالب ہوگا، آسمان سے اترنے یا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا جھگڑا نہ تھا۔

۷- عرب لوگ بھی جب کوئی حیران کن عمدہ چیز دیکھتے تو کہتے کہ یہ آسمان سے ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوبصورت جُبّہ جو آپ کو تحفہ میں ملا تھا پہنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو وہ بہت خوش بھی ہوئے اور حیران بھی انہوں نے پوچھا "اُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هٰذِهٖ مِنَ السَّمَاءِ (مسند احمد جزء ۳ ص۲۲۹) کہ یا رسول اللہ! کیا یہ جبہ آپ پر آسمان سے نازل ہوا ہے؟"

۸۔ جب موسیٰ علیہ السلام کا عصا فرعون کے جادوگروں کے خیالی سانپوں اور دیگر لکڑیوں وغیرہ کو نگل گیا۔ "فَعَرَفَتِ السَّحَرَةُ اَنَّ هٰذَا شَيْءٌ مِّنَ السَّمَاءِ" (تفسیر ابن کثیر جزء ۴ صفحہ ۲۳۷) تو اس وقت جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ یہ آسمان سے ہے"۔

۹۔ قرآن مجید کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ (عن ابی سعید الخدری تفسیر الدر المنثور جزء ۲ صفحہ ۶۰) کہ یہ خدا تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکائی گئی ہے"۔ کیا کوئی مانتا ہے کہ قرآن مجید رسی ہے اور کیا وہ آسمان سے لٹک رہا ہے؟

۱۰۔ کیوں نہ ہم اس بزرگ سے فیصلہ طلب کریں جن کی وجہ سے یہ سارا اختلاف پیدا ہو رہا ہے دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں اور کیا فیصلہ دیتے ہیں؟ وہ فرماتے ہیں اور غور سے سنیئے کہ کیا فرماتے ہیں:

"وَلَيْسَ اَحَدٌ صَعِدَ اِلَى السَّمَاءِ اِلَّا الَّذِيْ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ ابْنُ الْاِنْسَانِ الَّذِيْ هُوَ فِي السَّمَاءِ۔ (انجیل یوحنا فصل ۳ آیت ۱۳) یعنی اور کوئی آسمان پر نہیں گیا سوا اس شخص کے جو آسمان پر سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان پر ہے"۔

اس میں تو حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں آسمان سے اترا ہوں اور آسمان ہی میں ہوں پس آسمان سے اترنا اور آسمان میں ہونا ایک انجیلی محاورہ ہے جو صرف روحانی انسان کی بعثت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ جسم کے ساتھ آسمان سے اترنے پر۔

مُردے دنیا میں واپس نہیں آتے

ان تمام دلائل سے یقینی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور قرآن مجید یا حدیث صحیح مرفوع متصل سے کوئی ایک دلیل نہیں ملتی کہ وہ بجسم عنصری زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور یہ بھی مسلّمہ امر ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مر چکا وہ پھر اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا کیونکہ وہ یا تو نیک اور صالح اور بہشتیوں میں سے ہوگا یا وہ کافر، بدکار اور دوزخیوں میں سے ہوگا۔

۱۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ

نَفْسٍ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى (سورہ الزمر آیت ۴۲) کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی روح قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مرتے ان کی روح نیند میں قبض کرتا ہے پس جن لوگوں کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہو ان کی روح کو وہ روک رکھتا ہے اور دوسری روحوں کو اجل مقررہ تک واپس بھیجتا رہتا ہے۔

صاف فرما دیا کہ جن لوگوں کو موت دی جا چکی ہے ان کی روح کو واپس دنیا میں نہیں بھیجا جاتا، ہاں جن لوگوں کی روح سوتے میں قبض کی جاتی ہے وہ واپس بھیج دی جاتی ہے یہ عام قانون ہے۔

۲۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (سورۃ المؤمنون آیت ۹۷ - ۹۸) یعنی جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے، اے میرے رب! مجھے واپس (دنیا میں) لوٹا دیجئے! واپس لوٹا دیجئے! شاید کہ میں ان امور میں جن میں کوتاہی کر چکا ہوں کوئی اچھا عمل کر سکوں، فرمایا: ایسا ہرگز نہ ہوگا!! یہ اس کی ایک بات ہے جسے وہی کہہ رہا ہوگا (اور اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ) ان کے پیچھے ایک بڑی روک ہے اس وقت تک کہ انہیں دوبارہ اٹھایا جائے (قیامت کے دن)"

بَرْزَخ کے کیا معنی المنجد میں لکھے ہیں: "الحاجز بين الشيئين ـ ما بين الدنيا والآخرة من وقت الموت الى البعث - دو چیزوں کے درمیان روک۔ وہ عرصہ جو دنیا اور آخرت کے درمیان موت سے لیکر دوبارہ اٹھنے تک ہوتا ہے"۔

حضرت رازی فرماتے ہیں: "فالبرزخ هو الحاجز والمانع كقوله في البحرين بينهما برزخ لا يبغيان (التفسير الكبير جزء ۶ ص ۲۰۷) کہ برزخ روک اور مانع کو کہتے ہیں"۔ یہ روک کیا ہے، فرماتے ہیں: "هو الموت" کہ وہ موت ہے۔ پھر لکھتے ہیں: وليس المعنى انهم يرجعون يوم البعث انما هو اقناط كلى لما علم انه لا رجعة يوم البعث الا الى الآخرة (ص ۲۰۷) اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ وہ یوم البعث کو واپس دنیا میں آجائینگے بلکہ یہ تو کلی طور پر دنیا میں واپسی سے ناامید کرنے کا اظہار ہے کیونکہ یہ معلوم ہی ہے کہ یوم البعث کو واپسی

صرف آخرت کی طرف ہی ہوگی نہ کہ دنیا کی طرف، (نیز دیکھیئے تفسیر علامہ ابی السعود)

۳۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (سورۃ الانبیاء آیت ۹۵)

امام رازی فرماتے ہیں :

اَلْمَعْنٰی وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَھْلَکْنٰھَا رُجُوْعُھُمْ اِلَی الدُّنْیَا وَھُوَ کَقَوْلِہٖ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَا اِلٰی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ (التفسیر الکبیر جزء ۶ ص ۱۳۴) کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس کے لیے دنیا کی طرف لوٹ کر آنا حرام ہے اور یہ ویسے ہی ہے جیسے کہ دوسری جگہ فرمایا کہ جو مر چکے نہ تو کوئی وصیت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ سکتے ہیں؛

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اِذَا عَایَنَ الْمُؤْمِنُ الْمَلٰئِکَةَ قَالُوْا نَرْجِعُکَ اِلٰی دَارِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اِلٰی دَارِ الْھُمُوْمِ وَالْاَحْزَانِ لَا بَلْ تُقْدِمُوْنَا عَلَی اللّٰہِ وَاَمَّا الْکَافِرُ فَیُقَالُ نَرْجِعُکَ فَیَقُوْلُ ارْجِعُوْنِ...... فَیَقُوْلُ الْجَبَّارُ کَلَّا " (التفسیر الکبیر جزء ۶ ص ۲) یعنی جب مؤمن شخص ملائکہ کو دیکھتا ہے تو ملائکہ اسے کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں واپس دنیا میں لوٹا دیں تو وہ (مومن) کہتا کہ کیا غموم وہموم کی جگہ کی طرف؟! نہیں میں تو اپنے اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں، لیکن جب کافر سے ملائکہ پوچھیں گے کہ کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹا دیں تو وہ بار بار کہیگا کہ لوٹا دو....... خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔" غرض مؤمن شخص تو خود دنیا میں واپس نہیں آنا چاہتا اور کافر وبے ایمان شخص واپس آنا چاہیگا تو خدا تعالیٰ ہرگز اجازت نہیں دیگا کہ وہ واپس دنیا میں لوٹایا جائے، گویا نہ کوئی نیک آدمی دنیا میں واپس آسکتا ہے اور نہ ہی فاجر وفاسق۔

۵۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس اختلاف کا فیصلہ کھلے الفاظ میں دیا گیا ہے۔ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد، عبداللہ شہید ہوگئے تو حضرت جابرؓ کو سخت صدمہ ہوا اور کئی قسم کے فکر انہیں لاحق ہوئے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا : مَا کَلَّمَ اللّٰہُ اَحَدًا قَطُّ اِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَاَحْیَا اَبَاکَ فَکَلَّمَہٗ کِفَاحًا وَقَالَ یَا عَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِکَ قَالَ رَبِّ

تُحْيِيْنِيْ فَاُقْتَلَ فِيْكَ ثَانِيًا قَالَ الرَّبُّ قَدْ سَبَقَ مِنِّيْ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ وابن خزیمہ والطبرانی عن جابر، الدر المنثور جزء ۲ صفحہ ۹۵)، کہ اے جابر!! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ لوگوں سے پردے کے پیچھے سے ہی گفتگو کی ہے، لیکن اس نے تیرے باپ (عبداللہ) کو زندہ کیا اور اس سے آمنے سامنے گفتگو کی ہے اور اس نے تیرے باپ کو فرمایا: اے میرے بندے مجھ سے مانگ میں دوں گا (تیرے باپ نے) جواب دیا: اے میرے رب میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے زندہ کرے تاکہ میں دوبارہ تیری خاطر قتل کیا جاؤں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا فیصلہ ہو چکا ہوا ہے کہ جو لوگ مر جائیں وہ واپس دنیا میں نہیں لوٹا کرتے۔ اس لیے باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا حضرت عبداللہ کی وہ درخواست منظور نہ کی گئی اور انہیں دنیا میں واپس نہ بھیجا گیا۔

یہاں ان لوگوں کے شبہ کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے جو اس خیال میں مبتلا ہیں کہ "نہ لوٹنے" کا قانون صرف ان کفار سے تعلق رکھتا ہے جو کسی عذاب کے نتیجہ میں ہلاک کیے گئے تھے۔

۶۔ ابن ماجہ کتاب الجہاد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد ایک دوسری روایت بھی ہے جس میں ہے کہ تمام شہداء سے بھی ایسا خطاب ہوگا سَلُوْنِيْ مَا شِئْتُمْ جو چاہو مانگو، مگر وہ کچھ نہیں مانگیں گے کہیں گے کہ اے خدا! جو نعمتیں اور راحتیں تو نے ہمیں عطا کی ہیں وہی کافی ہیں، لیکن خدا تعالیٰ انہیں پھر کہیگا کہ مانگو، آخر وہ کہیں گے نَسْئَلُكَ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا اِلَى الدُّنْيَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ۔ کہ ہماری درخواست یہ ہے کہ ہماری ارواح کو ہمارے جسموں میں لوٹا کر پھر ہمیں دنیا میں بھیجا جائے تاکہ تیری راہ میں قتل کئے جائیں۔

کیا ان کی یہ درخواست قبول ہوئی یا ہوگی۔ ہرگز نہیں!

پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ بعض لوگ زندہ کئے گئے اور پھر دنیا میں زندگی بسر کرتے رہے غور کریں کہ کیا ان کا یہ قول اور خیال قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ٹکراتا ہے یا نہیں، ضرور ٹکراتا ہے اس لیے مردود ہے۔

پھر وہ لوگ جو دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجے گئے یا تو وہ بہشتی تھے یا دوزخی! اگر وہ بہشتی تھے تو بہشتی اوّل تو دنیا میں آنا ہی نہیں چاہتے خدا تعالیٰ نے انہیں کیسے مجبور کیا؟ دوم شہداء جو دنیا میں آنا چاہتے ہیں خدا تعالیٰ ان کی اس خواہش کو پورا

نہیں کرتا۔

اور اگر وہ دوزخی تھے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں واپس آئیں مگر خدا تعالیٰ انہیں واپس نہیں آنے دیتا اور باوجود ان کی بار بار عاجزانہ درخواست کے ان کی درخواست کو رد کر دیا جاتا ہے اس لیے کوئی صورت نہیں کہ کوئی شخص اپنی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں واپس آئے جو روایات ایسی پائی جاتی ہیں وہ ضعیف اور جھوٹی ہیں اور چونکہ وہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں اس لیے قابل قبول نہیں۔

۷۔ علامہ احمد الصاوی اپنے حاشیہ الجلالین میں فرماتے ہیں:

"فَالْاَمْوَاتُ لَا تَعُوْدُ اَجْسَامُهُمْ فِي الدُّنْيَا بِاَرْوَاحِهِمْ كَمَا كَانُوْا اَبَدًا وَاِنَّمَا يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ۔ (جزء ۳ ص۱۰۳) کہ جو لوگ مر چکے ان کے جسم روحوں کے ساتھ پہلے کی طرح دنیا میں ہرگز واپس نہیں آ سکتے وہ قیامت کے دن ہی مبعوث ہونگے اس بات میں انبیاء اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق نہیں"۔

۸۔ علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قَدْ قُدِّرَ اَنَّ اَهْلَ كُلِّ قَرْيَةٍ اُهْلِكُوْا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ اِلَى الدُّنْيَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا صَرَّحَ بِهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَاَبُوْ جَعْفَرٍ وَقَتَادَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ۔ (جزء ۳ ص۱۹۴) کہ یہ مقدر کیا جا چکا ہے کہ ہر ایک بستی کے باشندے جو مارے گئے وہ قیامت سے پہلے دنیا کو نہیں لوٹیں گے اسی معنی کی صراحت کی ہے حضرت ابن عباس، حضرت ابو جعفر الباقر، قتادہ اور کئی دوسرے مفسرین نے"۔

۹۔ پھر مختلف آیات کو پیش کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"فَذَكَرَ تَعَالٰى اَنَّهُمْ يَسْاَلُوْنَ الرَّجْعَةَ فَلَا يُجَابُوْنَ عِنْدَ الْاِحْتِضَارِ وَيَوْمَ النُّشُوْرِ وَوَقْتَ الْعَرْضِ عَلَى الْجَبَّارِ وَحِيْنَ يُعْرَضُوْنَ عَلَى النَّارِ وَهُمْ فِيْ غَمَرَاتِ عَذَابِ الْجَحِيْمِ۔ (جزء ۳ ص۲۵۵) کہ کافر لوگ دوبارہ مبعوث ہونے کے دن، خدائے تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے وقت، دوزخ کے سامنے لے جائے جانے کے وقت اور دوزخ کی مصیبتوں میں پڑے ہونیکے وقت بار بار درخواست کرینگے کہ انھیں واپس دنیا میں بھیجا جائے لیکن ان کی یہ بار بار کی درخواست [illegible]

(قریباً یہی عبارت تفسیر اضواء القرآن للشیخ محمد امین بن محمد المختار الشنقیطی جزء ۵ ص۵۲۱ پر پائی جاتی ہے)

۱۰۔ کہا جا سکتا ہے کہ قبروں میں لوگ زندہ ہو جاتے ہیں اور شہداء کی زندگی مسلّم ہے پھر یہ خیال کرنا کہ انسان دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آتا، کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

۱۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کہنا سراسر غلط ہے کیونکہ مرنے کے بعد جو زندگی ملتی ہے اسے علماء برزخی زندگی کہتے ہیں اور اس زندگی کو دنیوی زندگی کی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ علامہ احمد الصاوی المالکی فرماتے ہیں:

"هٰذِهِ الْحَيَاةُ لَيْسَتْ كَحَيَاةِ الدُّنْيَا (حاشیہ الجلالین جزء ۱ ص۱۶۸) کہ یہ زندگی عام زندگی کی طرح نہیں ہوتی۔"

۲۔ علامہ الحوت البیروتی اپنی کتاب اَسْنَی الْمَطَالِب ص۲۹۱ پر فرماتے ہیں:

"اَمَّا الْحَيَاةُ التَّامَّةُ الدُّنْيَوِيَّةُ فَلَا تَكُوْنُ فِي الْبَرْزَخِ لِاَحَدٍ کہ دنیا والی پوری زندگی برزخ میں کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔"

۳۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ موت کے بعد انسان زندہ ہوتا ہے، لیکن اس کی وہ زندگی کیسی ہوتی ہے فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ قَوْلُهُ علیہ الصلوٰۃ والسلام اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يُنْقَلُوْنَ من دارٍ الی دارٍ ------ وَبَدِيْهَةُ الْعَقْلِ وَالْفِطْرَةُ شَاهِدَانِ بِاَنَّ هٰذَا الْجَسَدَ مَيِّتٌ" (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۴۳۷) کہ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انبیاء مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں ------ حالانکہ عقل اور فطرت بالبداہت گواہی دیتی ہیں کہ جسم مرا ہوا ہوتا ہے۔" (نیز الجامع الصغیر جزء ۱ ص۱۲۴)

۴۔ وہ لوگ جو خیال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات یا رویت، عام رویت کی طرح نہیں ہوتی ہے حضرت ابن العربی لکھتے ہیں:

"لٰكِنَّمَا بِهٖ لَيْسَتْ كَالرُّؤْيَةِ الْمُتَعَارِفَةِ وَاِنَّمَا هِيَ جَمْعِيَّةٌ حَالِيَّةٌ وَحَالَةٌ بَرْزَخِيَّةٌ" وَاَمْرٌ وِجْدَانِيٌّ" (الفتاوی لحد یثیہ ص۲۵۶ مطلب الانبیاء

أَذِنَ لَكُمْ) کہ یہ کہنا کہ اسی آنکھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جاتا ہے اس سے مراد عام رویت نہیں بلکہ یہ ایک حال کی کیفیت ہے اور برزخی حالت ہے اور وجدانی ہے نہ احساسی۔

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ ولی ہو یا نبی، مرجائے تو مرنے کے بعد وہ اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آتا وہ اگر اٹھیگا تو اٹھکر محشر کی طرف جائیگا نہ کہ اس دنیا کی طرف، یہاں زندگی گزارنے آئیگا۔

اور اس مسئلہ کو تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بڑی قدرت کا مالک ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور دوبارہ معبوث فرما سکتا ہے۔ (القول الصحیح، جنۃ المؤمنین وغیرہ)

ہمارے جواب کا خلاصہ یوں سمجھ لیجئے کہ

۱۔ ایسا ہونا شرعاً ممکن نہیں کیونکہ یہ خیال قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

۲۔ خدائے تعالیٰ نے کہیں نہیں فرمایا کہ میں قدرت رکھتا ہوں اور اپنی قدرت سے عیسیٰؑ کو دوبار زندہ کرکے اسے دنیا میں بھیجوں گا۔

۳۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ہم سب کو اسی جسم کے ساتھ آسمانوں پر لے جا سکتا اور زندہ رکھ سکتا ہے مگر ایسا ہونا نہیں حالانکہ ہم سب اسے قادرِ مطلق مانتے ہیں۔

۴۔ اگر خدائے تعالیٰ نے کسی کو دوبارہ زندہ کرنا ہی ہے تو سیّد الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ زندہ کرکے بھیجا جائے، کیونکہ آپ ہر لحاظ سے تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

۵۔ ہم سب خدا تعالیٰ کو قادر مطلق مانتے ہیں تو پھر یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ خدائے تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام جیسا اور مسیح بھی پیدا کر سکتا ہے اور امت محمدیہؐ کے کسی فرد کو اُمتی نبوت سے نواز سکتا ہے، امتی نبی آنے میں کیا روک ہے؟ آخر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی تو "امتی نبی" کی صورت میں نازل ہونے والا سمجھا جاتا ہے۔

۶۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق تو تھا مگر اس نے یہودیوں کے ہاتھ سے عیسیٰ علیہ السلام کو نجات دیکر زمین پر ہی ان کے سامنے زندہ کیوں نہ رکھا، ذرا سوچیں تو!!

نزولِ عیسیٰ متشابہات میں سے ہے

اب ہم ایک اہم موڑ پر پہنچ چکے ہیں اور ضرورت ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے "نزولِ مسیح" کی پیشگوئی پر سوچ و بچار کریں۔

جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دیگر انبیاء کی طرح طبعی موت کے ساتھ اس عالم فانی سے دیر ہوگئی گزر چکے ہیں اور جو ایک دفعہ موت کا مزا چکھ کر گزر گیا اس کے لیے اسی جسم کے ساتھ واپس دنیا میں آکر عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنا شرعاً محال ہے تو "نزول مسیح" کے متعلق دو خیالوں میں سے ہمیں یقیناً ایک کو اختیار کرنا ہوگا۔

اوّل: یہ کہ ہم یہ مان لیں کہ یہ پیشگوئی بے بنیاد اور باطل ہے۔ کوئی مسیح موعود آنے کا نہیں ہے۔

دوم: ہم یہ کہیں کہ نزول مسیح کی پیشگوئی کو بے بنیاد قرار دینا اور اسے جھوٹا ٹھہرانا خود موجب کفر ہے۔ کیونکہ یہ خبر احادیث متواترہ سے ثابت ہے اگر بالفرض ہم ایسا کرنا شروع کردیں تو عقائد کے متعلق امان اُٹھ جائیگا۔ اور ایمان کی بنیادیں ہل جائینگی۔ پس اس پیشگوئی کا جو تواتر معنوی سے ثابت ہے انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

احتیاط اور درحقیقت سلامتی کا راستہ یہی دوسرا راستہ ہے کیونکہ اس سے ہم پر کسی متواترات سے ثابت شدہ امر کو ردّ کرنے کا الزام نہیں آسکتا۔

پھر اس صورت میں "نزول مسیح" کا حل کیا ہوگا؟

۱۔ "نزول مسیح" کی پیشگوئی اشراطِ ساعۃ میں سے ایک ہے اور مُتشابہات میں سے ہے۔ علامہ الخازن اپنی تفسیر میں زیر آیت وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ متشابہات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قِيلَ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ لِلْقُرْآنِ تَأْوِيلٌ اِسْتَأْثَرَ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ وَلَمْ يُطْلِعْ عَلَيْهِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ كَعِلْمِ قِيَامِ السَّاعَةِ وَوَقْتِ طُلُوعِ الشَّمْسِ

مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَنُزُوْلِ عِيْسٰى ابْنِ مَرْيَمَ وَعِلْمِ الْحُرُوْفِ الْمُقَطَّعَةِ وَاَشْبَاهِ ذٰلِكَ مِمَّا اسْتَاْثَرَ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ فَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَحَقَائِقُ عُلُوْمِهٖ مُفَوَّضَةٌ اِلَى اللّٰهِ وَهٰذَا قَوْلُ اَكْثَرِ الْمُفَسِّرِيْنَ وَهُوَ مَذْهَبُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ فِىْ رِوَايَةٍ عَنْهُ وَاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَعَائِشَةَ وَاَكْثَرِ التَّابِعِيْنَ (تفسیر الخازن جزء ۱ صفحہ طبع مصری)

کہ کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات متشابہات کے ایسے معنی ہوں جو اللہ تعالیٰ کے علم سے ہی مخصوص ہوں اور اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو ان معنوں سے مطلع نہ کیا ہو جیسے کہ قیام ساعت کا علم، طلوع شمس من المغرب کا وقت، خروج دجال، نزول عیسی بن مریم اور حروف مقطعات کا علم اور اس جیسے دیگر امور پس ایسے امور پر ایمان لانا تو ضروری ہے اور ان کی حقائق کا علم خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے، یہی قول اکثر مفسرین کا ہے اور یہی مذہب ہے ابن مسعود کا اور ایک روایت کے مطابق ابن عباس کا، ابی بن کعب کا، عائشہ رضی اللہ عنہا کا اور اکثر تابعین کا۔"

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی المفسر (متوفی ۶۷۱ھ) اپنی کتاب "التَّذْكَارُ فِىْ اَفْضَلِ الْاَذْكَارِ، القرآن الحکیم" کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں:

"وَالْمُتَشَابِهُ مَالَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ اِلٰى عِلْمِهٖ سَبِيْلٌ مِمَّا اسْتَاْثَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِعِلْمِهٖ دُوْنَ خَلْقِهٖ قَالَ بَعْضُهُمْ وَذٰلِكَ مِثْلُ وَقْتِ قِيَامِ السَّاعَةِ وَخُرُوْجِ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ وَالدَّجَّالِ وَنُزُوْلِ عِيسٰى بْنِ مَرْيَمَ الخ"

"کہ متشابہ وہ ہے جس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم سے مخصوص کر رکھا ہو، بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس کی مثال ہے قیام ساعت کا وقت، یاجوج و ماجوج کا خروج دجال اور نزول عیسی بن مریم۔"

۳۔ علامہ رشید رضا صاحب سابق مفتی مصر فرماتے ہیں:-

"وَذَهَبَ جُمْهُوْرٌ عَظِيْمٌ مِنْهُمْ اِلٰى اَنَّهٗ لَا مُتَشَابِهَ فِى الْقُرْاٰنِ اِلَّا اَخْبَارُ الْغَيْبِ۔ (تفسیر القرآن الحکیم جزء ۳ صفحہ ۱۶۶) کہ مفسرین علماء سلف میں سے بھاری اکثریت اس خیال کی ہے کہ قرآن کریم میں کوئی متشابہ نہیں سوائے اخبار غیبیہ کے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ علماء کرام نے یہ تسلیم کیا ہے کہ نزول عیسیٰ، خروج دجال اور یاجوج و ماجوج وغیرہ امورِ مستقبلہ (غیبیہ) متشابہات میں سے ہے لہٰذا ان کی اصل حقیقت کہ کس طرح ان کا ظہور ہوگا خدا کے سپرد کرنا چاہیئے۔

۴۔ علامہ ابو المعالی السلمی الشافعی اپنی کتاب غایۃ الامانی جزء ا صفحہ ۴۱۶ پر لکھتے ہیں کہ امام مالک الصغیر یعنی علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابی زید القیروانی نے اپنے مشہور رسالہ میں لکھا ہے:

"وَبِمَا ثَبَتَ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَنُزُوْلِ عِيْسٰى عليه السلام حَكَمًا عَدْلًا وَقَتْلِهِ الدَّجَّالَ وَبِالْاٰيَاتِ الَّتِيْ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مِنْ طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَخُرُوْجِ الدَّابَّةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا صَحَّتْ بِهِ الرِّوَايَاتُ وَنُصَدِّقُ بِمَا جَاءَنَا عَنِ اللهِ فِيْ كِتَابِهٖ وَثَبَتَ عَنْ رَسُوْلِهٖ وَاَخْبَارِهٖ فَوَجَبَ الْعَمَلُ بِمُحْكَمِهٖ وَنُؤْمِنُ بِمُشْكِلِهٖ وَمُتَشَابِهِهٖ وَنَكِلُ مَا غَابَ عَنَّا مِنْ حَقِيْقَةِ تَفْسِيْرِهٖ اِلَى اللهِ تَعَالٰى۔"

کہ ہم ایمان لاتے ہیں ان امور پر جو ثابت ہیں یعنی خروج دجال، عیسیٰ علیہ السلام کا حکم وعدل ہو کر نازل ہونا، اس کا دجال کو قتل کرنا اور ان نشانات پر بھی ایمان لاتے ہیں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہونگے مثلاً طلوع شمس من المغرب اور خروج دابہ وغیرہ جن کی خبر صحیح روایات میں ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں تمام ان باتوں کی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی کتاب میں نازل ہوئیں اور اس کے رسول اور اس کی خبروں سے ثابت ہیں۔ پس ان میں سے محکم پر عمل کرنا ضروری ہے اور جو باتیں اس میں مشکل اور متشابہ ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں اور جو باتیں ہم سے غائب ہیں ہم ان کی اصلی تفسیر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔"

۵۔ علامہ شیخ قاسم بن قطلوبغا اپنے حاشیہ مسامرہ میں لکھتے ہیں:

"وَقَالَ سَلَفُنَا فِيْ جُمْلَةِ الْمُتَشَابِهِ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنُفَوِّضُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَى اللهِ تَعَالٰى۔" (جزء ا صفحہ ۳۱)۔

"کہ ہمارے پہلے بزرگوں نے متشابہ کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں اور اس کی تفسیر (حقیقۃ) کو خدا کے حوالے کردیں۔"

پس امام خازن، علامہ القرطبی، علامہ ابو المعالی السلمی اور شیخ قاسم وغیرہ نے وضاحت فرمائی کہ متشابہ امور پر ایمان لانا تو ضروری ہے مگر اس کی حقیقت کو خدائے علیم و خبیر کے سپرد کرنا چاہیئے۔

۶۔ مولانا ابو الکلام آزاد صاحب اپنی تفسیر (ترجمان القرآن جزء ا ص۲۸) پر فرماتے ہیں:۔

"متشابہ سے مقصود وہ مطالب ہیں جن کا تعلق ماوراء عقل حقائق سے ہے اور انسان علم و حواس کے ذریعہ ان کا ادراک نہیں کر سکتا"

پھر لکھتے ہیں:۔

"پس ناگزیر طور پر ان کا بیان ایسے پیرایہ میں ہوتا ہے کہ فہم انسانی کے لیے ناقابل برداشت نہ ہو اور اسی لیے تشبیہ و مجاز سے خالی نہیں ہوتا"

پس احادیث میں ابن مریم کا نزول بطور مجاز اور استعارہ سمجھنا ضروری ہوا۔

۷۔ پھر علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المفسر اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں المتشابہات کی بابت لکھتے ہیں:

"لَهُنَّ تَصْرِيْفٌ وَتَحْرِيْفٌ وَتَاوِيْلٌ ابْتَلَى اللّٰهُ فِيْهِنَّ الْعِبَادَ"

کہ متشابہات میں تصریف، تحریف اور تاویل بھی ہوتی ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کرتا ہے"

(نیز دیکھیے تفسیر القرآن الحکیم جزء ۳ ص۱۶۵)

۸۔ مولوی مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"مسیح علیہ السلام کے رفع کا مسئلہ متشابہات میں سے ہے (اخبار کوثر ۱۲ فروری ۱۹۵۱ء) جب رفع متشابہات میں سے ہے جو اصل ہے تو نزول تو بالاولیٰ متشابہات میں سے ماننا پڑیگا اور جس طرح اس متشابہ امر کا خدا کی طرف سے ظہور ہو اسے قبول کرنا چاہیئے نہ کہ واقعہ شدہ حقیقت کی مخالفت۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا: ۱۔ کہ "نزول عیسیٰ" کی خبر متشابہات سے ہے۔

۲۔ اس لیے اُن کی تفسیر کو ہمیں حوالہ بخدا کرنا چاہیئے۔

۳۔ متشابہات کی تاویل و حقیقت کو خدا ہی جانتا ہے۔

۴۔ ان میں تشبیہ اور مجاز بھی پایا جاتا ہے۔

اس پیشگوئی کا ظہور اور وقوع

۱۔ علامہ شیخ رشید رضا سابق مفتی مصر نے ایک اور نکتہ بھی بیان فرمایا ہے اور وہ بڑا قابل قدر نکتہ ہے لکھتے ہیں:

"اِنَّ نُبُوَّةَ الْاَخْبَارِ عَنِ الْاُمُوْرِ الْمُسْتَقْبِلَةِ وَهِيَ الَّتِيْ يَسْتَدِلُّوْنَ بِهَا عَلٰى كَوْنِهِمْ مُخْبِرِيْنَ عَنِ اللهِ تَعَالٰى كَانَتْ اَحْيَانًا كَثِيْرَةً بِدُوْنِ تَمْيِيْزِ اَزْمِنَتِهَا وَلَا حَوَادِثِهَا فَكَانَ بَعْضُهَا يَخْتَلِطُ بِبَعْضٍ فَلَا يَكَادُ يَظْهَرُ الْمُرَادُ مِنْهَا اِلَّا بَعْدَ حَمْلِهَا عَلٰى شَيْئٍ وَاضِحٍ بَعْدَ وُقُوْعِهٖ" (الوحی المحمدی ص۱۴ طبع اوّل)

کہ وہ نبوت جو امور مستقبلہ (آئندہ) کی خبریں دیتی ہے اور وہ وہ ہوتی ہیں جن کے ذریعہ انبیاء دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ واقعی خدائے تعالیٰ کی طرف سے خبریں پہچانے والے ہیں وہ اکثر اوقات ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں زمانہ اور واقعات کی کوئی تمیز نہیں ہوتی اور اس طرح وہ امور ایک دوسرے سے مل جُل جاتے ہیں، سو ان کی اصل مراد کا پتہ نہیں چلتا مگر اس وقت کہ اُن کے وقوع کے بعد کسی واضح چیز پر ان کو چسپاں کیا جائے۔"

گو شیخ مذکور اس جگہ انبیاء اسرائیل کی پیشگوئیوں کا ذکر کر رہے ہیں لیکن آخر وہ نبی تو سچے ہیں، شیخ موصوف فرما رہے ہیں کہ ان انبیاء کی پیشگوئیوں کی حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی تھی جب وہ واقع ہو جاتیں اس سے پہلے ان کے صحیح مطلب و مراد کا پتہ چلانا مشکل تھا۔

۲۔ شیخ الحاج عبدالکریم امراللہ صاحب نے اپنی کتاب (القول الصحیح ص۲۲۳) میں پیشگوئیوں کی خصوصاً نزول مسیح کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وہ خبریں (پیشگوئیاں) جو حوادثِ آیندہ (آنیوالے واقعات) سے ہی تعلق رکھتی ہیں ان کے وقوع سے قبل ان کے اصل مطلب و مراد کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" (نیز دیکھئے ص۲۱ و ص۲۲۴)

۳۔ شیخ محمد طاہر جلال الدین صاحب سابق مفتی ریاست PERAK (ملیشیا)

اپنی کتاب جُنَّةُ الْمُؤْمِنِيْن "PERISAI ORANG BERIMAN" صت۴۷ پر لکھتے ہیں کہ نزول مسیح کے بارے میں ایک مسلمان کے لیے" زیادہ بہتر راہ یہی ہے کہ وہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالکل سچا ہے اور جو اس کی حقیقی مراد ہے اسی طرح ظہور میں آئیگا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضور کے اس ارشاد کی اصل حقیقت کیا ہے"۔

ان حوالجات سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ انبیاء کی پیشگوئیوں اور امور غیبیہ کی اصل حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ واقع ہو جائیں ان کے وقوع سے قبل یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ انکا ظہور کیسے وقوع میں آئیگا اور "نزول مسیح" کی پیشگوئی کے متعلق علماء نے یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

۴۔ اور سنیئے، علامہ رشید رضا اپنی تفسیر القرآن الحکیم جزء ۳ صت۳۱۷ پر لکھتے ہیں کہ شیخ محمد عبدہ جنہیں الاستاذ الامام کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا "نزول مسیح" کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

" فَزَمَانُ عِيْسٰى عَلٰى هٰذَا التَّاوِيْلِ هُوَ الزَّمَانُ الَّذِيْ يَأْخُذُ النَّاسُ فِيْهِ رُوْحَ الدِّيْنِ وَالشَّرِيْعَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ لِاِصْلَاحِ السَّرَائِرِ مِنْ غَيْرِ تَقَيُّدٍ بِالرُّسُوْمِ وَالظَّوَاهِرِ هٰذَا مَا قَالَهُ الاستاذ الْاِمَامُ فِي الدَّرْسِ مَعَ بَسْطٍ وَ اِيْضَاحٍ "۔

" کہ اس تفسیر کے مطابق جو بیان کی گئی ہے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ (نزولِ عیسیٰ) سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں لوگ روحِ دین کو حاصل کریں گے اور شریعۃ اسلامیہ کے پابند ہونگے تاکہ دلوں کی اصلاح کریں اور صرف ظاہری باتوں اور رسوم میں قید نہ رہیں۔ یہ وہ بات ہے جو استاذ امام (شیخ محمد عبدہ صاحب) نے اپنے درس میں بڑے بسط و وضاحت سے بیان کی "۔

گویا وہ اس "نزول مسیح" کی پیشگوئی کی تاویل فرمایا کرتے تھے!! ان کے اس تاویل کے پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کو اس کے ظاہری الفاظ پر محمول کرنا ضروری نہیں ہے اور ہرگز ضروری نہیں!!

۵۔ شیخ الحاج عبدالکریم امر اللہ صاحب جو انڈونیشیا کے مشہور اور مسلمہ عالم ہیں گو "نزول مسیح" کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ پیشگوئی متشابہات میں سے ہے اور وقوع کے بعد ہی

معلوم ہوگا کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ پھر بھی وہ اس کی تاویل کی کوشش کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک اس پیشگوئی کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ "وہ علماء جو سچ بولیں، صاف اور سیدھی روش اختیار کریں اور ظاہری اور باطنی طور پر قرآن کریم اور حدیث نبی کی پیروی کریں، انہیں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بطور عیسی المسیح بیان فرمایا ہے۔" (القول الصحیح ص ۲۰۵ طبع اول)

غور فرمائیں کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ نزول ابن مریم سے مراد ان علماء کا وجود ہے جو مندرجہ بالا صفات اپنے اندر رکھتے ہونگے ہاں صرف ایک بڑا شبہ اس تاویل کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے کہ احادیث نبویہ میں تو ایک عیسی المسیح اما مکم منکم کے آنیکی خبر دی گئی تھی اور اس تاویل سے تو کئی عیسی المسیح ظاہر ہونیکا خیال ابھرتا نظر آتا ہے پس یہ تاویل قابل اصلاح ہے اور حدیث کے ظاہری الفاظ و اما مکم منکم سے پوری مطابقت نہیں رکھتی۔

۶۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ" (تفسیر ابن عربی زیر آیۃ وان من اھل الکتاب) کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول آخری زمانہ میں ایک دوسرے بدن (وجود) کے ساتھ ضروری ہے"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام خود اصالتاً تشریف نہیں لائیں گے بلکہ ان کا کوئی مثیل آئیگا، ان کے نزدیک "نزول عیسی" کا یہی مطلب ہے اور یہ خیال حضرت ابن عربی رحمہ اللہ ہی کا نہیں بلکہ اس میں دوسرے کئی لوگ بھی ان کے ساتھ ہیں، چنانچہ امام سراج الدین ابن الوردی نے مسیح کے اصالتاً نزول کی تصدیق کے بعد ایک دوسرے گروہ کا عقیدہ یوں تحریر کیا ہے۔

" قَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِیْسٰی خُرُوْجُ رَجُلٍ یُشْبِهُ عِیْسٰی فِی الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا یُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَیْرِ مَلَكٌ وَلِلشِّرِّیْرِ شَیْطَانٌ تَشْبِیْهًا بِهِمَا وَلَا یُرَادُ الْاَعْیَانُ - (خریدۃ العجائب و فریدۃ الرغائب ص ۲۱۴ مطبوعہ التقویم العلمی مصر) کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے نزول عیسی سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسی علیہ السلام کے مشابہ ہوگا جیسے تشبیہ دینے کے لیے نیک آدمی کو فرشتہ

معلوم ہوگا کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے ۔ پھر بھی وہ اس کی تاویل کی کوشش کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک اس پیشگوئی کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ " وہ علماء جو سچ بولیں، صاف اور سیدھی روش اختیار کریں اور ظاہری اور باطنی طور پر قرآن کریم اور حدیث نبی کی پیروی کریں، انہیں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بطور عیسی المسیح بیان فرمایا ہے"۔ (القول الصحیح صفحہ ۲۰۵ طبع اول)

غور فرمائیں کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ نزول ابن مریم سے مراد ان علماء کا وجود ہے جو مندرجہ بالا صفات اپنے اندر رکھتے ہونگے ہاں صرف ایک بڑا شبہ اس تاویل کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے کہ احادیث نبویہ میں تو ایک عیسی المسیح امام منکم کے آنیکی خبر دی گئی تھی اور اس تاویل سے توکئی عیسی المسیح ظاہر ہونیکا خیال ابھرتا نظر آتا ہے پس یہ تاویل قابل اصلاح ہے اور حدیث کے ظاہری الفاظ و امامکم منکم سے پوری مطابقت نہیں رکھتی ۔

۶ ۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں :

وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ۔ (تفسیر ابن عربی زیر آیۃ وان من اھل الکتاب) کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول آخری زمانہ میں ایک دوسرے بدن (وجود) کے ساتھ ضروری ہے "

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام خود اصالتاً تشریف نہیں لائیں گے بلکہ ان کا کوئی مثیل آئیگا، ان کے نزدیک " نزول عیسی " کا یہی مطلب ہے اور یہ خیال حضرت ابن عربی رحمہ اللہ ہی کا نہیں بلکہ اس میں دوسرے کئی لوگ بھی ان کے ساتھ ہیں، چنانچہ امام سراج الدین ابن الوردی نے مسیح کے اصالتاً نزول کی تصدیق کے بعد ایک دوسرے گروہ کا عقیدہ یوں تحریر کیا ہے ۔

" قَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِیْسٰی خُرُوْجُ رَجُلٍ یُشْبِہُ عِیْسٰی فِی الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ کَمَا یُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَیْرِ مَلَكٌ وَلِلشِّرِّیْرِ شَیْطَانٌ تَشْبِیْهًا بِهِمَا وَلَا یُرَادُ الْاَعْیَانُ ۔ (خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ التقویم العلمی مصر) کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے نزول عیسی سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسی علیہ السلام کے مشابہ ہوگا جیسے تشبیہ دینے کے لیے نیک آدمی کو فرشتہ

اور شریر کو شیطان کہتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی"۔

پس علماء میں سے ایک گروہ کا یہ بھی مذہب رہا ہے کہ عیسیٰ سے مراد مثیل عیسیٰ ہے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہوگا نہ کہ خود عیسیٰ علیہ السلام۔

۷۔ ایک اور گروہ کا یہ خیال ہے کہ مہدی موعود عیسیٰ علیہ السلام ہونگے، جن کے نزول کا وعدہ احادیث میں دیا گیا ہے۔ حجج الکرامہ ص۳۸۷ میں ہے:

"حافظ ابن القیم در منار فرمودہ کہ مردم در مہدی بر چہار قول مختلف اند یکے آنکہ مہدی مسیح بن مریم است و در حقیقت مہدی اوست"

"کہ لوگ مہدی کے متعلق چار خیال رکھتے ہیں ایک یہ کہ مہدی مسیح بن مریم ہوگا اور در حقیقت وہی مہدی ہوگا"

اس طرح وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ مہدی اور مسیح دو افراد نہیں ہونگے بلکہ مہدی اور مسیح ایک ہی فرد کی دو حیثیتیں ہونگی۔

صوفیاء کرام نے اس بات کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔

"بعضے برآنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث لَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسٰی بن مریم"
(اقتباس الانوار تصنیف شیخ محمد اکرم صاحب صابری ص۵۲)

"یعنی بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ کی روحانیت مہدی میں ظہور کرے گی اور حدیث میں لفظ نزول سے مراد یہ بروز ہی ہے اس حدیث کے مطابق کہ نہیں ہے مہدی مگر عیسیٰ بن مریم"

علامہ میبذی نے بھی شرح دیوان میں لکھا ہے:

"روح عیسیٰ علیہ السلام در مہدی علیہ السلام بروز کند و نزول عیسیٰ ایں بروز است" (غایۃ المقصود ص۲۱)

"یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت مہدی علیہ السلام میں ظہور پذیر ہوگی اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے مراد یہی ان کا بروز ہے"

مہدی ہی مسیح موعود ہوگا

یہ مختلف خیالات اور عقائد ہیں جو مسلمانوں کے درمیان نزول مسیح کے بارے میں پائے جاتے ہیں اور ہر ایک نے

اپنے عقیدہ کی بنیاد کسی دلیل پر ہی رکھی ہے۔ آیئے ہم بھی غور کریں کہ کون سا عقیدہ یا خیال زیادہ واضح اور صحیح ہے اور قرآن وحدیث سے کس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اوّل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے: لَا الْمَهْدِيُّ اِلَّا عِيْسٰى (ابن ماجہ باب شدۃ الزمان) کہ مہدی ہی عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا مصداق ہے۔

یہ ارشاد نہایت ہی واضح ہے اور قابل غور ہے کیونکہ اس سے بہت سی باتیں واضح ہوجاتی ہیں اور کئی شکوک رفع ہو جاتے ہیں، جیسے کہ آپ عنقریب ہی معلوم کریں گے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی محمد بن خالد الجندی مجہول ہے، یقیناً نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ثقہ ہے یا نہیں، اس لیے اس کی روایت بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معین، جرح وتعدیل کے مانے ہوئے امام ہیں۔ وہ محمد بن خالد الجندی کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں: اِنَّهٗ ثِقَةٌ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۷) کہ وہ ثقہ اور معتبر آدمی ہیں"۔

پھر بر روایت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے محمد بن خالد سے اخذ کی ہے جو بڑے پائے کے آدمی اور مسلمہ امام اور مجتہد ہیں اور یہ مشہور قاعدہ ہے۔ "رِوَايَةُ الْعَدْلِ تَعْدِيْلٌ لَهٗ مَالَمْ يُعْلَمْ فِيْهِ جَرْحٌ (زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۲۳۲) کہ اگر کوئی راوی کسی شخص سے روایت لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس شخص کو عادل (ثقہ) قرار دیتا ہے جب تک کہ کوئی اور قابل جرح امر اس میں نہ ہو"۔ پس یہ کہنا کہ محمد بن خالد مجہول الحال ہے اس قاعدہ کی رو سے ردّ ہو جاتا ہے۔

دوم۔ ایک اور حدیث، اس حدیث کو قوت دے رہی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "امام مہدی" قرار دیا ہے فرمایا:

يُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يَّلْقٰى عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَهْدِيًّا حَكَمًا عَدْلًا (مسند احمد بن حنبل جزء ۲ صفحہ ۴۱۱) کہ تم میں سے جو زندہ رہیگا قریب ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرے درآنحالیکہ وہ امام مہدی اور حکم وعدل ہوگا"

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ امام مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہوگا اور اس کے مختلف کاموں کے لحاظ سے اس کے دو نام ہونگے۔

سوم: صحیح بخاری میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور وہ تمہارا امام ہوگا تمہی میں سے۔"

صحیح مسلم میں ایک حدیث نبوی بالمعنی ان الفاظ میں درج ہے۔

"كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا وہ تمہارا امام ہوگا تمہی میں سے۔"

اس حدیث مسلم نے بخاری کی روایت کے معنی کی تعیین کردی اور بتا دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود امام ہونگے۔ قَالَ ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ تَدْرِيْ مَا اَمَّكُمْ مِنْكُمْ قُلْتُ تُخْبِرُنِيْ قَالَ فَاَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی ابن ابی ذئب نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ ہونے کے کیا معنی ہیں؟ میں نے کہا: آپ ہی بتائیں!! تو انہوں نے کہا کہ مسیح تمہارے رب کی کتاب (قرآن مجید) اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق تمہاری امامت کرینگے۔"

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بخاری کی روایت میں جملہ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود امام نہیں ہونگے بلکہ مہدی جو دوسرا شخص ہے امت میں سے امام ہوگا۔

حدیث مسلم اور ابن ابی ذئب کی بیان کردہ تفسیر اس مطلب کی تردید کے لیے کافی ہیں حدیث مسلم عیسیٰ موعود کو ہی فامکم منکم قرار دیتی ہے۔ پس امام مہدی ہی عیسیٰ موعود ہوا، پھر اگر یہ کہا جائے کہ جملہ وامامکم منکم مسیح علیہ السلام سے تعلق نہیں رکھتا تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ مسیح علیہ السلام امام نہیں ہونگے حالانکہ یہ کہنا حدیث مسلم اور حدیث مسند احمد کے بالکل خلاف ہوگا، مسلم میں اسے امامکم منکم اور مسند احمد میں اسے اماماً مهدیا قرار دیا گیا۔ پس مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔

ممکن ہے کہا جائے کہ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ میں جس امامت کا ذکر ہے وہ امامت عظمیٰ نہیں بلکہ امامتِ صلوٰۃ ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آئیگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز کی امامت کرانے کے مجاز نہیں ہونگے، حالانکہ دوسری احادیث سے نماز میں بھی ان کی امامت ثابت ہے پہلے امام سعد الدین تفتازانی کا فتویٰ سن لیں وہ لکھتے ہیں:

"ثُمَّ الْاَصَحُّ اَنَّهٗ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ وَیَؤُمُّهُمْ وَیَقْتَدِیْ بِهِ الْمَهْدِیُّ لِاَنَّهٗ اَفْضَلُ فَاِمَامَتُهٗ اَوْلٰی" (شرح العقائد النسفیہ ص۱۳۵) یعنی زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ (عیسیٰؑ) لوگوں کو نماز پڑھائیگا، ان کی امامت کرائیگا اور مہدی اس کی اقتداء کریگا کیونکہ وہ افضل ہے اور اس کی امامت زیادہ مناسب ہے"

پھر حدیث مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

"فَبَيْنَمَا هُمْ يُعِدُّوْنَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ اِذْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَاَمَّهُمْ" (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۶۶ کتاب الفتن) کہ جب مسلمان لڑائی کے لیے تیاری کر رہے ہونگے اور صفوں کو سیدھا کیا جا رہا ہوگا تو اچانک نماز کھڑی کی جائیگی پس عیسیٰ بن مریم نازل ہوگا اور وہ ان کا امام بنے گا" (نیز ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جزء ۱ ص۵۷۹)

پس حدیث بخاری اور مسلم سے بھی عیاں ہے کہ عیسیٰ اور امام مہدی علیحدہ علیحدہ نہیں ہونگے۔

چہارم۔ علامہ عمر الطیبی کہتے ہیں:

"اِنَّ هُنَاكَ فَرِيْقًا كَبِيْرًا مِنْ كِبَارِ رِجَالِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ يَقُوْلُوْنَ لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى"۔ (جریدہ الف باء العدد ۳۴۹۹) کہ اہل السنت والجماعت کے بڑے بڑے لوگوں میں سے ایک بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مہدی اور عیسیٰ ایک ہی وجود ہے۔

پنجم۔ صرف اہل السنت والجماعت کا ایک بڑا طبقہ ہی نہیں شیعہ لوگ بھی مانتے ہیں کہ جب امام مہدی تشریف لائیں گے تو وہ علی الاعلان کہینگے:

"يَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى عِيْسٰى وَشَمْعُوْنَ فَهَا اَنَا ذَا عِيْسٰى وَشَمْعُوْنَ" (کتاب بحار الانوار جزء ۱۳ ص۲۰۲) کہ اے لوگو! سنو! جو شخص عیسیٰ اور شمعون کو دیکھنا چاہتا ہے پس دیکھو کہ میں وہی عیسیٰ اور شمعون ہوں"

پھر اسی کتاب میں حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت حضرت امام مہدی کے بارے میں یوں درج ہے "اَشْبَهُ النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ" کہ یہ مہدی سب لوگوں سے بڑھکر عیسیٰ بن مریم کے مشابہ ہوگا"

کیسی صاف بات ہے؛

ششم۔ صوفیاء کرام نے حدیث لَا الْمَھْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی کے معنے یوں بیان کئے ہیں:

لَا یَکُوْنُ مَھْدِیٌّ اِلَّا الْمَھْدِیُّ الَّذِیْ نِسْبَتُہٗ اِلَی الشَّرِیْعَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ نِسْبَۃُ عِیْسٰی اِلَی الشَّرِیْعَۃِ الْمُوْسَوِیَّۃِ فِی الْاِتِّبَاعِ وَعَدَمِ النَّسْخِ "

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۷۴) و (حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۱) کہ کوئی مہدی نہیں ہوگا مگر وہ مہدی جس کا تعلق شریعت محمدیہ سے ویسا ہی ہوگا جیسے کہ عیسیٰ کا شریعت موسوی سے تعلق تھا پیروی کرنے میں اور موسیٰ کی شریعت کو منسوخ نہ کرنے میں۔

اس میں وجہ بتائی گئی ہے کہ مہدی علیہ الصلوٰۃ کو عیسیٰ کا نام کیوں دیا گیا ہے!!

ہفتم۔ پھر ایک اور بات بھی نہایت ہی قابل غور ہے وہ یہ کہ دونو کے ذکر میں کئی امور کی مماثلث پائی جاتی ہے مثلاً

۱۔ دونوں آخری زمانہ میں آئینگے۔

۲۔ دونو کا رنگ گندم گوں بتایا گیا ہے۔ (بخاری جزء ۲ صفحہ ۱۵۹ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۰)

۳۔ دونو مال تقسیم کرینگے (بخاری جزء ۲ صفحہ ۱۵۹، مسند احمد جزء ۳ صفحہ ۳۷)

۴۔ دونو سنت نبوی پر عمل کرینگے۔ (مسلم جزء ۱ صفحہ ۷۲ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۱)

۵۔ دونو صلیب کو توڑیں گے۔ (بخاری جزء ۲ صفحہ ۱۵۹ و لوائح الانوار البہیہ جزء ۲ صفحہ ۷۲)

۶ دونو حکم وعدل ہونگے اور عدل کو نافذ کریں گے۔ (مسلم جزء ۱ صفحہ ۷۲ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۷۲)

۷۔ دونو بعثت کے بعد ۷ سال تک رہینگے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۱ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۹)

یہ امور گواہ ہیں کہ دراصل یہ دونو ایک ہی شخص کے کام اور اوصاف ہیں وغیرہا۔

ہشتم۔ ایک اور اہم امر اس عقیدہ کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ اہل سنت متفق ہیں کہ عیسیٰ موعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا اسی طرح حضرت امام مہدی کے حق میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا (حجج الکرامہ صفحہ ۴۶۲) ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ تمام امت اسلام کے بے ایک زمانہ میں

صرف ایک خلیفہ واجب الاتباع ہوا کریگا دو نہیں ہونگے فرمایا:

"اِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوا الْآخِرَ مِنْهُمَا (حدیث مسلم جزء ۲ صفحہ ۱۲۲) کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو پچھلے کو چھوڑ دو اور اس کی طرف توجہ ہی نہ دو" (اس جگہ قتل کے معنی بیان کئے جا چکے ہیں)

نہم۔ اسی لیے چاروں مذاہب اہل سنت کے آئمہ نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک وقت میں دو امام ہوں خواہ متفق ہی ہوں اور ان میں کوئی اختلاف نہ ہو (المیزان للشعرانی جزء ۲ صفحہ ۱۳۱ باب البغاۃ) پس دو خلیفوں کی پیروی ناجائز اور ان کی امامت غیر مسلّم۔ ایک وقت میں خلافت کا حقدار اور امامت عظمیٰ پر فائز تمام دنیا میں تمام مسلمانوں کے لیے صرف ایک فرد ہی ہو سکتا ہے، پھر عیسیٰ اور امام مہدی کیسے اکٹھے دو امام ہو سکیں گے؟

دہم۔ خدائے تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(سورۃ النور آیت: ۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو وہ زمین میں اپنے خلیفہ بنائیگا جیسے کہ اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور تمکنت دیگا جو اس نے ان کے لیے منتخب (پسند) فرمایا ہے اور ضرور انہیں خوف کے بعد امن بخشے گا، وہ میری عبادت کرینگے اور کسی چیز کو میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور اس کے بعد جو انکار کریں گے وہ لوگ فاسق و نافرمان ٹھہرینگے"

اس آیت میں امت مسلمہ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس میں سے ایسے خلفاء مبعوث کریگا جیسے اس نے پہلے لوگوں میں سے خلفاء مبعوث فرمائے تھے۔ اس وعدہ کو سمجھنے کے لیے پہلے ایک دو باتوں کو سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ یہ معاملہ بالکل واضح ہو جائے۔

حضرت امام فخر الدین رازی اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

فَالَّذِیْنَ كَانُوْا قَبْلَهُمْ قَدْ كَانُوْا خُلَفَاءَ تَارَةً بِسَبَبِ النُّبُوَّةِ

وَ تَارَةً بِسَبَبِ الْاِمَامَةِ والْخِلَافَةُ حَاصِلَةٌ فِي الصُّوْرَتَيْنِ (التفسير الكبير جزء ۶ صفحہ ۲۱۰) کہ پہلے لوگ جو خلیفے بنائے گئے کبھی تو نبوت کی وجہ سے اور کبھی امامت کی وجہ سے اور ان دو نو صورتوں میں خلافت پائی گئی "

اس میں بتایا گیا ہے کہ پہلے خلفاء دو قسم کے تھے، ایک قسم کے وہ خلفاء جو نبوت پر بھی فائز کئے گئے تھے، دوسری قسم کے وہ خلفاء جو نبوت سے سرفراز نہ کئے گئے تھے۔

تفسیر (ہمیان الزاد الی دار المعاد جزء ۱۰ صفحہ ۲۸۰) پر ہے۔ وَدَخَلَ فِي ذٰلِكَ الْاَنْبِيَاءُ وَغَيْرُهُمْ " کہ اس (خلافت) میں انبیاء اور دوسرے بھی شامل ہیں " اور پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں ہزارہا نبی ایسے مبعوث ہوئے جو کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے بلکہ انہیں اس لیے مبعوث کیا گیا کہ بطور خلفاءِ موسیٰ وہ تورات کے احکام کو نافذ کریں اور اس کے بیان کردہ حلال و حرام کو جاری کریں۔ حتیٰ کہ وہ زمانہ آیا کہ نبی عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ اس سلسلہ موسویہ کے مشہور آخری نبی تھے ان کے متعلق مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اپنی (تفسیر تدبر قرآن جلد ۱ صفحہ ۶۹۶) پر تحریر فرماتے ہیں:

" سیدنا مسیح علیہ السلام جہاں تک کتاب و شریعت کا تعلق ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی کے پیرو اور داعی تھے وہ تورات سے کوئی الگ شریعت لے کر نہیں آئے تھے اس حقیقت کا اعلان بار بار بڑے زور اور تاکید کے ساتھ انہوں نے خود فرمایا ہے " نیز دیکھئے (التفسیر الکبیر جزء ۳ صفحہ ۴) اور (التفسیر الخازن جزء ۲ صفحہ ۴۶)

علامہ رشید رضا سابق مفتی مصر اپنی (تفسیر القرآن الحکیم جزء ۳ صفحہ ۳۱۶) میں فرماتے ہیں: " اَلْمَسِيْحُ عليه السلام لَمْ يَأْتِ بِنَفْسِهٖ بِشَرِيْعَةٍ جَدِيْدَةٍ کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے لیے کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے "

دوسری بات جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ الفاظ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ گو عموم پر دلالت کرتے ہیں، لیکن چونکہ اس آیت میں مومنوں کو خلافت ملنے کی بشارت دی گئی اور تصریح کی گئی کہ امتِ محمدیہ میں خلافت اور خلفاء کا سلسلہ اسی طرح قائم ہوگا جس طرح پہلے لوگوں میں قائم ہوا تھا تو تبادر فی الذہن یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے لوگوں سے مراد سلسلہ موسویہ کی خلافت اور سلسلہ خلفاء ہے کیونکہ سلسلہ موسویہ کے حالات ہی ان کے سامنے تھے اور

انہی سے انہیں واقفیت تھی۔ چنانچہ مفسرین نے بھی اسی مطلب کو اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے۔
تفسیر روح المعانی میں ہے: الذین من قبلھم" وھم بنو اسرائیل"
کہ پہلے لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔
تفسیر المراغی جزء ۱۸ صفحہ ۱۲۶ دیکھئے اس میں ہے کما استخلف بنی اسرائیل کہ
اللہ تعالیٰ مخلص مومنوں سے ایسے ہی خلیفے پیدا کریگا جیسے کہ اس نے بنی اسرائیل کو خلیفہ
مقرر کیا۔

تفسیر زاد المسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی میں ہے یعنی بنی اسرائیل یعنی پہلے
لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔

یہ بات اتنی واضح اور صاف ہے کہ زیادہ حوالجات کی ضرورت نہیں ہے۔ اب
جاننا چاہیئے کہ اس آیت میں امت محمدیہ کو بشارت دی گئی ہے کہ جو لوگ تم میں سے کامل مومن
ہونگے اور ان کا کردار بھی بلند ہوگا خدا تعالیٰ انہیں حسب ضرورت امت محمدیہ کی نگرانی اور راہنمائی
کے لیے کھڑا کرتا رہیگا اور جیسے کہ خدائے تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سلسلۂ خلافت اور خلفاء سے نوازا
تھا۔ ویسے خدا تعالیٰ اس امت میں خلفاء کو کھڑا کرتا رہیگا۔

پس اس امتِ محمدیہ کے خلفاء کو موسوی سلسلہ خلفاء سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کما
استخلاف کا لفظ روشن دلیل ہے اس لیے موسوی سلسلہ کے خلفاء مشبہ بہ ہیں اور امتِ محمدیہ
کے خلفاء مشبہ ہیں اور مشبہ، مشبہ بہ کا غیر ہوتا ہے عین نہیں ہوتا، لہٰذا امت محمدیہ کے خلفاء
امت موسویہ کے خلفاء کے مثیل ہوئے نتیجہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصالتاً اس امت
کے خلیفہ نہیں ہوسکتے ان کا کوئی مثیل اور ان کا مشبہ ہی امت میں آخری خلیفہ ہوسکتا ہے
لہٰذا آخری خلیفہ امت بموجب حدیث نبوی چونکہ موعود عیسیٰ ہے لہٰذا موعود عیسیٰ ایک امتی فرد
ہی ہوا۔

یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کے اصالتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہونے میں روک
ہے۔ طبرانی کی حدیث نے موعود عیسیٰ کو الا انہ خلیفتی فی امتی کے الفاظ میں امت محمدیہ کا خلیفہ قرار
دیا ہے۔ اور وہ بموجب آیت استخلاف بھی، امت کا ہی فرد ہوسکتا ہے نہ کہ اسرائیلی مسیح ورنہ اس
سے مشبہ اور مشبہ بہ کا ایک ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے کیونکہ مشبہ مشبہ بہ کا غیر
ہوتا ہے۔

اس بشارت میں کوئی اشارہ تک نہیں کہ کوئی خلیفہ اسرائیلی بھی اس امت کے لیے مبعوث کیا جائیگا بلکہ اس امت کو یہ بشارت دیگئی ہے کہ اسی میں سے حسب ضرورت کامل مومنوں اور مخلصوں کو خلیفہ بنایا جائیگا اگر خدا تعالیٰ بنی اسرائیل میں سے ان کی ہدایت کے لیے خلفاء کھڑے کرسکنے پر قادر تھا تو اب بھی قادر ہے کہ وہ امت محمدیہ میں سے ہی اس کی راہنمائی اور نگرانی کے لیے خلیفے پیدا کرتا رہے۔

پس یہ آیت نص صریح ہے کہ اس امت کی راہنمائی اور دیکھ بھال کے لیے جو خلفاء کھڑے کئے جائینگے وہ اسی میں سے ہونگے خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی۔

یعنی محض ولی ہوں یا نبی بھی، وہ کہیں باہر سے نہیں آئینگے، اس لیے ہمیں یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ مہدی اور مسیح بھی اسی امت میں سے ہوگا نہ مہدی کہیں باہر سے آئیگا اور نہ ہی مسیح اسرائیل سے لایا جائیگا، ورنہ اس وعدہ اور بشارت کی روح ختم ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ یہاں تو فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے اچھے، خدا تعالیٰ انھیں خلیفہ بنائیگا۔ اس میں اخلاص یا کمال ایمان کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ نے جو عالم الغیب اور دلوں کے رازوں کو بھی جاننے والا ہے فرمایا ہے کہ جو لوگ مومن اور عمل صالح کرنے والے ہونگے۔ میں انہیں خلیفہ بنا دونگا، پس ان سے مراد یقیناً وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی نظر میں حقیقی مومن اور اعلیٰ کردار کے مالک ہوں علامہ الشہاب اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"وَالْمَوْعُوْدُ عَلَيْهِ الْاِيْمَانُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ وَكَمَالُهُ فِيْهِمْ فَاِنَّ وَصْفَهُمْ بِمَا يُشْعِرُ بِمَدْ خَلِيَّتِهِمَا فِيْ ذٰلِكَ" کہ جن باتوں کی بناء پر خلافت کا وعدہ دیا گیا۔ ہے وہ ایمان اور عمل صالح ہیں اور ان کا کامل طور پر ان میں پایا جانا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان خلفاء کا ان دونو باتوں سے متصف ہونا بیان کیا ہے جو بتاتا ہے کہ ان دونو باتوں کا اس میں بڑا دخل ہے"

اسی طرح علامہ سید قطب اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں فرماتے ہیں:

اِنَّ حَقِيْقَةَ الْاِيْمَانِ الَّتِيْ يَتَحَقَّقُ بِهَا وَعْدُ اللّٰهِ حَقِيْقَةٌ ضَخْمَةٌ ---- وَهِيَ طَاعَةُ اللّٰهِ وَاسْتِسْلَامٌ لِاَمْرِهٖ فِي الصَّغِيْرَةِ وَالْكَبِيْرَةِ لَا يَبْقٰى

مَعَهَا هَوًى فِی النَّفْسِ وَلَا شَهْوَةٌ فِی الْقَلْبِ وَلَا مَیْلٌ فِی الْفِطْرَۃِ اِلَّا وَهُوَ تَبَعٌ بِمَا جَاءَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ عِنْدِ ہٖ۔" (الجزء الثامن عشر ص۱۱۸)
یعنی وہ حقیقت ایمان جس کی برکت سے یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پایۂ ثبوت کو پہنچے گا ایک ٹھوس حقیقت ہے ...... اور وہ ہے خدائے پاک کی کامل فرمانبرداری اور اس کے چھوٹے موٹے تمام احکام کی پیروی کرنا، حتیٰ کہ نفس کی کوئی خواہش، دل کی کوئی آرزو اور فطرت کا کوئی میلان ایسا باقی نہ رہے جو خدائے تعالیٰ سے لائی ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق نہ ہو۔

یہ وہ ایمان ہے اور یہ وہ اعمال ہیں جو خلافت حقیقیہ کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں اگر کوئی بادشاہ یہ شرائط اپنے اندر رکھتا ہے تو وہ بھی اس وعدہ میں شریک سمجھا جائیگا ورنہ نہیں۔

یہ دس واضح دلائل ہیں جو اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ کوئی نبی کوئی امام اور کوئی ہادی جو امت محمدیہ کے لیے بھیجا جائیگا وہ خود امت میں سے ہوگا کسی دوسری امت سے اُٹھا اس کی طرف نہ بھیجا جائیگا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ مہدی اور مسیح موعود بھی اسی امت کا فرد ہوگا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ نصوص کو ظاہر پر محمول کیا جائے اور الفاظ کے حقیقی معنے لیے جائیں، لیکن اگر ہم یہ تاویل مان لیں تو پھر یہ قاعدہ کیسے درست ہوگا۔

۱۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علماء نے خود تسلیم کیا ہے: "اِنَّ النُّصُوْصَ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ یُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاهِرِهَا مَا لَمْ یَکُنْ مِنْ قَبِیْلِ الْمُتَشَابِهَاتِ۔" (شرح الفقہ الاکبر ملا علی القاری ص۹۶) کہ قرآن مجید اور سنت کی نصوص کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ از قسم متشابہات نہ ہوں۔" گویا اگر کوئی آیت یا حدیث متشابہات میں سے نہ ہو تو اسے ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے اور اگر وہ متشابہات میں سے ہو تو پھر اسے ظاہر پر محمول کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

۲۔ اسی طرح حضرت علامہ شوکانی فرماتے ہیں: "شَرْطُ حَمْلِ اللَّفْظِ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ اَنْ لَا یَکُوْنَ هُنَاكَ مَا یَمْنَعُ۔" (ارشاد الفحول ص۱۷۶) کہ کسی لفظ کو اس کے حقیقی

معنوں پر محمول کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہاں اس کے راستہ میں روک پیدا کرنیوالا کوئی امر نہ ہو۔"

۳۔ پھر امام نظام الدین الشاشی اپنی مشہور کتاب "اُصول الشاشی" صـ۲۲ تا صـ۲۵ میں لکھتے ہیں: "وَمَا يُتْرَكُ بِهٖ حَقِيْقَةُ اللَّفْظِ خَمْسَةُ اَنْوَاعٍ کہ وہ امور جن کی وجہ سے لفظ کے حقیقی معنی کو ترک کیا جا سکتا ہے پانچ ہیں۔" پھر وہ ان پانچ امور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَحَدُهَا دَلَالَةُ الْعُرْفِ کہ عرف (عام یا خاص) اس پر دلالت کرے کہ لفظ کے معنے حقیقت کے سوا کچھ اور ہیں۔

وَالثَّانِيْ قَدْ تُتْرَكُ الْحَقِيْقَةُ بِدَلَالَةٍ فِيْ نَفْسِ الْكَلَامِ کہ بعض دفعہ خود کلام میں ایسی دلالت پائی جاتی ہے جو بتاتی ہے کہ کلام کو حقیقت پر محمول کرنا صحیح نہیں۔

وَالثَّالِثُ قَدْ تُتْرَكُ الْحَقِيْقَةُ بِدَلَالَةِ سِيَاقِ الْكَلَامِ کہ بعض دفعہ طرز کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے حقیقت پر محمول نہیں کیا جانا چاہیئے۔

وَالرَّابِعُ قَدْ تُتْرَكُ الْحَقِيْقَةُ بِدَلَالَةٍ مِنْ قِبَلِ الْمُتَكَلِّمِ کہ بعض دفعہ بات کہنے والا واضح کر دیتا ہے (خواہ کسی طرح سے ہی سہی) کہ ان الفاظ سے اس کے نزدیک حقیقت مراد نہیں۔

وَالْخَامِسُ قَدْ تُتْرَكُ الْحَقِيْقَةُ بِدَلَالَةِ مَحَلِّ الْكَلَامِ کہ کبھی الفاظ کے حقیقی معنے کو اس لیے ترک کر دیا جاتا ہے کہ موقع اور محل حقیقی معنوں کے خلاف ہوتا ہے۔

۴۔ حضرت امام رازی فرماتے ہیں: "اِنَّ صَرْفَ الْاٰيَاتِ عَنْ ظَوَاهِرِهَا بِمُقْتَضَى الدَّلَائِلِ الْعَقْلِيَّةِ جَائِزٌ" (التفسیر الکبیر جزء ۸ صـ۱۲۲) کہ دلائل عقلیہ کے تقاضا سے آیات کو ظاہر سے پھیر دینا جائز ہے۔"

ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ اگر کوئی نص متشابہات میں سے ہو تو اسے ظاہر پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور اگر پانچ چھ باتوں میں سے جو ذکر کی گئی ہیں کوئی بات کسی لفظ کے حقیقی معنے کے استعمال میں روک بن جائے تو پھر اس لفظ کے حقیقی معنی متروک قرار پا جائیں گے اور ان کی بجائے اس کے مجازی معنے سمجھے جائیں گے۔

پھر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہدے کہ نزول مسیح کی پیشگوئی کو اس کے حقیقی معنوں میں کیا روک ہے۔ تو اس کا جواب واضح ہے کہ

اوّل تو یہ پیشگوئی متشابہات میں سے ہے۔

دوم۔ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں اور جو فوت ہو گیا وہ دنیا میں واپس نہیں آسکتا یہ امر قرینہ حالیہ ہے کہ مسیح موعود اُمتی فرد ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اصالتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

سوم۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نبی کریم کی امت کی اصلاح اور حفاظت کے لیے خلفاء، راہنما اور آئمہ اسی امت میں سے ہونگے نہ باہر سے کیونکہ یہ باہر والوں کے مشابہ ہونگے۔

چہارم۔ خود اماکم منکم اور امامکم منکم کے الفاظ سے "نزول عیسیٰ" کی پیشگوئی میں وضاحت کی گئی ہے کہ وہ مسیح موعود خود مسلمانوں میں سے ہوگا یہ الفاظ اس بارہ میں قرینہ لفظیہ ہیں۔

پس ان قرائن قویہ واضحہ کی وجہ سے جو قرینہ حالیہ اور قرینہ لفظیہ پر ہی مشتمل ہیں ہم اس پیشگوئی کے الفاظ کو انکے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں کر سکتے، صرف ہم ہی نہیں بلکہ کئی علماء نے ان جیسے قرائن ہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پیشگوئی کی مختلف تاویلیں بیان کی ہیں جیسا کہ بیان ہو لیا۔

عیسیٰ یا ابن مریم کا نام

اگر ذرا غور سے کام لیا جائے اور علم بیان کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ عربی محاورات میں استعارہ کا استعمال عام ہوتا ہے اور کسی شخص کو کسی اہم وجہ مماثلت کی وجہ سے دوسرے شخص کا نام دیدیا جاتا ہے حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

اِطْلَاقُ اسْمِ الشَّيْئِ عَلٰی مَا يُشَابِهُهٗ فِي اَكْثَرِ خَوَاصِّهٖ وَصِفَاتِهٖ جَائِزٌ حَسَنٌ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۴۵۸) یعنی کسی چیز کا نام دوسری چیز پر جو اس کے اکثر خواص اور صفات میں مشابہت رکھے اطلاق کرنا جائز اور مستحسن ہے"

چند مثالیں عرض خدمت ہیں:

۱۔ بڑی مشہور مثل ہے" لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰی (حجج الکرامہ صفحہ ۲۳۹) اور (مرأۃ الشروح صفحہ ۸۷) یعنی ہر ایک فرعون کے لیے ایک موسیٰ بھی ہوتا ہے" اس میں ہر ایک سرکش اور

ظالم کو فرعون قرار دیا گیا ہے اور اس کے مخالف کو موسیٰ۔

۲۔ عرب لوگ ہی کہتے ہیں: رَئَیْتُ حَاتِمًا (جواہر البلاغہ ص۳۱۶ طبع دسویں) کہ "میں نے حاتم کو دیکھا ہے"۔ اور ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک سخی آدمی کو دیکھا سخاوت کی وجہ سے اسے حاتم کا نام دیا جاتا ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ بدر کے بعد ابوجہل کو دیکھا کہ قتل ہو گیا ہے تو فرمایا: هٰذَا فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (کتاب ھدی الرسول ص۱۴۱ طبع مصری) کہ یہ اس امت کا فرعون ہے۔ نیز دیکھیے (تفسیر الخازن جزء ۷ ص۱۵۱)

۴۔ مکہ میں ایک مشہور بُت العُزّٰی کے نام سے مشہور تھا جب اس بُت کو توڑا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تِلْكَ الْعُزّٰى لَا تُعْبَدُ اَبَدًا (تاریخ الکامل جلد ۲ ص۱۲۶) نیز ملاحظہ فرمائیں (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۱۲) کہ یہ بُت عُزّیٰ آئندہ کبھی نہ پوجا جائے گا"۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: لَا یَذْهَبُ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰى تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى (مسلم جزء ۲ کتاب الفتن) کہ دنیا فنا نہیں ہوگی جب تک کہ بت لات اور عزّیٰ نہ پوجے جائیں"۔ صاف ظاہر ہے کہ اس سے لات اور عزّیٰ کی طرح پوجا کیے جانے والے دوسرے بت ہی مراد ہیں نہ اصل العزّیٰ۔

۵۔ پھر لکھا ہے: یُقَالُ هٰذَا سِیْبَوَیْهِ اَیْ نَحْوِیٌّ کَامِلٌ کَسِیْبَوَیْهِ" (مرأۃ الشروح ص۹۱) کہ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص سیبویہ ہے۔ مراد ہوتی ہے کہ یہ شخص سیبویہ کی طرح علم نحو میں کامل ہے"۔

۶۔ امام عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ العکبری اپنی کتاب اعراب القرآن میں لکھتے ہیں: "اَبُوْ یُوْسُفَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ یعنی امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ ہی ہیں"۔ حالانکہ امام ابو یوسف حضرت ابو حنیفہ کے شاگرد تھے، مطلب یہ ہے کہ امام ابو یوسف بھی امام ابو حنیفہ کی طرح بڑے عالم اور ماہر فقیہ ہیں۔ نیز دیکھیے (تفسیر الکشاف جزء ۱ ص۲۰۲)

۷۔ عرب کے مشہور شاعر ابو تمام کو کہا گیا ہے "یَا عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ (دائرۃ المعارف جزء ۲ ص۵ تالیف المعلم بطرس البستانی) اے عیسیٰ بن مریم"۔ اسے صرف اس لیے عیسیٰ بن مریم کے نام سے پکارا گیا کہ گویا اس کے اشعار زندگی بخش تھے حالانکہ اس کی زبان میں تتلاہٹ تھی۔

۸۔ تفسیر الخازن جزء ۶ صفحہ ۲۲۵ میں زیر آیت هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی لکھا ہے: فَلَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی خِلَافِ الْعَرَبِ فِی الدِّیْنِ سَمَّوْہُ ابْنَ اَبِیْ کَبْشَۃَ تَشْبِیْھًا لَہٗ فِیْ خِلَافِہٖ اِیَّاھُمْ کَمَا خَالَفَھُمْ اَبُوْ کَبْشَۃَ۔"
یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے اور عربوں کے دین (بت پرستی) کے خلاف آپ نے تعلیم دینا شروع کی تو انہوں نے آپ کا نام ابن ابی کبشہ رکھدیا کیونکہ ابوکبشہ نے بھی پہلے عربوں کی مخالفت کی تھی۔

۹۔ آئیں ایک اور عجیب تمثیل سنیں۔

"قَالَ الشَّعْبِیُّ عَنْ مَسْرُوْقٍ کُنَّا عِنْدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَرَأَ اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ الآیۃ فَقَالَ فَرْوَۃُ بْنُ نَوْفَلٍ : نَسِیَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: مَنْ نَسِیَ؟؟ اِنَّا کُنَّا نُشَبِّہُہٗ بِاِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ (کتاب تہذیب التہذیب جزء ۱۰ صفحہ ۱۸۷ عدد ۳۴۷ نام معاذ بن جبل) کہ امام شعبی نے کہا کہ مسروق نے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے ایک آیت یوں پڑھی اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ (جو حضرت ابراہیمؑ کے متعلق تھی خاکسار محمد صادق) لفظ ابراہیم کی بجائے معاذ کا لفظ پڑھا گیا تو فروہ بن نوفل نے کہا، کہ ابن مسعود بھول گئے ہیں حضرت ابن مسعود نے سُنا تو فرمایا کہ کون بھولا ہے ہم معاذ کو ابراہیم کے ساتھ تشبیہ دیا کرتے تھے"

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت قرآنی اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً کی بجائے اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً پڑھ دیا اور دلیل یہ دی کہ ہم معاذ کو حضرت ابراہیم سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ یوں معاذ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شبیہ و مثیل قرار دیئے گئے۔

اس قول کا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت ابن مسعود اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ حضرت معاذ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت اور مماثلت رکھتے تھے۔

۱۰۔ حضرت شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمہ اللہ کو عیسیٰ بلکہ موسیٰ بھی قرار دیا گیا ہے (دیکھیئے کتاب میلاد قادریہ صفحہ ۳۴) حضرت معین الدین چشتی رحمہ اللہ نے اپنے دیوان

ہیں فرمایا ہے:

دمبدم روح القدس اندر معینے مے دمد

من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

کہ ہر وقت روح القدس معین الدین کے اندر دم مارتا رہتا ہے سو میں

اس کے سوا کیا کہوں کہ میں عیسیٰ ثانی ہو گیا ہوں۔

اسی طرح اور کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ عرب لوگوں کے نزدیک عام عادت ہے کہ وہ ایک اہم بات میں تشبیہ کی وجہ سے ایک شخص کو دوسرے کا نام دیدیتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ آنیوالا مہدی معہود کئی امور میں حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم سے مشابہت و مماثلت رکھتا ہوگا اس لیے اسے بھی عیسیٰ کے نام سے پکارا گیا۔

صاف بات ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع دی گئی کہ آپ کی امت یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلنا شروع کر دیگی خیالات اور اعمال میں ان کی پیروی کریگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دینے کے لیے یہ بشارت دی گئی کہ تیری امت کو ضائع نہیں ہونے دیا جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی امر کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا:

كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَالْمَهْدِيُّ وَسْطُهَا وَالْمَسِيْحُ اٰخِرُهَا

(المشکوٰۃ جزء ۲ ص ۵۸۳ باب ثواب ھذہ الامۃ) کہ وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے شروع میں میں ہوں اور اس کے وسط میں ایک المہدی ہوگا اور آخر میں المسیح ہوگا؟

(نیز دیکھئے حجج الکرامہ ص ...)

گویا جب امت محمدیہ کے اکثر لوگ یہود و نصاریٰ کا رنگ اختیار کرینگے ان کے خیالات و عقائد میں بے پناہ اختلاف و پراگندگی پیدا ہو جائیگی اور اعمال و افعال میں وہ جادۂ اعتدال سے پھسل جائینگے تو خدا تعالیٰ ان کی حالت پر رحم فرما کر ایک مصلح ان کی طرف مبعوث فرمائیگا جیسے کہ اس نے پہلے زمانہ میں یہود کی طرف ایک مصلح المسیح کو مبعوث فرمایا تھا۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں کی اکثریت یہودیوں کا روپ دھاریگی اور یہ امر مقتضی ہوگا کہ ان کے لیے مسیح* بھیجا جائے اور عیسائیوں جیسا رنگ اختیار کریگی تو یہ اس بات کا سبب بنیگا کہ انکی طرف ایک شخص جو حقیقی اور کامل طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ لیے ہو اور آپ کا بروز کامل ہو انکی

* انہی میں سے ایک

طرف بطور مہدی بھیجا جائے۔

بروز کی حقیقت

آگے چلنے سے پہلے ذرا بروز کی حقیقت بھی معلوم کر لیں تاکہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔

۱۔ شیخ محمد اکرم صاحب صابری بروز کے یہ معنی بیان کرتے ہیں: "روحانیتِ کُمّل گاہے برارباب ریاضت چناں تصرف مے فرماید کہ فاعل افعال شاں مے گردد و ایں مرتبہ را صوفیاء بروز مے گویند" (اقتباس الانوار صفحہ ۵۲) کہ کامل لوگوں کی روحانیت ارباب ریاضت پر ایسا تصرف کرتی ہے کہ وہ روحانیت ان کے افعال کی فاعل ہو جاتی ہے۔ اس مرتبہ کو صوفیاء بروز کہتے ہیں۔"

۲۔ جناب خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں فرماتے ہیں:

وَالْبُرُوْزُ اَنْ یُفِیْضَ رُوْحٌ مِنْ اَرْوَاحِ الْکُمَّلِ عَلٰی کَامِلٍ کَمَا یُفِیْضُ عَلَیْهِ التَّجَلِّیَاتُ وَهُوَ یَصِیْرُ مَظْهَرَهٗ وَیَقُوْلُ اَنَا هُوَ (اشارات فریدی حصہ ۲ صفحہ ۱۱۰) کہ بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا افاضہ ہوتا ہے اور وہ اس کا مظہر بن جائے اور اور کہے کہ میں وہی ہوں۔"

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

هٰذَا وُجُوْدُ جَدِّیْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم لَا وُجُوْدُ عَبْدِ الْقَادِرِ

(گلدستۂ کرامات تالیف مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ افتخار دہلوی صفحہ ۸)

۴۔ کتاب خزائن اسرار الکلم مقدمہ فی شرح فصوص الحکم مطبوعہ کانپور صفحہ ۴۷ پر ہے۔

"اٹھارہواں مراقبہ مسئلہ بروز اور تمثیل کے بیان میں بعض نایافتگی سے اسکو بھی تناسخ کہتے ہیں واضح ہو کہ بروز عبارت ہے تعلق اور تمثل روحی سے ...... اور ایسا ہی ہے حکم بروز ادریس علیہ السلام بنام بروز الیاس علیہ السلام کے اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے ...... اور یہ کبھی بہ سبب غلبہ ایک صفت کے ہوتا ہے اور کبھی بغلبۂ جمیع صفاتِ کمالیہ کے۔ اس صورت میں اتحاد مظہر کا بارز کے ساتھ ہو گا اور یہ قسم اعلیٰ مرتبہ بروز کا ہے۔"

اس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ بروز کو مظہر بھی کہا جاتا ہے اور کبھی تو بروز میں اپنے متبوع کی ایک صفت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی تمام صفاتِ کمال کا اور دوسری صورت میں تابع اور متبوع میں بہت شدید اتحاد قائم ہو جاتا ہے۔

۵۔ چونکہ تابع اپنے متبوع کی یا مرید اپنے مرشد کی پوری طرح پیروی کرتا ہے اور محبت اخلاص کی وجہ سے ہر حال میں اس کی نقل کو اپنے لیے باعث فخر و شرف یقین کرتا ہے اس لیے وہ اس حال کو کبھی ان الفاظ میں ادا کرتا ہے کہ میں اپنے متبوع کے قدم پر ہوں، چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

كُلُّ وَلِيٍّ عَلٰى قَدَمِ نَبِيٍّ وَاَنَا عَلٰى قَدَمِ جَدِّىْ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا رَفَعَ المصطفى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَمًا اِلَّا وَضَعْتُ اَنَا قَدَمِىْ فِى الْمَوْضِعِ الَّذِىْ رَفَعَ قَدَمَهٗ مِنْهُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدَمًا مِنْ اَقْدَامِ النُّبُوَّةِ فَاِنَّهٗ لَا سَبِيْلَ اَنْ يَّنَالَهٗ اِلَّا نَبِيٌّ۔" (بهجة الاسرار صـ۲۲)

کہ ہر ایک ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں آپ جس جگہ سے قدم اٹھاتے ہیں میں اس جگہ اپنا قدم رکھ دیتا ہوں سوائے اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قدم نبوت کا قدم ہو۔ پس اسے تو سوائے نبی کے کوئی اور نہیں پا سکتا۔

۶۔ اور چونکہ عاشق اپنے معشوق اور محب اپنے محبوب کی ہر صفت اور خلق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے پیارے سے پوری طرح ہمرنگ ہو جائے۔ اس لیے جب اسے خدا تعالیٰ کی توفیق سے اس عشق و محبت میں ایک درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو ولی کہلاتا ہے اور اس ولایت کا اس پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنے متبوع کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا، گویا کہ وہ اپنے پیارے کے لیے فنا ہو جاتا ہے اس طرح کہ اس کے ارادے اور خواہشات، حرکات و سکنات، اعمال اور کردار سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ متبوع سے الگ نہیں بلکہ گویا کہ اسی کا وجود ہے اسی لیے یہ امر ایک حقیقت تسلیم کیا گیا ہے کہ اَلْوِلَايَةُ ظِلُّ النُّبُوَّةِ وَالنُّبُوَّةُ ظِلُّ الْاِلٰهِيَّةِ (بهجة الاسرار صـ۳۹) کہ ولایت، نبوت کا ظل ہے اور نبوت الوہیت کا" اور یہ عزت و اکرام جو اولیاء کو حاصل ہوتا ہے

اس کا اصل باعث یہی ہم رنگی اور اتحاد ہی ہے۔ "اَلْکَرَامَۃُ اَثَرُ انْعِکَاسِ نُوْرِ الْحَقِّ عَلٰی قَلْبِ الْوَلِیِّ مِنْ مَنْبَعِ ضَوْءِ نُوْرِ الْکُلِّیِ بِوَاسِطَۃِ الْفَیْضِ الْاِلٰھِیِّ" کہ کرامت نتیجہ ہے اس امر کا کہ وہ نورِ الٰہی قلبِ مومن پر منعکس ہو جو خدا تعالیٰ کے نورِ کامل سے بواسطہ فیض الٰہی پھوٹتا ہے۔

اسی لیے اگر کوئی ایسا شخص سلطنت پر فائز ہو جسے خدا تعالیٰ سے گہرا تعلق ہو اس سے ڈرتا ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنے والا ہو، سخی اور ہمدرد ہو، اپنی رعیت کی کما حقہ نگرانی کرنیوالا ہو یعنی عادل ہو تو اسے بھی ظل اللہ کہنا صحیح ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

"اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ (الجامع الصغیر جزء ۲ صـ۳۸) کہ بادشاہ زمین میں خدا کا ظل ہوتا ہے"

۷۔ حضرت مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی فرماتے ہیں:

"اس قسم کے علوم کہ جن کا منشا اصل اور ظل (تابع و متبوع) کا جمع کرنا ہے دل پر بہت وارد ہوتے ہیں"

پھر فرماتے ہیں:

ان دونو دولتوں یعنی قطبیت اور فردیت کے جمع کرنے کے بغیر "اصل اور ظل میں تمیز کرنا ممکن نہیں ہے" (گنجینہ انوار رحمانی ترجمہ اردو مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی حصہ اول صـ۱۱-۱۲ مکتوب نمبر۴)

آپ مکتوب نمبر ۳۲ میں جو میرزا حسام الدین کو لکھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خصوصی کمال کا جو جذبہ اور سلوک سے جدا ایک مقامِ روحانی ہے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ مقام بڑا ہی عجیب ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب اس مقام کی دولت سے مشرف اور ممتاز ہوئے ہیں اور اس مقام والے کو دیگر تمام مقامات والوں سے کامل امتیاز ہے اور ایک دوسرے سے بہت ہی کم مشابہت رکھتے ہیں "اِذْ بِوَجْہٍ دُوْنَ وَجْہٍ۔ یہ نسبت پہلے لوگوں کی نسبت حضرت مہدی علیہ السلام میں پورے طور پر ظاہر ہوگی" (گنجینہ انوار رحمانی مکتوب نمبر ۳۲ صـ۱۲۳)

پھر فرماتے ہیں:۔

"ہر نبی کے قدم پر اس نبی کی مخصوص ایک ولایت ہے اور ان درجوں سے بالا تر درجہ وہی ہے جو ہمارے پیغمبر (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہے۔" (گنجینیہ انوار رحمانی مکتوب نمبر ۲۱ صـ۷۵)

پھر فرماتے ہیں کہ

"جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت تمام دیگر نبیوں اور رسولوں کی ولایت سے افضل اور بالا تر ہے ایسے ہی ان اکابر کی ولایت تمام ولیوں قدس اللہ اسرارھم کی ولایت سے بالا تر ہے۔" (صـ۷۶)

آپ یوں سمجھ لیں کہ جیسے ظل (سایہ) اصل کے بغیر لاشے محض ہے اسی طرح متبوع کے بغیر تابع کی کوئی حیثیت قائم نہیں ہو سکتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" وَاَنِّی بِظِلٍّ اَنْ یُخَالِفَ اَصْلَہٗ، فَمَا فِیْہِ فِیْ وَجْہِیْ یَلُوْحُ وَیَبْہَرُ۔

کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل ہوں اور ظل کیسے اپنے اصل کے مخالف ہو سکتا ہے۔ جو اس میں ہے اسی کی جھلک میرے چہرے پر ظاہر ہو رہی ہے۔"

۸- جہاں یہ بات ایک حقیقت ہے کہ اصل ہی ظل کے وجود کی علت اور سبب ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ اصل کا صحیح ظل اس کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیئے اور اسی وقت یہ کہنا صحیح ہوگا

"اِنَّہٗ عَیْنُ ذٰلِکَ الشَّخْصِ فَہُمَا فِی الْحَقِیْقَۃِ وَاحِدٌ وَمَا اَوْہَمَ الْمُغَایَرَۃَ اِلَّا ظُہُوْرُ الشَّیْءِ الْوَاحِدِ بِصُوْرَتَیْنِ اَحَدُہُمَا الصُّوْرَۃُ الظِّلِّیَّۃُ وَالْاُخْرٰی الصُّوْرَۃُ الشَّخْصِیَّۃُ۔" (شرح فصوص الحکم للشیخ داود القیصری صـ۱۸۵) کہ ظل، اصل ذات کا عین ہے پس اصل اور ظل درحقیقت ایک ہیں اور ان دونوں کے الگ الگ ہونے کا جو خیال پیدا ہوتا ہے تو وہ صرف اس لیے کہ ایک چیز دو صورتوں میں ظاہر ہو گئی، ایک صورت اس کی ظلی ہے اور دوسری شخصی یعنی ذاتی۔"

پھر آگے لکھتے ہیں:

فَالْحَقُّ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی ظِلٍّ خَاصٍ صَغِیْرٌ وَکَبِیْرٌ وَصَافٍ وَاَصْفٰی۔" پس حق یہ ہے کہ ذات اس ظل کی نسبت سے ہی چھوٹی یا بڑی ہوتی ہے، یا صاف اور اصفی ہوتی

ہے ؛ بیان یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ظل کی نسبت سے ہی شخصیت یعنی ذات چھوٹی یا بڑی اوصاف یا اصفیٰ ہوتی ہے پس ایک لحاظ سے وہ اصل کے مساوی یا عین کہلا سکتا ہے، لیکن دونو یعنی اصل اور ظل کے مقام کی تعیینیں میں ضرور فرق ہوتا ہے۔

اسی کتاب میں وہ مرتبۂ محمدیت کی بابت لکھتے ہیں:

"اِنَّ المَرْتَبَةَ المُحَمَّدِیَّةَ مُحِیْطَةٌ بِجَمِیْعِ مَرَاتِبِ الْاَنْبِیَاءِ علیہ السلام نُبُوَّةً وَوِلَایَةً" (ص ۱۸۱)

کہ مرتبۂ محمدیت تمام انبیاء کے مراتب نبوت اور ولایت پر حاوی اور محیط ہے"۔

پھر اس کا نتیجہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

اِنَّ لِلرُّوْحِ الْمُحَمَّدِیْ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ مَظَاھِرَ فِی الْعَالَمِ بِصُوْرَةِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ (ص ۶۴) کہ روح محمدی کے لیے اس عالم میں بہت سے مظہر بصورت انبیاء اور اولیاء پائے جاتے ہیں"۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ یعنی انبیاء کا نبی کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ (دیکھئے الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۱۸۳ و الیواقیت والجواہر جزء ۲ ص ۲۲ و ص ۳۴ طبع مصری)

۹۔ آیت خاتم النبیین کے ماتحت مفسرین نے لکھا ہے کہ کُلُّ رَسُوْلٍ اَبُوْ اُمَّتِہٖ (تفسیر الخازن جزء ۵ ص ۲۱۹) و (تفسیر النسفی جزء ۳ ص ۳۵) کہ ہر رسول اپنی امت کا۔ روحانی باپ ہوتا ہے"۔ بالفاظ دیگر امت کے افراد اس کی اولاد بن جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ہر ایک امتی کی روحانی تربیت اور تعلیم کا ویسے ہی انتظام کرتا اور اس کا خیال رکھتا ہے جس طرح باپ اپنے بچے کی ظاہری تربیت وغیرہ کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمایا ہے کہ میں تمہارے لیے بطور والد کے ہوں۔ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ (رواہ ابن عساکر عن ابی جعفر۔ الجامع الصغیر جزء ۱ ص ۱۰۳)

اور تو اور آیۃ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ (کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں) اس کے آگے قرأۃ شاذہ کے مطابق جو حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ بھی آیا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنوں کے باپ ہیں۔ (جامع البیان للشیخ معین بن صفی صاحب جزء ۲ ص ۳۵۹) قراءۃ حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ بھی یہی ہے (تفسیر النسفی جزء ۳ صـ۲۹۴)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسولوں کے سردار اور سب سے افضل تھے اس لیے آپ سب سے بڑے اور حقیقی والد کہلانے کے مستحق ہیں، شیخ قیصری لکھتے ہیں:

"اَلْوَالِدُ الْاَکْبَرُ هُوَ آدَمُ الْحَقِیْقِیُّ اَلَّذِیْ هُوَ الرُّوْحُ الْمُحَمَّدِیْ۔

(شرح فصوص الحکم صـ۲۷) کہ والد اکبر اور آدم حقیقی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"

اس حیثیت کے مطابق آپ کی پیروی کرنیوالے، آپ سے فیض حاصل کرنیوالے اور آپ کے طفیل خدائے تعالیٰ کی رحمتوں اور برکات سے حصہ لینے والے درجہ بدرجہ آپ کی اولاد کہلائینگے اور جو کچھ انہیں حاصل ہوا یا ہوگا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ کہلائے گا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔ "وَکُلُّ نَبِیٍّ تَبِعَ نَبِیًّا فِی التَّوْحِیْدِ وَالْمَعْرِفَةِ وَمَا یَتَعَلَّقُ بِالْبَاطِنِ مِنْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ فَهُوَ وَلَدُہٗ (زیر آیت ذریة بعضها من بعض) کہ ہر نبی جو توحید اور معرفت اور اصول دین کے ان امور میں جو باطن سے تعلق رکھتے ہوں کسی دوسرے نبی کی پیروی کرے تو وہ اس کا بیٹا ہوگا" یعنی روحانی اولاد شمار ہوگا، اس کے ساتھ ہی یہ ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ تابع یا امتی کا کمال اس کے پیشوا متبوع کے تابع ہوتا ہے اس کے امتی کو دیکھکر ہی ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ متبوع کس شان اور مرتبہ کا انسان ہے۔

الشیخ احمد بن زینی دحلان صاحب اپنی کتاب (تقریب الاصول لتسهیل الوصول صـ۲۲۵ پر لکھتے ہیں: "کَمَالُ التَّابِعِ تَابِعٌ لِکَمَالِ مَتْبُوْعِهٖ" کہ کسی تابع کا کمال اس کے متبوع کے کمال کے مطابق ہوتا ہے۔

حضرت امام رازی فرماتے ہیں: فَضِیْلَةُ التَّابِعِ تُوْجِبُ فَضِیْلَةَ الْمَتْبُوْعِ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صـ۳۱) کہ ایک پیرو کی فضیلت اپنے متبوع کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے۔

علامہ الشیخ محمد امین الکردی فرماتے ہیں:

وَلَا شَکَّ اَنَّ خَیْرِیَّةَ الْاُمَمِ اِنَّمَا هِیَ بِحَسْبِ کَمَالِهَا فِی الدِّیْنِ وَ ذٰلِکَ تَابِعٌ لِکَمَالِ نَبِیِّهَا الَّذِیْ اتَّبَعَتْهُ فَتَفْضِیْلُهَا تَفْضِیْلٌ لَهٗ (تنویر القلوب صـ۳۰)

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ امتوں کا شرف و بلندی ان کے دین میں کمال کے مطابق ہوتی ہے اور یہ کمال اس نبی کے کمال کے مطابق ہوتا ہے جس کی وہ امت پیروی کرتی ہے۔ پس اگر امت کو فضیلت حاصل ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نبی کو فضیلت حاصل ہوئی۔"

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔" اُمَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاُمَمِ فَوَجَبَ اَنْ يَكُوْنَ مُحَمَّدٌ اَفْضَلَ الْاَنْبِيَاءِ (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص۳۰۱) یعنی چونکہ امتِ محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام انبیاء سے افضل ثابت ہوئے۔"

حضرت شیخ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں: "فَالْمَتْبُوْعُ مُشَرِّعٌ فَالتَّابِعُ وَارِثٌ (شرح فصوص الحکم ص۳ طبع مصری) کہ نبی متبوع صاحب شریعت ہوتا ہے اور جو اس کا تابع نبی ہو وہ وارث ہوتا ہے۔"

اور یہ مسلمہ امر ہے" وَلَا شَكَّ اَنَّ اَكْمَلَ الْاَفْرَادِ الْاِنْسَانِيَّةِ مِنَ الرِّجَالِ هُوَ النَّبِيُّ (شرح فصوص الحکم للشیخ داؤد بن محمود القیصری ص۳۹۵) کہ مردوں میں سے انسانیت کا اکمل فرد نبی ہوتا ہے۔" اور کہ اَلنُّبُوَّةُ هِيَ اَعْظَمُ الْمَنَاصِبِ الْاِنْسَانِيَّةِ - (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۳۲۱) کہ نبوت انسانیت کا سب سے بڑا منصب ہے۔"

پس جس امت میں نبی مبعوث ہونگے وہ یقیناً اس امت سے افضل و اشرف قرار پائیگی جس میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا ہو کیونکہ سب سے بڑا اور روحانیت کا اعلیٰ درجہ نبوت ہے، باقی سب درجات، صالحیت، شہادت اور صدیقیت اس کے نیچے ہوتے ہیں۔

خیال ہو سکتا ہے کہ اگر دونو نبی ہوں تو پھر تابع اور متبوع میں کیا فرق رہا؟ لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے کیونکہ متبوع تو مشرع (صاحب شریعت) ہوتا ہے اور تابع اس کی شریعت کا پیروکار اور اس کا پابند۔

پھر یہ بھی ظاہر ہی ہے:" اِنَّ التَّابِعَ لَا يُدْرِكُ الْمَتْبُوْعَ اَبَدًا فِيْمَا هُوَ تَابِعٌ لَّهٗ فِيْهِ وَلَوْ اَدْرَكَهٗ لَمْ يَكُنْ تَابِعًا (شرح فصوص الحکم للقیصری ص۴۴۵) یعنی تابع جس امر میں وہ تابع ہے۔ اپنے متبوع کے درجہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

اگر وہ اس درجہ کو پالے تو وہ تابع نہیں ہوگا۔"

حضرت امام رازی فرماتے ہیں۔" وَالْاُمَّۃُ لَا تَکُوْنُ اَعْلٰی حَالًا مِنَ النَّبِیِّ "۔ (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۵۵) کہ امت کا کوئی فرد اپنے متبوع نبی سے بڑا نہیں بن سکتا۔"

پھر کیا تمام انبیاء نبوت میں ایک دوسرے کے شریک نہیں لیکن ان میں سے بھی بعض کو دوسرے انبیاء پر خدا تعالیٰ نے افضل قرار دیا ہے، فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کہ بعض رسولوں کو دوسرے رسولوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام نے فرمایا ؎

وَاِنِّیْ وَرِثْتُ الْمَالَ مَالَ مُحَمَّدٍ
فَمَا اَنَا اِلَّا اٰلُهُ الْمُتَخَیَّرُ

کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دولت کا وارث ہوا ہوں اور میں اس کی پسندیدہ آل واولاد ہوں۔

۱۰۔ ایک اور حیثیت سے بھی بروز کا مسئلہ واضح کیا جا سکتا ہے وہ یوں کہ نبی کی مثال ایک سورج کی ہوتی ہے اور اس کے امتی اس سے نور حاصل کرنے کی وجہ سے ستارے قرار پاتے ہیں، اسی لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سِرَاجًا مُّنِیْرًا قرار دیا (سورۃ الاحزاب آیت ۴۶) وہاں آپ کے صحابہ "نجوم" قرار پائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (رواہ البیہقی فی سننہ کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق) کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے (نیز دیکھئے ارشاد الفحول ص۶۱ طبع مصر)

بعض علماء اسلام نے "سِرَاج" کے معنی "دیا" کے لیکر ایک اور لطیف معنے بیان فرمائے ہیں چنانچہ شیخ امام زین الدین ابو الفرج بن رجب صاحب (المتوفی ۷۹۵ھ) نے اپنی کتاب لطائف المعارف ص۱۰۵ طبع مصر) پر لکھا ہے:" وَسُمِّیَ سِرَاجًا لِاَنَّ السِّرَاجَ الْوَاحِدَ یُوْقَدُ مِنْهُ اَلْفُ سِرَاجٍ وَلَا یَنْتَقِصُ مِنْ نُوْرِهٖ شَیْئٌ كَذٰلِكَ خَلَقَ اللّٰهُ الْاَنْبِیَاءَ مِنْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَمْ یَنْقُصْ مِنْ نُوْرِهٖ شَیْئٌ" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو الشمس، سورج قرار نہیں

دیا گیا، بلکہ "دیا" قرار دیا گیا کیونکہ ایک "دیا" سے ہزار دیے جلائے جائیں تو اس کے نور میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تمام انبیاء کو پیدا فرمایا تو آپ کے نور میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔"

امام احمد الصاوی جلالین کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اِنَّمَا شُبِّہَ بِالسِّرَاجِ وَلَمْ یُشَبَّہْ بِالشَّمْسِ مَعَ اَنَّ نُوْرَھَا اَتَمُّ لِاَنَّ السِّرَاجَ یَسْھُلُ اقْتِبَاسُ الْاَنْوَارِ مِنْہُ وَھُوَ صلی اللہ علیہ وسلم تُقْتَبَسُ مِنْہُ الْاَنْوَارُ الْحِسِّیَّۃُ وَالْمَعْنَوِیَّۃُ۔ (جزء ۳ ص۲۲۴) کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "دیا" سے تشبیہ دی گئی ہے۔ سورج سے نہیں حالانکہ سورج کا نور زیادہ تیز ہوتا ہے۔ کیونکہ "دیا" سے نور حاصل کرنا آسان ہوتا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ظاہری اور باطنی نور حاصل کئے جاتے ہیں۔"

بلکہ تمام انبیاء کی بابت انہوں نے لکھا ہے۔ "وَھُمْ مَخْلُوْقُوْنَ مِنْہُ (حاشیہ الصاوی جزء ۴ ص۱۴) کہ تمام انبیاء آپ ہی سے پیدا کئے گئے ہیں۔" حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

وَوَاللّٰہِ اِنِّیْ قَدْ تَبِعْتُ مُحَمَّدًا
وَفِیْ کُلِّ اٰنٍ مِنْ سَنَاہُ اُنَوَّرُ

کہ خدا کی قسم! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کی ہے اور ہر آن اس کے نور سے منور ہو رہا ہوں۔

اسی طرح نبی خصوصاً شارع نبی ایک بڑے چشمہ کی مثال ہوتا ہے جس سے ہر نہر اور نالہ اپنی وسعت کے مطابق فیض حاصل کرتا ہے وہی پانی جو چشمہ سے پھوٹتا ہے نہروں اور نالوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

آیت قُلْ یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ کے ماتحت الشیخ الکامل ابو محمد روزبہان بن ابی النصر البقلی الشیرازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ الرسل (تمام رسولوں) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں "لِاَنَّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم بَحْرُ اللّٰہِ یَنْشَقُّ مِنْہُ اَنْھَارُ الْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ" کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نہر ہیں جس سے تمام انبیاء اور رسولوں کی نہریں پھوٹتی ہیں۔"

یوں تو تمام انبیاء اور رسول آپ کے نور سے پیدا کئے گئے ہوں اور آپ سے ہی انہیں تمام فیض ملتا ہو مگر تعجب ہے کہ بعض لوگ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ نبوت جیسی نعمت اور نور سے آپ کی تمام امت قیامت تک محروم کردی گئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام آیت فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا کے متعلق فرماتے ہیں: جَعَلَ مِنْهُمُ الرُّسُلَ وَالْاَنْبِيَاءَ وَالْاَئِمَّةَ فَكَيْفَ يُقِرُّوْنَ فِي آلِ اِبْرَاهِيْمَ علیه السلام وَيُنْكِرُوْنَهٗ فِيْ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (باب ۱۶، کتاب الصافی شرح اصول الکافی جزء ۳ صفحہ ۱۱۹) کہ اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیم میں تو رسول، نبی اور امام مبعوث فرمائے تھے، پس یہ لوگ ان کا وجود ابراہیم علیہ السلام کی آل سے کیسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔"

ان دلائل سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ کسی نبی کا بروز یا مظہر یا ظل کہہ لیجئے اس کا مخالف نہیں ہوتا، بلکہ اس متبوع کی عظمت اور شرف کے اظہار کا باعث ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ میری امت میں سے مسیح موعود اور مہدی معہود آخری زمانہ میں مبعوث کیا جائیگا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ میری امت کو ضائع نہیں ہونے دیگا، بلکہ میرے بروز کے ذریعہ اس کو نشأۃ ثانیہ نصیب ہوگی اور وہ ایک بار پھر ترقی کریگی حتی کہ اسلام کا دَور دورہ ہوگا اور اس علمی زمانہ میں پھر اسلام ایک نئی شان سے ابھریگا اور تمام مذاہب کو بذریعہ دلائل و براہین اور بذریعہ آیاتِ بینات شکست دیگا اور تمام دجالی فتنے پاش پاش ہو جائینگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی زمانہ کے متعلق فرمایا تھا۔ مَثَلُ اُمَّتِيْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرٰى اَوَّلُهٗ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ رواہ الترمذی عن انس (المشکوٰۃ باب ثواب ھذہ الامۃ) کہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے نہیں معلوم کہ اس کی ابتداء زیادہ اچھی ہے یا انتہا۔"

تاویل کی اہمیت

جب ہم پیشگوئی "نزول ابن مریم" کی تاویل کرتے ہیں تو بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں

کہ گویا ہم نص کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ تاویل سے نص کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ اَلتَّاْوِیْلُ فَرْعُ الْقُبُوْلِ (ارشاد الفحول ص۴۴) کہ تاویل قبول کرنے کی فرع ہے۔" یہیں حضرت امام شوکانی فرماتے ہیں کہ بخاری اور مسلم کی کئی احادیث کی تاویل کی جاتی ہے۔ پس جو شخص کسی آیت یا حدیث کی تاویل کرتا ہے تو پہلے وہ یہ قبول کرتا ہے کہ وہ آیت یا حدیث برحق ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے، لیکن اس کے صحیح معنی یہ ہیں اسی لیے جو شخص کسی نص کی تاویل کرتا ہے، اسے محققین تکذیب نص یا کافر کہنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ (نیز دیکھئے الیواقیت والجواہر جزء ۲ ص۱۲۵)

حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

"وَلَا نُکَفِّرُ اَھْلَ التَّاْوِیْلِ (التفسیر الکبیر جزء ا ص۱۲) کہ تاویل کرنے والوں کو کافر نہیں کہا جاتا۔"

۲۔ بلکہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ بعض صورتوں میں متشابہات کی تاویل ضروری ہوتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ کے حق میں لفظ اَسَف (افسوس، رنج) اور اِنْتِقَام (بدلہ لینا) کی بحث میں لکھتے ہیں:

"وَکُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا مِنَ الْمُتَشَابِھَاتِ الَّتِیْ یَجِبُ اَنْ یُصَارَ فِیْھَا اِلَی التَّاْوِیْلِ۔ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۴۳۲) کہ ان میں سے ہر لفظ ایسے متشابہات میں سے ہے جنکی تاویل کرنا واجب ہوتا ہے، گویا بعض متشابہات ایسے ہیں جن کی تاویل کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہوتا ہے۔

۳۔ بلکہ حضرت امام شوکانی اپنی کتاب ارشاد الفحول ص۶۷ پر فرماتے ہیں:

"وَاَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ الْمُنْکِرَ لِمَا تَدُلُّ عَلَیْهِ الْعُمُوْمَاتُ لَا یُکَفَّرُ وَلَا یُفَسَّقُ اِذَا کَانَ ذٰلِكَ الْاِنْکَارُ لِتَاْوِیْلٍ۔ کہ علماء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کسی نص کے عام معنوں کا منکر ہے اور وہ اس کی تاویل کرتا ہے تو اسے کافر کیا فاسق بھی قرار نہ دیا جائیگا۔"

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں خوارج کا ظہور ہوا جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ کہ وہ دین سے ایسے نکل جائینگے جیسے کہ تیر اپنے نشانہ سے پار نکل جاتا ہے۔"

انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائیاں لڑیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون بھی انہی کے ہاتھوں ہوا۔

لوگوں نے ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا اَکُفَّارٌ هُمْ؟ کیا وہ (خوارج) کافر ہیں؟ فَقَالَ لَا اِنَّهُمْ مِنَ الْكُفْرِ فَرُّوْا تو حضرت نے فرمایا: نہیں وہ تو کفر سے بھاگے ہوئے ہیں۔ فَقِیْلَ اَمُنَافِقُوْنَ هُمْ؟ پھر پوچھا گیا تو کیا وہ لوگ منافق ہیں؟ فَقَالَ لَا! اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا وَ هٰؤُلَاءِ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا۔ تو آپ نے فرمایا نہیں وہ منافق بھی نہیں کیونکہ منافق تو خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں اور یہ لوگ اسے زیادہ یاد کرتے ہیں۔

امام الخطابی کہتے ہیں۔ لَمْ یَجْعَلْهُمْ كُفَّارًا اِذْ اَنَّهُمْ تَعَلَّقُوْا بِضَرْبٍ مِنَ التَّاوِیْلِ (الیواقیت والجواھر جزء ۲ صفحہ ۱۲۵ مبحث ۵۸) کہ حضرت نے انہیں کفار قرار نہیں دیا کیونکہ انہوں نے ایک قسم کی تاویل سے کام لیا تھا۔"

مطلب یہ کہ مؤوّل کو کافر کہنا صحیح نہیں ہے اس لیے انہیں کافر نہیں کہا گیا۔

۵۔ حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی مسئلہ کفر و اسلام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ بعض علماء نے مؤولین کو بھی کافر قرار دینے کی جرأت کی ہے، لیکن جمہور علماء و خلفاء اس فتویٰ کے مخالف ہیں کیونکہ مؤولین هُمْ مِنْ اُمَّةِ الْاِجَابَةِ بِلَا شَكٍّ فَمَنْ سَمَّاهُمْ كَفَرَةً فَقَدْ ظَلَمَ وَ تَعَدّٰی (الیواقیت والجواھر جزء ۲ صفحہ ۱۲۶) بلاشبہ وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے پس جو شخص انہیں کافر کا نام دیتا ہے تو یقین جانو کہ اس نے ظلم اور تعدی سے کام لیا۔"

۶۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ " قَالَ لَا اُكَفِّرُ اَهْلَ الْاَهْوَاءِ بِذَنْبٍ وَ فِیْ رِوَایَةٍ عَنْهُ وَلَا اُكَفِّرُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ وَ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی عَنْهُ وَلَا اُكَفِّرُ اَهْلَ التَّاوِیْلِ الْمُخَالِفَ لِلظَّاهِرِ بِذَنْبٍ (رشوا لهدا الحق للشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی صفحہ ۱۲۵) آپ نے فرمایا کہ میں اہل اہواء کو کسی غلطی کی وجہ سے کافر نہیں کہتا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی اہل قبلہ کو اس کی غلطی کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتا اور ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں کسی ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہتا جو غلطی کی وجہ سے خلافِ

ظاہر تاویل کرنیوالا ہے۔

۷۔ علامہ محمد طاہر گجراتی اپنی لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار میں علامہ الخطابی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: اَجْمَعُوْا اَنَّ الْخَوَارِجَ عَلٰی ضَلَالَتِهِمْ فِرْقَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَجُوْزُ مُنَاكَحَتُهُمْ وَذَبْحُهُمْ وَشَهَادَتُهُمْ۔" (دیکھیے لفظ مرق) کہ محققین علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج باوجود اپنی کھلی گمراہی کے مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ ہیں، ان سے نکاح کرنا، ان کا ذبحہ کھانا اور ان کی شہادت قبول کرنا جائز ہے۔

اس کی دلیل؟ وَحُجَّةُ مَنْ قَالَ بِعَدَمِ تَكْفِيْرِ الْمُتَأَوِّلِيْنَ اَنَّهُ قَدْ ثَبَتَ عِصْمَةُ دِمَاءِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ بِقَوْلِهِمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَلَمْ يَثْبُتْ لَنَا اَنَّ الْخَطَأَ فِي التَّاوِيْلِ كُفْرٌ۔" (الیواقیت والجواہر جزء ۲ ص۱۲۵) و (شواہد الحق ص۱۲۵) کہ ان علماء محققین کی دلیل جو کہتے ہیں کہ مؤولین کو کافر نہ کہنا چاہیئے یہ ہے کہ ان مؤولین نے چونکہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہوا ہے اس لیے ان کے خون اور مال محفوظ ہیں اور ہمیں کہیں سے ثبوت نہیں ملا کہ تاویل میں خطا کی وجہ سے کفر لازم آتا ہے۔

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ" (حدیث بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی عن ابن مسعود، الجامع الصغیر ص۶۸) کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور جنگ کرنا کفر ہے۔

سوال ہوتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سابقون اولون ہی سے تھے آپس میں جنگیں کرتے رہے جن میں ہزارہا مسلمانوں کا خون بہ گیا ان کے متعلق کیا سمجھنا چاہیئے؟

اس سوال کا جواب علامہ ابن حجر ہیثمی یوں دیتے ہیں:

"اِنَّهُمْ لَمْ يَخْرُجُوْا بِتِلْكَ الْحُرُوْبِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَاِنَّهُمْ فِيْهِ عَلٰى حَدٍّ سَوَاءٍ فَلَا فِسْقَ وَلَا نَقْصَ يَلْحَقُ اَحَدَهُمَا لِمَا قَرَّرْنَاهُ مِنْ اَنَّ كُلًّا مِّنْهُمَا مُتَاوِّلٌ تَاوِيْلًا غَيْرَ قَطْعِيِّ الْبُطْلَانِ (الاسالیب البدیعہ للشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی ص۶) کہ صحابہ کرام ان لڑائیوں کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوئے اور وہ اس میں برابر ہیں ان دونو فریق میں سے کسی کو نہ فاسق کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور نقص اس وجہ سے انہیں لاحق ہوا ہے کیونکہ ہم نے ثابت

کر دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فریق مؤوّل تھا اور ان کی تاویل ایسی تھی کہ اسے قطعی طور پر باطل نہیں کہا جا سکتا۔"

۹۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (الاملاء عن اشکالات الاحیاء بحاشیہ احیاء علوم الدین جزء ۱ صفحہ ۱۱۳) پر فرماتے ہیں کہ اگرچہ اہل اہواء اور اہل بدعت لوگوں کو بہت سے علماء نے کافر قرار دیا ہے، لیکن جو علماء ان کے بارے میں متردد ہیں بلکہ انہیں مسلمان ہی قرار دیتے ہیں وہ ان سے بھی زیادہ ہیں۔

وَكُلُّ فَرِيْقٍ مِنْهُمْ فِيْ مُقَابَلَةِ مَنْ خَالَفَهُ فَلْيَنْقَطِعِ التَّحَاكُمُ عِنْدَ الْعَالِمِ الْاَكْبَرِ الْمُؤَيَّدِ بِالْعِصْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ اِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم فَهُوَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حِيْنَ قَالَ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَضَافَهُمْ اِلَى الْاُمَّةِ۔

کہ ان میں سے ہر ایک فریق ایک دوسرے کے مقابل کھڑا ہے اس لیے فیصلہ کے لیے سب سے بڑے عالم، معصوم انسان، سید البشر، امام المتقین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا ہوگا سو آپ نے جب اپنی امت میں مجوس پیدا ہونے کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ "اس (میری) امت کے مجوس"۔ اس طرح آپ نے ان کو اپنی امت کی طرف ہی منسوب کیا۔"

مدعا یہ کہ باوجود وہ اپنی گمراہی کے ایسی گمراہی کے جس کی شہادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی، وہ امت کا حصہ ہیں، امت محمدیہ سے خارج نہیں۔

۱۰۔ یہ آراء اور فتاوی ان تاویلات کے متعلق ہیں جو ظاہری الفاظ اور عام مستعمل معانی کو ترک کر کے اختیار کی گئی ہوں، لیکن جو تاویل لغوی لحاظ سے صحیح ہو۔ صرف عوام کے خیال کے خلاف ہی ہو تو دراصل اسے تاویل کا نام دینا ہی صحیح نہیں۔ علامہ شیخ محمد رشید رضا سابق مفتی مصر فرماتے ہیں: اَلتَّفْسِيْرُ الْمُوَافِقُ لِلُغَةِ الْعَرَبِ لَا يُسَمّٰى تَاْوِيْلًا (تفسیر القرآن الحکیم جزء ۱ صفحہ ۲۵۳) کہ جو تفسیر لغت عرب کے مطابق ہو اسے تاویل کا نام نہیں دیا جاتا۔"

اس طرح جو نئے معنے بھی لغت کے رو سے مستنبط ہو سکتے ہوں اور قرآن کریم کی دوسری آیات سے مخالف نہ ہوں تو انھیں بھی قبول کیا جانا چاہیئے، حضرت علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں اِذَا كَانَ التَّاْوِيْلُ قَرِيْبًا مِنْ لِّسَانِ الْعَرَبِ لَمْ يُنْكَرْ۔ (تفسیر روح المعانی

ارشاد الفحول صـ ۱۵۵ الباب السابع فی الظاہر والمؤول) کہ جو تاویل زبان عرب کے قریب ہو اس سے انکار نہیں کیا جاتا۔"

اس مسئلہ کے اختتام پر میں امام ابو المحاسن الرویانی وغیرہ کا قول نقل کر دینا ضروری اور مناسب سمجھتا ہوں: "کَانَ اَبُوالْمَحَاسِنِ الرُّوْیَانِیْ وَغَیْرُہٗ مِنْ عُلَمَاءِ بَغْدَادَ قَاطِبَۃً یَقُوْلُوْنَ لَا یُکَفَّرُ اَحَدٌ مِنْ اَھْلِ الْمَذَاھِبِ الْاِسْلَامِیَّۃِ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَلَہٗ مَا لَنَا وَعَلَیْہِ مَا عَلَیْنَا۔" (الیواقیت والجواہر جزء ۲ صـ ۱۲۵ مبحث ۵۸) کہ علامہ ابو المحاسن رویانی اور بغداد کے دوسرے تمام علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ مذاہب اسلامیہ کے پیروؤں میں سے کسی کو کافر قرار نہ دیا جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہماری نماز پڑھتا ہے اور (نماز میں) ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں اور اس کی وہی ذمہ داری ہے جو ہماری ہے۔"

یہ ہیں مسلمان کے نشان! جس شخص نے کلمہ شریف پڑھ لیا اور اس کا عمل اس حدیث کے مطابق ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرٹیفکیٹ کی رو سے مسلمان ہے، اسے اپنے اسلام کی تصدیق کے لیے کسی عالم یا مفتی کی سند کا احتیاج نہیں، ریاست میں یقیناً۔ اس کے حقوق مسلمانوں کے حقوق ہیں جو اسے اس کی کسی غلطی کی وجہ سے ایسا کافر کہتا ہے جو خارج از ملت قرار پاتا ہو تو وہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے اس کا جواب دہ ہوگا۔

عیسیٰ موعود نبی ہوگا

بعض لوگ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہونگے تو وہ نبی نہ ہونگے صرف امام ہونگے۔ پس ان کے نزول میں کوئی امر مانع نہیں ہے چونکہ "نزول عیسیٰ" کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امتی نبی کا آنا شرعاً ممکن ہوا تو اس سے فرار اختیار کرنے کے لیے یہ کہنا ضروری سمجھا گیا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام

تشریف لائینگے تو وہ نبی نہ ہونگے صرف امام ہونگے، اگر بات ایسی ہی ہو تو اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ نزول پر ان کی نبوت چھین لی جائیگی اور وہ نبوت کے وصف سے محروم کر دیئے جائینگے؟ اگر ایسا ہو تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بڑی ذلت اور اہانت کا موجب ہوگا کہ وہ مرتبہ ان سے چھین لیا جائیگا حالانکہ نبوت کا وصف ایک نعمت ہے اور کوئی ایسی نعمت انسان کے گناہ کے بغیر چھینی نہیں جاسکتی اور نبی چونکہ معصوم ہوتا ہے اس لیے وہ ہمیشہ نبی ہوتا ہے زندگی میں بھی، موت کے بعد بھی اور قیامت کے دن بھی وہ نبی ہوگا۔ اگر یہ مطلب ہو کہ ان کی نبوت ہم مسلمانوں کے لیے کسی کام کی نہ ہوگی، تو ایسی صورت میں ان کا آنا ہمارے لیے بیکار اور بے فائدہ ہوگا، انا للہ وانا الیہ راجعون، پھر ان کو امت اسلام میں لانے کے کیا معنی؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ نبی تو ہونگے، لیکن صرف بنی اسرائیل کے لیے تو پھر بھی یہ تو ثابت ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ضرور آئیگا، خواہ قومی نبی ہی سہی! اور پھر عجیب تماشہ ہوگا کہ وہ بنی اسرائیل کو تو توراۃ وانجیل پر عمل کرنیکی تعلیم دینگے اور مسلمانوں کو اسلام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرینگے، کیا کوئی ذی فہم یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے کہ اسلام پر ایسا دن آسکتا ہے کہ عیسائیوں کو اس پر عمل کی ضرورت نہ ہو، پس چونکہ یہ ایک نامعقول خیال ہے، اس لیے پہلے علماء نے بھی اسے بزور رد کیا ہے۔

۱۔ تفسیر روح المعانی میں زیر تفسیر خاتم النبیین جب نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو علامہ الوسیؒ نے لکھا:

"ثُمَّ اِنَّہٗ علیہ السلام حِیْنَ یَنْزِلُ بَاقٍ عَلٰی نُبُوَّتِہِ السَّابِقَۃِ لَمْ یُعْزَلْ عَنْھَا بِحَالٍ۔ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے تو وہ یقیناً اپنی پہلی نبوت پر قائم ہونگے انہیں ہرگز معزول نہ کیا گیا ہوگا۔"

آگے لکھتے ہیں:

"نَعَمَا ذَا اللہِ اَنْ یُعْزَلَ رَسُوْلٌ اَوْ نَبِیٌّ عَنِ الرِّسَالَۃِ اَوِ النُّبُوَّۃِ۔ کہ خدا پناہ میں رکھے اس خیال سے کہ کسی رسول یا نبی کو رسالت یا نبوت سے معزول کیا جاتا ہے۔"

۲۔ علامہ ابن حجر ہیثمی اپنے الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۱۵۵ پر لکھتے ہیں:

"وَعِیْسٰی نَبِیٌّ کَرِیْمٌ بَاقٍ عَلٰی نُبُوَّتِہٖ وَرِسَالَتِہٖ لَا کَمَا زَعَمَہٗ مَنْ لَّا یُعْتَدُّ

بِهٖ اَنَّهٗ وَاحِدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ - کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک معزز نبی ہیں وہ اپنی نبوت پر (نزول کے وقت بھی) قائم رہیں گے اس طرح نہ (آئینگے) جیسے کہ بعض ایسے لوگوں کا خیال ہے جن کو شمار میں نہیں لایا جاتا (یعنی جن کی کوئی حیثیت نہیں) کہ وہ (عام لوگوں کی طرح) امت کا ایک فرد ہونگے نبی نہیں ہونگے۔

۳۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں : مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ کَفَرَ حَقًّا (حجج الکرامہ صـ۴۳۱) کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ آپ کی نبوت چھن جائے گی وہ پکا کافر ہے

۴۔ علامہ الزرقانی محمد بن عبد اللہ الباقی نے شرح المواہب اللدنیہ صـ۱۶۵ پر لکھا ہے۔

" وَهُوَ نَبِيٌّ كَرِيْمٌ عَلٰى حَالِهٖ لَا كَمَا يَظُنُّ بَعْضُ النَّاسِ اَنَّهٗ يَاْتِيْ وَاحِدًا مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ لَيْسَ مُتَّصِفًا بِنُبُوَّتِهٖ - کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے ہی کی طرح نبی ہونگے، ایسا نہیں ہوگا جیسے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بطور امت کے عام فرد کے آئینگے نبی نہ ہونگے۔"

۵۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی خاتم الاولیاء اپنی مشہور تصنیف میں فرماتے ہیں :
" وَ نُبُوَّةُ عِيْسٰى ثَابِتَةٌ لَّهٗ مُحَقَّقَةٌ " فَهٰذَا نَبِيٌّ وَرَسُوْلٌ قَدْ ظَهَرَ بَعْدَهٗ (الفتوحات المکیۃ جزء ۲ صـ۳) کہ موعود عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت اور یقینی ہے۔ پس اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یقیناً ایک نبی اور رسول کا ظاہر ہونا مقدر ہے۔"

موعود عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ فرمایا :
" قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ (تفسیر الدر المنثور جزء ۵ صـ۲۰۵) کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لیکن نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔"

اس قول سے تین باتیں واضح ہوگئیں۔

۱۔ آنیوالا مسیح موعود نبی ہوگا۔

۲۔ خاتم النبیین اس کے آنے میں روک نہیں۔

۶۔ لا نبی بعدی کے الفاظ پر مشتمل حدیث بھی موعود نبی اللہ عیسیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے میں روک نہیں کیونکہ حدیث لا نبی بعدی میں ایسے نبی کی آمد کو ممتنع قرار دیا گیا ہے جو نئی شریعت لانیوالا ہو اور حضرت عائشہؓ نے جو فرمایا کہ "یہ نہ کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اس میں بعد والے نبی سے مراد اُمتی نبی ہے۔ یعنی امتی نبی (موعود عیسیٰ)

۷۔ اسی طرح نبی کریم کے جلیل القدر صحابی حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آنیوالا موعود ابن مریم نبی ہوگا۔

قَالَ رَجُلٌ عِنْدَ الْمُغِيْرَةِ بن شُعْبَةَ : " صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ " فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ حَسْبُكَ اِذَا قُلْتَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ فَاِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ اَنَّ ابْنَ مَرْيَمَ خَارِجٌ فَاِنْ خَرَجَ فَقَدْ كَانَ قَبْلَهٗ وَ بَعْدَهٗ

(تفسیر الدر المنثور جزء ۵ ص۲۰۴) کہ ایک آدمی نے حضرت مغیرہ کے سامنے کہا کہ خدا رحمت بھیجے محمد پر جو خاتم الانبیاء ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں"؛ اس پر حضرت مغیرہ نے کہا: تجھے کافی ہے کہ تو خاتم النبیین کہے (اور یہ نہ کہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں) کیونکہ ہم حدیث روایت کرتے تھے کہ عیسیٰ بن مریم ظاہر ہونے والا ہے۔ پس اگر وہ ظاہر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے بھی ابن مریم (نبی) ہوا اور بعد میں بھی"۔

یہ قول بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے ہی ہم معنی ہے۔

ان اقوال سے عیاں ہے کہ علماء محققین نے خیال مندرجہ بالا کو سختی سے ردّ کیا ہے اور خلاف معقول و منقول بتایا ہے اور یہ ہے بھی صحیح اور سچ۔

خلاصہ مضمون

چونکہ نزول مسیح اور ظہور مہدی کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں پھر سارے مضمون کا ماحصل یہاں بیان کر دوں تاکہ ساری بحث سمجھنے کے لیے سہولت رہے اور بات پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔ ہماری تمام بحث سے واضح ہو گیا کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایک امتی نبی آ جاتے ہیں نہ آیت خاتم النبیین روک ہے نہ حدیث لا نبی بعدی۔

امام محمد طاہر گجراتی نے حضرت عائشہؓ کے اس قول کی تشریح میں لکھا ہے: ھذا

نَاظِرٌ اِلٰی نُزُوْلِ عِیْسٰی وَ ھٰذَا اَیْضاً لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّہٗ اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ کہ یہ قول موعود عیسیٰ نبی اللہ کی آمد کے پیش نظر کہا گیا ہے اور یہ حدیث لا نبی بعدی کے بھی خلاف نہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے یہ ہے کہ ناسخ شریعت نبی نہیں آئیگا۔

بے شک بزرگانِ دین نے مہدی کی آمد کے متعلق احادیث نبویہ کے متواتر ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے مگر اس سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ احادیث تواتر سے ایک امام مہدی کے آنے کی خبر دیتی ہیں ورنہ اس کے باقی حالات کے متعلق مثلاً وہ کہاں ظاہر ہوگا کب ہوگا اور کس نسل سے ہوگا وغیرہ امور میں صریح اختلافات موجود ہیں، حتیٰ کہ ان سب احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ ابن خلدون یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے کہ ان میں سے صرف شاذونادر ہی کوئی حدیث ثابت ہے۔ ورنہ علی العموم مجروح ہیں علامہ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

لَمْ یَخْلُصْ مِنْھَا مِنَ النَّقْدِ اِلَّا الْقَلِیْلُ اَوِ الْاَقَلُّ مِنْہُ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۷ فصل ۵۲)

اسی طرح نزول مسیح کی تمام احادیث بھی اپنے اندر تواتر معنوی رکھتی ہیں اور ایک ابن مریم کے نزول کی خبر دیتی ہیں ان احادیث میں تواتر معنوی علامہ الوسی کو بھی مسلم ہے (دیکھئے تفسیر روح المعانی آیت خاتم النبیین اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے نزدیک بھی یہ تواتر پایا جاتا ہے (تحذیر الناس)

پس ان احادیث کی بناء پر علماء اسلام کفر کا فتویٰ ان لوگوں پر لگا رہے ہیں جو سرے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام مہدی کے ظہور اور ابن مریم کے نزول سے انکار کریں اور ان احادیث کو جن میں مسیح اور مہدی کی آمد کا ذکر ہے جھوٹا مانیں ورنہ وہ لوگ جو دعویٰ اسلام کرتے ہوئے ان احادیث صحیحہ کی بناء پر ایک امام مہدی اور مسیح کی آمد کا اعتقاد رکھتے ہوں خواہ وہ دو شخصوں کا آنا مانیں یا بعض احادیث کے الفاظ کی بناء پر ایک ہی شخص کا ظہور تسلیم کریں جو المہدی اور مسیح امت ہو وہ کافر قرار نہیں پاتے کیونکہ وہ مؤوّل ہوں گے نصوص کے مکذب نہیں ہونگے جیسا کہ استاذ العصر آفندی کے قول سے دکھایا جا چکا ہے کہ متواتر کا ایسا انکار کفر ہے کہ تاویل کے بغیر اس کے معنی کی تکذیب لازم آئے۔

مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ابن مریم کے ظہور کے قائل ہوں اور امام مہدی کو ہی ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی کا مصداق مانتے ہوں کافر قرار نہیں پاتے زیادہ سے زیادہ انہیں مؤول کہا جا سکتا ہے، کیونکہ تمام محققین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مؤول کافر نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ نص کا مکذب نہیں ہوتا۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے الاقتصاد فی الاعتقاد میں اس مسئلہ پر بہت زور دیا ہے کہ معتزلہ، جہمیہ اور مشبہہ وغیرہم کو ہم اس لیے کافر قرار نہیں دیتے کہ وہ نصوص کے مکذّب نہیں اور ہمارے نزدیک ثابت نہیں کہ جو شخص نص کی تاویل کرے اس کا مکذب نہ ہو وہ کافر ہوتا ہے امام صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

"لَمْ يُثْبُتْ لَنَا أَنَّ الْخَطَأَ فِي التَّاوِيْلِ مُوْجِبٌ بِالتَّكْفِيْرِ۔ (الاقتصاد ص ۱۱۲) کہ یہ بات ہم پر ثابت نہیں ہوئی کہ تاویل میں غلطی کرنا تکفیر کا موجب ہے۔"

دراصل مہدی اور مسیح کے ظہور کے متعلق مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

۱۔ بعض نے سرے سے ان کی آمد کا انکار کیا ہے وہ تو ان علماء کے نزدیک احادیث متواترہ کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہیں۔

۲۔ بعض لوگ مہدی اور مسیح کی آمد کو برحق تو تسلیم کرتے ہیں مگر وہ ان کو الگ الگ دو وجود مانتے ہیں۔

۳۔ پھر بعض لوگ مسیح اور مہدی کی آمد کو برحق یقین کرتے ہوئے بعض احادیث کے الفاظ کی بنا پر وہ مہدی اور مسیح کو ایک ہی شخص قرار دیتے ہیں۔

گو دوسرے اور تیسرے گروہ کا اختلاف بھی بڑا اختلاف ہے، لیکن پھر بھی انہیں احادیث صحیحہ کا منکر قرار دیکر کافر نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ وہ احادیث صحیحہ کو رد نہیں کرتے اور نہ ان کی تکذیب کے مرتکب ہوتے ہیں۔

تیسرے گروہ کا ذکر کتاب اقتباس الانوار میں اس طرح کیا گیا ہے۔

"بعضے بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق این حدیث لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ (اقتباس الانوار ص ۲۵) کہ بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ کی روحانیت

مهدی میں بروز کریگی اور حدیث میں لفظ "نزول" سے مراد یہ بروز ہی ہے مطابق اس حدیث کے کہ نہیں ہے مہدی مگر عیسیٰ بن مریم"۔

اور خریدۃ العجائب میں ہے :۔

"قَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِيْسٰى خُرُوْجُ رَجُلٍ يُشْبِهُ عِيْسٰى فِي الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَيْرِ مَلَكٌ وَلِلشِّرِّيْرِ شَيْطَانٌ تَشْبِيْهًا بِهِمَا وَلَا يُرَادُ الْاَعْيَانُ (خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب ص۲۱۴ مطبوعہ التقویم العلمی مصر) کہ ایک گروہ نے نزول عیسیٰ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا جیسے تشبیہ دینے کے لیے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہدیتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی"۔

مسند احمد کی ایک روایت میں جو ابوہریرہ سے مروی ہے یہ الفاظ وارد ہیں،

"يُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يَلْقٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَهْدِيًّا حَكَمًا عَدْلًا"۔ (جزء ۲ ص۴۱۱ مطبوعہ مصر) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو زندہ رہیگا قریب ہے کہ وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے ملاقات کرے در آنحالیکہ وہ امام مہدی اور حکم وعدل ہوگا"۔

یہ حدیث بھی مہدی اور مسیح کو ایک شخص قرار دیتی ہے۔

اور صحیح بخاری میں حدیث نبوی کے الفاظ یہ ہیں :

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ اور یہی روایت صحیح مسلم میں یوں آئی ہے۔ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ، یہ دونو احادیث مسند احمد کی روایت کی مؤید ہیں کہ عیسیٰ بن مریم سے مراد امت کا ایک امام ہے جو امت میں سے ہوگا ان احادیث میں یہ نہیں کہا گیا اِمَامُكُمْ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ کہ عیسیٰ اسرائیلی تمہارا امام بنیگا۔

پس نزول ابن مریم کی یہ تاویل کہ امت کا امام مہدی ہی عیسیٰ بن مریم کا مثیل ہوگا ہرگز تکذیب نصوص قرار نہیں پائیگی اور ان احادیث کے یہ معنے لینے والا شخص بزرگان دین کے نزدیک مؤوّل ہونیکی وجہ سے ان نصوص کا مکذب قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اسے

کافر قرار دینا جائز ہو سکتا ہے۔

ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ پیشگوئیوں کے متعلق حتمی طور پر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا ظہور کس رنگ میں ہو گا۔ فقہ حنفیہ میں یہ مسلّم ہے کہ امور مستقبلہ کے بارے میں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد کا دخل نہیں ہو سکتا چنانچہ مسلم الثبوت میں لکھا ہے :-

" اَمَّا فِی الْمُسْتَقْبِلَاتِ کَاَشْرَاطِ السَّاعَۃِ وَاُمُوْرِ الْاٰخِرَۃِ فَلَا (اِجْمَاعَ) عِنْدَ الْحَنَفِیَّۃِ لِاَنَّ الْغَیْبَ لَا مَدْخَلَ فِیْہِ لِلْاِجْتِہَادِ " (مسلم الثبوت مع شرح ۲۴۰) یعنی جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے علامات قیامت (جن میں نزول مسیح بھی شامل ہے۔ ناقل) اور امور آخرت، ان میں حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں ہو سکتا کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد اور رائے کے دخل کا کوئی موقع نہیں ہوتا"

سو جب امور مستقبلہ میں اجماع نہیں ہو سکتا کیونکہ ان میں اجتہاد کا کوئی دخل ہی نہیں تو کسی عالم کا اس بات پر زور دینا درست نہیں ہو گا کہ جو شخص نزول مسیح کی احادیث کی یہ تاویل کرتا ہے کہ امام مہدی عیسیٰ بن مریم کا مثیل ہو گا وہ باوجود مؤوّل ہونے کے کافر ہے۔

محققین کا یہی شیوہ رہا ہے کہ وہ امور مستقبلہ کے بارے میں کسی کے اجتہاد کو حجت قرار نہ دیں بلکہ ان امور کو متشابہات میں سے جانیں جن کی اصل حقیقت کو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ چنانچہ معالم التنزیل اور الخازن میں صاف لکھا ہے کہ خروج دجال اور نزول مسیح ان متشابہات میں سے ہیں جن کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جو لوگوں پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ وہ واقعی امر جو اللہ کے نزدیک ہے وقوع میں آجاتا ہے۔

بروز اور پہلی کتب بروز کی مثالیں انبیاء سابقین کی کتب میں بھی ملتی ہیں، مولوی مودودی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ یہودیوں میں الیاس کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی مشہور تھی کیونکہ " ان (یہودیوں) کے ہاں مشہور ہو گیا کہ الیاس علیہ السلام ایک بگولے میں آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے۔ (۲۔ سلاطین باب دوم) اور یہ کہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے چنانچہ بائیبل کی کتاب ملاکی میں لکھا ہے :-

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے میں ایلیا کو تمہارے پاس بھیجونگا (۴ : ۵) ..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ شاید ایلیا نبی آگئے ہیں (مرقس ۶ : ۱۴ - ۱۵) خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ایلیا نبی آنے والے ہیں مگر حضرت (عیسیٰ) نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو رفع کردیا کہ ایلیاہ تو آچکا اور لوگوں نے اسے پہچانا نہیں بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اس سے حواری خود جان گئے کہ دراصل آنیوالے حضرت یحییٰ تھے نہ کہ آٹھ سو برس گزرے ہوئے پہلے الیاس۔"

(تفہیم القرآن جلد ۴ صفحہ ۳۰۵ و صفحہ ۳۰۶ نوٹ نمبر ۷۳)

اگر یحییٰ علیہ السلام ایلیاہ ہو سکتے ہیں تو امت محمدیہ کا کوئی فرد کیوں ابن مریم کی پیشگوئی کا مصداق نہیں ہو سکتا۔؟

پھر بائبل سے ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل وفات پاکر اس عالم فانی سے گزر چکے تھے، حضرت یرمیا نے حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے قریباً چار سو سال بعد پیشگوئی فرمائی کہ:

"وہ (بنی اسرائیل) خداوند اپنے خدا کی اور اپنے بادشاہ داؤد کی جسے میں ان کے لیے برپا کرونگا خدمت کرینگے۔" (کتاب یرمیا باب ۳۰ آیت ۹)

اسی زمانہ میں نبی حزقیل نے بھی اسی قسم کی پیشگوئی فرمائی تھی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں ان (بنی اسرائیل) کے لیے ایک چوپان مقرر کرونگا اور وہ ان کو چرائیگا یعنی میرا بندہ داؤد وہ ان کو چرائیگا اور وہی ان کا چوپان ہوگا اور میں خداوند ان کا خدا ہونگا۔" (کتاب حزقیل باب ۳۴ آیت ۲۳)

اس سے ذرا پہلے کچھ عرصہ ہی ہوسیع نبی نے یہ کہا تھا:

"اسرائیل پھرینگے اور خداوند اپنے خدا کو اور داؤد اپنے بادشاہ کو ڈھونڈھینگے۔" (کتاب ہوسیع باب ۳ آیت ۵)

کیا ہمارے زمانہ کے ایک مشہور شاعر نے نہیں کہا تھا ؎

"یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے۔"

بلکہ انجیل سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بروز کے مسئلہ سے عام یہودی واقف تھے اسی لیے جب

"یسوع نے قیصریہ فلپی کی اطراف میں آکر اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں کہ میں جو ابن آدم ہوں کون ہوں انہوں نے کہا کہ بعضے کہتے ہیں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے بعضے الیاس اور بعضے یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی" (کتاب متی باب ۱۶ آیت ۱۳ - ۱۴)۔ اس وقت جب یہ کہا جا رہا تھا حضرت یوحنا قتل کئے جا چکے تھے (لوقا باب ۹ آیت ۹) یرمیاہ عرصہ دراز سے گذر چکے تھے، پس اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خوب سمجھتے تھے کہ ایک شخص پہلے کسی نبی کی روحانیت اور قوت کے ساتھ اس کا مظہر بنکر آسکتا ہے (لوقا باب ۱ آیت ۱۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:
"مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ اِلَّا وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَھِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَسِّ الشَّیْطَانِ اِلَّا مَرْیَمُ وَ ابْنُھَا" کہ کوئی ایسا بچہ نہیں جو پیدا ہو مگر ولادت کے وقت شیطان اسے تکلیف دیتا ہے۔ پس اس تکلیف کی وجہ سے وہ چلاتا ہے۔ سوائے مریم اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کے"

(روح المعانی زیر آیت انی اعیذھا بک)

جن لوگوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ان پر سوال ہوتا تھا کہ پھر صرف مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مس شیطان سے پاک ہوئے۔ دوسرے انبیاء کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوئی، تو اس کا جواب علامہ زمخشری نے یہ دیا ہے کہ مریم اور ابن مریم سے مراد تمام وہ لوگ بھی ہیں جو مریم صفت یا عیسیٰ صفت ہوں، اس طرح تمام ایسے لوگ مس شیطان سے محفوظ رکھے گئے اور مریم اور ابن مریم قرار پائے۔

قابلِ عبرت واقعات

کچھ اور لکھنے سے قبل میں ایک اہم امر کی طرف اپنے احباب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن کریم میں پہلے لوگوں کے واقعات بیان فرما کر بعض دفعہ تو صاف ارشاد ہوا ہے "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (سورۃ الحشر آیت ۲) کہ عقلمندو! عبرت حاصل کرو" اور بعض دفعہ یوں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (آل عمران آیت ۱۴)

کہ اس واقعہ میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔ بعض دفعہ ایک گروہ کے حالات بیان کرکے فرمایا:
لَقَدْ کَانَ فِی قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (سورۃ یوسف آخر) کہ اس تمام واقعہ اور اس گروہ کے حالات میں عقلمند انسانوں کے لیے عبرت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے لوگوں کے حالات پر غور سے نظر کریں اور جن جن باتوں میں انھیں لغزش ہوئی ہے یا انکی جن حرکات کی وجہ سے ان پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا ہے یا جو امور ان کی تباہی و بربادی کا باعث ہوئے ہیں ان سے بچنے کی کوشش کریں۔

ذرا سوچیں کہ جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت عرب و عجم کا کیا حال تھا، ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا، ہر جگہ افراتفری پھیلی ہوئی تھی، اتفاق و اتحاد کا گویا نام ہی مٹ چکا تھا، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا بلکہ بات بات پر خون کی ندیاں بہ جاتیں اجتماعی زندگی برباد ہو چکی تھی، نہ کسی کی جان محفوظ تھی نہ مال، نہ کسی کی عزت محفوظ تھی اور نہ کسی کو امن نصیب تھا ہر طرف گمراہی ہی گمراہی نظر آتی تھی، ایک عجیب عالم تھا کہ جس کا بیان ناممکن ہے اس وقت خدا کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے سیّد الوریٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کرکے دنیا کی طرف بھیجا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ دنیا ان کی قدر کرتی، ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ان کی پیروی کرکے برکات الٰہیہ سے ہمکنار ہوتی اور سعادت دنیوی و اخروی سے محفوظ ہوتی۔

لیکن افسوس! صد افسوس!!

دنیا نے اُلٹا یہ خیال کیا۔ کہ ایک[1] پاگل آدمی ہے (سورۃ ن آیت ۵۱) جو ہمیں گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور کئی[2] خداؤں کو ایک قرار دیتا ہے (سورہ ص آیت ۵) ہمارے[3] اتحاد و اتفاق کو برباد کرنا چاہتا ہے (غایۃ الامانی جزء ۲ ص۸۹) اور اس[4] کی خواہش ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ اِنَّ محمدًا یَدْعُوْنَا اِلٰی عِبَادَةِ نَفْسِہ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۴۲۳) ہمیں ذلیل کرکے خود[5] بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اِنَّ محمدًا طَالِبُ مُلْكٍ (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۱۱) غرض

وہ جو خدا تعالیٰ کا عاشقِ صادق تھا اسے مفتری کہا گیا۔

وہ جو حق و صداقت کا پیکر تھا اسے جھوٹا قرار دیا گیا۔

وہ جو دنیا کا نہیں تھا اسے دنیا دار کے نام سے پکارا گیا۔
وہ جو طہارت و پاکیزگی کا مجسمہ تھا اسے نفس پرست کہا گیا۔
وہ جو رحمت العلمین ہو کر آیا تھا اسے ظالم اور جابر ٹھہرایا گیا۔
وہ جو دریا دل انسان تھا اسے چور اور ڈاکو کا نام دیا گیا۔
وہ جو سراپا نور تھا اسے گمراہ بلکہ گمراہ کن مشہور کیا گیا۔

اور ایسی ایسی تہمتیں اور الزامات آپ کی ذات پاکیزہ صفات پر تھوپے گئے کہ سنکر حیرت ہوتی ہے گویا انہوں نے اپنی حالت زار کو دیکھتے ہوئے نہ دیکھا، اپنے ماحول کو جانتے ہوئے نہ جانا اور اپنی مہلک بیماریوں کی طرف دھیان نہ دیا جو انہیں کھائے جا رہی تھیں۔ آخر ان کا کیا حشر ہوا اور ان کی کیا عاقبت ہوئی، کیا ہمارے لیے موجب عبرت نہیں؟؟

اے بھائیو! سنو! اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ کہ وہ شخص سعادت مند ہے جسے غیر کو دیکھکر نصیحت حاصل ہو، آج کل ہمارا کیا حال ہے ہماری حالت کیسی ہے! ہمارے بزرگ تو کہہ رہے ہیں: "وَلَمْ يَبْلُغْ شِرْكُ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولٰى اِلٰى هٰذِهِ الْغَايَةِ" (غایۃ الامانی جزء ۱ ص۹۸) کہ جاہلیت کا شرک بھی اس حد کو نہیں پہنچا تھا جس حد کو ہم مسلمانوں کا یہ شرک پہنچا ہوا ہے۔"

پھر مسلمانوں کے دوسرے حالات کے متعلق لکھتے ہیں:

لَوْ رَجَعَتِ الْجَاهِلِيَّةُ الْاُولٰى لَعَجَزَتْ عَنْ اَقَلِّ الْقَلِيْلِ مِنْ هٰذِهِ الْجَهَالَاتِ وَسُوْءِ الْاِعْتِقَادَاتِ (غایۃ الامانی جزء ۱ ص۴۳۹) کہ اگر پہلی جاہلیت واپس آئے تو وہ آجکل کی تھوڑی سی جہالت اور بداعتقادی کا بھی مقابلہ نہ کر سکے۔

شیخ محمد عبدہ سابق مفتی مصر فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْجَاهِلِيَّةَ الْيَوْمَ اَشَدُّ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ وَالضَّالِّيْنَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تفسیر القرآن الحکیم جزء ۱ ص۲۷) کہ اس زمانہ کی جاہلیت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جاہلیت اور گمراہی سے زیادہ سخت ہے۔"

پھر کیا کسی مصلح اور ہادی کی ضرورت نہیں ہے سوچکر جواب دیں۔

دوسری بات جو ہمارے لیے قابل غور اور موجب عبرت ہونی چاہیے وہ یہود و نصاریٰ کا

تفرقہ اور گروہ بندی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود ۷۱ (اکہتر) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور نصاریٰ ان سے بڑھ کر ۷۲ (بہتر) فرقوں میں بٹ گئے: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَتَفْتَرِقَنَّ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً فَوَاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھُمْ قَالَ الْجَمَاعَۃُ (رواہ ابن ماجہ باب افتراق الامم) کہ اس (خدا) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ میری امت بھی ضرور ۷۳ (تہتر) فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک جنت میں جائیگا اور باقی ۷۲ (بہتر) دوزخ میں، کہا گیا کہ یا رسول اللہ وہ (جنت میں جانیوالے) کون ہیں فرمایا الجماعت"

کون صاحب علم ہے جو انکار کرسکے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوچکی ہے۔ حضرت امام رازی رحمہ اللہ تو کئی سو سال پہلے لکھ چکے ہیں:

" وَاعْلَمْ اَنَّ ھٰذِہِ الْوَاقِعَۃَ بِعَیْنِھَا قَدْ وَقَعَتْ فِیْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَاِنَّ کُلَّ طَائِفَۃٍ تُکَفِّرُ الْاُخْرٰی مَعَ اتِّفَاقِھِمْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ (التفسیر الکبیر جزء ۸ صفحہ ۲۲۸) کہ تمہیں علم ہونا چاہیئے کہ اب یہی یہود و نصاریٰ کا حال بعینہٖ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بھی ہے کیونکہ مسلمانوں میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہے، حالانکہ سارے فرقے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں"

اس اجتماعی انتشار کے علاوہ انفرادی حالات بھی سخت تکلیف دہ حالت تک پہنچے ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے ہی متنبہ کردیا تھا فرمایا:

اِنَّہٗ سَیُصِیْبُ اُمَّتِیْ دَاءُ الْاُمَمِ قَالُوْا مَا دَاءُ الْاُمَمِ قَالَ الْاَشَرُ وَالْبَطَرُ وَالتَّکَاثُرُ وَالتَّنَافُسُ فِی الدُّنْیَا وَالتَّبَاعُدُ وَالتَّحَاسُدُ حَتّٰی یَکُوْنَ الْبَغْیُ وَالْھَرَجُ (التفسیر الکبیر جزء ۱ صفحہ ۴۳۹) کہ میری امت کو بھی دوسری قوموں کی بیماری لگ جائے گی، صحابہ نے پوچھا، وہ بیماری کیا ہے؟ حضور نے فرمایا، اکڑنا تکبر، مال و دولت کا بکثرت جمع کرنا، دنیا کا شوق، ایک دوسرے سے بُعد اور حسد کرنا حتیٰ کہ بغاوتیں ہونگی اور کٹنا مرنا ہوگا"

کیا وہ قوم جسے خدا تعالیٰ نے اپنے لیے چنا، تمام اقوام عالم سے اسے افضل قرار دیا اور اسے خوشخبری بھی دیگئی کہ وہ برباد نہ ہوگی، یونہی گمراہی اور بے راہ روی میں چھوڑدی جائیگی

یہود کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی نگرانی اور حفاظت کے لیے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہزارہا انبیاء کو مبعوث فرمایا کُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ (حدیث) ایک کے بعد دوسرا نبی مبعوث کر دیا جاتا، کیا امت محمدیہ کو پہلے ہی ایک حَکَمٌ عادل کے آنے کی بشارت نہ دی گئی تھی؟ ضرور دی گئی تھی اور وہ پوری بھی ہوئی، اے کاش. کہ امت اسلام سر اُٹھائے اور دیکھے کہ خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو چکا ہے اور اس کے لیے ترقی و فلاح کے راستے کھل چکے ہیں۔

امت محمدیہ کا اختلاف اس حد تک پہنچ چکا تھا اور اس کی روحانی حالت اس حد تک گر چکی تھی کہ امید نہ کی جا سکتی تھی کہ یہ پھر کبھی اُٹھ سکیگی۔ علامہ شیخ محمد عبدہ سابق مفتی مصر اپنی کتاب الاسلام والنصرانیۃ صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں:

تَجِدُ الْمُسْلِمِيْنَ تَدَاوَلَهُمُ الْجَهْلُ بِدِيْنِهِمْ وَ اَخَذَتْهُمُ الْبِدَعُ مِنْ جَمِيْعِ جَوَانِبِهِمْ وَانْقَطَعَتِ الصِّلَةُ الْحَقِيْقِيَّةُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ سَلَفِهِمْ حَتّٰى لَوْ عُرِضَ عَلَى الْجُمْهُوْرِ الْاَعْظَمِ مِنْهُمْ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ السَّلَفُ مِنَ الْاَحْكَامِ لَاَنْكَرُوْهُ وَاسْتَغْرَبُوْهُ وَعَدُّوْهُ بِدْعَةً فِي الدِّيْنِ وَصَحَّ فِيْهِمْ مَا قَالَ عُمَرُ الْخَيَّامِ فِيْ بَعْضِ اَشْعَارِهِ الْفَارِسِيَّةِ مُخَاطِبًا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم: "اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بَعْدَكَ زَيَّنُوْا لَكَ دِيْنَكَ وَوَشَّوْهُ وَزَرْكَشُوْهُ حَتّٰى لَوْ رَاَيْتَهُ اَنْتَ لَاَنْكَرْتَهُ"

یعنی: مسلمانوں کی موجودہ حالت یہ ہے کہ وہ اپنے دین سے بالکل جاہل ہیں اور بدعات انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور ان کا اپنے پہلے بزرگوں سے حقیقی تعلق کٹ چکا ہے حتیٰ کہ اگر ان کے عوام پر کسی ایسے حکم کو پیش کیا جائے جس پر پہلے بزرگ متفق تھے تو وہ اسے برا منائینگے، عجیب سمجھیں گے اور اسے دین میں بدعت خیال کرینگے، ان کے حق میں عمر خیام کا یہ کہنا صحیح ہے جو اس نے اپنے فارسی کے بعض اشعار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے نبی! جو لوگ تیرے بعد آئے انہوں نے تیرے دین کو زینت دی اور اس پر نقش و نگار کئے اور اسے اتنا خوبصورت بنا دیا کہ اگر تو خود اسے دیکھے تو پہچان نہ سکے۔" اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۔

تیسری بات جو ہمیں ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ نبی موسیٰ علیہ السلام نے

یہود کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ جیسے دوسری امتوں پر مختلف قسم کے دَور گزرے ہیں ان پر بھی گزرینگے جہاں کامرانیاں اور فتوحات ان کے قدم چومینگی اور وہ ظاہری اور باطنی ترقی سے نوازے جائینگے وہاں انہیں گرنے کا خدشہ بھی لاحق رہیگا اور ان پر بڑے بڑے ابتلا آئیں گے، لیکن وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ ان کی مدد بھی فرماتا رہیگا اور انہیں بے یار و مددگار نہ چھوڑیگا اور ان کی راہنمائی کے لیے اپنے خدمتگزار (انبیاء) بھیجتا رہیگا، باوجود اس کے پھر بھی یہود نے عقل سے کام نہ لیا اور جانے کس خیال کی بناء پر یہ کہنا شروع کر دیا لَا نَبِیَّ بَعْدَ مُوْسٰی (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۴۱) کہ موسیٰ ؑ کے بعد کوئی نبی نہ آئیگا" اور یہ بات ان میں اتنی پھیل گئی کہ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس عظیم الشان نبی کے بارے میں پیشگوئی کا خیال بھی نہ رہا جو ان کے عرب بھائیوں میں سے مبعوث ہونیوالا تھا، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت فرمایا، تو اول تو انہوں نے کوئی توجہ ہی نہ دی، پھر جب دیکھا کہ خدا تعالیٰ آپ کو ترقی دے رہا ہے اور آپ کو مکہ سے مدینہ لے آیا ہے تو انہوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے آپ کو جھٹلانا شروع کیا اور فتنہ پردازوں کے آلۂ کار بن گئے، بلکہ خود فتنہ میں ملوث ہو گئے کبھی تو آپ کو زہر دینے کی کوشش کی گئی کبھی آپ پر پتھر گرا کر ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اور کبھی آپ کے خلاف جنگ کی ٹھانی گئی وغیرہ اور اس طرح خدائے تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ کو رد کر کے خود اپنے لیے ہلاکت مول لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ لوگ ہمارے لیے مقام عبرت ہیں، ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کے حالات پر نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہیں کہ کہیں ہمارا بھی وہی حال اور انجام نہ ہو اور ان کی طرح ہم بھی خدا کی نعمت کو رد کرنیوالے نہ ٹھہریں اور پہلی قوموں کی طرح یہ کہنے والے نہ بنیں: "لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا (سورۃ المومن آیت ۳۴) کہ آئیندہ اللہ تعالیٰ کسی اور کو رسول بنا کر نہیں بھیجیگا" روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سقراط فلاسفر کو بتایا گیا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی نبی مبعوث ہوا ہے۔ فَقِیْلَ لَہٗ لَوْ ھَاجَرْتَ اِلَیْہِ اور اسے کہا گیا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ بھی اس کے پاس جائیں" اپنی عقل و حکمت اور علم و دانش کی وجہ سے اس نے متکبرانہ لہجہ میں جواب دیا: نَحْنُ قَوْمٌ مَّھْدِیُّوْنَ فَلَا حَاجَۃَ بِنَا اِلٰی مَنْ یَّھْدِیْنَا (التفسیر الکبیر جزء ۷، ص۳۳۱) کہ ہم خود ہدایت یافتہ ہیں ہمیں

کسی ایسے شخص کی ضرورت نہیں جو ہمیں ہدایت دے" اس طرح وہ ہدایت سے محروم رہ گیا اور اس کی حکمت اور فلسفہ نے اسے خدا تعالیٰ کی نظر میں گرا دیا۔ غور کیجئے کہ کہیں ہمارا علم و حکمت بھی تو ہمیں دھوکا میں نہیں ڈال رہا ہے اور اپنے علم کے گھمنڈ میں ہم بھی کسی خدا کے بندے کی آواز کو ٹھکرانے کے لیے تیار تو نہیں ہو رہے ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں جس میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری شان سے پوری ہوتی نظر آ رہی ہے آپ نے فرمایا تھا:

"یُوْشِكُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَّهِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰی عُلَمَاءُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِیْهِمْ تَعُوْدُ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن علی کتاب مشکوۃ المصابیح ص۳۸) کہ قریب ہے کہ وہ زمانہ آئے جس میں اسلام کا صرف نام رہ جائیگا اور قرآن کریم کے نقش رہ جائینگے ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہونگی مگر دراصل ہدایت سے خالی ہونگی اور ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین ہونگے (کیونکہ) ان کے پاس سے ہی فتنے نکلیں گے اور ان کی طرف ہی لوٹ کر جائیں گے"

جب علماء کا یہ حال ہوگا تو دوسرے لوگوں کا کیا کہنا؟

ممکن ہے کوئی یہ خیال کرے کہ مسلمانوں کو تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا تھا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ؛ ہم کہتے ہیں کہ ساتھ ہی یہ بھی تو فرمایا تھا کہ نبی اللہ مسیح موعود اس امت میں امام مہدی اور حکم و عدل ہوگا اسے ماننا، پھر کیوں ہم یہود کی طرح تصویر کا ایک رُخ تو دیکھیں یہی تو قابل توجہ امر ہے۔ رہے علماء تو حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:

وَقَدِ اسْتَحْوَذَ عَلٰی اَكْثَرِهِمُ الشَّیْطَانُ وَاسْتَغْوَاهُمُ الطُّغْیَانُ وَاَصْبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ بِعَاجِلِ حَظِّهٖ مَشْغُوْفًا۔ فَصَارَ یَرَی الْمَعْرُوْفَ مُنْكَرًا وَّالْمُنْكَرَ مَعْرُوْفًا۔ حَتّٰی ظَلَّ عِلْمُ الدِّیْنِ مُنْدَرِسًا وَمَنَارُ الْهُدٰی فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ مُنْطَمِسًا۔ وَلَقَدْ خَیَّلُوْا اِلَی الْخَلْقِ اَنْ لَا عِلْمَ اِلَّا فَتْوٰی حُكُوْمَةٍ تَسْتَعِیْنُ بِهِ الْقُضَاةُ عَلٰی فَصْلِ الْخِصَامِ عِنْدَ تَهَاوُشِ الطَّغَامِ اَوْ جَدَلٌ یَتَدَرَّعُ بِهٖ طَالِبُ الْمُبَاهَاةِ اِلَی الْغَلَبَةِ وَالْاِفْحَامِ اَوْ سَجْعٌ مُزَخْرَفٌ یَتَوَسَّلُ بِهِ الْوَاعِظُ اِلَی اسْتِدْرَاجِ الْعَوَامِّ اِذْ لَمْ یَرَوْا

سِوٰی ھٰذِہِ الثَّلَاثَۃِ مَصِیْدَۃُ الْحَرَامِ وَشَبَکَۃُ الْحُطَامِ (کتاب الاملاء عن اشکالات الاحیاء) کہ علماء میں سے اکثر پر شیطان غلبہ پا چکا ہے اور ان کی سرکشی نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے دنیوی فائدہ کا عاشق ہے، حتیٰ کہ نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی خیال کرنے لگا ہے اور علم دین مٹ چکا ہے اور دنیا میں ہدایت کے منار گر چکے ہیں اور علماء نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ علم کی اب تین صورتیں ہیں اوّل حکومت کا وہ فتویٰ جس کی مدد سے قاضی، غنڈوں کے جمع ہونے پر جھگڑوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ دوم وہ بحث جس میں ایک متکبر آدمی دوسرے پر غلبہ حاصل کرتا اور اس کا منہ بند کرتا ہے سوم وہ منظوم اور مسجع کلام جس کے ذریعہ ایک واعظ عوام کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ ان علماء کو ان تین طریق کے سوا اور کوئی راستہ حرام مال کھانے اور دنیا کا سامان جمع کرنے کا نظر نہیں آتا تھا۔"

علامہ شیخ محمد عبدہ صاحب سابق مفتی مصر سے جب کہا گیا کہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ مذہبی راہنما اور علماء دین کم ہیں حالانکہ ہم ان کی آوازیں متواتر سن رہے ہیں: کُلٌّ یَقُوْلُ دِیْنِیْ مِلَّتِیْ، اِسْلَامٌ مُسْلِمُوْنَ قُرْاٰنٌ سُنَّۃٌ مَجْدُ الْاِسْلَامِ الْقَدِیْمِ سَلَفُنَا الصَّالِحُ تَعَلُّمٌ وَتَعْلِیْمٌ کُتُبٌ قَدِیْمَۃٌ کُتُبٌ جَدِیْدَۃٌ وَمَا یُشَاکِلُ ذٰلِکَ مِمَّا یَظْھَرُ مِنْہُ اَنَّ الدَّاعِیْنَ اِلَی الْعِلْمِ اَوِ الْمُنْتَبِھِیْنَ اِلَی الْاَخْذِ بِاُصُوْلِ الدِّیْنِ کَثِیْرُوْنَ وَلَا نَرٰی مَعَ ذٰلِکَ مِنْ اَغْلَبِ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا اٰذَانًا صُمًّا وَّاَعْیُنًا عُمْیًا وَصَدًّا عَمَّا یَدْعُوْا اِلَیْہِ ھٰؤُلَاءِ۔

ہر ایک یہی کہہ رہا ہے میرا دین، میری ملت، اسلام! مسلمان، قرآن، سنت! اسلام کی گزشتہ شان! سلف صالح! سیکھو! سکھاؤ! پرانی کتب، نیا لٹریچر وغیرہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمیت کی طرف دعوت دینے والے اور اصول دین پر عمل کر نیکی تحریک کرنے والے تو بہت ہیں، لیکن باوجود اس کے ہم مسلمانوں کی اکثریت کو ایسا دیکھ رہے ہیں کہ گویا ان کے کان تو ہیں مگر سنتے نہیں ان کی آنکھیں تو ہیں مگر دیکھتی نہیں اور وہ ان لوگوں کی دعوت و تحریک میں روک بن رہے ہیں۔"

اس کے جواب میں شیخ موصوف فرماتے ہیں:

وَیُمْکِنُنِیْ اَنْ اَقُوْلَ لَہٗ: اِنَّ الصَّادِقَ مِنْ ھٰؤُلَاءِ لَیْسَ بِکَثِیْرٍ

عَدَدُہٗ - وَالْجَمْهُوْرُ مِنْهُمْ قَلَّمَا يَخْلُصُ قَصْدُهٗ وَمَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ اِلَّا مُتَّجِرِيْنَ بِهٰذِهِ الْكَلِمَاتِ بِكَسْبِ بَعْضِ دُرَيْهِمَاتٍ ------ وَلٰكِنَّ الْاِصْلَاحَ لَيْسَ رِيْحًا تَهُبُّ فَتَمْسَحُ الْاَرْضَ مِنَ الشَّرْقِ اِلَى الْغَرْبِ فِيْ وَقْتٍ قَرِيْبٍ، فَانْتَظِرْ (الاسلام والنصرانية صـ۱۴۳) کہ اس سوال کے جواب میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ان علماء میں واقعی سچے کوئی زیادہ نہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ اُن کا مقصد خالص نہیں بلکہ ان میں بہت سے ان کلمات (اور نعروں) کو چند ٹکوں کے حصول کے لیے بطور تجارت استعمال کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اصلاح ہوا کی طرح نہیں ہوتی کہ تھوڑے سے وقت میں مشرق سے مغرب کو چلتی ہوئی زمین کو چھوتی جائے بلکہ اس کے لیے انتظار کرنا ہوگا"

یہ ان علماء کا حال ہے جن پر امت کو بڑا اعتماد تھا اور جن کے ذریعہ اصلاح کی امید کی جاتی تھی ؎

مژدہ باد اے مرگ! عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

ادھر امت کا یہ حال ہو ادھر علماءِ کرام خود دنیا میں غرق ہو رہے ہوں تو پھر بھی یہ آواز سنائی دے کہ ہمیں کسی مصلح اور نجات دہندہ کی ضرورت نہیں، قابلِ حیرت امر ہی ہے!! چنانچہ ابو المعالی الشافعی السلمی فرماتے ہیں:

"وَكَانَ الْاُمَمُ قَبْلَنَا مُحْتَاجِيْنَ اِلَى الْمُحَدَّثِيْنَ بِخِلَافِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی الله علیه وسلم فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَاهُمْ بِهٖ فَلَمْ يَحْتَاجُوْا مَعَهٗ اِلٰى نَبِيٍّ وَلَا اِلٰى مُحَدَّثٍ (غاية الامانی جزء ۱ صـ۳۵۶) کہ ہم سے پہلے کی امتیں محدثین کی محتاج تھیں، لیکن اس کے برعکس امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ان سے غنی بنا دیا ہے پس آپ کے ساتھ مسلمان نہ کسی نبی کے محتاج رہے اور نہ کسی محدث کے۔"

اس لکھنے والے نے یہ لکھتے ہوئے کچھ غور نہ کیا کہ اگر امت اسلام کو کسی نبی اور محدث کی ضرورت پیش نہ آنیوالی تھی تو پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں پیشگوئی فرمائی کہ نبی اللہ عیسیٰ تشریف لائینگے (حدیث مسلم باب ذکر الدجال) اور خدا تعالیٰ نے کیوں فرمایا تھا کہ جو خدا اور اس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی کامل اطاعت کریگا اسے حسب اطاعت منعم علیہم گروہوں میں شامل کیا جائیگا۔ (سورہ النساء آیت: ۷۰) کیا وہ مراتب، محدث سے کم ہیں پھر کیا شیخ ابو المعالی صاحب کی یہ بات معناً سقراط کی بات کے ہم پلہ نہیں ہے؟ فاعتبروا!

عُلَمَاءُ . وَالْجُمْهُورُ مِنْهُمْ قَلَّمَا مُخْلِصٌ قَصْدُهُ وَمَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ إِلَّا مُتَّجِرِينَ
بِهٰذِهِ الْكَلِمَاتِ لِكَسْبِ بَعْضِ دُرَيْهِمَاتٍ ------ وَلٰكِنَّ الْإِصْلَاحَ لَيْسَ
رِيحًا تَهُبُّ فَتَمْسَحُ الْأَرْضَ مِنَ الشَّرْقِ إِلَى الْغَرْبِ فِي وَقْتٍ قَرِيبٍ، فَانْتَظِرْ
(الاسلام والنصرانية صفحہ ۱۴۲) کہ اس سوال کے جواب میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ان
علماء میں واقعی سچے کوئی زیادہ نہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ اُن کا مقصد خالص نہیں بلکہ ان
میں بہت سے ان کلمات (اور لفظوں) کو چند ٹکوں کے حصول کے لیے بطور تجارت استعمال
کرتے ہیں ...... لیکن اصلاح ہوا کی طرح نہیں ہوتی کہ تھوڑے سے وقت میں مشرق سے مغرب
کو چلتی ہوئی زمین کو چھوتی جائے بلکہ اس کے لیے انتظار کرنا ہوگا۔"

یہ ان علماء کا حال ہے جن پر امت کو بڑا اعتماد تھا اور جن کے ذریعہ اصلاح کی
امید کی جاتی تھی ؎

مژدہ باد اے مرگ! عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

ادھر امت کا یہ حال ہو ادھر علمائے کرام خود دنیا میں غرق ہو رہے ہوں تو پھر بھی یہ
آواز سنائی دے کہ ہمیں کسی مصلح اور نجات دہندہ کی ضرورت نہیں، قابل حیرت امر ہی ہے!!
چنانچہ ابو المعالی الشافعی السلمی فرماتے ہیں:

"وَكَانَ الْأُمَمُ قَبْلَنَا مُحْتَاجِينَ إِلَى الْمُحَدَّثِينَ بِخِلَافِ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلى الله
عليه وسلم فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَاهُمْ بِهِ فَلَمْ يَحْتَاجُوا مَعَهُ لَا إِلَى نَبِيٍّ وَلَا إِلَى مُحَدَّثٍ
(غاية الأماني جزء ۱ صفحہ ۳۵۶) کہ ہم سے پہلے کی امتیں محدثین کی محتاج تھیں، لیکن اس کے
برعکس امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ان سے غنی بنا دیا ہے پس آپ کے ساتھ مسلمان
نہ کسی نبی کے محتاج رہے اور نہ کسی محدث کے۔"

اس لکھنے والے نے یہ لکھتے ہوئے کچھ غور نہ کیا کہ اگر امت اسلام کو کسی نبی اور محدث
کی ضرورت پیش نہ آنیوالی تھی تو پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں پیشگوئی فرمائی
کہ نبی اللہ عیسیٰ تشریف لائینگے (حدیث مسلم باب ذکر الدجال) اور خدا تعالیٰ
نے کیوں فرمایا تھا کہ جو خدا اور اس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی کامل اطاعت کریگا اسے بسبب
اطاعت منعم علیہم گروہوں میں شامل کیا جائیگا۔ (سورہ النساء آیت: ۷۰) کیا وہ مراتب محدث
سے کم ہیں پھر کیا شیخ ابو المعالی صاحب کی یہ بات معناً سقراط کی بات کے ہم پلہ نہیں ہے؟ فاعتبروا

یا اولی الابصار۔

کیا انھیں یہ علم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا:

اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ الْمُحَدَّثِیْنَ وَالْمُکَلَّمِیْنَ وَاِنَّ عُمَرَ لَمِنْھُمْ۔ (ارشاد الفحول صہ ۲۱۵) کہ میری امت میں سے محدث اور مکلم ہونگے، ان میں سے ایک عمر (رضی اللہ عنہ) بھی ہے"

اگر کسی محدث و مکلم کی ضرورت نہ تھی تو یہ پیشگوئی بے معنی اور لغو ٹھہری۔ افسوس!! انسان کو بولنے سے پہلے تولنا چاہیئے، لیکن کبھی وہ ایسا نہیں کرتا۔

چوتھی بات جو ہمارے لیے قابل غور ہے وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی گئی تھی، کہ ان کی امت ایک عرصہ کے بعد بگڑنا شروع ہو گی اور پھر بگڑتی جائیگی حتیٰ کہ اتمام حجت کے لیے ان کی طرف ایک مسیح بھیجا جائیگا مگر وہ اس کی بھی نہ سنیں گے جس کی وجہ سے ان پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور نعمت الٰہی ان سے چھن جائیگی۔

انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہی پیشگوئیوں کی بنا پر یہود تین انبیاء کی آمد کے منتظر تھے مسیح کے، اور اس سے پہلے بطور ارہاص، ایلیا کے اور "وہ نبی" کے (کتاب یوحنا باب ۱ آیت ۱۹-۲۰) چونکہ پیشگوئیاں متشابہات میں سے ہوتی ہیں اور قابل تاویل باتوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس لیے کئی لوگ ان کو ظاہر پر محمول کرنے کی وجہ سے مختلف قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے اور ان پیشگوئیوں کا ایسا نقشہ اپنے دلوں میں قائم کر لیا جو خدا تعالیٰ کے نزدیک صحیح نہ تھا مثلاً یہی کہ مسیح کی آمد سے پہلے اصل ایلیاء کا آسمان سے آنا ضروری ہے مسیح کا آنا ممکن نہیں جب تک کہ اس سے پہلے ایلیا اصالتاً آسمان سے نہ اتر آئے ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو مسیح تھے یہودیوں کو بتایا کہ وہ ایلیاء جس کا تمہیں انتظار ہے وہ یحییٰ ہے۔

اس طرح خود حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نقشہ ان کے ذہنوں میں نقش تھا حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات سے مطابقت نہ رکھتا تھا اس لیے انہوں نے ان کا انکار کیا، ان کی تکذیب کی بلکہ کوشش کی کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا صلیب پر لٹکا کر مار دیا جائے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ یہود کا کہنا ہے کہ دجال آنے پر جہاد شروع ہوگا جب تک دجال نہیں آئیگا اور عیسیٰ آسمان سے نازل نہ ہوگا جہاد فی سبیل اللہ شروع نہ ہو سکیگا آپ کے الفاظ یہ ہیں:

"لَا جِهَادَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَخْرُجَ الدَّجَّالُ وَحَتّٰی یَنْزِلَ عِیْسٰی بِسَبَبٍ مِّنَ السَّمَاءِ (غنیۃ الطالبین مترجم اردو ص۲۰۵) کوئی جہاد فی سبیل اللہ وقوع میں نہ آئیگا جب تک دجال خروج نہ کرے اور جب تک عیسیٰ رسّی کے ساتھ آسمان سے نازل نہ ہو۔"

اسی خیال کی وجہ سے انہیں سے اکثر ایمان سے محروم رہ گئے اور خدا تعالیٰ نے ان سے نعمتِ نبوت (روحانی بادشاہت) چھین کر ایک دوسری قوم میں منتقل کردی۔

بعینہٖ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بشارت دی کہ آخری زمانہ میں جب تم گر جاؤ گے، شیطان تم پر غلبہ پالیگا اور خدا تعالیٰ سے تمہارا تعلق کٹ جائیگا تو خدا تعالیٰ تم پر پھر نظرِ کرم فرمائیگا اور ایک مسیح کو اپنی طرف سے نازل کریگا، تاکہ وہ تمہیں دوبارہ روحانی زندگی سے روشناس کرائے، شیطان کے پنجہ سے چھڑائے اور تمہیں ابدی خوشحالی اور دائمی سعادت سے مشرف ہونے کی راہ دکھائے اور خدا تعالیٰ تک پہنچائے۔

اس پیشگوئی کے الفاظ کو ظاہر پر محمول کر کے انہوں نے بھی یہی خیال کیا کہ عیسیٰ آسمان سے نازل ہوگا اور اسی جسم خاکی کے ساتھ آئیگا اور جب تک ایسا نہ ہو ہم نہیں مانیں گے۔

یہ لوگ اس خیال پر ایسے جمے کہ دوسرا کوئی خیال سننا تک انھیں گوارا نہیں ہے۔ قرآن مجید سے دلائل دیں احادیث پیش کریں وہ ان کی پرواہ نہیں کرینگے ان کی رٹ یہی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ ہمیں بتایا ہم اس پر ہی قائم ہیں اور قائم رہیں گے بر تقلید ہاں اندھی تقلید انہیں حق کی طرف آنکھ اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ خود علامہ شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں:

"فَلَوْ اَخَذْتَ مُسْلِمًا مِنْ شَاطِیِٔ الْأَطْلَا نْطِیْقِی وَاٰخَرَ مِنْ تَحْتِ جِدَارِ الصِّیْنِ لَوَجَدْتَ کَلِمَۃً وَّاحِدَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمَا وَھِیَ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّۃٍ وَاِنَّا عَلٰی اٰثَارِھِمْ مُقْتَدُوْنَ وَکُلُّھُمْ اَعْدَاءٌ لِکُلِّ مُخَالِفٍ لِمَا ھُمْ عَلَیْہِ وَاِنْ نَطَقَ بِہِ الْکِتَابُ وَاجْتَمَعَتْ عَلَیْہِ الْاٰثَارُ (الاسلام والنصرانیۃ ص۹۷) کہ اگر تو کسی مسلمان کو اٹلانٹک کے کنارے سے لے اور دوسرا کوئی دیوارِ چین کے پاس سے تو تجھے پتہ چلیگا کہ ان دونو کے منہ سے ایک ہی کلمہ نکل رہا ہے وہ یہ کہ "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریق پر پایا اور اسی پر ہم ان کی پیروی کرتے جا رہے ہیں"

اور ان میں سے ہر ایک اس عقیدہ کا دشمن ہوگا جو ان کے خیال کے خلاف ہے خواہ وہ عقیدہ قرآن مجید سے واضح ہو اور آثار و احادیث اس کی گواہی دیں۔"

آگے لکھتے ہیں :

" فَلَوْ قَامَ الْعَالِمُ بِالدِّيْنِ وَاَرَادَ اَنْ يُبَيِّنَ حُكْمَ اللّٰهِ الْمُقَرَّرَ بِهٖ فِيْ كِتَابِهٖ وَسُنَّةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُجْمَعَ عَلَيْهِ عِنْدَ السَّلَفِ قَاطِبَةً لَانْتَصَبَ لَهٗ نَاعِرٌ مِّنَ الْعَامَّةِ يَصِيْحُ فِيْ وَجْهِهٖ (مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْ اٰبَاءِنَا الْاَوَّلِيْنَ) وَيُرِيْدُ مِنْ اٰبَاءِهِ الْاَوَّلِيْنَ : مَنْ رَاٰهُمْ بَعْدَ وِلَادَتِهٖ اَوْ ذُكِرَتْ لَهٗ اَسْمَاءُهُمْ بِلِسَانِ مُضِلِّيْهِ حَتّٰى صَارَ اِرْشَادُ الْعَامَّةِ الْيَوْمَ مِنْ اَصْعَبِ الْاُمُوْرِ وَاَشَقِّهَا عَلٰى طَالِبِهٖ " (ص۱۱۵) اگر کوئی عالم دین کھڑا ہوتا اور خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا حکم بیان کرنا چاہتا ہے جو قرآن مجید اور سنت نبویہ میں بصراحت موجود ہے اور تمام سلف کے نزدیک اس پر اتفاق ہے تو عوام سے کوئی نعرہ لگاتے ہوئے کھڑا ہو جاتا اور اس کے سامنے چلانا شروع کر دیتا ہے کہ یہ بات ہم نے پہلے اپنے بزرگوں کے درمیان کبھی نہیں سنی اور "پہلے بزرگوں" سے مراد اس کی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اس نے دیکھا ہوتا ہے یا جن لوگوں نے اسے گمراہ کیا ہوتا ہے ان کی زبان سے ان بزرگوں کا نام ذکر ہوتے سنا ہوتا ہے حتیٰ کہ اس زمانہ میں عوام کو ہدایت دینا سخت ترین اور مشکل ترین امور میں سے ہو چکا ہے۔"

ایک طرف جہالت نے اور دوسری طرف اندھی تقلید نے امتِ مسلمہ کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اللہ ہی حافظ ہے۔

نزول مسیح کے مسئلہ ہی کو لیجئے عوام کے خیال میں یہی جما ہوا ہے کہ مسیح ابن مریم آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ وہ فرشتوں کی طرح نہ کھاتے اور نہ پیتے ہیں اور نہ ہی ان کی جسمانی زندگی پر کوئی تغیر رونما ہو رہا ہے پھر آخری زمانہ میں اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے نازل ہونگے، دنیا کے تمام گرجوں کی صلیبوں کو توڑتے اور خنزیروں اور ایک روایت کے مطابق تمام یہودیوں کو بھی قتل کرتے چلے جائینگے۔ یہ نہیں سوچتے کہ قرآن مجید یا حدیث صحیح میں کہاں لکھا ہے کہ وہ اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے؟ کہاں سے ثابت ہے کہ وہ بغیر کھانے پینے کے زندہ ہیں اور کس فرشتے یا خدا کے نبی نے انہیں بتایا ہے کہ ان کی زندگی پر زمانہ کا کوئی اثر

نہیں پڑتا۔

پھر کیا نبی کا یہ کام ہوگا کہ وہ خلاف تعلیم قرآن مجید کے "دین میں جبر جائز نہیں" عیسائیوں کے گرجوں کی صلیبیں توڑتا چلا جائے اور انہیں اسلام میں داخل کرنے کے لیے تلوار سے کام لینے میں دریغ نہ کرے، کیا نبی کا یہ بھی کام ہے کہ دنیا کے خنزیروں اور بندروں کو قتل کرتا پھرے، کیا پہلے بھی کوئی ایسا نبی مبعوث ہوا جس کا کام ہی یہ ہو کہ وہ درندہ جانوروں کو مارتا اور جنگلوں میں ان کا پیچھا کرتا پھرے؟ للّٰہ غور سے کام لیں۔

صلیب کو توڑنے کا کام تو خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا تھا حضور نے فرمایا:

"اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ" (الحدیث رواہ ابو امامہ؛ المشکوٰۃ باب بیان الخمر و وعید شاربہا ص۳۱۸)

کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ ڈھول ڈھمکا، مزامیر، بتوں اور صلیبوں کو توڑ دوں۔"

کوئی ہمیں بتائے کہ کب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی صلیب توڑی، کب کسی عیسائی کو مجبور کر کے اسلام میں داخل کیا، پھر کیا آنیوالا مسیح وہ کام کریگا جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا تھا؟ کیا مسیح ایسا کرنے سے اسلام کے حکم کو منسوخ کرنیوالا نہ ٹھہریگا؟ کیا اس وقت ایسا کر کے بھی وہ امتی کہلانے کا مستحق ہوگا؟؟

پھر پہلے محققین نے وضاحت بھی فرمادی تھی کہ صلیب توڑنے کا مطلب دراصل یہ ہے یُبْطِلُ دِیْنَ النَّصْرَانِیَّۃِ (فتح الباری، مرقاۃ شرح المشکوٰۃ) وہ عیسائی مذہب کا باطل ہونا واضح کریگا اور یہ بھی تصریح فرمادی تھی کہ کوئی اور شخص مسیح کی روحانیت اور رنگ سے رنگین ہو کر آئیگا اور نُزُوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَنُزُوْلِ عِیْسٰی (شرح فصوص الحکم ص۳۲۸) کہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا نزول ایک ہی قسم کا ہے۔"

پھر العلامہ تاج الدین السبکی رحمہ اللہ نے بطور پہیلی کے عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر یوں کیا ہے:

مَنْ بِاتِّفَاقِ جَمِیْعِ الْخَلْقِ اَفْضَلُ مِنْ
شَیْخِ الصِّحَابِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّمِنْ عُمَرٍ
وَّمِنْ عَلِیٍّ وَّمِنْ عُثْمَانَ وَھُوَ فَتًی
مِّنْ اُمَّۃِ الْمُصْطَفَی الْمُخْتَارِ مِنْ مُّضَرٍ

"کہ تمام مسلمانوں کے اتفاق سے کون ہے جو صحابہ کرام ابوبکر اور عمر، علی اور
عثمان سے افضل ہے وہ ایک جوان ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
میں سے ہوگا"

مطلب یہ کہ مسیح موعود امت مسلمہ کا ایک فرد ہوگا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے جہاں مسیح موعود کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ نازل ہوگا وہاں اس کی آمد کو خروج کے لفظ
سے بھی ادا فرمایا ہے چنانچہ (حدیث ابن ماجہ باب الآیات ص۳۰۲) میں حذیفہ بن ابی
اسید ابی سریحہ کی روایت درج ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے
قبل دس نشان ظاہر ہونگے ان میں چھٹا نشان خروج عیسی بن مریم علیہ السلام
درج ہے۔ خروج کے دو معنے ہیں پیدا ہونا یا ظاہر ہونا۔ پھر (تفسیر ابن کثیر جزء ۴ ص۱۳۲)
پر آیا ہے۔ "وَقَالَ مُجَاهِدٌ (وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) اَیْ آیَةٌ لِّلسَّاعَةِ خُرُوْجُ
عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ علیہ السلام قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ" کہ مجاہد کا کہنا ہے کہ آیت
اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ میں عیسیٰ بن مریم کے ظہور کا ذکر ہے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت
ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی عیسیٰ بن مریم کی آمد کو خروج کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے (دیکھیے
الدر المنثور جزء ۶ ص۲۰) پھر (تفسیر فتح البیان جزء ۸ ص۳۱۱) پر لکھا ہے: "قَالَ مُجَاهِدٌ
وَالضَّحَّاكُ وَالسُّدِّیُّ وَقَتَادَةُ اَنَّ الْمُرَادَ الْمَسِیْحُ وَاَنَّ خُرُوْجَهٗ مِمَّا یُعْلَمُ
بِهٖ قِیَامُ السَّاعَةِ" کہ امام مجاہد، ضحاک، سُدی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ کا علم الساعۃ
ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ کا خروج قیامت سے پہلے ہوگا۔ معلوم ہوا کہ نزول کے معنے دراصل
خروج یا ظہور کے ہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
خدا کے پاس زندہ ہیں اور جب وہ اُتریںگے تو سب لوگ ان پر ایمان لائیں گے۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت حسن نے تو فرعون کی بیوی آسیہ کے متعلق بھی فرمایا ہے
"رَفَعَهَا اِلَی الْجَنَّةِ تَاْكُلُ فِیْهَا وَتَشْرَبُ (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۱۶۸) کہ خدا تعالیٰ
نے اسے جنت کی طرف اُٹھالیا تھا اور وہاں زندہ کھاتی پیتی ہے"

کیا آپ مانتے ہیں کہ وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح جنت میں زندہ ہے اگر آپ
ایسا مانیں تو ہمیں پھر بھی آپ سے اتفاق نہیں ہوگا۔ میرے بھائی! ایسی باتوں کے لیے
قرآن مجید اور حدیث صحیح ضروری ہوتی ہے خیالی باتوں کے پیچھے جانا منع ہے۔ مگر افسوس

کہ ہمارے دوستوں کی حالت اس حد تک افسوسناک صورت اختیار کر چکی ہے کہ وہ جن خیالات میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کے سوا انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ شیخ طنطاوی صاحب نے ایک موقع پر اسی حالت کا بیان یوں تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ اَتْبَاعَ كُلِّ دِيْنٍ فِی الْاَرْضِ لَا يُصَدِّقُوْنَ بِغَيْرِ دِيْنِهِمْ وَلَوْ اَنَّ الْمَسِيْحَ الْيَوْمَ جَاءَ لِلنَّصَارٰی لَقَالُوْا لَهٗ كَذَبْتَ وَكَذٰلِكَ نَحْنُ مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِيْنَ لَوْ جَاءَنَا اَیُّ اِنْسَانٍ وَقَالَ اَنَا عِيْسٰی اَوْ مُوْسٰی اَوْ مُحَمَّدٌ لَقُلْنَا اَنْتَ مُدَّعٍ (الجواهر فی تفسیر القرآن الجزء ۳ طبع ثانیه ص۱۳۳) کہ دنیا میں ہر مذہب کے پیرو دوسرے مذہب کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ آج مسیح عیسائیوں کی طرف آ جائے تو اسے وہ کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے اسی طرح اے مسلمانو! اگر کوئی شخص ہمارے پاس آئے اور کہے کہ میں عیسیٰ ہوں یا موسیٰ ہوں یا محمد ہوں تو ہم بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے"۔

علامہ محمد رضا شبیبی نے ۱۹۳۵ء میں میلاد النبی کے موقع پر ایک نظم لکھی جس میں انہوں نے کہا ہے ؎

وَاَكْبَرُ ظَنِّیْ لَوْ اَتَانَا مُحَمَّدٌ
لَلَاقٰی الَّذِیْ لَاقَاهُ مِنْ اَهْلِ مَكَّةِ

"کہ میرا غالب خیال ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئیں تو ان سے وہی سلوک ہوگا جو اہل مکہ نے ان سے پہلے کیا تھا"۔

(ہفت روزہ "فیضان" جلد ۱ نمبر ۱)

اگر قوم کی یہ حالت ہو تو اس سے اور کیا امید کی جا سکتی ہے؟ قرآن کریم میں آیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کا غلغلہ سنا گیا تو مخالفین نے یہ کہنا شروع کیا (ان مخالفین نے جو جاہلیت میں پلے اور علم و دانش سے انہیں کوئی نسبت نہ تھی) قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (سورۃ البقرہ آیت: ۸۸) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ تھا: قُلُوْبُنَا مُمْتَلِئَةٌ عِلْمًا لَا تَحْتَاجُ اِلٰی عِلْمِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا غَيْرِهٖ (تفسیر الجامع لاحکام القرآن تصنیف علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی جزء ۲ ص۲۵) کہ ہمارے دل علم سے بھرپور ہیں ہمیں محمد کے یا کسی اور کے

علم کی کوئی ضرورت نہیں۔"

معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں سقراط پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِمَن یَخشٰی۔

خاتم النبیین کے اجماعی معنے

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے خاتم النبیین قرار دیا ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس کے معنی ہیں "تمام انبیاء کو ختم کرنیوالا" اس میں سے نہ تو کوئی شخص مستثنیٰ ہے اور نہ ہی ان معنوں کی تخصیص جائز ہے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ اس میں سے استثناء کرنا یا تخصیص کرنا کفر ہے اور جو ایسا کرے وہ کافر ہے۔ اس کے جواب میں ہم پوچھتے ہیں کہ پھر

۱۔ ان علماء کا کیا فتویٰ ہے سرور کونین سید الثقلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہ جنہوں نے مسلمانوں کو خوشخبری دی کہ آخری زمانہ میں نبی اللہ عیسیٰ کو ان کی اصلاح اور ہدایت کے لیے مبعوث کیا جائیگا۔

۲۔ ان علماء کا کیا فتویٰ ہے ان تمام صحابہ کرام اور محدثین کے متعلق جنہوں نے نزول مسیح کی احادیث کو روایت کیا اور تواتر سے روایت کیا اور ساتھ ہی یقین ظاہر کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں آنا برحق ہے اور وہ نبی اللہ ہوگا۔

۳۔ ان علماء کا کیا فتویٰ ہے تمام اہل السنت والجماعت کے ائمہ اور معتقدین کے متعلق جو اس اعتقاد پر قائم ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی پیشگوئی یقینی ہے، وہ یقیناً آئیں گے اور اسلام کو دنیا پر غالب کرینگے اور دجالی فتنے کا ازالہ فرمائینگے۔

۴۔ ان علماء کا کیا فتویٰ ہے ان تمام متکلمین اور مفسرین کے متعلق جنہوں نے آیت خاتم النبیین کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ساتھ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ تبع شریعت محمدیہ ہو کر آئیں گے اس لیے ان کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں۔

۵۔ پھر ان علماء کا کیا فتویٰ ہے۔ ان علماء کرام اور ائمہ عظام کے بارے میں جنہوں نے خاتم النبیین کے معنے اور تفسیر ایسی بیان فرمائی ہے جو اس مطلب سے زیادہ اعلیٰ اور مطلب خیز ہے اور وہ امتی نبی کے آنے میں روک بھی نہیں بن سکتی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال ایسے شخص کی طرف سے کیا گیا ہے جو علم دین سے قطعاً ناواقف ہے یا معتزلہ اور جہمیہ کے عقیدہ سے متاثر ہو چکا ہے۔

۶۔ پھر خاتم النبیین کے معنی "تمام انبیاء کو ختم کرنیوالا" بالکل مبہم ہیں، سوال یہ ہے کہ جو انبیاء گزر چکے اور وفات پا گئے ہیں انہیں بند یا ختم کرنیکے کیا معنی؟ وہ تو پہلے ہی ختم ہو چکے ہیں اور ایک نبی (عیسیٰ علیہ السلام) جو عوام کے خیال کے مطابق ابھی زندہ تھے انہیں نہ ختم کر سکے اور نہ ہی ان کا آنا بند ہوا۔

۷۔ ایک اور سوال بھی اس ترجمہ کے متعلق یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی بھیجنا یا نہ بھیجنا کس کا کام ہے خدا تعالیٰ کا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا؟

قرآن کریم (سورہ الدخان آیت ۴۔ ۵) میں فرمایا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ کہ ہم ہی رسول بھیجتے ہیں۔ پس جب رسول بھیجنا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو بند کرنا یا ختم کرنا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ اس طرح خاتم النبیین تو خدا کی صفت قرار پائی وہی مُرْسِلُ النَّبِیِّیْن ہوا اور وہی خاتم النبیین ہوا۔

حالانکہ قرآن مجید کی گواہی یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

۸۔ پھر دوسرے انبیاء تو ہمیشہ خواہش کرتے بلکہ دعا مانگتے رہے کہ خدا تعالیٰ ان کے متبعین کو بڑے روحانی درجات عطا فرمائے اور اپنے قرب سے انہیں نوازتا رہے، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں ہمارے سامنے ہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اعلان ہو گیا کہ میری امت میں سے کسی کو نبوت کا اعلیٰ اور بلند مرتبہ نصیب نہ ہو گا کیا یہی نفضیلت ہے جو آپ کو عطا کی گئی، کیا یہی اعلیٰ درجہ ہے جو آپ کی امت کے حصہ میں آیا؟ پہلی امتوں میں شہداء اور صدیقین کے علاوہ خدا تعالیٰ انبیاء بھی مبعوث فرماتا رہا، لیکن اس امت میں شہداء اور صدیقین تو ہونگے مگر کسی فرد کو نبوت کے شرف سے نہ نوازا جائیگا؟ شیخ رشید رضاء مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"هٰذِهِ الْاَصْنَافُ الْاَرْبَعَةُ هُمْ صَفْوَةُ اللّٰهِ مِنْ عِبَادِهٖ وَقَدْ كَانُوْا مُوْجُوْدِيْنَ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ - وَمَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كَانَ مِنْهُمْ وَحُشِرَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَهُمْ - لِاَنَّهٗ وَقَدْ خَتَمَ اللّٰهُ النُّبُوَّةَ وَالرِّسَالَةَ لَابُدَّ اَنْ يَّرْتَقِيَ فِي الْاِتِّبَاعِ اِلٰى دَرَجَةِ اَحَدِ الْاَصْنَافِ الثَّلٰثَةِ : الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" (تفسیر القرآن الحکیم جزء ۵ صـ۲۴۷)

کہ یہ چار قسمیں (نبی، صدیق، شہید اور صالح) خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں اور یہ لوگ پہلی تمام امتوں میں موجود تھے اور اس امت میں جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریگا وہ ان میں سے ہوگا اور قیامت کے دن ان کے ساتھ اٹھایا جائیگا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کو ختم کر دیا ہے اس لیے آئندہ ان تین قسموں میں سے کسی ایک قسم تک ہی ترقی ہو سکیگی یعنی صدیق، شہید اور صالح تک۔

ہم پوچھتے ہیں کہ پھر امتِ اسلام کی فضیلت کیا ہوئی؟ پھر کس وجہ سے اس امت کو خیر امت کہا جائے؟ جب ختم نبوت کے یہ معنی لیے جائیں کہ اس امت میں کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا، آخر اسے کیوں بہترین امت تسلیم کیا جائے صرف دعویٰ ہی تو کافی نہیں ہو سکتا۔

تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی، عیسائی، بلکہ مجوسی اور عرب لوگ ہمیشہ اپنے دین کو زیادہ اعلیٰ اور افضل قرار دیتے، لکھا ہے:

"فَتَفَخَّرَ اَهْلُ الْاَدْيَانِ فَقَالَتِ الْيَهُوْدُ كِتَابُنَا خَيْرُ الْكُتُبِ وَاَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ وَنَبِيُّنَا اَكْرَمُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَى اللّٰهِ مُوْسٰى خَلَا بِهٖ وَكَلَّمَهٗ نَجِيًّا وَدِيْنُنَا خَيْرُ الْاَدْيَانِ وَقَالَتِ النَّصَارٰى عِيْسٰى خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اٰتَاهُ اللّٰهُ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَلَوْ اَدْرَكَهٗ مُحَمَّدٌ اِتَّبَعَهٗ وَدِيْنُنَا خَيْرُ الدِّيْنِ وَقَالَتِ الْمَجُوْسُ وَكُفَّارُ الْعَرَبِ دِيْنُنَا اَقْدَمُ الْاَدْيَانِ وَخَيْرُهَا وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَسَيِّدُ الرُّسُلِ" (تفسیر الدر المنثور جزء ۲ صـ۲۲۶)

"یعنی مختلف ادیان کے لوگوں نے فخر کرنا شروع کیا، یہود نے کہا کہ ہماری کتاب (تورات) سب سے افضل ہے اللہ نے اس سے تخلیہ میں سرگوشیاں کیں اور کلام کیا، عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ خاتم النبیین ہے اللہ نے اسے تورات بھی دی اور انجیل بھی، اگر محمد اس کا زمانہ پاتا تو

اس کی پیروی کرتا اور ہمارا دین بھی بہترین دین ہے اور مجوس اور کفار عرب نے کہا کہ ہمارا دین سب سے پرانا اور بہتر ہے اور مسلمانوں نے کہا کہ محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں "

دیکھا، کیسے ہر ایک مذہب کے پیرو اپنے دین کو افضل اور اعلیٰ قرار دیتے ہیں پس خاتم النبیین کے معنی "تمام نبیوں کو ختم کرنیوالا" کئے جائیں تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور امت اسلام کی ایک قسم کی ذلت کا موجب ہیں کیونکہ ان معنوں سے لازم آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اعلان فرما دیا کہ میری امت میں سے کسی کو نبوت کا اعلیٰ منصب نصیب نہ ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ وہ صدیق کا درجہ حاصل کر سکیں گے اور یہ کوئی ایسا درجہ نہیں جسے دوسری امتوں کے مقابل فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکے، کیونکہ دوسری امتوں میں بھی شہید اور صدیق بکثرت ہوئے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (الحدید آیت ۱۹) کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ خدا کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔"

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جو ان کے پاس بیٹھے تھے فرمایا: کُلُّکُمْ صِدِّیْقٌ وَ شَہِیْدٌ کہ تم میں سے ہر ایک صدیق اور شہید ہے۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، کُلُّ مُؤْمِنٍ صِدِّیْقٌ وَّ شَہِیْدٌ (الدر المنثور جزء ۶ صـ۱۷۶) کہ ہر مومن صدیق اور شہید ہے۔

پس خدارا غور کیجئے کہ خاتم النبیین کے یہ معنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کس شان کا اظہار کرتے ہیں، جبکہ دوسرے انبیاء کی امتوں میں کئی تابع نبی مبعوث ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی امتی اس درجہ کو حاصل نہ کر سکا؟

۹۔ اگر "تمام انبیاء کو ختم کرنیوالا" کا یہ مطلب لیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے جو شریعت کاملہ عطا فرمائی تھی اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کی شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب آئندہ ان شرائع پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا صرف شریعت اسلام ہی کی پیروی ضروری ہوگی اور چونکہ یہ شریعت کامل بھی ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اس لیے کسی نئی شریعت کے اترنے کا کوئی

جواز نہیں ہے۔

تو اس مطلب کی رو سے اب کوئی ایسا نبی تو نہیں آسکتا جو نئی شریعت لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نہ ہو، لیکن ایسا نبی جو اسی شریعت سے فیض یاب ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے ہی اس کو نبوت کے منصب پر فائز کیا گیا ہو اور اسے اسلام اور امت اسلام کے احیاء کے لیے مبعوث کیا گیا ہو، آسکتا ہے اور اس کے آنے میں کوئی شرعی روک نہیں ہے۔

۱۔ ہم کہتے ہیں کہ نئی شریعت کی انتظار عبث ہے کیونکہ شریعت اسلام کامل ہے اس میں کسی قسم کی کمی اور نقص نہیں ہے۔ فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (سورۃ المائدہ آیت: ۴) کہ ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔

اس کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ وہ وعدہ پورا ہو رہا ہے فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر آیۃ: ۹) کہ ہم اس کے محافظ ہیں، لیکن ایسی کامل اور محفوظ شریعت کی موجودگی میں بھی نبی کا وجود انسان کے لیے وقتاً فوقتاً ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے:

کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کے نشان دکھائے جن سے دلوں میں نئی زندگی اور تازہ ایمان پیدا ہو۔

تعلیم الٰہی کو وضاحت سے بیان کرے اور ہر موقع پر راہنمائی فرمائے۔

جو اختلاف پیدا ہوں ان کا فیصلہ کرے اور اتحاد و اتفاق کی روح پھونکے۔

پاک اور نیک نمونہ پیش کر کے لوگوں کو بھی پاکباز اور متقی بنائے۔

غفلت اور سستی کو جو قوم میں پائی جاتی ہو، دور کرے۔

چونکہ وہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے وہ اپنی دعاؤں کی برکت سے انہیں روحانی و ظاہری ترقی کے راستہ پر گامزن کرے اور کامیاب بنائے۔

آپ ہی غور کریں کہ کلیتہً نبوت کا دروازہ کیسے بند ہو سکتا ہے۔

نبی نہ آنے کی وجوہ

میرے خیال میں اس کی مندرجہ ذیل وجوہ میں سے ہی کوئی وجہ ہو سکتی ہے:

۱۔ خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا خزانہ ختم ہو گیا ہو اور نبی بھیجنے کی اسے قدرت نہیں رہی ہو۔

۲۔ خزانہ تو ختم نہ ہوا ہو لیکن خدا تعالیٰ بخل سے کام لے رہا ہو۔

۳۔ وہ بخل بھی نہ کرے لیکن اسے علم نہ ہو کہ امت اسلام کو کسی ہادی و نذیر کی ضرورت ہے۔

۴۔ اس کو علم بھی ہو لیکن اس کے نزدیک چونکہ امت محمدیہ کے تمام افراد متقی اور پرہیزگار ہیں اور رہیں گے اس لیے کسی نبی کے مبعوث کرنے کی ضرورت نہ محسوس کی گئی ہو۔

۵۔ امت کے لوگ یہ شان نہ رکھتے ہوں لیکن خدا تعالیٰ نہ چاہتا ہو کہ اس امت کو اس اعلیٰ منصب سے نوازا جائے وہ چاہتا ہو کہ اسے اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیا جائے۔

۶۔ امت کی حالت ناگفتہ بہ ہو، لیکن خدا تعالیٰ کو کوئی ایسا آدمی نہ مل رہا ہو جو اس قابل ہو کہ اسے منصب نبوت پر فائز کیا جائے۔

۷۔ قرآن مجید ہی کو کافی تصور کیا جائے کیونکہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے کسی اور ہادی اور امام کی کیا ضرورت ہے؟

۸۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہو کہ دوسری اقوام کی طرح امت محمدیہ کو بھی تباہ ہونے دیا جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان آٹھ امور کے متعلق قرآن کریم ہماری کیا راہ نمائی کرتا ہے اور احادیث وغیرہ ہمیں کیا ہدایت دیتی ہیں۔

اوّل: خدا تعالیٰ کے حق میں یہ خیال کرنا کہ اس کے خزانے ختم ہو چکے ہیں اس لیے

کسی کو نبی بنانے یا کسی کو رسالت سے مشرف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا کسی مومن کو تو گوارا نہیں ہو سکتا، خدا ہو اور پھر کنگال! وہ پاک ذات ہے اور غنی ہے فرماتا ہے "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (سورۃ الحجر آیت ۲۱) یعنی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اسے بقدر اندازہ مقررہ اور بقدر ضرورت اتارتے رہتے ہیں" ہمارا یہی ایمان ہے۔
(نیز دیکھیں سورۃ زمر آیت ۶۳)

حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ خزائن الٰہیہ چار قسم کے ہیں۔

"(احدھا) المراد من الخزائن خزائن الرحمۃ (ثانیھا) خزائن الغیب (ثالثھا) انہ اشارۃ الی الاسرار الالٰھیۃ المخفیۃ عن الاعیان (رابعھا) خزائن المخلوقات التی لم یرھا الانسان ولم یسمع بھا" (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص ۶۸۲)

"ایک پہلی قسم رحمت کے خزانے۔ دوسری قسم غیب کے خزانے، تیسری قسم اسرار مخفیہ کے خزانے چوتھی قسم مخلوقات کے خزانے جنہیں نہ انسان نے دیکھا اور نہ ان کے متعلق کچھ سنا"

کوئی بتائے کہ ان خزانوں میں سے خدا کا کون سا خزانہ ختم ہوا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

دوم: یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ بخل سے کام لیتا ہے یہ بھی بڑا گھنونا خیال ہے بخل تو کسی انسان کو بھی زیب نہیں دیتا چہ جائیکہ اس قدوس اور سبوح ذات میں پایا جائے وہ عزیز ہے اور بڑا حکیم ہے وہ کیسے بخل سے کام لے سکتا ہے؟ وہ فرماتا ہے:

"رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا (سورۃ النساء آیت ۱۶۵)

کہ خدا تعالیٰ نے ان رسولوں کو اس لیے بھیجا تھا "تاکہ رسولوں کی بعثت کے بعد لوگ خدا تعالیٰ کو کوئی الزام نہ دے سکیں اور اللہ بڑی عزت اور کامل حکمت والا ہے"
وہ بخل جیسی قبیح صفات سے پاک ہے۔

سوم: یہ وہم کہ خدا تعالیٰ کو امت کے حالات کا علم نہ ہو، بالکل بے بنیاد بلکہ بدترین وہم ہے

وہ خدا کیا ہوا جسے اپنی مخلوق کے حالات کا علم نہ ہو، خدائے تعالیٰ کی صفتِ علیم کوئی "کچا رنگ" نہیں کہ فوراً اتر جائے۔ اس کا علم ازلی ابدی اور کامل ہے۔ وہ کلیات کو بھی خوب جانتا ہے اور جزئیات کو بھی، اسی صفت کی بنا پر جب وہ دیکھتا ہے کہ مخلوقِ خدا کو کسی ہادی اور راہنما کی ضرورت ہے تو وہ ان کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ فرمایا:

" اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ

(سورہ الحج آیت ۷۵)

اللہ چن لیتا ہے رسول ملئکہ اور انسانوں میں سے۔ یقیناً اللہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے"۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنی سنت جاریہ مستمرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ پس یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کو امت محمدیہ کے حالات کا علم نہیں بالفاظ دیگر یہ کہنا ہے کہ خدا تعالیٰ اندھا اور جاہل ہے نعوذ باللہ من ذالک۔

ان تینوں امور کے متعلق حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فَالْمَنْعُ اِنَّمَا یَکُوْنُ اِمَّا لِلْعَجْزِ اَوْ لِلْجَھْلِ اَوْ لِلْبُخْلِ وَالْکُلُّ فِیْ حَقِّ الْحَقِّ مُمْتَنِعٌ فَالْمَنْعُ فِیْ حَقِّہٖ مُمْتَنِعٌ (التفسیر الکبیر جزء ۵ ص۵)

کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا فیض عام ہے منقطع نہیں کیونکہ "فیضِ رحمت کو روکنا یا تو اس لیے ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ عاجز ہو جائے یا اسے علم نہ ہو، یا پھر وہ بخل سے کام لے، لیکن ان میں سے ہر ایک امر خدا تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے۔ پس فیضِ رحمت کو روکنا بھی ممتنع ہوا" فجزاہ اللہ خیراً۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا فیض جیسے پہلے جاری و ساری تھا اب بھی ہے۔ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ (سورہ النحل آیت: ۹۶) کسی نے خوب کہا ے

فیضانِ خداوند بھی ہوتے ہیں کبھی بند؟

حضرت ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں:

" وَقَدْ تَقَرَّرَ فِیْ عِلْمِ الْکَلَامِ اَنَّ قُدْرَتَہٗ سُبْحَانَہٗ وتعالیٰ لَا تَتَنَاھٰی وَاَیْضًا فَخَیْرُ اللّٰہِ لَا یَنْفَدُ (الفتاوی الحدیثیہ ص۱۴) کہ علم کلام میں یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی انتہا نہیں اور خدا تعالیٰ کی خیر اور برکت کبھی

ختم نہیں ہوتی۔"

چہارم: یہ امر نبی کے آنے میں حائل ہوسکتا ہے کہ خداوند کو علم ہو کہ امت محمدیہ کے تمام افراد یا ان کی اکثریت ہمیشہ پاکباز اور صالح اور متقی افراد پر مشتمل ہوگی اور بدعملی، بداخلاقی اور اعتقادی گمراہی ان میں راہ نہ پائیگی اور خدا تعالیٰ سے قرب و محبت کا تعلق ہونیکی وجہ سے شیطان ہمیشہ ان سے دور رہیگا، اس لیے کسی نبی کو مبعوث کرنیکی بھی ضرورت نہ پڑیگی۔

۱۔ کیا واقعی ایسا نظر آرہا ہے کیا امت اسلام کی فضا حقیقتاً" ویسی ہی مقدس ہے کیا اس کا ماحول ویسا ہی صاف ستھرا اور خوشگوار ہے؟ یا اس کے برعکس اور بالکل برعکس ہے، خدا تعالیٰ کو امت کے تمام حالات کا پورا پورا علم تھا اور ہے اور اس نے پہلے ہی اپنے کلام پاک میں فرمادیا تھا اور سمجھا دیا تھا کہ امت اسلام کا کیا حال ہوگا اور وہ کن حالات سے دوچار ہوگی فرمایا:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (سورہ مریم آیت ۵۹) کہ ان کے بعد نالائق نسل پیدا ہوئی جنہوں نے نماز کو ضائع کرنا شروع کردیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگ گئے، پس وہ ان افعال کے بُرے انجام کو پالینگے۔

(تفسیر ابن کثیر جزء ۳ صفحہ ۱۲۸) پر اس آیت کے ذیل میں درج ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

" يَكُوْنُ خَلْفٌ بَعْدَ سِتِّيْنَ سَنَةً اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ثُمَّ يَكُوْنُ خَلْفٌ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يَعْدُوْ تَرَاقِيَهُمْ - (رواہ ابن ابی حاتم)

کہ ایک قسم کی نالائق نسل ساٹھ سال کے بعد پیدا ہونا شروع ہوگی وہ نمازوں کو ضائع کیا کرینگے اور اپنی خواہشات کی پیروی کیا کرینگے پس وہ اپنے بدلے پائیں گے اس کے بعد دوسری نالائق نسل پیدا ہوگی جو قرآن مجید پڑھے گی لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اتریگا۔"

حضرت امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت عِنْدَ قِيَامِ السَّاعَةِ وَذَهَابِ صَالِحِيْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے نزدیک زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جبکہ

امتِ محمدیہ کے صلحاء باقی نہ رہیں گے۔"

اسی طرح عطاء بن ابی رباح تابعی اور عکرمہ فرماتے ہیں :۔

" اِنَّھُمْ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یَبْعَثُوْنَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ کہ اس آیت میں امت محمدیہ کے لوگوں کا ہی ذکر ہے جو آخری زمانہ میں پیدا ہونگے۔"

گویا ایسے لوگ ساٹھ سال کے بعد پیدا ہونا شروع ہونگے اور پھر بڑھتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ آخری زمانہ میں معاشرہ کا غالب عنصر وہی ہوں گے۔

ہم اس وقت آخری زمانہ میں سے گزر رہے ہیں۔ اس وقت کا کیا حال ہے؟ کچھ تو بیان ہو چکا کچھ اور سن لیجئے۔

۲۔ علامہ محمد فرید وجدی اپنی مشہور تصنیف (دائرہ المعارف جزء ۹ ص ۶۲۳) پر لکھتے ہیں:

" لَمْ یَبْقَ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ۔"

"کہ اسلام کا صرف نام باقی ہے اور قرآن کریم کے صرف نقش باقی ہیں۔"

۳۔ علامہ جمال الدین افغانی نے کہا تھا:

" اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نَدْعُوَ اُوْرُبَۃَ اِلٰی دِیْنِنَا فَیَجِبُ عَلَیْنَا اَنْ نُقْنِعَھُمْ اَنَّا لَسْنَا مُسْلِمِیْنَ (الوحی المحمدی ص ۲) کہ جب ہمارا ارادہ ہو کہ ہم یورپ کو دعوت اسلام دیں تو ہمارا فرض ہے کہ پہلے ہم انہیں واضح طور پر بتا دیں کہ ہم خود مسلمان نہیں ہیں۔"

اس لیے ہماری طرف نہ دیکھنا۔

۴۔ اسی اپنی کتاب میں علامہ رشید رضا لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی حالت ایسی رنج دہ ہے کہ مسلمان خود اسلام کے خلاف اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں بطور حجت کے ہیں "اَنَّہٗ لَاخَیْرَ فِیْھِمْ وَلَا فِیْ دِیْنِھِمْ۔ (الوحی المحمدی ص ۳) کہ نہ ان میں کوئی بھلائی ہے اور نہ ان کے دین میں۔"

۵۔ مسلمانوں کی آپس میں سر پھٹول کا یہ حال ہے کہ اہل السنت والجماعت کے دو فرقے حنفی اور شافعی صلح و آشتی سے زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ حضرت شیخ ابن عربی رحمہ اللہ علیہ اپنی کتاب (الفتوحات المکیہ جزء ۳ ص ۳۳۶) پر ذکر کرتے ہیں: " اَنَّھُمْ یَقْتَتِلُوْنَ فِیْ بِلَادِ الْعَجَمِ اَصْحَابُ الْمَذْھَبَیْنِ وَیَمُوْتُ بَیْنَھُمَا خَلْقٌ کَثِیْرٌ وَیُفْطِرُوْنَ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ لِیَتَقَوَّوْا عَلَی الْقِتَالِ۔ کہ دونو مذاہب (حنفی اور شافعی) کے پیرو عجمی ممالک میں آپس میں

جنگ کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی مخلوق تباہ ہوتی ہے اور وہ رمضان شریف کے روزے بھی نہیں رکھتے تاکہ اپنے مدمقابل سے جم کر لڑ سکیں۔

۶۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب اپنی کتاب "تحفۃ الاخوان" ص۵ پر لکھتے ہیں:

"خاص فرقہ اہل سنت میں بعضے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اتنی دشمنی رکھتے ہیں کہ کسی بدمذہب اور فاسق بلکہ کافر کے ساتھ نہیں رکھتے۔"

کون سا چھوٹا یا بڑا گناہ ہے اور کونسی انفرادی یا اجتماعی، روحانی اور اخلاقی بیماری ہے جو مسلمانوں میں وباء کی طرح پھیلی ہوئی نہیں ہے۔ ادھر یہ اندرونی امراض اور فتنے امت کے اندر تباہی مچا رہے ہیں۔ اُدھر بیرونی فتنے اپنی شدت اور زور سے مسلمانوں کو نگلنے کے لیے انہیں گھیرے میں لیے ہوئے ہیں، کیا خدا تعالیٰ امت محمدیہ کو یوں ہی چھوڑنا پسند فرمائیگا؟

۷۔ علماء کرام اقرار کرتے ہیں کہ ان اندرونی اور بیرونی فتنوں کا ازالہ صرف ایک نبی کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ الشیخ الامام الخطیب الشربینی صاحب اپنی تفسیر (السراج المنیر) میں آیت خاتم النبیین کے ماتحت لکھتے ہیں:

" وَاَمَّا اِتْیَانُ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ بَعْدَ تَجْدِیْدِ الْھُدٰی بِجَمِیْعِ مَا وَھِیَ مِنْ اَرْکَانِ الْمَکَارِمِ فَلِاَجْلِ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ ثُمَّ طَامَّۃِ یَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَنَحْوِ ذٰلِکَ مِمَّا لَا یَسْتَقِلُّ بِاَعْبَاءِ ہٖ غَیْرُ نَبِیٍّ "

کہ امام مہدی جب تمام اخلاقی کمزوریوں کو دور کر کے تجدید ہدایت کا کام کر چکیگا تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو آنا ہوگا تاکہ وہ فتنہ دجال اور یاجوج ماجوج کی آفت وغیرہ کا ازالہ کر سکیں کیونکہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کا بوجھ نبی کے بغیر اور کوئی نہیں اٹھا سکتا۔"

۸۔ شیخ رشید رضا مفتی مصر اپنی کتاب الوحی المحمدی ص۲۸۱ پر لکھتے ہیں:

ضَعُفَ التَّوْحِیْدُ وَاتَّبَعُوْا سُنَنَ مَنْ قَبْلَھُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ اِعْتِقَادًا وَعَمَلًا وَتَاوِّلًا وَجَدَلًا۔

کہ توحید کمزور پڑ گئی ہے اور مسلمان اپنے سے پہلے لوگوں کی قدم قدم پہ پیروی کر رہے ہیں اعتقاد میں عمل میں تفسیر اور بحث میں۔"

گویا مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کی پیروی کر کے خود شہادت مہیا کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہو گئی جس میں آپ نے انہیں پہلے ہی ان کی اس حالت سے آگاہ فرما دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ امت پر ایک ایسا وقت آنیوالا تھا کہ اس کے لیے اسے ایک نبی اور ہادی کی ضرورت شدت سے محسوس ہونیوالی تھی۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی کہ ایک مسیح موعود امام مہدی اور حکم و عدل بھیجا جائیگا جو اسے ان فتنوں سے بچائیگا اور ان کی اصلاح فرمائیگا۔ حضرت امام رازی بھی فرماتے ہیں:

"لَمَّا كَانَ الْخَلْقُ مُحْتَاجِيْنَ اِلَى الْبَعْثَةِ وَالرَّحِيْمُ الْكَرِيْمُ قَادِرًا عَلَى الْبَعْثَةِ وَجَبَ فِي كَرَمِهٖ وَرَحْمَتِهٖ اَنْ تُبْعَثَ الرُّسُلُ اِلَيْهِمْ (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۳۸۷) کہ مخلوق بعثت نبی کی محتاج بھی ہو اور رحیم و کریم خدا نبی مبعوث کرنے پر قادر بھی ہو تو اس کا کرم اور رحمت تقاضا کرتی ہے کہ رسول مخلوق کی طرف ضرور مبعوث کیئے جائیں۔

پنجم۔ (ا) یہ خیال بھی غلط اور قطعاً غلط ہے کہ خدا تعالیٰ امت محمدیہ کو اس کی حالت پر ہی چھوڑ دینا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اسے کوئی روحانی اعلیٰ منصب حاصل ہو کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (سورۃ ال عمران آیت ۱۷۹) کہ اے لوگو! اللہ مومنوں کو یونہی اسی حالت میں ملا جلا نہیں چھوڑیگا جس حالت میں کہ اب تم ہو بلکہ وہ گندے کو پاک سے علیحدہ کریگا اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تم سب کو غیب پر مطلع فرمائے لیکن اللہ چنے گا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے پس تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر"

اس آیت میں فرمایا کہ:

۱۔ کہ اس امت میں بھی مومن اور منافق پیدا ہوتے رہیں گے۔
۲۔ خدا تعالیٰ ان دونو فریق کو علیحدہ علیحدہ کرتا رہے گا۔

۳۔ کبھی تو مختلف آفات اور ابتلاؤں کے ذریعہ اور
۴۔ کبھی کسی رسول کے ذریعہ جسے وہ چُن لیگا۔

یہ آیت نص ہے کہ امت محمدیہ کو یونہی اس کی حالت پر نہ چھوڑا جائیگا کوئی نہ کوئی صورت ایسی پیدا ہوتی رہے گی جس میں مومن اور منافق الگ الگ ہوتے رہیں گے اور اگر کسی وقت خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کو بطور رسول کے چن لیا جائے اور اس کے ذریعہ منافقین اور مخلصین کو الگ کر دیا جائے۔ یعنی مومن مخلص اس نبی پر ایمان لے آئینگے اور جو نام کے مسلمان ہیں وہ اسے نہیں مانتے گے اسی لیے فرمایا کہ اے مومنو! تم اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا۔

(ب) پھر خدا تعالیٰ نے ہمیں ایک دعا سکھائی ہے۔ جسے نمازوں کی ہر رکعت میں دہرانا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ) کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما یعنی راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا"

اس میں ہمیں حکم ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ ہمیں سیدھے راستے (اسلام) پر چلاتا چلا جائے حتّٰی کہ ہم ان انعامات روحانیہ کے وارث ہوں جو پہلے لوگوں کو عطا کئے گئے تھے (سورہ النساء آیت ۶۸) کے مطابق روحانی انعامات حاصل کرنیوالوں کے چار طبقے ہیں۔ (۱) صالح (۲) شہید (۳) صدیق اور (۴) نبی۔

اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جو دعا خود خدائے تعالیٰ کی طرف سے سکھائی گئی ہو وہ ضرور قبول ہوتی ہے امام رازی لکھتے ہیں:

"وَ اَمْرُهٗ بِذٰلِكَ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ يَسْتَجِيْبُ لَهٗ هٰذَا الدُّعَاءَ وَهٰكَذَا مَنَازِلُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اِذَا اُمِرُوْا بِدُعَاءٍ اُسْتُجِيْبَ دُعَاؤُهُمْ (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص ۲۲۴) کہ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائیگا"

آیت قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ کے ماتحت امام احمد الصاوی المالکی لکھتے ہیں:

"هٰذَا اَمْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم بِكَيْفِيَّةِ دُعَاءٍ يَتَخَلَّصُ بِهٖ مِنْ عَذَابِهِمْ وَهُوَ مُجَابٌ لِاَنَّ اللّٰهَ مَا اَمَرَهٗ بِدُعَاءٍ اِلَّا اسْتَجَابَ لَهٗ" (حاشیہ الجلالین

للصاوی جزء ۳ صفحہ ۱۰۲) کہ یہ دعا کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا تاکہ کفار کے عذاب سے خلاصی حاصل ہو اور یہ دعا یقیناً قبول ہوئی کیونکہ جس دعا کے کرنے کا خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا اسے قبول بھی فرمایا۔

چونکہ یہ دعا (اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ) خدا تعالیٰ نے خود سکھائی ہے اور پھر اسلام نے اس کے نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے اس لیے یقیناً یہ دعا قبول ہونی چاہیئے۔

تفسیر (روح المعانی جزء ۱ صفحہ ۸۵) پر اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

"سُبْحَانَهٗ مَا اَکْرَمَهٗ کَیْفَ یُعَلِّمُنَا الطَّلَبَ لِیَجُوْدَ عَلٰی عَبْدِهٖ بِمَا طَلَبَ

لَوْ لَمْ تُرِدْ نَیْلَ مَا نَرْجُوْ وَنَطْلُبُهٗ
مِنْ فَیْضِ جُوْدِكَ مَا عَلَّمْتَنَا الطَّلَبَا"

"کیا ہی پاک ذات اور سخی ہے وہ (اللہ) کیسے وہ ہمیں طلب (مانگنے) کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ اپنے بندے پر فضل فرمائے اور اس کی خواہش اور مطالبہ کو پورا کرے۔

اے اللہ! اگر تو نہ چاہتا کہ ہمیں تیرے فیض سخاوت سے وہ کچھ حاصل ہو جس کی ہم تجھ سے امید رکھتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں تو یقیناً تو ہمیں مانگنے کی یہ تعلیم ہی نہ دیتا"

اس دعا کی تعلیم دینا ایک پختہ دلیل ہے۔ اس بات پر کہ خدا تعالیٰ ہم مسلمانوں کو حسب استعداد اور حسب ضرورت ان مناصب عالیہ کے انعامات سے نوازنا چاہتا ہے جن سے پہلے لوگوں کو نوازا گیا تھا اور ہمیں یونہی نہیں چھوڑنا چاہتا اور خوب یاد رکھیں "اِنَّ اَفْضَلَ الْخَلْقِ هُمُ الْاَنْبِیَاءُ (تفسیر الکبیر جزء ۳ صفحہ ۲۵۹) کہ افضل ترین مخلوق انبیاء ہیں" یہ دعا بصیغہ جمع ایک قومی دعا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ امت محمدیہ میں بھی کوئی ایسا شخص ضرور پیدا ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان چاروں مراتب پر فائز ہونے میں کامیاب ہو، ورنہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ دعا کامل طور پر قبول نہیں ہوئی اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے دعا تو سکھائی مگر امت محمدیہ کو اس اعلیٰ منصب سے محروم رکھا اور ہمیشہ کے لیے محروم رہنے کی تشہیر بھی کر دی۔

ششم: یہ خیال بھی ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس امت میں خدا تعالیٰ کو کوئی ایسا آدمی نہ مل رہا ہو جو اس قابل ہو کہ اسے منصب نبوت پر فائز کیا جائے۔ صحیح نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

اوّل: خدا کی قدرت پر دھبہ لگتا ہے کہ وہ اس امت میں ایک نبی پیدا کرنے کی قدرت یا طاقت نہیں رکھتا، ہمارا تو پختہ ایمان ہے اور ہر ایک مومن مسلمان کا یہی ایمان ہونا چاہیئے کہ وہ ہر ایک چیز پر جس کا وہ ارادہ کرے قادر ہے، کوئی نہیں جو اس کے ارادہ کو رد کر سکے، ہم تو روزانہ اقرار کرتے ہیں "لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ (حدیث) کہ اے اللہ! جو انعام تو دینا چاہیئے اسے کوئی روک نہیں سکتا"۔ خود خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔ لَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ (سورۃ یونس آیت ۱۰۷) کہ اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا"۔

خدا تعالیٰ تو نبوت کے متعلق اعلان فرماتا ہے، وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ (سورہ البقرہ آیت ۱۰۵) کہ خدا اپنی رحمت (نبوت) سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور جسے چاہے گا نوازتا چلا جائے گا"۔ کیونکہ یہ صیغہ مضارع کا ہے جو زمانہ حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ اس نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اطلاع فرمادی وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (سورہ الجمعہ آیت ۳) اس کے متعلق علامہ جاراللہ اپنی کتاب حُرُوْفُ فِي اَوَائِلِ السُّوَرِ ص۱۳۲ پر فرماتے ہیں: وَمَعْنٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ الْكَرِيْمَةِ الثَّالِثَةِ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنَ الْاُمِّيّٖنَ وَبَعَثَ فِيْ اٰخَرِيْنَ رُسُلًا مِّنْ اٰخَرِيْنَ فَكُلُّ اُمَّةٍ لَهَا رَسُوْلٌ مِنْ نَفْسِهَا وَهٰؤُلَاءِ الرُّسُلُ هُمْ رُسُلُ الْاِسْلَامِ فِي الْاُمَمِ مِثْلُ اَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ هُمْ رُسُلُ التَّوْرَاةِ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ کہ اس تیسری آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے رسول مبعوث فرمایا اور آخرین میں انہی میں سے رسول مبعوث فرمائیگا اور یہ رسول اسلام کے رسول ہونگے جیسے کہ تورات کے پیرو نبی بنی اسرائیل میں ہوئے"۔

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جسے خدا تعالیٰ سب سے بہتر امت اور خَيْرَ اُمَّةٍ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰) قرار دے اس میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہ آئے جو نبی کا

عہدہ پانے کے قابل ہو۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَجَعَلْنَاکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳) کہ ہم نے تمہیں امۃ وَسَط بنایا۔ وَسَط کے معنی تفسیر روح المعانی میں "خِیَارًا اَوْ عُدُوْلًا" "زیادہ بہتر اور عادل" لکھے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے اَلْخِیَارُ وَالْاَجْوَدُ بہتر اور زیادہ قابل۔ پس اگر اس امت میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں، تو اس مدح اور تعریف کے کیا معنی؟ اور یہ امت کیا فضیلت رکھتی ہے؟

دوم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرف آتا ہے کہ جب آپ سید الرسل ہیں تو چاہیئے کہ آپ کی امت بھی سید الامم ہو، اور آپ کی امت کو خدا کے افضال و انعامات سے وہ حصہ ملے جو کسی امت کو پہلے نصیب نہ ہوا ہو۔

ہمیں تو حضرت ابن عباس کی ایک روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دوسری دنیا میں بھی انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے۔ "فِیْ کُلِّ اَرْضٍ نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ وَ اٰدَمُ کَاٰدَمِکُمْ وَنُوْحٌ کَنُوْحِکُمْ وَاِبْرَاهِیْمُ کَاِبْرَاهِیْمَ وَعِیْسٰی کَعِیْسٰی (دافع الوسواس، للعلامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی) کہ ہر ایک دنیا میں تمہارے نبی کی طرح ایک نبی ہے۔ تمہارے آدم کی طرح ایک آدم ہے تمہارے نوح کی طرح ایک نوح ہے اور ابراہیم کی طرح ایک ابراہیم اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰ بھی۔"

یہ روایت درج کرکے علامہ موصوف لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ اثر ابن عباس صحیح السند ہے، روایت اس کی معتمد ہے۔ وقف اس کا صوری ہے حقیقت میں وہ مرفوع حکمی ہے۔" (ص ۳)

پھر لکھتے ہیں:

"یہ ثابت ہوا کہ ان طبقات میں ایک ایک نبی ہے اور وہ مشبہ ہے ساتھ ہمارے نبی کے۔ پس اگر تشبیہ مجرد بشریت یا مشارکت اسمی یا ہدایت وغیرہ میں ہووے نبی کا لفظ بے معنی ہو جائیگا۔ زیادہ توضیح اس کی یہ ہے کہ نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ سے دو امر ثابت ہیں ایک یہ کہ ان طبقات میں ایک ایک شخص موصوف بنبوت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ شخص مشبہ ساتھ ہمارے نبی کے ہے۔" (ص ۱۲)

پھر لکھا ہے کہ

"بعد آنحضرت کے یا زمانے میں آنحضرت کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔" (ص۱۶)

میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ دوسری اقوام یا امتوں میں، تو نبی مبعوث ہوں، لیکن امت محمدیہ اس نعمت سے محروم رہے یہ کیا قصہ ہے؟ پھر خیریتہ کس بات میں ہوئی؟ پھر نبی کریم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَبُوْ بَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ" (الجامع الصغیر جزء ا ص۵) کہ ابوبکر سب سے بہتر ہے سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو"۔ (نیز کنوز الحقائق دیکھیے)

اسی میں روایت ہے "ابو بکر افضل ھذہ الامۃ الّا ان یکون نبی کہ ابوبکر اس امت میں سب سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر اگر کوئی ہو سکتا ہے تو نبی ہی ہو سکتا ہے اگر کسی امتی نبی کے پیدا ہونے کا امکان نہ ہوتا، تو یہ کلام بے معنی اور لغو ٹھہرتا اور الّا کے ذریعے نبی کا استثنا جائز نہ ہوتا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت اتنی افضل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے حالات کا علم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی رَبِّ اجْعَلْنِیْ نَبِیَّھُمْ کہ اے میرے رب! مجھے ان کا نبی بنا دے قَالَ نَبِیُّھُمْ مِنْھُمْ جواب ملا کہ ان کا نبی اُن میں سے ہی ہوگا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی اجْعَلْنِیْ مِنْھُمْ کہ مجھے اس امت کا امتی ہی بنا دیا جائے۔ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تُدْرِکَھُمْ فرمایا کہ تو ان کا زمانہ نہیں پائیگا۔ (تفسیر الخازن جزء ۲ ص۲۴۳)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اجْعَلْنِیْ نَبِیَّ تِلْکَ الْاُمَّۃِ کہ مجھے اس امت کا نبی بنادیجئے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا: نَبِیُّھَا مِنْھَا کہ اس کا نبی اسی میں سے ہوگا (الخصائص الکبریٰ للسیوطی عن انسؓ) و (نشر الطیب ص۲۶) و (ترجمان السنۃ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی)

اس سے معلوم ہوا کہ اس امت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت

سے نبی ضرور پیدا ہونے والا تھا، باہر سے کسی نبی کو نہ لایا جائیگا خواہ موسیٰ ہو یا عیسیٰ؟

ہفتم: جو لوگ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن مجید ہی کافی ہے۔ وہ بھی اگر ذرا سوچیں تو ان پر ان کے اس خیال کی غلطی واضح ہو جائیگی۔

۱۔ اگر صرف قرآن مجید ہی کافی ہوتا تو امت اس حالت کو کیسے پہنچ سکتی تھی؟ قرآن مجید تو ہمیشہ ان میں موجود رہا ہے؟

۲۔ اگر صرف قرآن مجید ہی کافی ہوتا تو پھر خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی کہ مجددین کا سلسلہ امت محمدیہ میں جاری فرماتا۔

۳۔ اگر صرف قرآن مجید ہی کافی تھا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کیوں اعلان کیا گیا کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود امام مہدی کو مبعوث فرمایا جائیگا؟

دراصل قابل غور بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے کبھی کوئی کتاب فرشتوں سے لکھوا کر بذریعہ ڈاک لوگوں کے پاس نہیں بھجوائی۔ ہمیشہ وہ اپنی تعلیم یا کتاب اپنے ایک برگزیدہ بندے پر نازل فرماتا ہے۔ تاکہ وہ بندہ لوگوں کو اس کا حقیقی مطلب بتائے اور اپنے عمل سے اس کی تفسیر و توضیح کر دے، خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے" وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۳) کہ خدا تعالیٰ نے انبیاء کے ساتھ کتاب نازل فرمائی"۔ کوئی ایسی کتاب نہیں جو کسی نبی کے بغیر لوگوں تک پہنچائی گئی ہو۔

ایک اور جگہ خود قرآن مجید کے متعلق فرمایا:

" بَلْ مَتَّعْتُ هٰؤُلَاءِ وَاٰبَاءَهُمْ حَتّٰى جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ

(سورۃ الزخرف آیت ۲۹) میں نے فائدہ دیا ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو حتیٰ کہ آ گیا ان کے پاس الحق اور ایک عظیم الشان رسول جو اسے بیان کرتا ہے"۔

اس میں فرمایا کہ ان کفار کے پاس دو چیزیں بھیجی گئی تھیں ایک الحق اور دوسری چیز رسول کا وجود جو اس الحق کو واضح کرتا اور کھول کر بیان کرتا ہے اس کے متعلق حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی اپنی کتاب (الیواقیت والجواہر جزء ۲ صفحہ ۳۲ مبحث نمبر ۳۳) میں فرماتے ہیں:

(فَاِنْ قُلْتَ) فَمَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ مَعَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ جَاءَ عَلٰى لُغَتِهِمْ فَمَا السَّبَبُ الدَّاعِيْ اِلٰى اِحْتِيَاجِهِمْ

إِلَى بَيَانِ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وسلم (فَالْجَوَابُ) سَبَبُ ذٰلِكَ أَنَّ كُلَّ كَلَامٍ لَابُدَّ فِيْهِ مِنْ إِجْمَالٍ وَمَا كُلُّ أَحَدٍ يَعْرِفُ الْمُجْمَلَ فَلِذٰلِكَ لَمْ يَكْتَفِ الْحَقُّ تَعَالٰى بِنُزُوْلِ الْكُتُبِ الْإِلٰهِيَّةِ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ الرُّسُلِ لِمَا أَجْمَلَ فِيْهَا وَمَعْلُوْمٌ أَنَّهُ لَا يُفَصِّلُ الْعِبَارَةَ إِلَّا الْعِبَارَةُ فَنَابَتِ الرُّسُلُ مَنَابَ الْحَقِّ تَعَالٰى فِيْ تَفْصِيْلِ مَا أَجْمَلَهُ فِيْ كِتَابِهٖ۔"

یعنی (اگر یہ سوال ہو) کہ خدا تعالیٰ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں "کہ تو بیان کرے لوگوں کے لیے جو اتارا گیا ان کی طرف" حالانکہ قرآن مجید توان کی زبان میں نازل ہوا تھا پس کس سبب سے انہیں رسول کے بیان کی ضرورت ہوئی (تو جواب یہ ہے) کہ ہر کلام میں کچھ نہ کچھ اجمال ضرور ہوتا ہے اور ہر ایک شخص مجمل کی حقیقت کو نہیں جان سکتا، پس خدا تعالیٰ نے کبھی اس بات پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ صرف کتاب اتار دے اور اس کے مجمل کلام کے بیان کے لیے رسول نہ بھیجے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ عبارت کی تفصیل عبارت سے ہو سکتی ہے اس لیے خدا تعالیٰ کی جگہ اس کے رسول اس کے مجمل کلام کو واضح کرنے کا کام کرتے ہیں۔

پس قرآن کریم میں مجمل کلام کی تفصیل اور اس کی وضاحت کرنا بھی ایک اہم کام ہے اور یہ کام یا تو رسول کا ہے یا اس کے ایسے خلفاء کا جو خدا تعالیٰ سے خاص تعلق رکھنے والے اور اس کے کلام کے حقائق و معارف سے خوب واقف ہوں، کیا اس کے لیے علماء بھی ممد ہو سکتے ہیں؟ نہیں! کیونکہ مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء ہی اختلاف کا دروازہ کھولتے ہیں اور اختلاف سے اس قدر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

اسی لیے باوجودیکہ امت اسلام میں علماء بکثرت موجود تھے۔ قرآن مجید بھی موجود تھا، مسلمان دن بدن تفرقہ کا شکار ہوتے گئے اور ان کا شیرازہ بکھرتا گیا اور یہ قوم جو مانی ہوئی زندہ اور فعال قوم تھی بے جان ہو کر رہ گئی۔ پھر کیوں خدا تعالیٰ کسی حکم و عدل امام کو اپنی طرف سے مبعوث نہ فرماتا۔ جو قرآن مجید کے نور سے لوگوں کو منور کرتا اور انھیں خدا تعالیٰ کے حضور اکٹھا کرتا۔ لَا يَمَسُّهٗ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔

یہ ایسی واضح بات ہے کہ جسے چنداں طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہشتم: پھر یہ خیال تو اور بھیانک ہے کہ خدا تعالیٰ نے نبوت کا دروازہ اس لیے

بند کیا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس امت کو جو سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتی ہے ہلاک ہونے دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیں یہ مژدہ سنایا تھا کہ یہ امت ہرگز تباہ و برباد نہ ہوگی، فرمایا:

" خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلُهَا وَ اٰخِرُهَا اَوَّلُهَا فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاٰخِرُهَا فِيْهِمْ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ (الجامع الصغیر جزء ۲ ص۱۱) کہ اس امت کا سب سے بہتر حصّہ یا تو ابتدائی ہے یا آخری کیونکہ ابتدائی حصہ میں رسول اللہ یعنی میں ہوں اور اس کے آخری حصّہ میں عیسیٰ بن مریم ہوگا۔"

یہ مژدہ اسی لیے سنایا گیا کہ تا تمام دنیا کو معلوم ہو کہ یہ امت ہلاک نہ ہوگی، بلکہ خدا تعالیٰ اس کی ہدایت کے سامان پیدا کرتا رہے گا اور اسے نمایاں ترقی اور کامیابی عطا فرمائیگا۔

غرض کوئی ایک معقول وجہ نظر نہیں آتی جس سے ثابت ہو کہ امتی نبی کا آنا بھی ممنوع ہے بلکہ اس کے خلاف تمام ضرورتیں جو ایک نبی کی بعثت کا سبب بنتی رہی ہیں اس زمانہ میں موجود ہیں اور وہ تقاضا کرتی ہیں کہ جس طرح گذشتہ زمانوں میں خدائے تعالیٰ کی رحمت انسانوں کی مدد اور حفاظت کے لیے جوش میں آتی رہی اس زمانہ میں بھی جوش میں آئے اور اپنے فضل سے ایک بندے کو مبعوث فرمائے جو خود کامل ہو اور پھر دوسروں کو کامل بنانے کے لیے علمی اور عملی دونو استعدادیں اور قوتیں کامل طور پر اپنے اندر رکھتا ہو۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ان چند باتوں کو مدنظر رکھا جائیگا تو خاتم النبیین کے صحیح معنے اور تفسیر جلد سمجھ میں آجائیں گے اور نبوت جیسی عظیم رحمت کے بکلی بند ہونے کا خیال ذہن سے اتر جائیگا

اجماع کا مسئلہ

اب آخر میں اجماع کے متعلق کچھ عرض کر دینا مناسب بلکہ ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ خاتم النبیین کے جن معنوں کو اجماعی معنے خیال کیا جاتا ہے ان کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے۔

۱۔ علماء کے نزدیک اجماع کا اصطلاحی مطلب یوں بیان کیا گیا ہے۔

" هُوَ اتِّفَاقُ مُجْتَهِدِيْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ وَفَاتِهٖ فِيْ عَصْرٍ مِّنَ الْاَعْصَارِ عَلٰى اَمْرٍ مِّنَ الْاُمُوْرِ۔ (ارشاد الفحول ص۶۳ مصری) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ میں کسی امر پر تمام مجتہدین امت کا

متفق ہو جانا"

اسے خوب ذہن میں رکھیئے اور پھر غور فرمایئے کہ اول تو امت مسلمہ کے تمام مجتہدین کا معلوم کرنا ہی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ترین امر ضرور ہے۔

دوم: زمانہ کی کیا مدت ہے تیس سال کی پچاس سال کی یا سو سال کی کون جرات کر سکتا ہے یہ کہنے کی کہ اس زمانہ کے تمام مجتہدین کا اس نے پوری طرح شمار کر لیا ہے۔

سوم: کون کہہ سکتا ہے کہ اس نے مختلف فیہ اجتہادی مسئلہ ان تمام مجتہدین تک پہنچایا۔ اور ان سے ایک ایک کا فتویٰ لیا۔

چہارم: ناممکن ہے کہ وہ تمام مجتہد اس ایک مسئلہ کے متعلق ایک ہی فتویٰ دیں اور اس میں قطعاً کسی قسم کا اختلاف نہ ہو، پھر لطف یہ ہے کہ اگر ایک مجتہد اختلاف کرے تو اجماع باطل ہو جائے۔

حضرت امام رازی فرماتے ہیں: "وَالْاِجْمَاعُ مَعَ مُخَالَفَةِ الْوَاحِدِ وَالْاِثْنَیْنِ لَا یَنْعَقِدُ (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۱۳۱) کہ اگر مجتہدین میں سے ایک یا دو بھی اختلاف کریں تو اجماع منعقد نہیں ہوتا"۔

۲۔ ایسی باتوں کے زیر نظر ہی علماء اسلام میں اس امر پر اختلاف ہوا ہے کہ آیا ایسے اجماع کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں!! "فَقَالَ قَوْمٌ مِنْهُمُ النَّظَّامُ وَبَعْضُ الشِّیْعَةِ بِاِحَالَةِ اِمْکَانِ الْاِجْمَاعِ۔ بعض لوگ جن میں نظام اور بعض شیعہ بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ ایسا اجماع ہے ہی ناممکن"۔

۳۔ پھر اگر بالفرض اجماع کو ممکن الوقوع مان بھی لیا جائے تو علماء میں اس پر بحث ہوئی ہے کہ آیا اس اجماع کا علم بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ "فَقَالُوْا لَا طَرِیْقَ لَنَا اِلَی الْعِلْمِ بِحُصُوْلِهٖ: یعنی ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ واقعی کوئی ایسا اجماع ہوا بھی ہے۔

۴۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "مَنِ ادَّعٰی وُجُوْبَ الْاِجْمَاعِ فَهُوَ کَاذِبٌ (ارشاد الفحول ص۶۴) کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ ایسے اجماع کا ثبوت ملتا ہے وہ جھوٹا ہے"۔

۵۔ پھر اس امر میں بھی کافی اختلاف ہے کہ کوئی اجماع جو گذشتہ کسی زمانہ میں ہوا ہے۔ اسے بعد کے لوگوں تک کس طرح پہنچنا چاہیئے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ تواتر سے اس کا

منقول ہونا ضروری ہے، لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں وَالعَادَۃُ تُحِیلُ النَّقلَ تَوَاتُراً (ارشاد الفحول ص۶۵) کہ لوگوں کی عادت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اجماع کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا محال ہے۔

۶۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور اہم ترین بات پر بھی علماء اسلام میں اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ آیا اجماع حجت بھی ہے یا نہیں۔ وَذَھَبَ النَّظَّامُ وَالاِمَامِیَّۃُ وَبَعضُ الخَوَارِجِ اِلٰی اَنَّہٗ لَیسَ بِحُجَّۃٍ (ارشاد الفحول ص۶۵) کہ علامہ نظام، امامیہ، شیعہ اور بعض خوارج کا یہ قول ہے کہ اجماع حجت ہی نہیں۔ باوجود اس کے پھر بھی محققین نے ان لوگوں کو کافر قرار نہیں دیا۔

۷۔ لیکن یہ مان لینے کے بعد کہ اجماع حجت ہوتا ہے، اس اجماع کے حجت ہونے کے بارے میں آگے پھر اختلاف ہوا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ اجماع حجتِ قطعی ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حجتِ ظنی۔ وَقَالَ جَمَاعَۃٌ مِنھُمُ الرَّازِیُّ وَالاٰمِدِیُّ اِنَّہٗ لَا یُفِیدُ اِلَّا الظَّنَّ (ارشاد الفحول ص۷۰) کہ علماء کی ایک جماعت جن میں امام رازی اور علامہ آمدی بھی شامل ہیں۔ اس خیال کے قائل ہیں کہ اجماع سے یقین نہیں صرف ظن حاصل ہوتا ہے۔

۸۔ البتہ علماء اسلام کی بھاری اکثریت اس بات کی قائل ہے۔ اِجمَاعُ الصَّحَابَۃِ حُجَّۃٌ بِلَا خِلَافٍ (ارشاد الفحول ص۷۲) کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع صحیح حجت ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۹۔ ایک اور بات جو اجماع کے متعلقات میں سے ہے اور اسے مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے۔ "لَا اِعتِبَارَ بِقَولِ العَوَامِّ فِی الاِجمَاعِ لَا وِفَاقاً وَلَا خِلَافاً عِندَ الجُمھُورِ۔ (ارشاد الفحول ص۷۲) کہ اجماع میں عام لوگوں کے قول یا خیال کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا خواہ وہ موافق ہو یا مخالف ہو۔" خیال فرمائیں کہ بے علم یا کم علم انسان کے قول کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ اس سلسلہ میں حضرت امام شوکانی کی ایک یاد دہانی بھی یاد رکھنی چاہیئے، لکھتے ہیں:۔
وَالعَجِیبُ مِنَ الفُقَھَاءِ اَنَّھُم اَثبَتُوا الاِجمَاعَ بِعُمُومَاتِ الاٰیَاتِ وَالاَخبَارِ وَاَجمَعُوا عَلٰی اَنَّ المُنکِرَ لِمَا تَدُلُّ عَلَیہِ العُمُومَاتُ لَا یُکَفَّرُ

وَلَا يُفَسَّقُ إِذَا كَانَ ذٰلِكَ الْإِنْكَارُ لِتَأْوِيْلٍ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الْحُكْمُ الَّذِيْ دَلَّ عَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ مَقْطُوْعٌ وَمُخَالِفُهٗ كَافِرٌ وَّفَاسِقٌ فَكَأَنَّهُمْ قَدْ جَعَلُوا الْفَرْعَ أَقْوٰى مِنَ الْأَصْلِ وَذٰلِكَ غَفْلَةٌ عَظِيْمَةٌ (ارشاد الفحول ص۶۷)

یعنی علماء کی حالت پر تعجب ہے کیونکہ اُدھر تو وہ اجماع کے ثبوت کے لیے آیات اور احادیث کے عام معنوں کو استعمال کرتے ہیں اور ان کا اجماع ہے کہ اگر ان آیات و احادیث کے عام معنوں کا کوئی شخص ان کی تاویل کرتے ہوئے انکار کرتا ہے تو نہ اسے کافر کہا جا سکتا ہے اور نہ فاسق اور ادھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو حکم بھی اجماع سے ثابت ہو جائے وہ قطعی ہوتا ہے اور اس کا مخالف کافر اور فاسق ہے، گویا اس طرح انہوں نے فرع کو اصل سے زیادہ قوی قرار دیدیا اور یہ ان کی بڑی ہی غفلت ہے"۔

ان کی یہ یاد دہانی یا تعجب بڑا مفید اور معنی خیز ہے۔ امام شوکانی نے اس عبارت میں یہ کہا ہے۔

۱۔ کہ علماء نے اجماع کو کسی نص صریح سے ثابت نہیں کیا، بلکہ عام مضمون کی آیات اور احادیث سے ثابت کیا ہے۔

۲۔ بعض علماء ان عام آیات و احادیث سے اجماع کو ثابت نہیں مانتے وہ ان آیات و احادیث کے کچھ اور معنی لیتے ہیں۔ گویا وہ ان آیات و احادیث سے اجماع کا ثبوت پایا جانے سے منکر ہیں۔

۳۔ جن علماء نے ان آیات و احادیث سے اجماع کو ثابت کیا ہے انہوں نے پھر خود اس بات پر یہ اجماع کیا ہے کہ ان عام آیات کے اس مفہوم کے منکر کو کہ ان سے اجماع ثابت ہے کافر اور فاسق قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ ان آیات کی تاویل کرتا ہے یہ امر تو ہوا اجماع کے بارے میں اصل۔

۴۔ لیکن اس اصل کے برخلاف پھر اجماع کے لیے ان عام آیات سے ثبوت کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں وہ حکم جس پر اجماع دلالت کرے یعنی وہ امر جو اجماع سے ثابت ہو وہ ایسا قطعی ہے کہ اس کا منکر کافر ہے یہ بات اجماع کے اصل کے مقابلہ میں اس کی ایک فرع اور شاخ ہے۔

اس پر امام شوکانی اس بناء پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اس طرح اجماع کے قائلین

نے فرع کو اصل پر فوقیت دیدی ہے۔ حالانکہ فرع کو اصل کے تابع ہونا چاہیئے تھا اور یہ چاہیئے تھا کہ کسی مسئلہ پر بھی اجماع کے حکم کو قطعی قرار نہ دیا جائے اور اس کے منکر کی تکفیر نہ کی جائے۔

حضرت امام شوکانی کی یہ تنبیہ نہایت ہی اہم ہے۔ اسے خوب سمجھ لیں تاکہ آپ کو بعض بزرگوں کے بیان کردہ نظریات ذہن نشین کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

یہ تو بار بار بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح اور امام مہدی کی آمد کے بارے میں تمام اہل السنت والجماعت (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) متفق ہیں اور اسے برحق یقین کرتے ہیں۔ انہیں مُقلِد بھی کہتے ہیں۔

تمام محدثین (اہل حدیث) بھی جو غیر مقلد کہلاتے ہیں اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مسیح موعود اور امام مہدی آخری زمانہ میں حسب پیشگوئی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائینگے اور وہ احادیث جن میں ان کی آمد کا ذکر ہے متواتر ہیں۔

شیعہ فرقوں میں سے بھی اکثر حضرت امام مہدی اور مسیح موعود کے آنے کے قائل ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ان میں سے بھاری اکثریت یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ جب مسیح موعود تشریف لائینگے تو وہ نبی اور رسول ہونگے، شاذو نادر وہ لوگ ہیں جو اس وہم میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ آنے والا مسیح موعود نبی نہیں ہوگا اور ان کے اس وہم کو بدلائل ردّ کیا جا چکا ہے۔

پس سوچنا چاہیئے کہ اس ایمان اور یقین کے ہوتے ہوئے کس امر پر اجماع ہو سکتا ہے؟؟

وحی کا نزول

ہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو اجماع کے رو سے جبرئیل علیہ السلام زمین پر نازل نہیں ہونگے اور نہ وحی نازل ہوگی پھر نبی بنجانے کے کیا معنی؟

۱۔ جواباً عرض ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول نہیں فرمائینگے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کہ ملائکہ اور خصوصاً جبریل لیلۃ القدر میں نازل ہوتے ہیں

اور انکا یہ نزول خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے اور ہر اہم معاملہ کے متعلق اور پھر وہ مومنوں کو سلام پہنچاتے ہیں۔

۲۔ "قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ إِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ خَافَ عَلٰى أُمَّتِهٖ أَنْ يَصِيْرُوْا مِثْلَ أُمَّةِ مُوْسٰى وَعِيْسٰى عليهما الصلوٰةُ والسَّلَامُ فَقَالَ اللّٰهُ لَا تَهْتَمَّ لِذٰلِكَ فَإِنِّيْ وَإِنْ أَخْرَجْتُكَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا أَنِّيْ جَعَلْتُ جِبْرِيْلَ خَلِيْفَةً لَّكَ يَنْزِلُ إِلٰى أُمَّتِكَ كُلَّ لَيْلَةِ قَدْرٍ وَيُبَلِّغُهُمُ السَّلَامَ مِنِّيْ (التفسير الكبير جزء ۳ صـ۲۷)

یعنی مفسرین کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ڈر لاحق ہوا کہ آپ کی امت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی امت کی طرح گمراہ ہو جائیگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے اس بات کا فکر نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اگرمیں نے تجھے وفات دیدی تو میں جبرئیل کو تیرا خلیفہ مقرر کردونگا جو ہر لیلۃ القدر میں تیری امت کی طرف آیا کریگا اور انہیں میری طرف سے سلامتی کا پیغام پہنچایا کریگا۔"

مطلب ظاہر ہے کہ جبرئیل جو خدا تعالیٰ کا کلام لاتا ہے اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین پر اُترنا بند نہیں ہوا خصوصاً لیلۃ القدر کے موقع پر تو وہ ضرور آیا کرے گا۔

۳۔ حیرت کی بات ہے کہ ہمارے بھائی جبرئیل کے نزول اور امتی نبی کے آنے سے کیوں ڈرتے ہیں حالانکہ یہ خدا کی رحمت اور نعمت ہے البتہ جبرئیل کوئی ایسی وحی کسی نبی پر نہیں لائیگا جو شریعت اسلامیہ کو منسوخ کرنیوالی ہو کیونکہ شریعت اسلامیہ کامل ہے اور اس کی حفاظت کا بھی خدا تعالیٰ نے ذمہ لیا ہوا ہے۔ پس نئی شریعت یا کسی ایسی وحی کی آمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو شریعت اسلامیہ کے کسی حکم کو رد کرے یا اس کے خلاف ہو اگر کوئی شخص کوئی ایسی وحی سنتا ہے تو اسے یقین کرنا چاہیئے کہ وہ وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ شیطان کی طرف سے ہے اور مومن کا فرض ہے کہ ایسی وحی کو بلا تامل رد کردے اور اسے قبول کرنے سے انکار کردے، چنانچہ کتاب بهجة الاسرار صـ۱۲۰ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو کہا:

يَا عَبْدَ الْقَادِرِ أَنَا رَبُّكَ فَقَدْ حَلَّلْتُ لَكَ الْمُحَرَّمَاتِ أَوْ قَالَ

مَا حَرَّمْتُ عَلٰی غَیْرِکَ، فَقُلْتُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، اِخْسَأْ یَا لَعِیْنُ" کہ اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں میں نے تیرے لیے وہ سب چیزیں جو دوسروں پر حرام کی گئی ہیں، حلال کردی ہیں۔

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات سنکر میں نے کہا: "میں شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، اے ملعون! تو دفع ہوجا۔"

ہاں وہ وحی جو انسان کو خدا تعالیٰ سے ملاتی ہو وہ وحی جو انسان کے یقین کو بڑھاتی ہو وہ وحی جو انسان میں نئی زندگی پھونک دیتی ہو۔ وہ وحی جس میں عشق و محبت الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہو وہ وحی جو معارف الٰہیہ اور نئے علوم لدنیہ کا ذریعہ ہو وہ تو انبیاء و اولیاء کی روح کی غذا ہے اگر وہ ان سے کٹ جائے اور انکا وہ تعلق بند ہوجائے تو انہیں اس زندگی سے موت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ شیخ ابن الفارض فرماتے ہیں ؎

وَلَوْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاکَ اِرَادَۃٌ

اگر کسی دن تیرے غیر کا خیال بھی

عَلٰی خَاطِرِیْ یَوْمًا حَکَمْتُ بِرِدَّتِیْ

میرے دل میں گزرتا تو میں اپنے کو مرتد خیال کرتا

بلکہ اگر انہیں خدا تعالیٰ کی ملاقات جنت میں بھی حاصل نہ ہو تو وہ خوش نہیں ہوتے۔ ایک صوفی کہتا ہے: ؎

لَیْسَ قَصْدِیْ مِنَ الْجِنَانِ نَعِیْمًا

جنت سے میرا مقصد یہ نہیں کہ نعمتیں حاصل کروں

غَیْرَ اَنِّیْ اُرِیْدُھَا لِاَرَاکَ

ہاں میں چاہتا ہوں کہ تجھے دیکھ لوں

وہ اس یقین پر قائم ہوتے ہیں ؎

لِکُلِّ شَیْءٍ اِذَا فَارَقْتَہٗ عِوَضٌ

ہر ایک چیز کا جسے تو کھودے کوئی نہ کوئی عوض ہوتا ہے

وَلَیْسَ لِلّٰہِ اِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

لیکن اللہ کا کوئی عوض نہیں ہے

دراصل خدا تعالیٰ کا تعلق ہی ان کے اطمینان اور خوشی کا باعث ہوتا ہے اور اسی تعلق کی برکت سے ان کے دل ہر آن منوّر رہتے ہیں ؎

اِنَّ بَيْتًا اَنْتَ سَاكِنُهٗ
جس گھر میں تو رہتا ہو
لَيْسَ مُحْتَاجًا اِلَى سُرُجٍ
وہ دیوں کا محتاج نہیں ہوتا

۴- میں سمجھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بھی اس کی شہادت دیتا ہے حدیث میں آتا ہے :-

"رَوَى ابْنُ جَرِيْرٍ مِنْ طَرِيْقَيْنِ مُرْسَلِيْنَ اَنَّ جِبْرِيْلَ اَبْطَأَ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَزِعَ جَزَعًا شَدِيْدًا فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ اِنِّيْ اَرٰى رَبَّكَ قَدْ قَلَاكَ مِمَّا يُرٰى مِنْ جَزَعِكَ - (الوحی المحمدی ص۴۷ حاشیہ)

کہ امام ابن جریر نے دو مرسل سندوں سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل نے کچھ دیر کی (کوئی وحی نہ لائے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت گھبرائے یہ حال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو کہا کہ آپ کی گھبراہٹ دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے "

اس پر وہ سورۃ (الضُّحٰی) نازل ہوئی جس میں یہ آیت بھی نازل ہوئی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى -

۵- حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی "الکبریت الاحمر" ص۱ پر فرماتے ہیں :

"فَاِنَّ الْوَحْيَ الْمُتَضَمِّنَ لِلتَّشْرِيْعِ قَدْ اُغْلِقَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَلِهٰذَا كَانَ عِيْسٰى علیہ السلام اِذَا نَزَلَ يَحْكُمُ بِشَرِيْعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم دُوْنَ وَحْيٍ جَدِيْدٍ نَعْلَمُ اَنَّهٗ مَا بَقِيَ لِلْاَوْلِيَاءِ اِلَّا وَحْيُ الْاِلْهَامِ " کہ جو وحی نئی شریعت پر مشتمل ہو، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند کر دی گئی ہے - اسی لیے جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائینگے تو وہ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے دینگے کوئی نئی وحی پیش نہ فرمائینگے - اس سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء کے لیے صرف وحی الہام ہی باقی رہی ہے "

۶ - حضرت امام مہدی کے بارے میں لکھا ہے :

" اِنَّهٗ یَحْکُمُ بِمَا اَلْقٰی اِلَیْهِ مَلَكُ الْاِلْهَامِ مِنَ الشَّرِیْعَةِ وَ ذٰلِكَ اَنَّهٗ یُلْهِمُهُ الشَّرْعَ الْمُحَمَّدِیَّ فَیَحْکُمُ بِهٖ کَمَا اَشَارَ اِلَیْهِ حَدِیْثُ الْمَهْدِیِّ اَنَّهٗ یَقْفُوْ اَثَرِیْ لَا یُخْطِیُٔ فَعَرَّفَنَا صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ مُتَّبِعٌ لَا مُبْتَدِعٌ وَ اَنَّهٗ مَعْصُوْمٌ فِیْ حُکْمِهٖ اِذْ لَا مَعْنٰی لِلْمَعْصُوْمِ فِی الْحُکْمِ اِلَّا اَنَّهٗ لَا یُخْطِیُٔ وَ حُکْمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا یُخْطِیُٔ فَاِنَّهٗ لَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی وَ قَدْ اَخْبَرَ عَنِ الْمَهْدِیِّ اَنَّهٗ لَا یُخْطِیُٔ وَ جَعَلَهٗ مُلْحَقًا بِالْاَنْبِیَاءِ فِیْ ذٰلِكَ الْحُکْمِ "

(الیواقیت والجواھر جزء ۲ صفحہ ۱۴۵ مبحث ۶۵)

یعنی الہام کا فرشتہ شریعت کا جو مفہوم اس (مہدی) کو سکھائیگا اس کے مطابق ہی وہ فیصلہ دیا کریگا یہ اس لیے کہ وہ اس کو شرع محمدی الہام کریگا اسی کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہدی والی حدیث اشارہ کرتی ہے فرمایا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے آئیگا اور غلطی نہیں کرے گا اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتا دیا کہ وہ (مہدی) متبع ہوگا کوئی نئی بات نہیں بنائیگا اور وہ اپنے فیصلے میں معصوم ہوگا کیونکہ غلطی سے پاک ہونے کے یہی معنی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہدی کے بارے میں یہ فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے ، بلکہ جو ارشاد فرمائیں وہ وحی ہوتی ہے اور آپ نے مہدی کے متعلق اس حکم سے اس امر میں اسے انبیاء میں شامل کر دیا ہے ۔

حضرت امام شعرانی کا یہ سارا استدلال ایک حدیث سے ہے ۔ بالفاظ دیگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بتا دیا کہ مہدی کی خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی الالہام راہنمائی ہوا کریگی ۔

۷ - علامہ الوسی اپنی تفسیر میں اس امر کی بزور تردید کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبرئیل کا نزول نہیں ہوگا اور نہ وہ وحی لائیگا ۔ پھر وہ فرماتے ہیں اور صحیح فرماتے ہیں :

" وَ لَعَلَّ مَنْ نَفَی الْوَحْیَ عَنْهُ علیہ السلام بَعْدَ نُزُوْلِهٖ اَرَادَ وَحْیَ التَّشْرِیْعِ - کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نزول کے بعد وحی نہ ہوگی اس سے مراد وہ وحی ہے جو نئی شریعت پر مشتمل ہو ۔"

اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں۔

"وَالْاَخْبَارُ طَافِحَۃٌ بِرُؤْیَۃِ الصَّحَابَۃِ لِلْمَلَكِ وَسِمَاعِهِمْ كَلَامَهٗ وَ كَفٰى دَلِيْلًا لِمَا نَحْنُ فِيْهِ قَوْلُهٗ سُبْحَانَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ فَاِنَّ فِيْهَا نُزُوْلَ الْمَلَكِ عَلٰى غَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ فِي الدُّنْيَا وَ تَكْلِيْمَهٗ اِيَّاهُ وَلَمْ يَقُلْ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ اَنَّ ذٰلِكَ يَسْتَدْعِي النُّبُوَّةَ وَ كَوْنَ ذٰلِكَ لِاَنَّ النُّزُوْلَ وَالتَّكْلِيْمَ قُبَيْلَ الْمَوْتِ غَيْرُ مُفِيْدٍ كَمَا لَا يَخْفٰى" (تفسیر روح المعانی جزء ۷ ص۶۴) یعنی روایات بھری پڑی ہیں اس بات سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرشتے (جبرئیل) کو دیکھا اور اس کا کلام سنا اور اس کے لیے بطور دلیل ایک آیت ہی کافی ہے جس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب صرف اللہ ہی ہے اور پھر وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہے ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو انہیں کہتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشی مناؤ اس جنت کی وجہ سے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

سو اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ نبی نہیں ان پر بھی فرشتے اترتے اور ان سے کلام کرتے ہیں اور کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ یہ امر نبوۃ خاصہ کو ہی چاہتا ہے ہاں یہ کہنا کہ فرشتوں کا یہ نزول اور انکا کلام موت سے ذرا پہلے ہوتا ہے بے فائدہ سا قول ہے جیسے کہ واضح ہی ہے۔

اس میں علامہ موصوف نے قرآن مجید سے استدلال کیا ہے کہ آئندہ بھی فرشتے مومنوں پر نازل ہوتے رہیں گے۔

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ وحی سے حصّہ پاتی رہے گی، ہاں اگر وہ اپنے فرض سے غافل ہو جائے تو پھر وہ نعمت اس سے چھین لی جائیگی، حضور کے الفاظ یہ ہیں:

"اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِي الدُّنْيَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَكَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْيِ"۔ (الجامع الصغیر جزء ۱ ص۳۱) کہ جب میری امت دنیا کو اہمیت دینے لگیگی تو اس سے

اسلامی رُعب چھن جائیگا اور جب وہ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ترک کردیگی تو اس سے وحی کی برکت اُٹھ جائیگی"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک امت مسلمہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیگی اور نیکی کا حکم دیتی رہے گی اور بدی سے روکتی رہے گی تو خدا تعالیٰ اسے وحی کی برکت سے نوازتا چلا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اس تعلیم کو چھوڑ دینگے اور اس ارشاد کو پس پشت ڈال دینگے تو پھر انہیں وحی الٰہی سے محروم کردیا جائیگا۔

۹- پھر ایک اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جبرئیل نازل ہوتا رہتا ہے اور اس کا نزول بند نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا اُحِبُّ اَنْ يَّرْقُدَ الْجُنُبُ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُّتَوَفّٰى وَمَا يَحْضُرُهٗ جِبْرِيْلُ فَدَلَّ عَلٰى اَنَّ جِبْرِيْلَ يَنْزِلُ اِلَى الْاَرْضِ وَيَحْضُرُ مَوْتَ كُلِّ مُؤْمِنٍ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَهُوَ عَلٰى طَهَارَةٍ (الفتادی الحدیثیۃ ص۱۵۵)

کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص وضوء بغیر سو جائے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مرجائیگا تو جبرئیل اس کے پاس نہیں آئیگا"۔

پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جبرئیل زمین پر اترتا ہے اور ہر مومن کی موت کے وقت اگر وہ باوضو ہو تو وہ حاضر ہوتا ہے"۔

۱۰- پھر علامہ ابن حجر ہیثمی سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی یا نہیں، تو اس کا جواب انہوں نے نہایت واشگاف الفاظ میں یوں دیا اور جو جواب دیا اس کی بنیاد صحیح حدیث پر رکھی وہ فرماتے ہیں:

نَعَمْ يُوْحٰى اِلَيْهِ وَحْيٌ حَقِيْقِيٌّ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ وَغَيْرِهٖ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَفِيْ رِوَايَةٍ صَحِيْحَةٍ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ اَوْحَى اِلَيْهِ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِيْ لَا يَدَانِ لَاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ حَوِّلْ عِبَادِيْ اِلَى الطُّوْرِ وَذٰلِكَ الْوَحْيُ عَلٰى لِسَانِ جِبْرِيْلَ اِذْ هُوَ السَّفِيْرُ بَيْنَ اللّٰهِ وَاَنْبِيَائِهٖ لَا يُعْرَفُ ذٰلِكَ لِغَيْرِهٖ (الفتادی الحدیثیۃ ص۱۵۵) یعنی ہاں! آپ کو وحی حقیقی ہوگی جیسے کہ حدیث مسلم وغیرہ میں حضرت نواس بن سمعان سے روایت کیا گیا ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کریگا کہ اے عیسیٰ! میں نے

ایسے بندے کھڑے کئے ہیں جن کا جنگ میں کوئی مقابلہ نہ کرسکیگا پس میرے ان (مومن) بندوں کو طور کی طرف موڑ لے جا۔"

"اور یہ وحی یقیناً جبرئیل کے ذریعہ نازل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے درمیان وہی سفیر ہے کوئی دوسرا فرشتہ نہیں۔"

اس میں بصراحت بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی جائیگی اور یہ حدیث صحیح ہے مسلم اور دیگر کتب میں درج ہے اس سے بڑھکر مومن کے لیے اور کون سی دلیل درکار ہوسکتی ہے؟

باقی وہ حدیث جو عوام میں مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبرئیل زمین پر نہیں اُتریگا، اس کے متعلق علامہ ابن حجر موصوف فرماتے ہیں" فَهُوَ لَا اَصْلَ لَهٗ (الفتاوی الحدیثیہ ص۱۵۵) کہ وہ روایت بے بنیاد ہے۔"

وحی کی بحث

وحی کے کیا معنی ہیں، نزول وحی کے کیا طریق ہیں، وحی کی اقسام کتنی ہیں، وحی کے ارکان کتنے ہیں اور وحی کا فائدہ کیا ہے؟ ان سوالات پر روشنی ڈال دینا ضروری ہے، تاکہ قارئین کرام کے دماغ میں کسی قسم کی اُلجھن پیدا نہ ہو اور یہ بحث سمجھنے میں سہولت رہے۔

(۱) قرآن مجید کی بہت قابل قدر لغت مفردات تصنیف امام راغب اصفہانی میں لکھا ہے:

" اَصْلُ الْوَحْیِ اَلْاِشَارَۃُ السَّرِیْعَۃُ وَلِتَضَمُّنِ السُّرْعَۃِ قِیْلَ اَمْرٌ وَحْیٌ وَذٰلِکَ یَکُوْنُ بِالْکَلَامِ عَلٰی سَبِیْلِ الرَّمْزِ وَالتَّعْرِیْضِ وَقَدْ یَکُوْنُ بِصَوْتٍ مُجَرَّدٍ عَنِ التَّرْکِیْبِ وَاِشَارَۃٍ بِبَعْضِ الْجَوَارِحِ وَبِالْکِتَابَۃِ۔
وَیُقَالُ لِلْکَلِمَۃِ الْاِلٰھِیَّۃِ الَّتِیْ تُلْقٰی اِلٰی اَنْبِیَاءِہٖ وَاَوْلِیَاءِہٖ وَحْیٌ"۔

یعنی وحی کے اصل معنی جلدی اشارہ کے ہیں اور چونکہ اس لفظ میں "جلدی" "سرعت" کے معنی پائے جاتے ہیں اس لیے کہا جاتا ہے۔ اَمْرٌ وَحْیٌ اور یہ وحی کبھی کلام کے ذریعہ بطور اشارہ اور تعریض کے ہوتی ہے اور کبھی ایسی آواز کے ذریعہ ہوتی ہے جو مرکب الفاظ سے

خالی ہو اور کبھی بعض جوارح (اعضا) کے اشارہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور کبھی کتابت کے ذریعہ۔
اور اس الٰہی کلام کو بھی جو خدا تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کی طرف بھیجا جائے وحی کہا جاتا ہے۔"

حدیث کی مشہور لغت نہایہ، ابن الاثیر الجزری میں لکھا ہے:
"وَقَدْ تَكَرَّرَ ذِكْرُ الْوَحْيِ فِي الْحَدِيثِ وَيَقَعُ عَلَى الْكِتَابَةِ وَالْإِشَارَةِ وَالرِّسَالَةِ وَالْإِلْهَامِ وَالْكَلَامِ الْخَفِيِّ کہ لفظ وحی حدیث میں تکرار آیا اور کتابت اشارہ، پیغام، الہام اور مخفی کلام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔"

یہی معنے کتاب (مجمع بحار الانوار) میں بھی مذکور ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو الشفاء بتعریف حقوق المصطفی جزء ۱ صـ۱۹۱)

لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے:

(وَحَى يَحِيْ وَحْيًا) إِلَى فُلَانٍ: أَشَارَ إِلَيْهِ: اس کی طرف اشارہ کیا۔
أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُوْلًا: اس کی طرف پیغامبر (ایلچی) بھیجا۔
إِلَيْهِ أَوْ وَحَى إِلَيْهِ كَلَامًا: كَلَّمَهُ سِرًّا أَوْ كَلَّمَهُ بِمَا يُخْفِيْهِ عَنْ غَيْرِهٖ کہ اس سے پوشیدہ پوشیدہ کلام کیا، یا اس سے ایسی بات کی جو دوسرے سے مخفی رکھی جائے۔

اللّٰهُ فِي قَلْبِهٖ كَذَا: أَلْهَمَهُ إِيَّاهُ: اللہ نے اسے الہام کیا۔
الْكِتَابَ: كَتَبَهٗ: کتاب کو لکھا۔
الذَّبِيْحَةَ: ذَبَحَهَا بِسُرْعَةٍ: اسے جلدی سے ذبح کیا۔

ان حوالجات سے وحی کے لغوی معنے واضح ہو گئے اور اصطلاح شرع میں وہ کلام الٰہی جو انبیاء اور اولیاء کی طرف اتارا جائے وحی کہلاتا ہے۔

(س۲) نزول وحی کا کیا کیا طریق ہے؟ اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرما دیا ہوا ہے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (الشوریٰ آیت ۵۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی بشر سے کلام نہیں کرتا مگر بذریعہ وحی[۱] یا پس پردہ[۲] یا وہ بھیجتا[۳] ہے

کوئی ایلچی (فرشتہ) جو اس کے اذن کے مطابق وحی کرتا ہے جو خدا چاہتا ہے یقیناً اللہ بہت بلند اور حکمت والا ہے۔

اس آیت شریفہ میں وحی کے نزول کے تین بڑے طریق بیان کئے گئے ہیں۔

اول۔ وَحْیًا، اس کے ماتحت تفسیر (الجلالین) میں لکھا ہے۔ فِی الْمَنَامِ اَوْ بِالْاِلْہَامِ کہ وحی سے مراد وہ کلام الٰہی ہے جو خواب میں نازل ہو یا بذریعہ الہام (جاگتے ہیں)

اپنی تفسیر جامع البیان میں علامہ معین بن صفی صاحب وَحْیًا کے ماتحت لکھتے ہیں:

وَھُوَ الْاِلْہَامُ اَوِ الْمَنَامُ۔ کہ وحی سے مراد یا الہام ہے یا پھر وہ کلام جو خواب میں اُتارا جائے۔

حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ وَحْیًا سے مراد ہے" وَھُوَ الْاِلْہَامُ وَالْقَذْفُ فِی الْقَلْبِ اَوِ الْمَنَامُ (التفسیر الکبیر جزء ۷ صـــ) کہ الہام اور بات کا دل میں ڈالنا یا خواب میں علم حاصل ہونا۔

میں نے یہ دو تین حوالے وَحْیًا کے متعلق اس لیے پیش کئے ہیں تاکہ ان لوگوں کے وہم کا ازالہ کیا جائے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ الہام یا خواب، وحی میں شامل نہیں۔

دوسرا طریق: مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ پس پردہ کلام کا ہے۔

تیسرا طریق: یُرْسِلَ رَسُوْلًا کہ خدا تعالیٰ فرشتہ کو بھیجے اور وہ آکر رسول یا ولی کو خدا تعالیٰ کا کلام پہنچائے۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے ان تینوں طریقوں کو یوں بیان فرمایا ہے:

"وُصُوْلُ الْوَحْیِ مِنَ اللّٰہِ اِلَی الْبَشَرِ اِمَّا اَنْ یَّکُوْنَ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَۃِ مُبَلِّغٍ اَوْ یَکُوْنُ بِوَاسِطَۃِ مُبَلِّغٍ ...... اَمَّا الْاَوَّلُ وَھُوَ اَنَّہٗ وَصَلَ اِلَیْہِ الْوَحْیُ لَا بِوَاسِطَۃِ شَخْصٍ اٰخَرَ وَمَا سَمِعَ عَیْنَ کَلَامِ اللّٰہِ فَھُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِہٖ اِلَّا وَحْیًا وَاَمَّا الثَّانِیْ وَھُوَ اَنَّہٗ وَصَلَ اِلَیْہِ الْوَحْیُ لَا بِوَاسِطَۃِ شَخْصٍ اٰخَرَ وَلٰکِنَّہٗ سَمِعَ عَیْنَ کَلَامِ اللّٰہِ فَھُوَ الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِہٖ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَاَمَّا الثَّالِثُ وَھُوَ اَنَّہٗ وَصَلَ اِلَیْہِ بِوَاسِطَۃِ شَخْصٍ اٰخَرَ فَھُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِہٖ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ صـــ)

یعنی خدا تعالیٰ کی وحی کسی انسان تک یا تو بغیر کسی مبلغ کے پہنچتی ہے یا کسی مبلغ (پہنچانے والے

فرشتہ کے ذریعہ۔

اگر تو وہ وحی بغیر کسی مبلّغ (فرشتہ) کے پہنچے اور وہ شخص الفاظ الٰہی بھی نہ سنے تو وہ وحی کہلائے گی۔

اور اگر وہ وحی کسی مبلّغ کے بغیر پہنچے، لیکن اس میں خدا کے الفاظ سنے تو وہ مِنْ وَّرَاۤءِ حِجَابٍ میں داخل ہو گی۔

اور اگر وہ لفظی وحی کسی مبلّغ (فرشتے) کے ذریعہ پہنچے تو وہ یُرْسِلَ رَسُوْلًا کی شق میں شامل ہو گی۔"

آخر میں حضرت امام رازیؒ نے ایک ایسی بات لکھی ہے جسے خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاَقْسَامِ الثَّلٰثَةِ وَحْيٌ اِلَّا اَنَّهٗ تَعَالٰى خَصَّصَ الْقِسْمَ الْاَوَّلَ بِاسْمِ الْوَحْيِ لِاَنَّ مَا يَقَعُ فِى الْقَلْبِ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِلْهَامِ فَهُوَ يَقَعُ دَفْعَةً فَكَانَ تَخْصِيْصُ لَفْظِ الْوَحْيِ بِهٖ اَوْلٰى

یعنی معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تینوں قسم کا کلام وحی کہلاتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ نے صرف پہلی قسم کو وحی قرار دیا ہے کیونکہ جو کلام بذریعہ الہام آتا ہے وہ دفعتاً دل میں پڑتا ہے، اس لیے وحی کا نام بالخصوص اسے دینا زیادہ مناسب ہے (یعنی اس کی لغوی معنوں سے زیادہ مناسبت ہے)

قریباً یہی مضمون تفسیر الخازن جزء ۶ صفحہ ۱۰۱) میں بیان ہوا ہے اور یہی مفہوم (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۱، صفحہ ۱۲۲) اور (تفسیر الصاوی) وغیرہ میں لکھا موجود ہے۔

(ب۳) گو نزول وحی کے اس بیان سے پتہ چل جاتا ہے کہ وحی کی کتنی قسمیں ہیں، تاہم زیادہ وضاحت کے لیے اُن کا علیحدہ درج کرنا بھی مفید رہیگا۔

حضرت ابن القیم اپنی کتاب (زاد المعاد جزء ۱ صفحہ ۱۸-۱۹) پر لکھتے ہیں:

وَكَمَّلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ مَرَاتِبِ الْوَحْيِ مَرَاتِبَ عَدِيْدَةً:

(اِحْدٰهَا) اَلرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ وَكَانَتْ مَبْدَاَ وَحْيِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ۔

(اَلثَّانِيَةُ) مَا كَانَ يُلْقِيْهِ الْمَلَكُ فِىْ رُوْعِهٖ وَقَلْبِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّرَاهُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِىْ

رُوِیَ اَنَّہٗ لَن تَمُوتَ نَفسٌ حَتّٰی تَستَکمِلَ رِزقَہَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَجمِلُوا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحمِلَنَّکُم اِستِبطَاءُ الرِّزقِ عَلٰی اَن تَطلُبُوہُ بِمَعصِیَۃِ اللّٰہِ فَاِنَّ مَا عِندَ اللّٰہِ لَا یُنَالُ اِلَّا بِطَاعَتِہٖ۔

(الثَّالِثَۃُ) اِنَّہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کَانَ یَتَمَثَّلُ لَہُ المَلَکُ رَجُلًا فَیُخَاطِبُہٗ حَتّٰی یَعِیَ عَنہُ مَا یَقُولُ لَہٗ وَفِی ھٰذِہِ الرُّتبَۃِ کَانَ یَرَاہُ الصَّحَابَۃُ اَحیَانًا۔

(الرَّابِعَۃُ) اِنَّہٗ کَانَ یَاتِیہِ فِی مِثلِ صَلصَلَۃِ الجَرَسِ وَکَانَ اَشَدَّہٗ عَلَیہِ فَیَلتَبِسُ بِہِ المَلَکُ حَتّٰی اِنَّ جَبِینَہٗ لَیَتَفَصَّدُ عَرَقًا فِی الیَومِ الشَّدِیدِ البَردِ وَحَتّٰی اِنَّ رَاحِلَتَہٗ لَتَبرُکُ بِہٖ اِلَی الاَرضِ اِذَا کَانَ رَاکِبَہَا وَلَقَد جَاءَہُ الوَحیُ مَرَّۃً کَذٰلِکَ وَفَخِذُہٗ عَلٰی فَخِذِ زَیدِ بنِ ثَابِتٍ فَثَقُلَت عَلَیہِ حَتّٰی کَادَت تَرُضُّہَا۔

(الخَامِسَۃُ) اِنَّہٗ یَرَی المَلَکَ فِی صُورَتِہِ الَّتِی خُلِقَ عَلَیہَا فَیُوحِی اِلَیہِ مَا شَاءَ اللّٰہُ اَن یُوحِیَہٗ وَھٰذَا وَقَعَ لَہٗ مَرَّتَینِ کَمَا ذَکَرَ اللّٰہُ ذٰلِکَ فِی سُورَۃِ النَّجمِ۔

(السَّادِسَۃُ) مَا اَوحَاہُ اللّٰہُ اِلَیہِ وَھُوَ فَوقَ السَّمٰوٰتِ لَیلَۃَ المِعرَاجِ مِن فَرضِ الصَّلٰوۃِ وَغَیرِہَا۔

(السَّابِعَۃُ) کَلَامُ اللّٰہِ لَہٗ مِنہُ اِلَیہِ بِلَا وَاسِطَۃِ مَلَکٍ کَمَا کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسَی بنَ عِمرَانَ وَھٰذِہِ المَرتَبَۃُ ھِیَ ثَابِتَۃٌ لِمُوسٰی قَطعًا بِنَصِّ القُراٰنِ وَثُبُوتُہَا لِنَبِیِّنَا صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھُوَ فِی حَدِیثِ الاِسرَاءِ۔ وَقَد زَادَ بَعضُہُم۔

(مَرتَبَۃٌ ثَامِنَۃٌ) وَھِیَ تَکلِیمُ اللّٰہِ لَہٗ کِفَاحًا مِن غَیرِ حِجَابٍ وَھٰذَا عَلٰی مَذھَبِ مَن یَقُولُ اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَبَّہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَھِیَ مَسئَلَۃٌ خِلَافٌ بَینَ السَّلَفِ وَالخَلَفِ وَاِن کَانَ جُمھُورُ الصَّحَابَۃِ بَل کُلُّھُم مَعَ عَائِشَۃَ کَمَا حَکَاہُ عُثمَانُ بنُ سَعِیدٍ الدَّارِمِیُّ اِجمَاعًا لِلصَّحَابَۃِ۔"

یعنی وحی کے جو چند مراتب ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکمل کر دیئے تھے۔

(اوّل) سچی خواب بھی حضور کے لیے وحی کا ابتدا تھی اور جو رؤیا بھی حضور دیکھتے وہ نمایاں طور پر پوری ہو جاتی۔

(دوم) وہ وحی جو فرشتہ حضور کے دل میں ڈال دیتا، لیکن حضور اس فرشتہ کو دیکھتے نہیں تھے۔ جیسے کہ حضور نے فرمایا کہ روح القدس نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ کوئی شخص نہ مریگا جب تک کہ وہ اپنا رزق حاصل نہ کرلے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب محنت کرو اور اگر رزق ملنے میں کچھ دیر بھی ہو تو اس وجہ سے خدا کی نافرمانی نہ کرنا کیونکہ جو چیز خدا کے پاس ہے وہ اس کی طاعت و فرماں برداری سے ہی ملتی ہے۔

(سوم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرشتہ ایک آدمی کی شکل میں متمثل ہو جاتا اور آپ سے باتیں کرتا اور جو وہ کہتا اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یاد کر لیتے، اس صورت میں بعض اوقات صحابہ بھی فرشتہ کو دیکھ لیتے۔

(چہارم) وہ وحی گھنٹی کی آواز میں حضور تک پہنچتی اور یہ سخت ترین وحی ہوتی اور اس میں فرشتہ بھی آپ کے ساتھ شریک ہوتا، اسکی سختی کی وجہ سے حضور کا سردی کے دن بھی منہ پر پسینہ چھوٹ جاتا اور اگر آپ سوار ہوتے تو اونٹنی بوجھ محسوس کر کے زمین پر بیٹھ جاتی ایک دفعہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ کی ران زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی اور زید نے اس قدر بوجھ محسوس کیا کہ قریب تھا کہ بوجھ اس کی ران توڑ دے۔

(پنجم) حضور کبھی فرشتہ کو اس کی اصل شکل میں دیکھتے اور جو کچھ خدا تعالیٰ چاہتا وہ اس کی وحی حضور تک پہنچاتا اور ایسا موقع صرف دو دفعہ پیش آیا جیسے کہ سورت النجم میں بیان ہوا۔

(ششم) وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے حضور پر معراج کی رات نماز وغیرہ کی فرضیت کے متعلق اتاری۔

(ہفتم) خدا تعالیٰ کا وہ کلام جو کسی فرشتہ کی وساطت کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ جیسے کہ اس نے موسیٰ بن عمران سے کلام کیا تھا اور یہ مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسراء کی رات کو واقع ہوا۔

(ہشتم) خدا تعالیٰ کا بغیر حجاب آپ سے آمنے سامنے ہو کر کلام کرنا۔ یہ وحی اس

گروہ کے خیال کے مطابق ہوئی جو یہ مانتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگتے ہوئے خدا تعالےٰ کو دیکھا تھا اور خدا تعالیٰ کو جاگتے دیکھنے کا یہ مسئلہ سلف و خلف کے نزدیک خلافیہ ہے گو جمہور صحابہ بلکہ تمام کے تمام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہیں جیسے کہ عثمان بن سعید دارمی نے اسے اجماع قرار دیا ہے۔ (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو جاگتے کبھی ان جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھا)

مفردات میں امام راغب فرماتے ہیں:

"فَالْاِلْهَامُ وَالتَّسْخِيْرُ وَالْمَنَامُ دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُهٗ اِلَّا وَحْيًا وَسِمَاعُ الْكَلَامِ دَلَّ عَلَيْهِ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَتَبْلِيْغُ جِبْرَئِيْلَ فِىْ صُوْرَةٍ مُعَيَّنَةٍ دَلَّ عَلَيْهِ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا"

"یعنی وَحْيًا میں الہام، تسخیر اور خواب والی وحی شامل ہے۔

مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ میں وہ وحی شامل ہے جسمیں صرف کلام الٰہی سنائی دے۔

يُرْسِلَ رَسُوْلًا میں وہ وحی جس میں فرشتے کا واسطہ ہو اور اس کے ذریعہ پہنچے"

اس طرح وہ سات آٹھ قسم کی وحی ان تین طریق سے ملہم تک پہنچ جاتی ہے۔

(۳) علماء نے وحی کے ارکان کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے اور حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یوں تحریر فرمایا ہے۔

"(فَاَوَّلُهَا) اَلْمُرْسِلُ وَهُوَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فَلِهٰذَا اَضَافَ اِلْقَاءَ الْوَحْيِ اِلٰى نَفْسِهٖ فَقَالَ يُلْقِى الرُّوْحَ (وَالرُّكْنُ الثَّانِىْ) اَلْاِرْسَالُ وَالْوَحْيُ وَهُوَ الَّذِىْ سَمَّاهُ بِالرُّوْحِ (وَالرُّكْنُ الثَّالِثُ) اَنَّ وُصُوْلَ الْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَى الْاَنْبِيَاءِ لَا يُمْكِنُ اَنْ يَّكُوْنَ اِلَّا بِوَاسِطَةِ الْمَلٰئِكَةِ وَهُوَ الْمُشَارُ اِلَيْهِ فِىْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ بِقَوْلِهٖ "مِنْ اَمْرِهٖ" فَالرُّكْنُ الرُّوْحَانِىُّ يُسَمّٰى اَمْرًا...... (وَالرُّكْنُ الرَّابِعُ) اَلْاَنْبِيَاءُ الَّذِيْنَ يُلْقِى اللّٰهُ الْوَحْيَ اِلَيْهِمْ وَهُوَ الْمُشَارُ اِلَيْهِ بِقَوْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ (وَالرُّكْنُ الْخَامِسُ) تَعْيِيْنُ الْغَرَضِ وَالْمَقْصُوْدِ الْاَصْلِيِّ مِنْ اِلْقَاءِ هٰذَا الْوَحْيِ (التفسير الكبير جزء ۷ صفحہ ۲۹۵)"

یعنی وحی الٰہی کے پانچ ارکان ہیں، (اوّل) وحی بھیجنے والا اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے

اسی لیے اس نے وحی اُتارنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ فرمایا یُلْقِی الرُّوْحَ
(دوسرا رکن) وحی اُتارنا اور اسے ہی روح بھی کہا گیا ہے ۔
(تیسرا رکن) وحی الٰہی کا انبیاء تک پہنچنا ملائکہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے اسی کی طرف مِنْ اَمْرِہٖ میں اشارہ کیا گیا ہے اسی روحانی رکن کو اُمر کہا گیا ہے ۔
(چوتھا رکن) انبیاء ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ اپنی وحی نازل فرماتا ہے اسی امر کی طرف اشارہ ہے الفاظ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ میں ۔
(پانچواں رکن) وحی کے آتارنے کی غرض اور اصل مقصود کی تعیین"۔
اس بیان میں گو قدرے الجھن ہے کیونکہ " تیسرے رکن" میں کہا گیا ہے کہ وحی الٰہی کا کسی تک پہنچنا فرشتہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور بظاہر یہ پچھلے بیان کے مخالف ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ مشکل کوئی ایسی نہیں کہ حل نہ ہوسکے، کیونکہ کوئی نہ کوئی ذریعہ تو استعمال ہوتا ہی ہے جس سے وہ وحی بندے تک پہنچتی ہے جو نام چاہیں اسے دیدیں، لیکن واسطہ سے تو انکار نہیں ہوسکتا خواہ وہ روحانی ہی سہی ، وہی ذریعہ تیسرا رکن قرار دیا جائیگا ۔
(۵) وحی کا کیا فائدہ ہے ؟ امام رازی فرماتے ہیں :
" اِنَّ حَیَاۃَ الْاَرْوَاحِ بِالْمَعَارِفِ الْاِلٰہِیَّۃِ وَالْجَلَایَا الْقُدْسِیَّۃِ فَاِذَا کَانَ الْوَحْیُ سَبَبًا لِحُصُوْلِ ھٰذِہِ الْاَرْوَاحِ سُمِّیَ بِالرُّوْحِ فَاِنَّ الرُّوْحَ سَبَبٌ لِحُصُوْلِ الْحَیَاۃِ وَالْوَحْیُ سَبَبٌ لِحُصُوْلِ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الرُّوْحَانِیَّۃِ"
(التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۲۹۴)
کہ روحیں معارف الٰہیہ اور جلوہائے قدسیہ کے ذریعہ زندہ ہوتی ہیں پس چونکہ وحی کے ذریعہ روحوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے اس لیے اسے روح کا نام دیا گیا ہے کیونکہ جیسے روح اس جسمانی زندگی کا سبب ہے ۔ وحی اس کی روحانی زندگی کا باعث ہے ۔
دراصل نبی کی بعثت کی اغراض ہی وحی کے نزول کی اغراض ہیں، مثلاً نبی خدا تعالیٰ کی آیات اور معجزات اپنے ساتھ لاتا ہے تاکہ لوگوں کو ایمان اور یقین محکم حاصل ہو کہ ان کا ایک قادر خدا موجود ہے اور یہ آیات بذریعہ وحی ہی نازل ہوتی ہیں ؛ فَمَوْقِعُ الْاٰیَاتِ مِنَ الْاَدْیَانِ کَمَوْقِعِ الْاَرْزَاقِ مِنَ الْاَبْدَانِ فَالْاٰیَاتُ لِحَیَاۃِ الْاَدْیَانِ وَالْاَرْزَاقُ لِحَیَاۃِ الْاَبْدَانِ " (ص۲۹۲) پس دین میں آیات کی وہی حیثیت ہے جو بدن میں

کھانے پینے کی - آیات دینی (روحانی) زندگی کے لیے ہیں اور رزق جسمانی زندگی کے لیے۔"

علامہ احمد الصادی المالکی (حاشیہ الجلالین جزء ۲ صفحہ ۲۵۶) پر آیت یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَسُمِّيَ رُوْحًا لِاَنَّ بِهٖ حَيَاةُ الْقُلُوْبِ النَّاشِئُ عَنْهَا السَّعَادَةُ الْاَبَدِيَّةُ وَمَنْ حَادَ عَنْهَا فَهُوَ هَالِكٌ كَمَا اَنَّ الرُّوْحَ بِهَا حَيَاةُ الْاَجْسَامِ وَهِيَ بِدُوْنِهَا هَالِكَةٌ" کہ وحی کو روح کا نام دیا گیا ہے کیونکہ دلوں کو اسی کے ذریعہ وہ زندگی حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں سعادت ابدی ملتی ہے اور جو اس سے ہٹ گیا وہ تباہ و برباد ہوا جیسے کہ روح ہی سے اجسام کو زندگی ملتی ہے اور اس کے بغیر وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔"

اسی آیت کے متعلق امام رازی اپنی (التفسیر الکبیر جزء ۵ صفحہ ۲۸۶) پر لکھتے ہیں:

"اِنَّ الْمُرَادَ مِنَ الرُّوْحِ الْوَحْيُ وَهُوَ كَلَامُ اللّٰهِ کہ روح سے مراد وحی اور خدا کا کلام ہے۔"

آگے لکھتے ہیں: -

"اَلْقُرْاٰنُ وَالْوَحْيُ بِهٖ تَكْمُلُ الْمَعَارِفُ الْاِلٰهِيَّةُ وَالْمُكَاشَفَاتُ الرَّبَّانِيَّةُ وَهٰذِهِ الْمَعَارِفُ بِهَا يُشْرِقُ الْعَقْلُ وَيَصْفُوْ وَيَكْمُلُ .... وَعِنْدَ هٰذَا يَظْهَرُ اَنَّ الرُّوْحَ الْحَقِيْقِيَّ هُوَ الْوَحْيُ وَالْقُرْاٰنُ" یعنی قرآن اور وحی کے ذریعہ ہی معارف الٰہیہ اور مکاشفات ربانیہ کامل ہوتے ہیں اور انہی معارف کے ذریعہ عقل روشن، صاف اور کامل ہوتی ہے ...... تو واضح ہو گیا کہ روح اصلی اور حقیقی وحی اور قرآن ہی ہے۔"

خلاصہ یہ کہ جسے خدا تعالیٰ اپنا قرب بخشے اور اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے نوازے وہ یقیناً ان لوگوں سے زیادہ افضل ہو گا جنہیں یہ باتیں نصیب نہیں بلکہ وہ اس سے استفادہ کر کے روحانی زندگی پاتے ہیں اور دوسرے لوگ ان کے مقابل پر مردہ تصور ہوتے ہیں، امام رازی فرماتے ہیں: -

"وَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ الْكَامِلِيْنَ اَقْرَبُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ عِبَادِهِ النَّاقِصِيْنَ وَعِبَادُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَلَّمَهُمُ اللّٰهُ وَكَلَّمُوْهُ وَاَرْسَلَهُمْ لِتَكْمِيْلِ عِبَادِهٖ

فَكَمَلُوْا اَقْرَبُ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرْسِلْهُمُ اللّٰهُ وَلَمْ يُكَمِّلُوْا۔
(التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۶۵۵) کہ خدا تعالیٰ کے کامل بندے ناقص لوگوں کی نسبت خدا سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور وہ لوگ جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرے اور وہ اس سے کلام کریں اور وہ انہیں دوسرے لوگوں کی تکمیل کے لیے بھیجے پھر وہ ایسا کریں بھی تو وہ یقیناً خدا سے زیادہ قریب ہونگے ان لوگوں کی نسبت جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث نہیں فرمایا اور نہ وہ کامل ہوئے۔"

ایسے لوگ جو خدا تعالیٰ سے سچا تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اس کے جلال وجمال کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کا علم یقینی ہوتا ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، اس لیے وہ دنیا کو پکارتے ہیں کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور اسی لیے وہی اُولُو الْعِلْم کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں اور ان کی گواہی ہی ایسی گواہی ہوتی ہے جو سو فیصد سچی ہوتی ہے اور تائیدی نشان اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ آیت اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا کے ماتحت امام رازی لکھتے ہیں:

"شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ وَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ الَّذِيْنَ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ عِلْمًا مِّنْ عِنْدِهٖ وَعَلَّمَهُمْ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْلَمُوْنَ۔" (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۵۳۹)

کہ یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں نے اور اہل علم نے گواہی دی کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، اس فرمان میں اہل علم سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے نوازا ہوتا ہے اور وہ کچھ سکھایا ہوتا ہے جن سے وہ واقف نہیں ہوتے۔"

پس روحانیت میں خدا کے نزدیک "اہل علم" کہلانے کے ٹھیک مستحق انبیاء کرام ہی ہوتے ہیں!! اور وہی دنیا میں اعلان کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ان کا خدا زندہ خدا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں بھی لوگوں کو یونہی نہیں چھوڑا بلکہ اپنی رحمت کا مظاہرہ فرمایا اس نے اپنے ایک بندے کو بھیجا جس نے فرمایا:

"خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس زمانہ کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں

جو بجز خدا کے خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے، سو یہی ہو رہا ہے۔ قرآن شریف کے معارف ظاہر ہو رہے ہیں اور لطائف و دقائق کلام ربانی کھل رہے ہیں نشان آسمانی اور خوارق ظہور میں آ رہے ہیں اور اسلام کے حسنوں اور نوروں اور برکتوں کا خدا نئے سرے جلوہ دکھا رہا ہے جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہیں دیکھے اور جس میں سچا جوش ہے وہ طلب کرے اور جس میں ایک ذرہ حُبّ اللہ اور رسول کریم کی ہے وہ اُٹھے اور آزمائے اور خدا تعالیٰ کی اس پسندیدہ جماعت میں داخل ہووے جس کی بنیادی اینٹ اس نے اپنے پاک ہاتھ سے رکھی ہے۔" (برکات الدعا صفحہ ۱۴-۱۵)

پھر وہ اسی عشق اور محبت کی وجہ سے اپنے رب کے حضور یوں عرض کرتا ہے:

"اے میرے قادر خدا! میری عاجزانہ دعائیں سن لے اور اس قوم کے کان اور دل کھول دے اور ہمیں وہ وقت دکھا کہ باطل معبودوں کی پرستش دنیا سے اُٹھ جائے اور زمین پر تیری پرستش اخلاص سے کی جائے اور زمین تیرے راستباز اور موحد بندوں سے ایسی بھر جائے جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اور تیرے رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور سچائی دلوں میں بیٹھ جائے۔ آمین۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۴)

یہ خدا کا بندہ کون ہے؟ ہمارے پیارے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں مگر افسوس!! کہ

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا۔" انشاء اللہ

میرے دوستو! اگر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے نہیں تو بتایئے کہ اس صدی میں کون ہے جسے ان "اہل العلم" میں داخل ہونے کا فخر ہے جنہیں خدا تعالیٰ اپنے کلام سے نوازتا اور اپنے قرب کا اعزاز بخشتا ہے اور پھر وہ سچے شاہد بنتے ہیں!! اُٹھو! خدا کے فضل کی قدر کرو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ!! اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو۔

میرے دوستو!! لوگ تین قسم کے ہیں:

"اِنَّ النُّفُوسَ عَلٰی ثَلٰثَۃِ اَقْسَامٍ نَاقِصَۃٍ وَکَامِلَۃٍ لَا تَقْوٰی عَلٰی تَکْمِیْلِ النَّاقِصِیْنَ (وَالْقِسْمُ الْاَوَّلُ) اَلْعَوَامُّ (وَالْقِسْمُ الثَّانِیْ) ھُمُ الْاَوْلِیَاءُ (وَالْقِسْمُ الثَّالِثُ) ھُمُ الْاَنْبِیَاءُ" (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۲۵۵) یعنی قسم اول ناقص لوگ اور قسم دوم وہ کامل لوگ ہیں جو دوسرے کی تکمیل نہیں کر سکتے اور قسم سوم وہ کامل لوگ جو دوسرے کو بھی کامل بنانے کی طاقت رکھتے ہیں (پہلی قسم) عوام کی ہے (دوسری قسم) اولیاء کی اور (تیسری قسم) انبیاء کی۔"

اب ذرا سوچئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کوئی تیسری قسم کا آدمی ہے اگر نہیں تو اسے افضل الامم کیسے کہا جا سکتا ہے اور کیا یہ خیال کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، تیسری قسم کے پاکباز انسان سے بکلی خالی ہے حضور کی ہتک کے مترادف نہیں؟

ہمارے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے تیسری قسم کے گروہ میں شامل کیا اور انہوں نے دنیا کے سامنے برملا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ؎

ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل!
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

اللھم صل علی محمد وآل محمد

وحی تشریعی و غیر تشریعی

بعض لوگ وحی کا نام سنکر ڈر جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وحی نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وحی قرآنی منسوخ ہو گئی اور نیا مذہب یا نیا دین نازل ہو گیا، لیکن یہ خیال اسی شخص کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے جسے علم دین سے قطعاً کوئی واقفیت نہ ہو۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نبی دو قسم کے ہیں، اوّل وہ جن کو اللہ تعالیٰ نئی شریعت سے نوازتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ، دوم وہ جنہیں کوئی

نئی شریعت نہیں دی جاتی، بلکہ انہیں اپنے پہلے متبوع نبی کی شریعت کے احیاء اور تجدید کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ہارون، حضرت سلیمان وغیرہ علیہم السلام لکھا ہے۔

اِنَّ مِنَ الرُّسُلِ مَنْ لَمْ یَکُنْ لَهٗ اَحْکَامٌ بَلْ بَیَّنَ الْاُصُوْلَ تَحسُبُ (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۵۵۶) کہ بعض رسول ایسے تھے جو کوئی حکم نہیں لائے بلکہ انہوں نے سابقہ اصول کی وضاحت کی وبس۔"

ہم سب مسلمانوں کا ایمان اور یقین ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کامل اور ہمہ گیر ہے اور پھر محفوظ اور غیر متغیر بھی۔ اس لیے اب کسی نئی شریعت کے آنے کی کوئی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے خاتم النبیین قرار دیا ہے اس لیے آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا، جو آپ کی امت سے نہ ہو اور آپ کی شریعت کے کسی حکم کو منسوخ کرے۔

چونکہ مسلمانوں کا ایمان تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی شریعت کامل اور ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے اس لیے بعض لوگوں نے خیال کیا کہ اس شریعت کے نفاذ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بھی ہمیشہ کے لیے زندہ رہیگا۔ آپ فوت نہیں ہونگے

"قَالَ مُقَاتِلٌ اِنَّ نَاسًا کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اِنَّ مُحَمَّدًا لَا یَمُوْتُ (التفسیر الکبیر جزء ۶ صفحہ ۱۰۳) کہ مقاتل کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہونگے۔"

پھر امام رازیؒ آگے لکھتے ہیں:

"وَیَحْتَمِلُ اَنَّهٗ لَمَّا ظَهَرَ اَنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ جَازَ اَنْ یُقَدِّرَ مُقَدِّرٌ اَنَّهٗ لَا یَمُوْتُ اِذْ لَوْ مَاتَ لَتَغَیَّرَ شَرْعُهٗ فَنَبَّهَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی اَنَّ حَالَهٗ کَحَالِ غَیْرِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ فِی الْمَوْتِ۔

کہ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا ظاہر ہو گیا تو کوئی شخص یہ خیال کرے کہ آپ فوت نہیں ہوں گے کیونکہ اگر آپ فوت ہوئے تو آپ کی شریعت بھی بدل جائیگی تو اس پر خدا تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ موت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دوسرے انبیاء کی طرح ہی ہے۔"

مطلب یہ کہ جیسے پہلے انبیاء کو موت نے آلیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو جائیں گے

اور انہیں کوئی خارق عادت عمر نہیں دی جائیگی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس فرمان سے اس خدشہ کا ازالہ کس طرح ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی شریعت میں تغیر و تبدل ہو جائے گا، نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ دیا ہوا تھا تو پھر شریعت میں تغیر و تبدل کیسے ہو سکتا تھا؟

اس خدشہ کا جواب:

یا تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ گو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائینگے، لیکن ان کی شریعت اسی طرح ہمیشہ تک نافذ رہے گی جس طرح خود ان کے زمانہ میں نافذ ہو چکی ہے اور اس میں سرِ مو فرق نہ آئیگا اور مسلمانوں کی آئندہ نسلیں بھی ویسی ہی پاکباز اور عفت شعار رہینگی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں، مگر یہ جواب مشاہدہ کے خلاف ہے۔

یا پھر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائیں تو کوئی بات نہیں پہلے بھی خدا تعالیٰ کے انبیاء دنیا سے گزرتے رہے اور ان کی وفات کے بعد جب ان کے پیرو سُست ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایسے جانشین پیدا کر دیئے جنہوں نے پھر اس کام کا بیڑا اٹھایا اور خدا تعالیٰ کی تائید سے اسے پوری محنت اور لگن کے ساتھ نبھایا حتیٰ کہ ان کی وہ محنت بارآور ہوئی اور اس متبوع نبی کا مشن پورا ہوا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ہوگا اور امتِ محمدیہ کی اصلاح اور شریعت اسلام کی تجدید کے لیے خدا تعالیٰ حسب ضرورت اپنے بندے مبعوث فرماتا رہیگا۔

صحیح بات یہی ہے اور اسی بات کی طرف بطور جواب آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے ہی آگاہ کر دیا ہوا تھا اور خدا تعالیٰ نے بھی اس خدشہ اور خوف کا ازالہ فرما دیا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سَتَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَأْتُوْنَكُمْ مِّنَ الْاَحَادِيْثِ مَا لَمْ تَسْمَعُوْا۔"

"کہ آخری زمانہ میں دجال اور جھوٹے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو تم مسلمانوں کے سامنے ایسی حدیثیں اور باتیں پیش کرینگے کہ جو تم نے سنی نہ ہونگی۔"

اس حدیث کی شرح میں علامہ محمد طاہر گجراتی اپنی مشہور کتاب (مجمع بحار الانوار) میں لفظ دجل کے ماتحت لکھتے ہیں :

اَیْ جَمَاعَةٌ مُزَوِّرُوْنَ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ عُلَمَاءُ وَمَشَائِخُ نَدْعُوْکُمْ اِلَی الدِّیْنِ وَھُمْ کَاذِبُوْنَ فِیْهِ وَیَحَدِّثُوْنَ بِاَکَاذِیْبَ وَیَبْتَدِعُوْنَ اَحْکَامًا بَاطِلَةً وَاعْتِقَادَاتٍ فَاسِدَةً فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ اَیْ اِحْذَرُوْھُمْ وَقِیْلَ اَرَادَبِهَا اَحَادِیْثَ مَوْضُوْعَةً وَقِیْلَ عِلْمَ الْکَلَامِ فَاِنَّهٗ لَمْ یَتَکَلَّمْ بِهِ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُوْنَ وَاتَّفَقَ السَّلَفُ عَلَی النَّھْیِ عَنِ الْخَوْضِ فِی الصِّفَاتِ وَعِلْمِ الْکَلَامِ وَزَعَمَ الشَّافِعِیُّ اَنَّ الشُّغْلَ بِالْمَنْھِیَّاتِ سِوَی الشِّرْکِ خَیْرٌ مِنَ الشُّغْلِ بِالْکَلَامِ وَحُکْمُهٗ بِوَضْعِ الْجِزْیَةِ فِیْ اَصْحَابِ الْکَلَامِ۔

کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا پیشہ ہی یہ ہو کہ وہ جھوٹی باتیں بنائیں وہ کہیں گے کہ ہم علماء اور مشائخ ہیں ہم تمہیں دین کی طرف دعوت دیتے ہیں حالانکہ وہ اس امر میں بھی جھوٹ بول رہے ہونگے، وہ جھوٹی باتیں بیان کریں گے اور باطل احکام گھڑینگے اور فاسد عقاید پیش کرینگے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمانو!! ان سے بچ کر رہنا، بعض لوگ کہتے ہیں الاحادیث سے مراد جھوٹی حدیثیں ہیں بعض علماء کا کہنا ہے کہ الاحادیث سے مراد علم کلام ہے کیونکہ صحابہ اور تابعین نے کبھی علم کلام استعمال نہیں کیا اور سلف (رحمہم اللہ) نے صفاتِ الہیہ کے متعلق بحث کرنے اور علم کلام سے منع فرمایا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ سوائے شرک کے دوسرے گناہوں کا ارتکاب علم کلام میں مشغول ہونے سے بہتر ہے بلکہ انہوں نے تو یہ فیصلہ دیا ہے کہ جو لوگ علم کلام میں مشغول رہتے ہیں انہیں (کافر تصور کر کے) ان پر جزیہ لگانا چاہیئے "

یہ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی ہر ایک آنکھ اس کا مشاہدہ کر سکتی ہے دوسرے ممالک کا ذکر تو چھوڑیں مصر جو دار العلوم الاسلامیہ کے نام سے مشہور ہے ایک دفعہ حضرت ابن الجوزی اپنے شاگرد یحیی بن معاذ کے ساتھ وہاں پہنچے اور انہوں نے وہاں علماء اور صوفیاء کی زیارت کا شرف حاصل کیا، یحیی نے حضرت ابن الجوزی سے پوچھا کہ آپ نے انہیں کیسا پایا، تو آپ نے جواب دیا ؎

أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ أُنَاسٍ ۔ تَشَيَّخُوا قَبْلَ أَنْ يَّشِيخُوا
عَمَائِمُ كَالْحِبَالِ طُولٌ ۔ وَفِي قُصُورٍ لَهَا شُمُوخٌ
تَقَوَّسُوا وَانْحَنَوْا رِيَاءً ۔ فَاحْذَرْهُمْ إِنَّهُمْ فُخُوخٌ

کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسے لوگوں سے جو بناوٹی طور پر شیخ بن گئے ہیں۔
ان کی پگڑیوں کا طول رسیوں کی طرح ہے اور وہ بلند محلوں میں رہتے ہیں۔
وہ ریاء سے کمان کی طرح جھکے نظر آتے ہیں ان سے بچتے رہنا کہ وہ پھندے ہیں۔

پھر جب حضرت ابن الجوزی نے مصر سے روانہ ہونیکا ارادہ کیا تو انہوں نے علماء اور مشائخ کا اجلاس بلایا اور اس میں خطبہ پڑھا، فرمایا:

"إِنَّ قُصُورَكُمْ قَيْصَرِيَّةٌ ۔ وَبُيُوتَكُمْ كِسْرَوِيَّةٌ
وَمَرَاكِبُكُمْ قَارُونِيَّةٌ ۔ وَأَوَانِيكُمْ فِرْعَوْنِيَّةٌ
وَأَخْلَاقُكُمْ نَمْرُودِيَّةٌ ۔ وَمَوَائِدُكُمْ جَاهِلِيَّةٌ
وَمَذَاهِبُكُمْ سُلْطَانِيَّةٌ
فَأَيْنَ الطَّرِيقَةُ الْجُنَيْدِيَّةُ وَالشَّرِيعَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ
فَبَكَى الْمَشَائِخُ بُكَاءً شَدِيدًا۔"

(کتاب مختارات الصائغ جزو ۱ ص ۲۳۶ للشیخ محمد ھندی)

کہ تمہارے محل قیصر کے سے ہیں اور تمہارے مکان کسریٰ کے سے
تمہاری سواریاں قارون کی سی ہیں اور تمہارے برتن فرعونی برتنوں جیسے
تمہارے اخلاق نمرود کے اخلاق ہیں اور تمہارے دستر خوان جاہلیت کے زمانہ جیسے
اور تمہارے مذاہب بادشاہوں کے مذاہب ہیں۔
پس حضرت جنید بغدادی کا طریقہ اور شریعت محمدیہ کہاں ہیں؟؟
آپ کا یہ خطبہ سنکر مشائخ سخت روئے۔"

غرض اس طرح قرآن مجید دنیا سے اٹھ گیا اور شریعت محمدیہ کو پس پشت ڈال دیا گیا عوام تو عوام علماء اور مشائخ بھی دنیا طلبی اور نفس پرستی کا شکار ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون
یہ واقعہ خدا تعالیٰ سے مخفی نہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ کیا ہونیوالا ہے۔ اس لیے اس نے امتِ اسلام کو فرمایا کہ میرے رسول آئیں تو تقویٰ اختیار کرنا ان پر ایمان لاکر اپنی اصلاح کرنا

اسی سے تمہیں اطمینان اور قلبی راحت نصیب ہوگی، قرآن مجید میں ہے۔

"یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورہ الاعراف آیت ۳۵) کہ آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس ایسے رسول آئیں جو تمہی میں سے ہوں جو تم پر میری آیات بیان کریں تو (تم میں سے) جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور اپنی اصلاح کرے اس کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کوئی غم کھائیگا"

بنی آدم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ اور بعد کے زمانہ کے لوگ ہیں امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب (الاتقان جزء ۲ صفحہ ۳۴) پراس سے پہلی آیت یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"فَاِنَّهٗ خِطَابٌ لِاَهْلِ ذٰلِکَ الزَّمَانِ وَلِکُلِّ مَنْ بَعْدَهُمْ کہ اس آیت میں یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کے بعد کے تمام زمانہ کے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے"

غرض اس آیت سے قبل بھی یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کا خطاب دو تین دفعہ ذکر ہوا ہے اور اس سے تمام بنی نوع انسان مراد ہیں۔

نیز لفظ یَاْتِیَنَّ کے آخر میں نّ (نون تاکید) ظاہر کر رہا ہے کہ یہ رسول زمانہ مستقبل میں بھیجے جائینگے، ہاں وہ امتی ہونگے اور شریعت محمدیہ کے متبع اور انہیں جو کچھ ملیگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملیگا۔

امام محمد بن عبدالوہاب صاحب جو اہل حدیث کے نزدیک اپنے زمانہ کے بڑے بزرگ مانے گئے ہیں اپنی کتاب (التوحید کے صفحہ ۶۶) پر حدیث لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ کے ماتحت لکھتے ہیں:

"وَلَا یَخْفٰی عَلَی الْعَاقِلِ اَنَّهٗ لَوْ تَتَبَّعَ اَفْعَالَ النَّاسِ الَّذِیْنَ یُدْعَوْنَ مُسْلِمِیْنَ الْاٰنَ لَرَاٰی غَالِبَهُمْ لَیْسُوْا عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ صِفَاتِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا فِی الْمَاْکَلِ وَالْمَشْرَبِ وَالْمَلْبَسِ وَلَا فِی الْعِبَادَاتِ بَلْ عِبَادَتُهُمْ مَشُوْبَةٌ بِاَشْیَاءَ مِنْ اَعْمَالِ الْمَجُوْسِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَعَوَائِدُ هُمْ تُشَبِهُ عَوَائِدَ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی لَا وَاعِظَ وَلَا

زَاجِرٌ یَمْنَعُهُمْ مِنْ ذٰلِكَ وَیُحَذِّرُهُمْ عَاقِبَتَهٗ نَسْأَلُ اللهَ صَلَاحَ الْاُمَّةِ وَصَلَاحَ قَادَتِهَا مِنْ اُمَرَاءَ وَعُلَمَاءَ وَاَئِمَّةً وَاِلَّا فَعَلَی الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ السَّلَامُ۔"

"یعنی کسی دانشور پر مخفی نہیں کہ اگر وہ ان لوگوں کے افعال کی جو آپ مسلمان کہلاتے ہیں، تحقیق کرے تو وہ ان میں سے اکثر کو ایسا دیکھیگا کہ گویا ان میں مسلمانوں کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی نہ کھانے پینے میں نہ لباس میں اور نہ عبادات میں بلکہ ان کی عبادت مجوسیوں اور مشرکوں کے عمل سے ملی جلی ہوئی ہے اور ان کے مفادات یہود اور نصاریٰ کے مفادات کی مانند ہیں اور انھیں کوئی نصیحت کرنیوالا نہیں اور نہ ہی کوئی ڈانٹنے والا ہے جو انہیں ایسی باتوں سے روکے اور ان کے انجام سے متنبہ کرے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس امت کو اور اس کے راہنماؤں، امراء، علماء اور ائمہ کو صلاحیت عطا کرے ورنہ اسلام اور مسلمانوں کو ہمارا سلام ہو"

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ امت اسلام کو کسی ہادی اور مصلح کی ضرورت نہیں۔ یہ حال ہو اور پھر کوئی ہادی اور راہنما خدا کی طرف سے نہ بھیجا جائے؟ حضرت امام ابن تیمیہ اپنی تصنیف "فوائد شریفہ" ص۵ پر نبوت کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَاِنَّ مِنْ اَعْظَمِ مَا یُحْمَدُ بِهِ الْمُلُوْكُ خِطَابُهُمْ بِاَنْفُسِهِمْ لِضُعَفَاءِ الرَّعِیَّةِ فَكَیْفَ بِاِرْسَالِ رَسُوْلٍ اِلَیْهِمْ ..... فَهُوَ سُبْحَانَهٗ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا وَهُوَ قَادِرٌ مَعَ كَمَالِ رَحْمَتِهٖ فَاِذَا كَانَ كَامِلَ الْقُدْرَةِ كَامِلَ الرَّحْمَةِ فَمَا الْمَانِعُ اَنْ یُرْسِلَ اِلَیْهِمْ رَسُوْلًا .... وَلِاَنَّ هٰذَا مِنْ جُمْلَةِ اِحْسَانِهٖ اِلَی الْخَلْقِ بِالتَّعْلِیْمِ وَالْهِدَایَةِ وَبَیَانِ مَا یَنْفَعُهُمْ وَمَا یَضُرُّهُمْ ..... فَاِنْ كَانَ الْمُنْكِرُ یُنْكِرُ قُدْرَتَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ فَهٰذَا قَدْحٌ فِیْ كَمَالِ قُدْرَتِهٖ وَاِنْ كَانَ یُنْكِرُ اِحْسَانَهٗ بِذٰلِكَ فَهٰذَا قَدْحٌ فِیْ كَمَالِ اِحْسَانِهٖ"

کہ بادشاہوں کی سب سے بڑی قابل تعریف بات یہ ہے کہ وہ خود اپنی کمزور رعیت سے مخاطب ہوں۔ پس ان کی طرف رسول (ایلچی) بھیجنا تو اور زیادہ قابل ستائش ہوتا ہے ...

چونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنا ماں اپنے بچے پر مہربان ہوتی ہے اور پھر وہ کامل رحمت والا اور کامل قدرت والا بھی ہے۔ تو کونسا امر اسے رسول بھیجنے سے روک سکتا ہے؟ ...... علاوہ ازیں اس کا احسان ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو تعلیم اور ہدایت دے اور انہیں بتائے کہ کونسی بات ان کے لیے منفعت بخش ہے اور کونسی بات مضر ہے۔ پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی نبی مبعوث نہیں کر سکتا تو وہ اس کی قدرت پر اعتراض کرتا ہے اور اگر کوئی اس کے احسان کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ اسے کامل محسن نہیں مانتا۔"

پس ہم مومن ہو کر کس طرح تسلیم کر لیں کہ خدا تعالیٰ نے ہم سے بولنا اور کلام کرنا بند کر دیا ہے کیا اسے ہم جیسے کمزوروں پر رحم نہیں آتا؟

میرے عزیزو! بچہ پیاسا تڑپ رہا ہو، تو کیا ماں اسے دودھ دینے میں دیر کرے گی؟ پھر خدا تعالیٰ جو ماں سے زیادہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے، موجودہ حالت کو دیکھکر کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو پہلے ہی خبر سنائی تھی:

"اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِرِجَالِکُمْ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اَلنَّبِیُّ فِی الْجَنَّۃِ وَالشَّھِیْدُ فِی الْجَنَّۃِ وَالصِّدِّیْقُ فِی الْجَنَّۃِ وَالرَّجُلُ یَزُوْرُ اَخَاہُ فِیْ نَاحِیَۃِ الْمِصْرِ فِی اللّٰہِ فِی الْجَنَّۃِ (الحدیث رواہ الطبرانی عن کعب بن عجرۃ)

کہ میں تمہیں خبر نہ دوں کہ تمہارے مردوں میں سے کون کون اہل جنت میں سے ہے۔ نبی جنت میں جائیگا، شہید جنت میں جائیگا، صدیق جنت میں جائیگا اور وہ شخص جو محض اللہ کے لیے اپنے اس بھائی کو ملنے جاتا ہے جو دور رہتا ہے جنت میں جائیگا"

پھر اگر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا:

سَلِّمُوْا عَلَی الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی وَلَا تُسَلِّمُوْا عَلٰی یَھُوْدِ اُمَّتِیْ! قَالُوْا مَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَۃَ وَلَا یَحْضُرُوْنَ الْجَمَاعَۃَ (کتاب دُرَّۃُ الایمان فی الوعظ والارشاد مجلس ۳۵)

"کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو السلام کہو، لیکن میری امت کے یہودیوں کو سلام مت کہو! پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو اذان اور اقامت سنتے ہیں اور نماز با جماعت میں شامل نہیں ہوتے۔"

مطلب یہ کہ آئندہ امت میں یہودی پیدا ہونگے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا تھا:

"وَالْفَارُّوْنَ بِدِيْنِهِمْ مِنْ اَرْضٍ اِلٰى اَرْضٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِيْ دَرَجَتِهٖ فِي الْجَنَّةِ" (حدیث اخرجہ ابن مردویہ عن ابی الدرداء۔ الدر المنثور جزء ۶ ص۱۲۶)

"کہ جو لوگ اپنے دین کی خاطر ایک ملک سے دوسرے ملک بھاگ جائیں وہ قیامت کے دن جنت میں عیسیٰ بن مریم کے درجہ میں داخل ہونگے۔"

اس سے یہ معلوم ہوا کہ دین بچانے کے لیے ہجرت کرنے والا حضرت عیسیٰ کا درجہ پائے گا، حضرت عیسیٰ کا یہود کے ہاتھ سے بچ کر ہجرت کرنا بھی ثابت ہے۔

پیارے بھائیو! ہمیں تو یہ سکھایا جاتا ہے:

"فَاِنَّ اَكْمَلَ النَّاسِ فِي الْمُحَبَّةِ وَالْاِيْمَانِ هُمُ الْاَنْبِيَاءُ خُصُوْصًا حَبِيْبُ اللّٰهِ تَعَالٰى" (شرح عقائد النسفی ص۱۳۵)

"کہ محبتِ الٰہی اور ایمان میں تمام لوگوں سے زیادہ کامل نبی ہی ہوتے ہیں خصوصاً حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔"

تو خیال کرنا چاہیئے کہ کیا امتِ محمدیہ میں کوئی ایک ایسا انسان پیدا نہیں ہو سکتا جو محبتِ الٰہی اور ایمان میں تمام لوگوں سے کامل اور اعلیٰ ہو؟ اگر ہو سکتا ہے تو وہی نبی ہے۔

اور جیسا کہ بار بار بیان کیا جا چکا ہے جو نبی بھی آئیگا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہو کر آئیگا اور اسے کوئی وحی یا الہام ایسا نہیں ہوگا جس میں قرآن مجید کے کسی حکم کو منسوخ قرار دیا جائے بلکہ جو وحی یا الہام اس پر نازل ہوگا وہ قرآن مجید کی وضاحت یا تفسیر کے لیے نازل ہوگا یا اس کے اعجاز کو نمایاں کرنے کیلئے اور اس کی تصدیق و تائید کے لیے۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

"اِنَّهٗ لَيْسَ لِاَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ عِلْمٌ يَنَالُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا وَهُوَ مِنْ بَاطِنِيَّةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم سَوَاءُ الْاَنْبِيَاءُ وَالْعُلَمَاءُ

اَلْمُتَقَدِّمُوْنَ عَلٰی زَمَنِ بَعْثَتِہٖ وَالْمُتَاَخِّرُوْنَ عَنْھَا" (الیواقیت والجواہر جزء ۲ صفحہ ۳۹ مبحث ۳۵)

"یعنی کسی شخص کو دنیا و آخرت میں کوئی ایسا علم حاصل نہیں ہو سکتا جو باطنیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو خواہ وہ نبی اور عالم آپ کی بعثت سے پہلے کے ہوں یا بعد کے"

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کلام یا وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا ولی کی طرف نازل ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور طفیل سے ہوگا گویا کہ آپ کا فیض ہی ہوگا، اس لیے ممکن نہیں کہ اس وحی میں کوئی ایسی بات ہو جو قرآن مجید کے خلاف ہو۔

نبی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کا ذکر ہو چکا، آئیے اب وہ کلام الٰہی بھی سن لیں جو انبیاء کی طرف نہیں اولیاء کی طرف نازل ہوا۔

اولیاء کو وحی

منصب نبوت صرف مردوں کو دیا جاتا رہا ہے، لیکن ولایت میں ہمیشہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوتی رہیں اور خدا تعالیٰ دونو سے ہمکلام ہوتا رہا اور انہیں اپنی رحمت اور فضلوں سے نوازتا رہا۔ پھر یہ فخر صرف امتِ محمدیہ ہی کو حاصل نہیں بلکہ پہلی امتوں کے اولیاء بھی اس کے ساتھ اس نعمت ہمکلامی میں شریک ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

(سورۃ القصص آیت ۷) یعنی ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو وحی کی کہ اُس کو دودھ پلا پھر جب تجھے اس کے متعلق کوئی خوف لاحق ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور خوف نہ کھانا اور نہ غم کرنا ہم اسے ضرور تیرے پاس واپس لوٹا دینگے اور اسے اپنا رسول مقرر کرینگے"

موسیٰؑ کی ماں کا نام یوکبد تھا (خروج باب ۱۶ آیت ۲۰) یا یوحانذ تھا (تفسیر الخازن جزء ۵ صفحہ ۱۳۴)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء کی وحی ظنی ہوتی ہے مگر دیکھئے موسیٰؑ کی والدہ پر جو وحی نازل ہوئی اس نے اسے کیسا یقین دلایا اور یہ کتنی شاندار وحی ہے۔ اس میں دو باتوں کا حکم دیا گیا، پھر دو باتوں سے منع فرمایا گیا ہے پھر دو خوشخبریاں دی ہیں، سبحان اللہ العظیم۔ اور پھر کس خوبی سے یہ وحی سچی ثابت ہوئی؟ اور کس یقین سے موسیٰ کی والدہ کا دل یقین سے بھر گیا اور اس نے اس پر عمل کیا۔

اگر یہ وحی الٰہی یقینی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ماں اپنے بیٹے کو دریا میں ڈالنے پر آمادہ ہو جاتی۔ یہ وحی کا کرشمہ تھا کہ وہ ایسی باتیں کر گذری جن کی ایک ماں سے از خود ہرگز امید نہ کی جا سکتی تھی۔ اسی وحی کا نتیجہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس پر اپنی خاص رحمت نازل فرمائی اور اسے اپنے وعدہ کے مطابق ماں سے واپس ملا دیا۔

قرآن کریم بھی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ میں استقامت دکھانے والے مومنوں کی وحی کو اِنَّ کے لفظ سے مؤکد کر کے جو تحقیق جملہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس وحی کو یقینی قرار دیتا ہے۔

(۲) قرآن کریم میں ہی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں موسیٰ علیہ السلام پر اور اس کی ماں پر یقینی وحی نازل فرمائی، وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی ماں پر جو وحی نازل ہوئی وہ بھی یقینی تھی۔ وحی کی برکت سے ہی مریم کا دل تھم گیا اور ڈھارس بندھ گئی اور اسی وحی کے طفیل اس نے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کیا اور خدا کے حضور میں وہ عزت پائی جو بہت کم مردوں کے حصہ میں آتی ہے فرمایا:

فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ۝ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَھَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا۔ قَالَتْ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا۔ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا (سورہ مریم آیت ۱۷-۲۱)

کہ ہم نے اس کی طرف اپنا (فرشتہ) جبریل بھیجا جو ایک مرد کامل کی صورت میں اس کے سامنے آیا۔ مریم نے اسے کہا، اگر تو واقعی متقی ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں، جبریل نے جواب دیا: میں تیرے رب کا ایلچی (فرشتہ) ہوں تاکہ تجھے خبر دوں کہ

تجھے ایک پاک لڑکا عطا کیا جائیگا، مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے ابھی کسی مرد نے نہیں چھوا اور نہ ہی میں بدکار ہوں، جبریل نے کہا: واقعی ایسا ہی ہے، لیکن تیرا رب کہتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے لیے آسان ہے (وہ لڑکا پیدا ہوگا) تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے (اپنا) نشان بنائیں اور وہ ہماری طرف سے ایک رحمت ہوگا اور یہ فیصلہ شدہ معاملہ ہے۔"

کتنا عظیم الشان کلام ہے۔ ایک کنواری سے خدا کا فرشتہ ہمکلام ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ایک لڑکا جنے گی، وہ لڑکا پاکباز انسان ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان اور کئی لوگ اس سے مل کر خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں حاصل کرینگے اور پھر ایسا ہی وقوع میں آگیا۔

مریم کئی ماہ تک حاملہ رہی اور خدا تعالیٰ کو یاد کرتی رہی، آخر انسان تھی اور وہ بھی ایک عورت اور پھر کنواری اور پھر سفر میں جب ولادت کا وقت آیا تو ادھر دردِ زہ کی تکلیف ادھر کھانے پینے کو کچھ نہ تھا، خدا کے سوا اسے کوئی نظر نہیں آرہا تھا؛ اس موقعہ پر خدا تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور فرشتہ کو حکم ہوا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا - وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ہ (سورۃ مریم آیت ۲۴-۲۶)

اس نے مریم کو پکارا کہ تو غم نہ کھا تیرے رب نے تیرے لیے ایک چشمہ جاری کیا ہوا ہے اور درخت کے پیڑ کو ہلا وہ تجھ پر تازہ کھجوریں گرائیگا پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھ ٹھنڈی کر اور اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے اس لیے میں آج کسی سے کوئی بات نہ کروں گی۔"

کتنی لمبی وحی ہے جو حضرت مریم کو ہوئی اور یقینی ثابت ہوئی۔

(۳) ایک اور جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور یہود نے آپ کی سخت مخالفت کی تو خدا تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دلوں میں وحی نازل فرمائی اور اس وحی کا اتنا اثر ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے فرمایا:

"وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (سورۃ المائدہ آیت ۱۱۲)

کہ یاد کرو جب میں نے حواریوں کو وحی کی کہ تم مجھ پر بھی ایمان لاؤ اور میرے رسول (عیسیٰ) پر بھی، انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور (اے رسول!) تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔"

اس مخالفت کے زمانہ میں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام بظاہر بے کس و بے بس تھے، خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید میں لوگوں کے دلوں میں وحی نازل فرمائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ حضرت پر ایمان لائے اور بڑے مخلص ثابت ہوئے، اگر ان پر یہ وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو ان میں یقیناً وہ صدق و اخلاص پیدا نہ ہو سکتا تھا جو وحی کے ذریعہ پیدا ہوا، مدعا یہ ہے کہ پہلی امتوں میں بھی اولیاء اللہ پر وحی نازل کی گئی، ایک دو پر نہیں بہت سے اولیاء پر۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"قَدْ كَانَ فِيْمَا مَضٰى قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ اُنَاسٌ مُحَدَّثُوْنَ (الجامع الصغیر جزء ۲ صفحہ ۹۲ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ)

کہ تم سے پہلی امتوں میں بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن سے خدا ہمکلام ہوا۔

(۲۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد امت میں سے بہت سے بزرگوں کو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان میں سے بعض ہی کا ذکر کیا جا سکتا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"اِنَّهٗ مِنَ الْمُحَدَّثِيْنَ بِفَتْحِ الدَّالِ اَيِ الْمُلْهَمِيْنَ (الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۲۵۷)

کہ وہ محدثین (بمعنی ملہمین) میں سے ہے۔"

شیخ عبدالرحمٰن الصفوری اپنی کتاب (نزہۃ المجالس جزء ۱ صفحہ ۲۰ باب الحلم والصفح) میں لکھتے ہیں:

قَالَ عُمَرُ رَاَيْتُ رَبِّيْ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ تَمَنَّ عَلَيَّ نَسَكْتُ فَقَالَ فِي الثَّانِيَةِ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَعْرِضُ عَلَيْكَ مُلْكِيْ وَمَلَكُوْتِيْ وَاَقُوْلُ لَكَ تَمَنَّ عَلَيَّ وَاَنْتَ فِيْ ذٰلِكَ تَسْكُتُ فَقُلْتُ يَا رَبِّ شَرَّفْتَ الْاَنْبِيَاءَ بِكُتُبٍ اَنْزَلْتَهَا عَلَيْهِمْ فَشَرِّفْنِيْ بِكَلَامٍ

مِّنْكَ بِلَا وَاسِطَةٍ فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ : مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْهِ نَفْسَهٗ اَخْلَصَ لِيْ شُكْرًا وَمَنْ اَسَاءَ اِلٰى مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهِ فَقَدْ بَدَّلَ نِعْمَتِيْ كُفْرًا۔[۱]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا تو اس نے فرمایا: اے ابن الخطاب! کچھ مانگ!! مَیں چپ رہا تو اس نے دوبارہ فرمایا: اے ابن الخطاب! میں تیرے سامنے اپنا ملک اور حکومت پیش کر رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے کسی چیز کی خواہش کر اور تو خاموش بیٹھا ہے؟ اس پر میں نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے انبیاء کو ان پر کتابیں نازل فرما کر اپنے کلام سے مشرف کیا ہے مجھے بھی اپنے کلام بلا واسطہ سے نواز، تو خدا تعالےٰ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! جو بھلا کرے اس شخص کا جس نے اسے دکھ دیا ہو تو اس نے یقیناً میرا حقیقی اور خالص شکر ادا کیا اور جو شخص اس شخص کو دکھ دے جس نے اس کا بھلا کیا ہو تو اس نے میری نعمت کو کفر سے تبدیل کر دیا"

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے خواہ وہ نبی نہ بھی ہوں کس طرح محبت سے گفتگو کرتا ہے۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خدا تعالیٰ نے جس قدر علم و اخلاص سے نوازا تھا وہ ظاہر و باہر ہے۔ ابھی آپ ۱۸ - ۲۰ برس کی عمر کو بھی نہ پہنچی تھیں کہ ایک واقعہ میں منافقین کو آپ پر بدظنی کرنے بلکہ جھوٹا اتہام لگانے کا موقع ہاتھ آیا (واقعہ لمبا ہے سارا بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ موقع ہے) آپ کو جب خبر پہنچی کہ بعض منافقین آپ کی ذات بابرکات پر گندے الزام لگا رہے ہیں تو آپ کو بہت رنج پہنچا، کھانا پینا چھوٹ گیا اور زندگی تلخ ہو گئی، اپنے رب کے سامنے گڑگڑاتی رہیں اور مدد کی درخواست کرتی رہیں۔ آپ کے درد اور دکھ کو دیکھکر خواب میں ایک فرشتہ ایک نوجوان کی شکل میں آیا:

فَقَالَ لِيْ : مَا لَكِ ؟ فَقُلْتُ حَزِيْنَةٌ مِمَّا ذَكَرَ النَّاسُ فَقَالَ : اُدْعِيْ بِهٰذِهٖ يُفَرِّجْ عَنْكِ فَقُلْتُ مَا هِيَ ؟ فَقَالَ : قُوْلِيْ يَا سَابِغَ النِّعَمِ وَيَا دَافِعَ النِّقَمِ ! وَيَا فَارِجَ الْغُمَمِ وَيَا كَاشِفَ الظُّلَمِ يَا اَعْدَلَ مَنْ حَكَمَ وَيَا حَسِيْبَ مَنْ ظَلَمَ ! يَا اَوَّلُ بِلَا بِدَايَةٍ

وَيَا آخِرُ بِلَا نِهَايَةٍ وَيَا مَنْ لَهُ اِسْمٌ بِلَا كُنْيَةٍ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ اَمْرِيْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا" قَالَتْ فَانْتَبَهْتُ وَاَنَا رَيَّانَةٌ شَبْعَانَةٌ وَقَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْهُ فَرَجِيْ (الدر المنثور جزء ۵ ص۳۵)

یعنی اس نے مجھے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا کہ لوگوں کی باتیں سنکر مجھے سخت غم لاحق ہے۔ اس نے کہا ان کلمات کے ذریعہ دعا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے غم کو دور فرما دیگا۔ میں نے کہا: کون سے کلمات؟ اس نے کہا: یوں کہو: اے جو تمام نعمتیں عطا فرماتا ہے، تمام مصیبتیں دفع کر دیتا ہے، تمام غموں کو دور کرتا ہے تمام اندھیروں کو نابود کر دیتا ہے اور اے جو سب حاکموں سے زیادہ عادل ہے اور جو سب ظالموں کا احتساب کرنیوالا ہے اور اے خدا جو اول ہے اور تیری ابتداء نہیں اور آخر ہے اور تیری کوئی انتہا نہیں اور اے جس کا نام ہے کوئی کنیت نہیں۔ میرے لیے اس غم سے چھٹکارے کا کوئی انتظام فرما دے۔"

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں جاگ اُٹھی تو میں نے دیکھا کہ میں سیر ہوں نہ پیاس تھی اور نہ بھوک اور نیز خدا تعالیٰ نے میری براءۃ کے بارے میں اپنا ارشاد بھی نازل فرما دیا۔"

وہ شخص جو نہ کھاتا ہو اور نہ کچھ پیتا ہو، اُٹھے تو سیر ہو یہ وحی ہی کا کرشمہ تھا ورنہ جسے شدید غم لاحق ہو اور کھانا پینا بھی چھوٹ گیا ہو، اس کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اُٹھے گا تو اسے کمزوری اور ضعف تک محسوس نہ ہو گا۔

(۲) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق الاستاد عبد الحمید آسا ہانی نے ایک کتاب لکھی ہے جسے انہوں نے "المطالب الجمالیۃ" کا نام دیا ہے (ص۲۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ) پر لکھتے ہیں:

فَرَاٰى الشَّافِعِيُّ رضی اللہ عنہ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِي النَّوْمِ وَهُوَ قَائِمٌ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَنَادَاهُ: يَا مُحَمَّدُ اُثْبُتْ عَلٰى دِيْنِ مُحَمَّدٍ وَاِيَّاكَ اِيَّاكَ اَنْ تَحِيْدَ فَتَضِلَّ وَتُضِلَّ، اَلَسْتَ بِاِمَامِ الْقَوْمِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكَ مِنْهُ اِقْرَاْ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ؛ قَالَ الشَّافِعِيُّ فَاسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا اَقْرَؤُهَا مِنْ تَعْلِيْمِ الْقُدْرَةِ الرَّبَّانِيَّةِ."

کہ حضرت امام شافعی رض نے خواب میں خدا تعالیٰ کو دیکھا آپ اس کے سامنے کھڑے تھے

سو خدا نے آپ کو پکارا : اے محمد بن ادریس الشافعی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ثابت قدم رہنا اور اس سے بالکل نہ ہٹنا ورنہ خود بھی تو گمراہ ہو جائیگا اور لوگوں کو بھی گمراہ کر یگا کیا تو لوگوں کا امام نہیں؟ تجھے اس بادشاہ سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیئے۔ یہ آیت پڑھو اِنَّا جَعَلْنَا الایۃ کہ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے وہ اپنی گردنیں اٹھائے رکھتے ہیں۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں جاگا تو قدرتِ الٰہیہ سے وہ آیت میری زبان پر جاری تھی۔"

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانہ کے بادشاہ سے پالا پڑا ہوا تھا جب آپ کو کوئی خطرہ محسوس ہوا تو آپ نے خدا کے حضور مدد کرنے کے درخواست کی، اس پر آپ کو اس وحی کے ذریعہ تسلی دی گئی اور آیتِ قرآنیہ آپ کو سنا کر تسلی دی گئی کہ ان کے مخالفین کا انجام اچھا نہیں۔

(ٹ) حضرت القاضی عیاض الیحصبی نے اپنی مشہور تصنیف (الشِفَاء بِتَعْرِیْفِ حُقُوْقِ المُصْطَفٰی جزء ۲ صـ ۱۳ مطبوعہ مصر) میں ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت امام احمد بن حنبل سے تعلق رکھتا ہے، لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حمام میں غسل کرنے کا ارادہ کیا، عربوں میں ایک عجیب رواج تھا یعنی وہ حمام میں ننگے نہایا کرتے تھے جب آپ غسل کے لیے حمام میں داخل ہونے لگے تو حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ نے چادر پہن لی اور رواج کی پیروی نہ کی۔ غسل کرنے کے بعد آپ جب رات کو سوئے تو فرماتے ہیں:

" فَرَاَیْتُ تِلْكَ اللَّیْلَةَ قَائِلاً لِیْ : یَا اَحْمَدُ ! اَبْشِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ بِاسْتِعْمَالِكَ السُّنَّةَ وَجَعَلَكَ اِمَامًا یُقْتَدٰی بِكَ قُلْتُ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِیْلُ ۔"

"کہ میں نے اس رات دیکھا کہ مجھے کوئی کہہ رہا ہے: اے احمد! تجھے خوشخبری ہو! کیونکہ سنتِ نبوت پر عمل کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تیری پردہ پوشی فرما دی ہے اور تجھے بطور امام کے مقرر فرمایا ہے تیری پیروی کی جائیگی۔
حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: جبریل ہوں۔"

کیسی صاف وحی ہے اور یہ وحی لانیوالا پوچھنے پر بتاتا ہے کہ وہ جبریل ہے معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم اور سنت نبویہ پر خلوص سے عمل کرتا ہے اور رسم و رواج کی پرواہ نہیں کرتا خدا تعالیٰ بڑی برکتوں اور رحمتوں سے اسے نوازتا ہے۔

(۸) حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ اپنی کتاب (الفتوحات المکیہ جزء ۳ صفحہ ۳۵) پر اپنے معراج روحانی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فَاُنْزِلَ عَلَیَّ عِنْدَ ھٰذَا الْقَوْلِ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ"

"یعنی اس وقت مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی گئی قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (الآیۃ) کہ تو کہدے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر بھی جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اُتارا گیا اور اس پر بھی ہم ایمان لائے جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام انبیاء کو ان کے رب سے دیا گیا ہم ان پر ایمان میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اپنے رب کے پورے پورے فرماں بردار ہیں"

یہ پوری آیت قرآنی آپ پر نازل کی گئی، کون مومن مسلمان اس سے انکار کر سکتا ہے؟ پس ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ان پر جب بھی ضرورت ہو قرآنی وحی بھی نازل فرما دیتا ہے۔ اگر کوئی بدنصیب اس سے محروم ہو، محروم رہے۔

(۹) خواجہ میر درد صاحب دہلوی اس زمانہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب "علم الکتاب" میں "تحدیث نعمت" کے عنوان کے ماتحت اپنے بہت سے الہامات درج کئے ہیں جن میں سے بطور نمونہ کچھ یہاں درج کئے جاتے ہیں مثلاً

"وَادْعُھُمْ اِلَی الطَّرِیْقَةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ مِنَ الْاٰیَاتِ الَّتِیْ ھِیَ الشَّاھِدَاتُ الْبَیِّنَاتُ عَلٰی حَقِّیَّتِكَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَھُمْ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ"

"یعنی تو انہیں طریقہ محمدیہ کی دعوت دے بذریعہ ان آیات کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں اور جو واضح گواہ ہیں تیری حقانیت پر، اور تو لوگوں کی

خواہشات کی پیروی نہ کر اور استقامت اختیار کر جیسے کہ تجھے حکم دیا گیا ہے۔" آپ کے اس الہام کے دوسرے الفاظ کے ساتھ قرآنی آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ بھی نازل ہوئی۔

پھر وہ اپنے بعض الہامات یوں درج کرتے ہیں:

"أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ فِي زَمَانٍ يَحْكُمُ اللهُ بِآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ"

"کہ وہ لوگ اس زمانہ میں بھی جبکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنی آیات کے ذریعہ حکم کرتا ہے۔ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں"

اس الہام میں آیت قرآنیہ بھی موجود ہے اور قرآن مجید کے علاوہ الفاظ بھی ہیں۔

پھر وہ کچھ اور الہامات یوں درج فرماتے ہیں کہ خدا نے انھیں فرمایا:

"يَا مَوْرِدَ الْوَارِدَاتِ وَيَا مَصْدَرَ الْآيَاتِ! إِنَّا جَعَلْنَاكَ آيَةً لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ قُلْتُ يَا رَبِّ! تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ، إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ"

"کہ اے واردات کے مورد! نشانات کے مصدر! ہم نے تجھے لوگوں کے لیے نشان بنایا ہے تاکہ وہ ہدایت پائیں، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، میں نے کہا: اے میرے رب! تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے مگر میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں (تو ان کا مالک ہے) اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو بڑا عزت والا اور حکمت والا ہے۔"

اس الہام میں بھی الہامی الفاظ کے ساتھ قرآنی الفاظ بھی ملے ہوئے ہیں۔

(۱۰) آخر میں میں ایسا الہام یا وحی درج کرتا ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ نے سنا اور اس سے ان کا ایک اہم اختلاف ختم ہوا اور ان سب نے اسے حجت مانا۔

قصہ یوں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو صحابہ میں اختلاف ہوا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا جائے، یا آپ کے کپڑے اتار آپ کو غسل دیا جائے۔ جب فیصلہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو خدا تعالیٰ نے انھیں اپنی وحی سے نوازا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر غنودگی سی طاری ہوئی اور پھر انہیں آواز آئی:

"غَسِّلُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ" (رواہ

البیہقی عن عائشہ ، تاریخ الکامل جزء ۲ ص۱۶) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دو۔"

ایسی شان اور طاقت کی وحی تھی کہ تمام صحابہ نے بغیر کسی شک اور شبہ کے اس آواز کو سچا یقین کیا اور اسے خدائی آواز اور الٰہی فیصلہ تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کیا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ جب تو خدا کا ہو جائیگا:

"فَیُؤْخَذُ بِیَدِكَ فَتُقَدَّمُ وَیُنْزَعُ عَنْكَ مَا عَلَیْكَ ثُمَّ تَغُوصُ فِی بِحَارِ الْفَضَائِلِ وَالْمِنَنِ وَالرَّحْمَةِ فَیُخْلَعُ عَلَیْكَ خِلَعُ الْاَنْوَارِ وَالْاَسْرَارِ وَالْعُلُومِ الْغَرَائِبِ اللَّدُنِّیَّةِ فَتُقَرَّبُ وَتُحَدَّثُ وَتُكَلَّمُ وَتُعْطٰی وَتُغْنٰی وَتُشَجَّعُ وَتُرْفَعُ وَتُخَاطَبُ بِاَنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ (فتوح الغیب مقالہ ۲۶)

تو پھر تیرا ہاتھ پکڑا جائیگا اور تو مقدم کیا جائیگا اور تجھ سے سختی اور بوجھ اٹھا لیا جائیگا پھر احسان ، رحمت اور کمالات کے سمندر میں تجھے غوطہ دیا جائیگا پھر انوار و اسرار کی خلعت تجھے پہنائی جائیگی اور نادر علوم لدنیہ کا جامہ تجھے دیا جائیگا اور تو مقرب بنے گا پھر تجھ سے گفتگو شروع ہوگی اور تجھے کلام سے نوازا جائیگا ، تجھ پر خدا کی عطا ہوگی اور تو غنی اور بہادر بنایا جائیگا اور تجھے عزت دی جائیگی اور تجھ سے بایں کلام خطاب کیا جائیگا کہ اب تو ہمارے نزدیک بلند مرتبہ اور امین ہے۔"

کلام الٰہی اور وحی کی جو اقسام خدائے تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں انہیں بیان کرنے کے بعد حضرت شیخ اکبر ابن عربی اپنی کتاب (الفتوحات المکیۃ جزء ۲ ص۲۳۶) پر فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا كُلُّهٗ مَوْجُوْدٌ فِیْ رِجَالِ اللّٰهِ مِنَ الْاَوْلِیَاءِ وَالَّذِیْ اخْتَصَّ بِهِ النَّبِیُّ مِنْ هٰذَا دُوْنَ الْوَلِیِّ اَلْوَحْیُ بِالتَّشْرِیْعِ۔" کہ یہ تمام قسم کی وحی اللہ کے بندوں یعنی اولیاء میں پائی جاتی ہے۔ ہاں وہ وحی جو نبی کے لیے مخصوص ہے اور ولی کو نہیں ملتی ، وحی تشریعی ہے۔"

پس ایسی وحی جس میں کوئی نیا حکم مخالف قرآن ہو نہیں اترے گی اگر کوئی امتی نبی مبعوث ہوتا ہے اور اسے وحی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو اس میں کوئی عقلی اور نقلی روک نہیں بشرطیکہ

اس میں کوئی ایسا امر نہ ہو جو قرآن مجید کے خلاف ہو، حضرت عبدالوہاب الشعرانی فرماتے ہیں:
"اِعْلَمْ اَنَّہٗ لَمْ یَجِئْ لَنَا خَبَرٌ اِلٰہِیٌّ اَنَّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَحْیَ تَشْرِیْعٍ اَبَدًا اِنَّمَا لَنَا وَحْیُ الْاِلْہَامِ" (الیواقیت والجواہر جزء ۲ ص۳۸)

کہ ہمیں خدا کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی تشریعی کبھی نازل ہو گی البتہ ہمارے لیے وحی الالہام ضرور موجود ہے:
اس میں وحی الالہام کے الفاظ صرف اس لیے استعمال کئے گئے ہیں تاکہ قارئین کرام یہ ملحوظ رکھیں اور ہرگز نہ بھولیں کہ ایسی وحی جس میں کوئی نیا حکم خلافِ قرآن مجید نہیں وہی نازل ہو سکتی ہے اور وہ وحی جس میں کوئی نیا حکم ہو خواہ اسے وحی تشریعی کہیں یا وحی نبوۃ ہرگز نازل نہ ہو گی۔

علامہ الوسیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:
"اِعْلَمْ اَنَّ بَعْضَ الْعُلَمَاءِ اَنْكَرُوْا نُزُوْلَ الْمَلَكِ عَلٰى قَلْبِ غَيْرِ النَّبِيِّ لِعَدَمِ ذَوْقِہٖ لَہٗ وَالْحَقُّ اِنَّہٗ يَنْزِلُ وَلٰكِنْ بِشَرِيْعَةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ (روح المعانی جزء ۲۲ ص۲۲۶)

کہ تمہیں یہ علم ہونا چاہیئے کہ بعض علماء نے انکار کیا ہے۔ غیر نبی کے دل پر فرشتہ کے نازل ہونے کا کیونکہ اس نے اس کا مزہ نہیں چکھا حق بات یہ ہے کہ فرشتہ تو نازل ہوتا ہے، لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ۔"
نہ کہ کوئی دوسری شریعت لیکر۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے خود تحریر فرمایا ہے:
"کَفَاکُمْ فَخْرًا اَنَّ اللّٰہَ اِفْتَتَحَ وَحْیَہٗ مِنْ اٰدَمَ وَخَتَمَ عَلٰی نَبِیٍّ کَانَ مِنْکُمْ وَمِنْ اَرْضِکُمْ" (التبلیغ ص۲۴۴)
"کہ تمہارے لیے یہی کافی فخر ہے (اے اہل عرب!) کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کا آغاز آدم سے کیا اور ایک عظیم الشان نبی پر ختم کی جو تم میں سے اور تمہارے ملک سے ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم"
اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کی ایک ہی تحریر کو لے لینا اور باقی تحریروں کو نظر انداز

کر دینا جائز نہیں ہوتا، جہاں حضور نے مذکورہ ارشاد فرمایا تھا وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا۔
" لَمَّا بَلَغْتُ اَشُدَّ عُمْرِیْ وَ بَلَغْتُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً جَاءَتْنِیْ نَسِیْمُ الْوَحْیِ " (التبلیغ صـ۵۴۸)
" کہ جب میں جوان ہوا اور میری عمر چالیس برس کو پہنچی تو مجھے وحی کی باد نسیم پہنچی "
پھر حضور نے فرمایا:
" وَ اَوْحٰی اِلَیَّ رَبِّیْ مَا اَوْحٰی " (صـ۳۸۲) کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ چاہا میری طرف وحی کیا "

دراصل حضور نے اپنی کتاب (توضیح المرام صـ۱۴) پر وحی کے متعلق پہلے ہی وضاحت فرما دی تھی، فرمایا:
" اَلْحَدِیْثُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ النُّبُوَّةَ التَّامَّةَ الْکَامِلَةَ لِوَحْیِ الشَّرِیْعَةِ قَدِ انْقَطَعَتْ وَلٰکِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْهَا اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ فَهِیَ بَاقِیَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا انْقِطَاعَ لَهَا اَبَدًا "
" یعنی حدیث لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ (الحدیث) دلالت کرتی ہے کہ نبوت تامہ کاملہ جو اپنے اندر وحی شریعت رکھتی ہو ختم ہو چکی ہے لیکن وہ نبوت جس میں مبشرات کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا وہ قیامت تک باقی ہے ہرگز ختم نہ ہوگی۔
اس سے معلوم ہوا کہ وہ وحی جو ایک " متبع نبی " پر نازل ہو اور اس میں کوئی نئی شریعت نہ ہو صرف وحی مبشرات ہو۔ وہ جاری و ساری ہے کبھی منقطع نہ ہوگی۔
خدا تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے کلام کیا، لیکن بعض ایسے نبی تھے جنہیں نئی شریعت عطا کی گئی تھی اور بعض ایسے نبی تھے جنہیں کوئی نئی شریعت عطا نہ کی گئی تھی، اس طرح وحی بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ متبوع نبی کی طرف جو کلام الٰہی نازل ہوا وہ وحی ہے اور جو متبع نبی کی طرف نازل ہوا وہ وحی نہیں، دونو ہی خدائے پاک کا کلام ہونے کی وجہ سے وحی کے نام سے موسوم ہیں، انہیں لغوی معنی میں کتاب کا نام دیا جائے تو بھی صحیح ہے اور اس لحاظ سے ہر ایک نبی کتاب لایا ہے، لیکن قرآنی اصطلاح میں الکتاب وحی تشریعی پر مشتمل ہونیکی وجہ سے کتاب شریعت کہلائیگی اور دوسری عام الکتاب کے نام سے موسوم نہ ہوگی دیکھئے حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"وَالفَرْقُ بَيْنَ الهُدٰى وَالذِّكْرٰى اَنَّ الهُدٰى مَا يَكُوْنُ دَلِيْلاً عَلَى الشَّيْئِ وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِهٖ اَنْ يَذْكُرَ شَيْئًا اٰخَرَ كَانَ مَعْلُوْمًا ثُمَّ صَارَ مَنْسِيًّا وَ اَمَّا الذِّكْرٰى فَهِيَ الَّذِىْ يَكُوْنُ كَذٰلِكَ فَكُتُبُ اَنْبِيَاءِ اللهِ مُشْتَمِلَةٌ عَلٰى هٰذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ بَعْضُهَا دَلَائِلُ فِىْ اَنْفُسِهَا وَبَعْضُهَا مُذَكِّرَاتٌ لِمَا وَرَدَ فِى الْكُتُبِ الْاِلٰهِيَّةِ الْمُتَقَدِّمَةِ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ صــ۳۲)

"کہ الھدٰی اور الذکرٰی کا فرق یہ ہے کہ الھدٰی اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر بطور دلیل ہو اور اس میں کوئی شرط نہیں کہ وہ کوئی ایسی بات ذکر کرے جو پہلے معلوم تھی اور پھر بھلا دی گئی، لیکن الذکرٰی سے یہی مراد ہے پس انبیاء کی کتابیں ان دونو قسموں پر مشتمل ہیں بعض تو خود دلائل ہیں اور بعض کتابیں یاد دہانی کراتی ہیں ان باتوں کی جو ان سے پہلی کتب میں وارد ہیں"

اس کی واضح مثال زبور کی ہے مشہور یہی ہے کہ وہ ایک کتاب ہے جو داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔ ساتھ ہی علماء اور مفسرین اس امر کا بھی برملا اقرار کرتے ہیں کہ اس میں کوئی نیا حکم نہیں ملتا، بلکہ اس میں تاکید ملتی ہے کہ شریعت تورات پر عمل کیا جائے چنانچہ آیت وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (النساء آیت ۱۶۴) کے ماتحت لکھا ہے:

"اِسْمٌ لِلْكِتَابِ الَّذِىْ اُنْزِلَ عَلٰى دَاوٗدَ وَهُوَ مِائَةٌ وَّخَمْسُوْنَ سُوْرَةً لَيْسَ فِيْهَا حُكْمٌ وَّلَا حَلَالٌ وَّلَا حَرَامٌ بَلْ كُلُّهَا تَسْبِيْحٌ وَّتَقْدِيْسٌ وَّتَمْجِيْدٌ وَّثَنَاءٌ عَلَى اللهِ تَعَالٰى وَمَوَاعِظُ" (تفسیر الخازن جزء ۱ صــ۵۱۹) (تفسیر الفتوحات الالٰھیۃ جزء ۱ صــ۴۷)

"کہ زبور اس کتاب کا نام ہے جو داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی اس کی ایک سو پچاس سورتیں (باب) ہیں ان میں کوئی نیا حکم نہیں اور نہ ہی حلال اور حرام کا بیان ہے بلکہ وہ تمام کی تمام تسبیح و تقدیس اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور وعظ پر مشتمل ہیں"

قریباً یہی مضمون حاشیہ الجلالین للشیخ احمد الصاوی جزء ۱ صــ۲۲۵ میں بھی موجود ہے۔ واضح ہو گیا کہ زبور ایک کتاب ہے لیکن اس میں کوئی نیا حکم نہیں پایا جاتا اور نہ ہی حلال و حرام کے متعلق کوئی نئی بات ہے۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۸۴) میں الزُّبُر کے ماتحت لکھا ہے:

"اَلزُّبُرُ اَلْكُتُبُ الْمَقْصُوْرَةُ عَلَى الْحِكَمِ وَالْمَوَاعِظِ وَالْكِتَابُ الْمُنِيْرُ الْوَاضِحُ الْمَعْنٰى الْمُتَضَمِّنُ لِلشَّرَائِعِ وَالْاَحْكَامِ (تفسیر جامع البیان للعلامہ معین بن صفی ص۲۲۲).

کہ الزبر سے مراد وہ کتابیں ہیں جو صرف حکمتوں اور نصائح پر مشتمل ہیں اور الکتاب المنیر سے وہ کتاب جو واضح ہے، اور شرائع اور احکام اپنے اندر رکھتی ہے"۔

علامہ ابوالسعود آیت جَآءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ کے ماتحت لکھتے ہیں:

" وَالْكِتَابُ فِىْ عُرْفِ الْقُرْاٰنِ مَا يَتَضَمَّنُ الشَّرَائِعَ وَالْاَحْكَامَ"۔ (بحاشیہ التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۳) کہ الکتاب عرف قرآن میں اس کتاب الٰہی کو کہا جاتا ہے جس میں (نئے) شرعی احکام ہوں"۔

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ زبور، الزُّبُر وہ صحائف ہیں جو انبیاء کو دیئے گئے لیکن ان میں کوئی نیا حکم اور نئی شریعت نہ تھی، حالانکہ انہیں ہم کتاب کا نام دے رہے ہیں۔ بعض علماء نے کتاب کو صرف اس وحی کے لیے مخصوص قرار دے دیا جس میں کوئی نئی شریعت پائی گئی ہو یا نئے احکام ملتے ہوں، لیکن پھر اسے عرفی معنے کہا جائیگا۔

حضرت امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَلزَّبُوْرُ اِسْمٌ لِلْكِتَابِ الْمَقْصُوْرِ عَلَى الْحِكَمِ الْعَقْلِيَّةِ دُوْنَ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ وَالْكِتَابُ لِمَا يَتَضَمَّنُ الْاَحْكَامَ وَالْحِكَمَ وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ اَنَّ زَبُوْرَ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَتَضَمَّنُ شَيْئًا مِنَ الْاَحْكَامِ"

یعنی بعض علماء کا کہنا ہے کہ زبور اس کتاب کا نام ہے جس کا بیان عقلی حکمتوں تک محدود ہے، اس میں احکام شرعیہ نہیں پائے جاتے اور الکتاب اس کو کہتے ہیں جس میں احکام بھی ہوں اور حکمتیں بھی ہوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زبور میں احکام (جدیدہ) نہیں پائے جاتے"۔

یہاں خدا تعالیٰ کے ایک فرمان کی وضاحت کر دینا ضروری ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے انبیاء کو مبعوث کیا۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۳) تو ان کے ساتھ کتاب بھی نازل فرمائی۔ (نیز دیکھیے سورہ الحدید آیت ۲۵)

یہاں اگر الکتاب سے مراد کلام الٰہی لیا جائے تو کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ بیشک ہر ایک نبی سے خدا تعالیٰ ہمکلام ہوا اور اسے بکثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا شرف عطا ہوا ، لیکن اگر الکتاب سے مراد وہ وحی لی جائے جو نئے احکام اور شرائع پر مشتمل ہو تو پھر تمام انبیاء کو کتاب دیئے جانے کے کیا معنی ہوتے ہ سنیئے !!

علامہ الوسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

" کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ یَأْخُذُ الْاَحْکَامَ اِمَّا مِنْ کِتَابٍ یَخُصُّهٗ اَوْ مِنْ کِتَابِ مَنْ قَبْلَهٗ (روح المعانی)

کہ ہر ایک نبی احکام اخذ کرتا تھا یا تو اپنی اس کتاب سے جو اس پر نازل ہوئی ہوتی یا اپنے سے کسی پہلے نبی کی کتاب سے "

علامہ معین بن صفی اپنی تفسیر (جامع البیان) میں اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں کہ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتَابَ کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک نبی پر الگ الگ کتاب نازل ہوئی ۔

" اِذْ لَمْ یَکُنْ لِبَعْضِهِمْ کِتَابٌ وَاِنَّمَا کَانُوْا یَأْخُذُوْنَ بِکُتُبِ مَنْ قَبْلَهُمْ " کیونکہ بعض انبیاء کی کوئی کتاب نہ تھی وہ صرف اپنے سے پہلے انبیاء کی کتابوں سے احکام اخذ کیا کرتے تھے "

حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے وَاٰتَیْنَاهُمُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ (سورة الانعام آیت ۸۹) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :

" وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ الْمُرَادُ مِنْهُ اَنْ یُؤْتِیَهٗ فَهْمًا تَامًّا لِمَا فِی الْکِتَابِ وَعِلْمًا مُحِیْطًا بِحَقَائِقِهٖ وَاَسْرَارِهٖ وَهٰذَا هُوَ الْاَوْلٰی لِاَنَّ الْاَنْبِیَاءَ الثَّمَانِیَةَ عَشَرَ الْمَذْکُوْرِیْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ کِتَابًا اِلٰهِیًّا عَلَی التَّعْیِیْنِ وَالتَّخْصِیْصِ " (التفسیر الکبیر جزء ۴ صہ ۸۶)

" یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب دینے سے مراد اس آیت میں یہ ہو کہ خدا تعالےٰ نے ان انبیاء کو اس کتاب کا پورا پورا فہم عطا کیا تھا اور ایسا علم دیا تھا جو اس کے اسرار اور حقائق پر محیط تھا اور یہی معنے زیادہ مناسب ہیں کیونکہ ان اٹھارہ انبیاء میں سے جو اس آیت سے پہلے مذکور ہیں ہر ایک کو الگ الگ کتاب نہیں دی گئی تھی "

ایک ولی اللہ فرماتے ہیں :-

اَنْتَھٰی اِلَیْکَ نُفُوْبًا طَالَمَا ظَمِئَتْ
سَحَائِبُ الْوَحْیِ فِیْھَا اَبْحُرُ الْحِکَمِ

اجماع اور ختمِ نبوت

بفضلہ تعالیٰ یہ واضح ہو گیا کہ خدا تعالیٰ امت محمدیہ کے اولیاء سے بھی ہمکلام ہوتا ہے اور بوقت ضرورت انہیں اپنی وحی سے نوازتا ہے اور جب یہ مکالمہ و مخاطبہ کثرت سے ہو اور عظیم الشان غیب کی خبروں پر مشتمل ہو تو اسے نبوت کہا جاتا ہے اور جس پر ایسا کلام نازل ہو اور اسے خدا نبی کا خطاب بھی دیدے تو وہی نبی ہوتا ہے نئی شریعت کا نزول ایک عارض امر ہے اس لیے یہ بعض انبیاء پر نازل ہو جاتی ہے، لیکن اکثر انبیاء ایسے تھے جو اپنے سے پہلے نبی کی شریعت کے نفاذ اور تجدید کے لیے بھیجے جاتے رہے۔

موعود عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہونگے تو ان کا کام کیا ہوگا؟ اس کی تصریح خود پہلے علماء کرام نے فرما دی ہوئی ہے، لکھا ہے:

"اِنَّہٗ یَکُوْنُ مُقَرِّرًا لِاَحْکَامِ ھٰذِہِ الشَّرِیْعَۃِ وَ مُجَدِّدًا اِذْ ھِیَ اٰخِرُ الشَّرَائِعِ وَ نَبِیُّنَا صلی اللہ علیہ وسلم آخِرُ الرُّسُلِ" (لوائح الانوار البھیہ للشیخ محمد بن احمد سفارینی جزء ۲ صفحہ ۹۱)

کہ آنیوالا عیسیٰ اس شریعت محمدیہ کے احکام کو مقرر فرمائیگا اور وہ مجدد ہوگا کیونکہ شریعت محمدیہ آخری شریعت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں" یعنی آخری شریعت لانے والے نبی ہیں۔

کیا وہ نزول کے وقت نبی نہ ہونگے؟ کیا ان کی یہ صفت نبوۃ زائل ہو جائیگی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَقَدِ انْعَقَدَ اِجْمَاعُ الْاُمَّةِ عَلٰی اَنَّہٗ یَنْزِلُ وَیَحْکُمُ بِھٰذِہِ الشَّرِیْعَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَلَیْسَ یَنْزِلُ بِشَرِیْعَۃٍ مُسْتَقِلَّۃٍ عِنْدَ نُزُوْلِہٖ مِنَ السَّمَاءِ وَ اِنْ کَانَتِ النُّبُوَّۃُ قَائِمَۃً بِہٖ وَھُوَ مُتَّصِفٌ بِھَا (لوائح الانوار البھیۃ جزء ۲ صفحہ ۹۰)

کہ اس امر پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ موعود عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے اور شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے دینگے، اور اپنے آسمان سے نزول کے وقت وہ کوئی مستقل شریعت نہیں لائیں گے اگرچہ ان کی نبوت قائم ہوگی اور وہ نبوت سے متصف ہی ہوں گے۔"

خلاصہ یہ نکلا کہ امت محمدیہ کا اجماع ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک تبع نبی آئیگا اور ضرور آئیگا، یہ واضح رہے کہ قرآن مجید ہر موعود کو آسمان سے نازل ہونے والا قرار دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ فِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ کہ تمہارا رزق بھی آسمان میں ہے اور جس کا بھی تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ آسمان میں ہے۔

ادھر اس اجماع کا دعویٰ اور ادھر بقول علماء اس اجماع کا دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعاً کوئی نبی نہ آئیگا، عوام کے لیے حیرت کا موجب ہے!! البتہ جو شخص ہمارے پچھلے دلائل کا مطالعہ کر چکا ہے اس کے لیے کوئی مشکل پیش نہ آئیگی اور نہ اسے کوئی حیرت لاحق ہوگی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اجماع اس بات پر ہے کہ آپؐ آخری شریعت لانے والے نبی ہیں اور مسیح موعود چونکہ تبع شریعت نبی ہے اس لیے اس کا آنا اس اجماع کے خلاف امر نہیں۔

ایک اجماع یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہ آئیگا جو شریعت اسلام کو منسوخ کرے اور وہ حضور علیہ السلام کا امتی اور تبع نہ ہو۔

دوسرا اجماع اس پر ہے کہ جب امت محمدیہ اندرونی اور بیرونی فتنوں میں گھر جائیگی اور اس کی حالت یہود و نصاریٰ کی سی ہو جائیگی تو اللہ تعالیٰ مسیح موعود امام مہدی کو مبعوث فرمائیگا جو بے شک نبی ہوگا مگر امتی ہوگا اور تبع شریعت محمدیہ ہوگا اس کے ذریعہ اسلام دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آئیگا۔

غور کیجئے! کہ ان دو اجماعوں میں کیا اختلاف باقی رہا؟

اجماع کا مسئلہ سامنے آجانے پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی اجماع پہلے اجماع کے خلاف ہوسکتا ہے؛ اس کا جواب ہمیں علامہ شوکانی کی کتاب (ارشاد الفحول) میں ملتا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں:

(البَحثُ الثَّانِي عَشَرَ) هَلْ يَجُوزُ الإِجْمَاعُ عَلَى شَيْءٍ قَدْ وَقَعَ الإِجْمَاعُ عَلَى خِلَافِهِ فَقِيلَ إِنْ كَانَ الإِجْمَاعُ الثَّانِي مِنَ المُجْمِعِينَ عَلَى الحُكْمِ الأَوَّلِ كَمَا لَوِ اجْتَمَعَ أَهْلُ مِصْرٍ عَلَى حُكْمٍ ثُمَّ ظَهَرَ لَهُمْ مَا يُوجِبُ الرُّجُوعَ عَنْهُ وَأَجْمَعُوا عَلَى ذٰلِكَ الَّذِي ظَهَرَ لَهُمْ فَفِي جَوَازِ الرُّجُوعِ خِلَافٌ مَبْنِيٌّ عَلَى الخِلَافِ المُتَقَدِّمِ فِي اشْتِرَاطِ انْقِرَاضِ عَصْرِ أَهْلِ الإِجْمَاعِ فَمَنِ اعْتَبَرَهُ جَوَّزَ ذٰلِكَ وَمَنْ لَمْ يَعْتَبِرْهُ لَمْ يُجَوِّزْهُ۔" (ص ۷۶)

یعنی اس امر پر بحث ہوئی ہے کہ کیا کسی ایسے حکم پر اجماع ہوسکتا ہے جس کے خلاف کسی دوسرے حکم پر پہلے اجماع ہوچکا ہو؛ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر دوسرا اجماع بھی ان علماء مجتہدین کی طرف سے کیا گیا ہو جنہوں نے پہلے حکم پر اجماع کیا تھا جیسے کہ اگر ایک علاقہ کے لوگ ایک بات پر اجماع کریں پھر انہیں مناسب معلوم ہو کر اس اجماع سے رجوع کریں اور پھر وہ دوسری بات پر جسے مناسب سمجھیں اجماع بھی کرلیں تو ایسے رجوع کے جائز ہونے کے بارے میں اختلاف ہوا ہے اور یہ اختلاف اس پہلے اختلاف پر مبنی ہے کہ ایک حکم پر اجماع کرنیوالے مجتہدین کا زمانہ ختم ہوجانا اس حکم کے حجت ہونےکے لیے شرط ہے یا نہیں؛ جنہوں نے اسے شرط قرار دیا ہے انہوں نے اس حکم سے رجوع کو بھی جائز کہا ہے اور جنہوں نے ان علماء مجتہدین کے زمانہ کا گزر جانا اجماعی حکم کے حجت ہونے کے لیے شرط قرار نہیں دیا وہ اس اجماع سے رجوع کو کلی جائز قرار نہیں دیتے۔"

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس شرط کے متعلق علماء کا کیا خیال ہے سو حضرت امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(البحث العاشر) اِخْتَلَفُوا هَلْ يُشْتَرَطُ انْقِرَاضُ عَصْرِ أَهْلِ الإِجْمَاعِ فِي حُجِّيَّةِ إِجْمَاعِهِمْ أَمْ لَا؛ فَذَهَبَ الجُمْهُورُ إِلَى أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ وَذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الفُقَهَاءِ وَمِنْهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَ

جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُتَكَلِّمِيْنَ مِنْهُمُ الْاُسْتَاذُ اَبُوْ بَكْرِ بْنِ فَوْرَكٍ اِلٰى اَنَّهٗ يَشْتَرِطُ۔
(ارشاد الفحول ص۷۳)

کہ علماء نے اس امر میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا اجماع کے حجت ہونے کے لیے اجماع کرنیوالے علماء کے زمانہ کا گذر جانا شرط ہے یا نہیں، جمہور علماء تو کہتے ہیں کہ شرط نہیں، لیکن فقہاء کی ایک جماعت جن میں سے ایک حضرت احمد بن حنبل بھی ہیں اور ایک جماعت متکلمین کی جن میں سے ایک استاد ابوبکر بن فورک بھی ہیں اس خیال کی ہے کہ اجماع کے حجت ہونے کے لیے اجماع کرنیوالے علماء کا زمانہ پہلے گذرنا شرط ہے۔"

ان دونو حوالجات سے ظاہر ہوگیا کہ فقہاء کی ایک جماعت جن میں سے ایک حضرت امام احمد بن حنبل بھی ہیں اور متکلمین کی ایک جماعت جن میں سے ایک استاد ابوبکر بن فورک بھی ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ اگر پہلے کسی حکم پر اجماع ہوگیا ہو تو وہی علماء مجتہدین اگر سمجھیں کہ وہ اجماع صحیح نہیں ہوا یا زیادہ مناسب نہیں ہوا تو وہ اس سے رجوع کرکے دوسرے زیادہ بہتر حکم پر اجماع کرسکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اجماع کی حیثیت قرآن مجید یا حدیث صحیح کی طرح نہیں۔ کیونکہ نہ قرآن مجید کی آیات کو بدلا جاسکتا ہے اور نہ حدیث صحیح کو، اسی لیے جو لوگ سرے سے اجماع کے قائل ہی نہیں انھیں کافر قرار نہیں دیا جاتا کیونکہ اجماع کے حجت قطعیہ ہونے میں شبہات ہیں۔

اور غالباً اسی بنا پر حضرت ولی اللہ شاہ صاحب نے یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ

"ممکن ہے کہ مصداقِ آیت مصداقِ اجماع کے مخالف ہو"

(کتاب الفوز الکبیر ص۸۱ مترجم مولوی رشید احمد صاحب انصاری)

پس جو لوگ اجماع پر ہی بھروسہ کرتے ہیں انہیں

اوّل: تو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ ان کا یہ اجماع کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً کوئی نبی نہیں آئیگا، علماء محققین ومجتہدین کا اجماع نہیں، عوام کا خیال ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ یہ معتزلہ اور جہمیہ کا خیال ہے جو اپنا لیا گیا ہے۔

دوم: کہ احادیث صحیحہ متواترہ کی بنا پر تمام آئمہ اہل السنت والجماعت اور تمام حفاظ محدثین بلکہ شیخ سفارینی کے مطابق تمام امت کا اجماع ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود نبی اللہ جو امام مہدی بھی ہوں گے تشریف لائیں گے۔

غرض سچا اور حقیقی اجماع یہ ہے کہ مسیح موعود نبی اللہ آخری زمانہ میں تشریف لائینگے مگر وہ امتی نبی ہونگے اور متبع شریعت محمدیہ ہونگے اور اس لیے مبعوث ہونگے کہ اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کیا جائے اور دلائل و براہین سے انھیں شکست دی جائے۔

پھر ایک اور اہم بات جسے کوئی شخص نظر انداز نہیں کر سکتا وہ یہ ہے کہ ختم نبوت کے عقیدہ کی بنیاد آیت مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (سورہ احزاب) کی آیت پر ہے اور قرآن مجید کے حق میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کے مطالب وحقائق کی کوئی حد نہیں سنیئے اور غور فرمائیے!

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا:

"لَوْ اَرَدْتُ اَنْ اُوْقِرَ مِنَ الْفَاتِحَۃِ حِمْلَ سَبْعِیْنَ بَعِیْرًا لَفَعَلْتُ"

کہ اگر میں چاہوں کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹوں کو لاد دوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔"

۲۔ اسی کے آگے لکھا ہے کہ حضرت الخواص نے فرمایا:

"مِمَّا مَنَّ اللّٰہُ بِہٖ عَلَیَّ اَنْ اَعْطَانِیْ مِائَۃَ اَلْفِ عِلْمٍ وَتِسْعَۃً وَتِسْعِیْنَ اَلْفًا مِنْ عُلُوْمِ الْفَاتِحَۃِ" (حاشیہ الجلالین للصاوی جزء اص[۶۲])

"کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسانات میں سے مجھ پر ایک یہ بھی ہے کہ فاتحہ کے علوم میں سے اس نے مجھے ایک لاکھ ننانوے ہزار علم عطا فرمائے ہیں۔"

۳۔ علامہ احمد الصاوی خود قرآن مجید کے متعلق فرماتے ہیں:

"اِنَّ مَعْنَاہُ کَثِیْرُ الْفَوَائِدِ وَالْمَعَانِیْ لَا یُدْرِکُہٗ عَقْلٌ وَاحِدٌ فَھُوَ کَالْبَحْرِ الْمُحِیْطِ" (حاشیہ الجلالین جزء ۴ ص[۲۱۹])

کہ قَوْلًا ثَقِیْلًا کے زیادہ عمدہ معنے یہ ہیں کہ قرآن کریم اپنے اندر بہت سے فوائد اور معانی رکھتا ہے کوئی ایک عقل بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتی وہ بحر محیط کی مانند ہے۔"

۴۔ اس سے آگے ہی وہ علامہ بوصیری رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کرتے ہیں ؎

"لَھَا مَعَانٍ کَمَوْجِ الْبَحْرِ فِیْ مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْھَرِہٖ فِی الْحُسْنِ وَالْقِیَمِ

کہ ان آیات کے معنی سمندر کی موج کی طرح ہیں جس کے بعد دوسری موج آرہی ہو۔"

۵۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

" عُلُومُ الْقُرْاٰنِ وَمَا يُسْتَنْبَطُ مِنْهُ بَحْرٌ لَا سَاحِلَ لَهٗ " (الاتقان جزء ۲ ص۱۸۱) کہ علوم قرآنی اور جو کچھ اس سے مستنبط کیا جاتا ہے وہ ایک سمندر کی مثال ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔"

۶۔ حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

" اَلْقُرْاٰنُ بَحْرٌ لَا نِهَايَةَ لَهٗ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۲۴۶)

کہ قرآن کریم ایک سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔"

۷۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب (الاملاء عن اشکالات الاحیاء) میں فرماتے ہیں:

" رَأَوْا كُلَّ اٰيَةٍ مِنْ كَلَامِهٖ تَعَالٰى بَحْرًا مِنْ اَبْحُرِ الْعِلْمِ (حاشیہ احیاء علوم الدین جزء ۱ ص۲۱۱)

" کہ مقربین الٰہی ہر ایک آیت قرآنیہ کو علم کے سمندروں میں سے ایک سمندر سمجھتے ہیں۔"

۸۔ بعض اور علماء کا کہنا ہے:

" وَقَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لِكُلِّ اٰيَةٍ سِتُّوْنَ اَلْفَ فَهْمٍ۔ (الاتقان جزء ۲ ص۱۸۵) کہ ہر ایک آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں۔"

اس پر علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

" فَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ فِيْ فَهْمِ مَعَانِي الْقُرْاٰنِ مَجَالًا رَحْبًا۔

کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے معانی سمجھنے کے لیے میدان بہت کھلا ہے۔

۹۔ حضرت ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں:

" وَاِنَّ تَحْتَ كُلِّ حَرْفٍ مِنْهُ مَعَانِيَ لَا يُحَاطُ بِهَا كَثْرَةً۔" (الفتاوی الحدیثیة ص۱۸۰) کہ قرآن کریم کے ہر حرف کے اندر اتنے زیادہ معنے ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔"

۱۰۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی یہاں درج کر دینا ضروری ہے۔

" وَذَكَرَ مُقَاتِلٌ فِيْ صَدْرِ كِتَابِهٖ حَدِيْثًا مَرْفُوْعًا لَا يَكُوْنُ الرَّجُلُ فَقِيْهًا كُلَّ الْفِقْهِ حَتّٰى يَرَى لِلْقُرْاٰنِ وُجُوْهًا كَثِيْرَةً۔" (الاتقان جزء ۱ ص۱۴۱)

کہ امام مقاتل نے اپنی کتاب کے شروع میں ایک مرفوع حدیث کا ذکر کیا ہے کہ

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) کوئی شخص کامل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قرآن کریم کی بہت سی وجوہ اور معانی سے واقف نہ ہو۔"

ان اقوال اور توضیحات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم کوئی معمولی کتاب نہیں بلکہ عظیم الشان الٰہی کتاب ہے جس کے معانی اور مطالب کا احاطہ کرنا کسی انسان کا کام نہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ایک آیت کے وہی ایک معنی صحیح ہیں جو وہ سمجھتا ہے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور بالکل بے جا ہے۔ یہ کلام الٰہی عربی زبان میں ہے اور فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ لغت عرب اور محاورہ کے مطابق جو معنے بھی لیے جا سکیں لینا جائز بلکہ مستحسن ہو گا، البتہ یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ معنے کسی دوسری آیت یا فرمان کے مخالف نہ ہوں وبس۔ کیونکہ قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی پر اللہ تعالیٰ اپنی ہزارہا رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے علماء کو بڑی مفید نصیحت فرمائی ہے لکھتے ہیں:

"عالم کو چاہیئے کہ وہ آیات کے مفہوم کو تلاش کرے اور اسی کو اپنا مذہب قرار دے خواہ وہ اس کے مذہب سابق کے موافق ہو یا مخالف لیکن لغت قرآنی کو عرب اول کے استعمالات سے لینا چاہیئے اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار پر کلی اعتماد کرنا چاہیئے۔"

(الفوز الکبیر مترجم اردو ص۹۴)

یہ سمجھیئے کہ خدا تعالیٰ کا کلام بھی اس کی کائنات کی طرح لا محدود اسرار و حقائق پر مبنی ہے اور اس کے عجائبات و نکات حالات زمانہ اور ضرورت کے مطابق کھلتے چلے جاتے ہیں، امام رازی فرماتے ہیں:

اِنَّ الْقَوْمَ وَاِنْ كَانُوْا قَدْ رَاَوْا هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ اِلَّا اَنَّ الْعَجَائِبَ الَّتِيْ اَوْدَعَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ مِمَّا لَا نِهَايَةَ لَهٗ فَهُوَ تَعَالٰى يُطْلِعُهُمْ عَلٰى تِلْكَ الْعَجَائِبِ زَمَانًا فَزَمَانًا (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۳۶۹)

کہ گو لوگ ان چیزوں کو تو دیکھتے ہیں، مگر جو عجائبات ان میں ودیعت ہیں ان کا کوئی انتہا نہیں پس خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں ان عجائبات سے مطلع کرتا رہتا ہے۔"

جماعت احمدیہ خاتم النبیین کے جو مطالب اور معنے پیش کرتی ہے وہ:

۱۔ لغت عرب کے مطابق ہیں۔

۲۔ قرآن و حدیث کے مطابق ہیں۔

۳۔ پہلے بزرگوں کے عقیدہ کے مطابق ہیں۔

۴۔ بلکہ آئمہ اہل السنت والجماعت اور حفاظ محدثین کے بیان کردہ ہیں۔

صرف ایک فرق ہے۔

بعض پہلے بزرگ یہ سمجھتے رہے کہ عیسیٰ بن مریم جو پانچ چھ سو سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوئے وہی دوبارہ تشریف لائینگے۔

ہم اور بعض اور بزرگ اس بات کے قائل ہوئے کہ وہ عیسیٰ موعود امت محمدیہ میں سے ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوگا اور کامل متبع یعنی امام مہدی ہی مجازاً عیسیٰ یا ابن مریم کہلائے گا۔

سوائے اس اختلاف کے ہمارا اور ان بزرگوں سے کوئی اختلاف نہیں ہم سب مانتے ہیں کہ

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

۲۔ قرآن کریم (شریعت اسلام) کامل، ہمہ گیر اور محفوظ ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا نبی نہیں آئیگا۔

۴۔ کوئی ایسا نبی کبھی نہیں آئے گا جو شریعت اسلام کے کسی حکم کو منسوخ کرے۔

۵۔ مسیح موعود تجدید اسلام اور اصلاحِ مسلمین کے لیے نازل ہوگا۔

۶۔ اسے جو کچھ ملیگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملیگا۔

۷۔ گو وہ نبوت غیر تشریعیہ کا حامل ہوگا، نبی کریم کا امتی اور متبع کامل ہوگا۔

۸۔ منصب کے لحاظ سے وہ حکم و عدل ہوگا اور اس کے تمام فیصلے خدا تعالےٰ کی ہدایت اور راہنمائی سے ہونگے۔

۹۔ اسے وحی الہٰی سے مشرف کیا جائیگا مگر وہ وحی تشریعی نہ ہوگی۔

۱۰۔ دنیا کے تمام مذاہب پر اسلام کے دوبارہ غلبہ کی بنیاد اس کے ہاتھوں سے رکھی جائیگی اور وہ ملت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تخمریزی کریگا۔

یہاں میں اپنے تمام منصف مزاج اور سلیم الفطرت بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں

کہ وہ خدارا غور کریں کہ ان کا جواب کیا ہوگا اس سوال پر۔

کیا امت اسلام اپنی اصلاح اور تجدید اسلام کے لیے کسی نبی کی محتاج ہے یا نہیں؟

اگر کہا جائے کہ امت اسلام کسی نبی کی محتاج نہیں ہے تو بالفاظ دیگر ایسا کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئی جھوٹی اور بے حقیقت ہے اور اس طرح آپ معتزلہ اور جہمیہ سے جا ملے۔

اور اگر کہا جائے کہ امت اسلام یقیناً ایک نبی کی محتاج ہے اور نبی کریم نے اس کے ظہور کی خبر بھی دی ہے تو وہ نبی امت محمدیہ سے نہیں آسکتا، خصوصاً جبکہ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ امت خَیْرُ الْاُمَم ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سید الرسل ہیں۔

میرے بھائیو! آخر ہم نبوت جیسی عظیم الشان نعمت سے کیوں محروم کر دیئے جائیں؟ ذرا سوچیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہود نے آپ کا انکار کر دیا اور کہا: "اَلْاَنْبِیَاءُ کُلُّھُمْ مِنَّا فَلَوْ کُنْتَ نَبِیًّا لَکُنْتَ مِنَّا کہ تمام انبیاء ہم میں سے ہوتے رہے اگر تو نبی ہوتا تو ہم میں سے ہوتا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَ ھُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ وَ لَنَا اَعْمَالُنَا وَ لَکُمْ اَعْمَالُکُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ (سورۃ البقرہ آیت ۱۳۹) کہ تو ان کو کہدے! کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور ہمارے بھی عمل ہیں اور تمہارے بھی عمل ہیں۔"

اس پر حضرت احمد الصاوی اپنے (حاشیہ الجلالین جزء ۱ ص۵) پر فرماتے ہیں:

"فَاِنْ کَانَتِ النُّبُوَّۃُ مِنْ جِھَۃِ اِصْطِفَاءِ اللّٰہِ وَ اخْتِیَارِہٖ فَرَبُّکُمْ ھُوَ رَبُّنَا فَیَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَ اِنْ کَانَتْ مِنْ جِھَۃِ الْعَمَلِ فَکَمَا لَکُمْ اَعْمَالٌ تُجَازَوْنَ عَلَیْھَا لَنَا اَعْمَالٌ نُجَازٰی عَلَیْھَا نَحْنُ مُشْتَرِکُوْنَ مَعَکُمْ فِی الْعُبُوْدِیَّۃِ وَالْاَعْمَالِ"

کہ اگر تو نبوت خدا تعالیٰ کی پسند اور انتخاب پر مبنی ہے تو جیسے وہ تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے۔ پس جسے وہ چاہتا ہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے اور اگر نبوت

ہم خدارا غور کریں گے کہ ان کا جواب کیا ہوگا

کا منشا انسانی اعمال پر مبنی ہے تو جیسے تمہارے اعمال ہیں ویسے ہی ہمارے بھی اعمال ہیں۔
خلاصہ یہ کہ ہم اور تم سب خدا تعالیٰ کے برابر کے بندے اور برابر کے عمل کرنے والے ہیں۔"

یہی دلیل امت محمدیہ میں امتی نبی ہو سکنے کے لیے اب بھی صحیح اور سچی تسلیم ہونی چاہیئے اگر خدا تعالیٰ پہلے زمانوں میں اپنے بندوں کی حالت پر رحم کر کے ان کی طرف ہدایت دینے کے لیے اپنے رسول بھیجتا اور اپنے رب ہونے کا ثبوت دیتا رہا تو کیا وجہ ہے کہ اب وہ ہمارے حالِ زار کو دیکھتے ہوئے اپنی طرف سے کوئی ہادی و راہنما ہم میں سے مبعوث نہیں فرما سکتا کیا وہ ہمارا بھی رب نہیں اور ہم اس کے عاجز بندے اور بے بس و بے کس مربوب نہیں اور اس کی مدد کے محتاج نہیں حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

"اِنَّ الرُّبُوْبِیَّةَ تَقْتَضِی الرَّحْمَةَ عَلَی الْمَرْبُوْبِیْنَ ثُمَّ بَیَّنَ اَنَّ تِلْكَ الرَّحْمَةَ وَقَعَتْ عَلٰی وَفْقِ حَاجَاتِ الْمُحْتَاجِیْنَ لِاَنَّهٗ تَعَالٰی یَسْمَعُ تَضَرُّعَاتِهِمْ وَیَعْلَمُ اَنْوَاعَ حَاجَاتِهِمْ فَلِهٰذَا قَالَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص ۲۴۳)

کہ خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے۔ پھر خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ رحمت محتاج بندوں کے حالات کے مطابق نازل ہوتی رہی ہے کیونکہ وہ ان کی عاجزانہ زاری کو سنتا ہے اور تمام قسم کی ضروریات کو جانتا ہے اسی لیے فرمایا کہ وہ سننے والا اور جاننا والا ہے۔"

پھر وہ خدائے پاک ہمارا خالق اور مالک ہے جہاں اس نے ہماری مادی ضروریات کو ہر طور پر پورا کیا، کیا وہ ہماری روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تیار نہیں؟ کیوں نہیں؛ اسی نے تو ہمیں حکم فرمایا ہے کہ اس سے مَالِكَ الْمُلْكِ کے نام پر دعا مانگیں، فرمایا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سورۃ آل عمران آیت ۲۶)

تو کہہ! اے تمام سلطنت کے مالک، تو جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے۔ یقیناً تو ہر ایک چیز پر جس کا تو ارادہ کرے

قادر ہے۔"

اس آیت میں الملک کے ماتحت مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد نبوت ہے حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

"(الاوّل) اَلْمُرَادُ مِنْهُ مُلْكُ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيْمًا وَالنُّبُوَّةُ اَعْظَمُ مَرَاتِبِ الْمُلْكِ (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۴۲۴)

کہ اس آیت میں الملک سے مراد نبوت و رسالت کی حکومت ہے جیسے کہ فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کی آل کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ہم نے انہیں ملک عظیم بھی عطا فرمایا اور نبوت حکومت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔"

حضرت امام الخازن بھی اپنی تفسیر کے جزء ۱ صفحہ ۲۸۱ پر فرماتے ہیں:

يَعْنِيْ النُّبُوَّةَ لِاَنَّهَا اَعْظَمُ مَرَاتِبِ الْمُلْكِ وَذٰلِكَ لِاَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَهُ الْاَمْرُ عَلٰى بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَظَوَاهِرِهِمْ۔"

کہ اس ملک سے مراد نبوت ہے کیونکہ نبوت ملک (حکومت) کا عظیم مرتبہ ہے کیونکہ نبی (اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت و سلامتی ہو) لوگوں کے دلوں پر بھی حکومت کرتا ہے اور ظاہر پر بھی۔"
نیز ملاحظہ ہو (التفسیر الکبیر جزء ۴ صفحہ ۳۸۷) ۔

پس اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ہمیں سکھایا کہ ہم اسے مالک الملک یقین کرتے ہوئے اس سے درخواست کریں کہ وہ ہمیں اپنے فضل سے نوازے اور ہماری تمام ضروریات خصوصاً روحانی ضروریات کو پورا فرمائے اور بڑی سے بڑی نعمت اور رحمت ہمیں عطا فرمائے۔ کس طرح ممکن ہے کہ یہ دعا قبول نہ ہو اور امت میں سے کسی ایک کو بھی یہ منصب اعلیٰ اور اعظم نہ دیا جائے؟

خیال ہو سکتا ہے کہ یہاں تو اس الملک سے مراد نبوت نہیں لی جا سکتی کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ وہ ملک خدا تعالیٰ لے بھی سکتا ہے۔

اس کا جواب بھی مفسرین نے پہلے ہی دے دیا ہوا ہے، چنانچہ علامہ الوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وَمَعْنٰى نَزْعِهَا هٰهُنَا نَقْلُهَا مِنْ قَوْمٍ اِلٰى قَوْمٍ (روح المعانی) کہ یہاں "نزع" سے مراد اس "ملک کو دیکر چھین لینا" نہیں، بلکہ یہ ہے کہ وہ ملک (نبوت) کسی دوسری قوم کو دیدیا جائیگا۔" مثلاً پہلے نبوت کا منصب بنی اسرائیل کو دیا جاتا رہا لیکن جب انہوں نے

متواتر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کا انکار کیا ان کی تکذیب کی حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے مار دینے کی کوشش کی تو وہ نعمت بنی اسماعیل میں منتقل ہوگئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا دیا گیا۔

کیا قابل تعجب بات نہیں کہ بنی اسرائیل کی نگرانی اور راہنمائی کے لیے تو متواتر انبیاء بھیجے جاتے رہے اور خدا تعالیٰ ان کی روحانی ضروریات کو پورا کرتا رہا اور انہیں بیدار کرنے کے لیے اپنے بندے بھیجتا رہا مگر اس خیر الامم کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں فرماتا حالانکہ اس وقت اس میں شدید اختلافات موجود ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حَکَم عدل کے مقتضی ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسیح موعود نبی اللہ کے آپ کے بعد حَکَم عدل ہونے کی پیشگوئی بھی موجود ہے علامہ الخازن فرماتے ہیں:

"فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ اَعْلَمَ مُوْسیٰ اَنَّہٗ یَبْعَثُ مِنْ بَعْدِہٖ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَنْبِیَاءَ فَاِنَّہٗ لَمْ یُبْعَثْ فِیْ اُمَّۃٍ مَا بُعِثَ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فَکَانَ ھٰذَا شَرَفًا عَظِیْمًا لَھُمْ وَنِعْمَۃً ظَاھِرَۃً عَلَیْھِمْ۔" (تفسیر الخازن جزء ۲ صفحہ ۲۵)

کہ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی خدا تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ میں تیرے بعد بنی اسرائیل میں نبی مبعوث فرماتا رہوں گا اس لیے کوئی ایسی امت نہیں ہے جس میں اتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہوں جتنے کہ بنی اسرائیل میں ہوئے، پس یہ ایک بڑا شرف تھا اور بڑی نعمت تھی جو انھیں عطا ہوئی۔"

کوئی ہمیں بتائے کہ یہ شرف اور یہ نعمت امتِ محمدیہ کو کیوں عطا نہیں ہو سکتے؟؟ کیوں امتِ محمد کو اس سے محروم قرار دیا جاتا ہے جبکہ ایک نبی اللہ کے ظہور کی پیشگوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود ہے۔

پس دوستو! خدا تعالیٰ ہمیں ہرگز نہیں بھولا، اس نے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی تھی کہ تمہاری امت میں سے ایک نبی اللہ بطور امام مہدی اور حَکَم و عدل بھیجا جائیگا جو مسیح علیہ السلام کا مثیل ہوگا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز کریگا وہ وعدہ کے مطابق آیا اور اپنا کام کر کے چلا گیا، مبارک ہے وہ جو اس کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن پر رکھتا ہے کیونکہ اس کی اطاعت درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔

اے مالک الملک ہم تیرے ممنون ہیں کہ تو نے ہر وقت ہم پر نظر کرم کی اور ہماری راہنمائی

کے لیے ہمارے پاس اپنا ایک بندہ بھیجا جس نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا اور ہماری اصلاح فرماکر ہمارے دلوں میں تیری اور تیرے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زندہ کردی اور پھر ہمیں توفیق ملی کہ تیرے دینِ کامل اسلام کی کچھ خدمت بھی کرسکیں۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔

خدا تعالیٰ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریباً چھ سو سال عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث فرمایا تو اس کی دلیل یہ دی:

يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورہ المائدہ آیت ۲۱)

اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا، ایک مدت تک رسولوں کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد وہ تمہارے سامنے (خدا کے احکام اور تمہارے فرائض) بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی خدا کا بندہ نہ آیا جو ہمیں خدا کی رحمتوں کی بشارت دے اور اس کے عذاب سے ڈرائے۔ پس تمہارے پاس ایک بشیر و نذیر (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپہنچا اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔" اس پر امام رازی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

"اِنَّ حُصُوْلَ الْفَتْرَةِ يُوْجِبُ اِحْتِيَاجَ الْخَلْقِ اِلٰى بَعْثَةِ الرُّسُلِ وَلَمَّا كَانَ الْخَلْقُ مُحْتَاجِيْنَ اِلَى الْبَعْثَةِ وَالرَّحِيْمُ الْكَرِيْمُ قَادِرًا عَلَى الْبَعْثَةِ وَجَبَ فِيْ كَرَمِهٖ وَرَحْمَتِهٖ اَنْ يَبْعَثَ الرُّسُلَ اِلَيْهِمْ"
(التفسیر الکبیر جزء ۳ صـ۳۸۷)

کہ فترۃ کا زمانہ ثابت کرتا ہے کہ مخلوق اس بات کی محتاج ہے کہ اس کی طرف رسول بھیجے جائیں اور جب مخلوق محتاج ہوئی اور خدائے رحیم وکریم رسول مبعوث کرنے پر قادر بھی ہے تو اس کے کرم اور رحم کی رو سے واجب ٹھہرا کہ وہ ان کی طرف رسول مبعوث فرمائے۔"

ہم کہتے ہیں کہ اگر صرف پانچ چھ سو سال کا عرصۂ فترۃ ثابت کرتا ہے کہ مخلوق روحانی

راہنمائی محتاج ہوگئی ہے اور خدائے رحیم وکریم کے رحم اور کرم کے رو سے رسول کا آنا ضروری ہوگیا ہے تو کیا تیرہ چودہ سو سال تک فترۃ کا زمانہ بدرجہ اولیٰ یہ ثابت نہیں کرتا ہے کہ اب مخلوق پہلے سے بھی زیادہ کسی روحانی راہنمائی کی محتاج ہے اور کیا خدائے رحیم وکریم کا رحم وکرم پہلے کی نسبت زیادہ جوش میں آنے اور کوئی نبی اور رسول بھیجنے کے لیے تیار نہیں ہوا ہے یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قریباً چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔

میرے بھائیو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پہلے ہی ہمیں بشارت سنا دی تھی کہ آخری زمانہ میں ہماری راہنمائی کے لیے ایک مسیح جو نبی اللہ ہوگا مبعوث کیا جائے گا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

غرض جب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نبی اللہ عیسیٰ کے آنے کی بشارت دی تو واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک "ختم نبوت" کے وہ معنی اور تفسیر صحیح نہیں جو عوام یا معتزلہ اور جہمیہ کے نزدیک مشہور رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صاحبزادہ ابراہیم، حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے اس وقت پیدا ہوا جب آیت خاتم النبیین نازل ہوچکی تھی، قضاء الٰہی سے وہ فوت ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ لَکَانَ نَبِیًّا (الفتاوی الحدیثیہ ص۱۵۰) و (حدیث ابن ماجہ کتاب الجنائز ص۱۱۱)

کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور نبی ہو جاتا۔"

مطلب یہ ہوا کہ اس کے نبی بن جانے میں صرف اس کی موت روک ہوئی، اگر ختم نبوت کسی امتی کے نبی بننے میں روک ہوتی تو آپ فرماتے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تب بھی نبی نہ بن سکتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں، لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا تو یہ کہ اس کی موت اس کے نبی بننے میں روک بن گئی اگر وہ نہ مرتا تو نبی بن جاتا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ خدا تعالیٰ نے اسے اسی لیے وفات دی تھی تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کہیں وہ نبی نہ بن جائے، نہایت تعجب انگیز ہے کیونکہ نبی بنانا تو خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو کسی کو نبی بنا سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی کسی کو نبی نہیں بنا سکتا۔ پہلے بھی خدا تعالیٰ جسے چاہتا نبی منتخب فرما لیتا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ کو پتہ ہی نہ ہو اور

اس کی مرضی نہ ہو اور پھر کوئی آدمی خود بخود نبی بن جائے۔ پس اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا کہ ابراہیم کو نبی نہ بنایا جائے تو گو ہزار سال وہ زندہ رہتا تب بھی نہ بن سکتا تھا، اس لیے یہ کہنا کہ ابراہیم کو خدا نے اسی لیے وفات دے دی کہ وہ کہیں بغیر ارادۂ الٰہی نبی نہ بن جائے بالکل بے جا خیال ہے، پہلے بھی ہزارہا نبی ہوئے اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں کیا ان کی ساری اولاد کو نبی کا درجہ دیا گیا؟

نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ سام، حام، یافث، ان میں سے کوئی نبی نہ بنایا گیا، حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے دو مشہور بیٹے تھے۔ ہابیل اور قابیل ان میں سے بھی کوئی نبی نہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف دو بیٹے اسماعیل اور اسحاق نبی بنائے گئے باقی دوسری اولاد جو زمران[۱]، یقسان[۲]، مدان[۳]، مدیان[۴]، اسباق[۵] اور سوخ[۶] (کتاب ا۔ تواریخ باب ۱ آیت ۳۲) ہے ان میں سے کوئی نبی نہیں ہوا۔ یہ بات تو اس وقت صحیح ہو سکتی تھی جب یہ کہا گیا ہو کہ ہر ایک نبی کا لڑکا نبی ہوا کریگا، مگر ایسا کوئی قانون یا فرمان الٰہی موجود نہیں ہے اور نہ تھا۔

صحیح مفہوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہی اور صرف یہی ہے کہ ابراہیم کی وفات نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ اسے نبی بنا دیتا، بلکہ ایک روایت میں تو یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

"وَخَرَجَ بِهٖ وَخَرَجَ النَّاسُ مَعَهٗ فَدَفَنَهٗ وَاَدْخَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فِي قَبْرِهٖ فَقَالَ اَمَا وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَنَبِيٌّ ابْنُ نَبِيٍّ وَبَكٰى وَبَكَى الْمُسْلِمُوْنَ حَوْلَهٗ حَتّٰى ارْتَفَعَ الصَّوْتُ۔" (الفتاوی الحدیثیہ ص۱۵۰)

"کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ کے ساتھ نکلے اور دوسرے لوگ بھی ساتھ تھے، آپ نے اسے دفن کیا اور اپنا ہاتھ اس کی قبر میں داخل کر کے فرمایا: خدا کی قسم! وہ نبی ہے اور نبی کا بیٹا ہے۔ پھر آپ روئے تو دوسرے لوگ بھی رو پڑے، حتیٰ کہ آواز بلند ہوئی۔"

یہ روایت حضرت علیؓ کی ہے۔

پھر آگے علامہ ہیثمی لکھتے ہیں:

"وَلَا بُعْدَ فِي اِثْبَاتِ النُّبُوَّةِ لَهٗ مَعَ صِغَرِهٖ لِاَنَّهٗ كَعِيْسَى الْقَائِلِ يَوْمَ وُلِدَ - اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا۔"

"کہ کوئی بعید نہیں اگر یہ کہا جائے کہ انہیں بچپن میں ہی نبوت مل گئی تھی جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ولادت کے دن ہی کہا تھا کہ میں خدا کا بندہ ہوں مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔"

اور آخر میں لکھتے ہیں:

"وَبِہٖ یُعْلَمُ تَحْقِیْقُ نُبُوَّۃِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ فِیْ حَالِ صِغَرِہٖ"

اس سے حضرت ابراہیم کی نبوت کا چھوٹی عمر میں ہی ثابت ہونا معلوم ہوسکتا ہے۔"

کم ازکم اس حدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت ابراہیم بالقوۃ نبی ضرور تھے۔ زندہ رہتے تو بالفعل نبی ہو جاتے۔ بعض لوگ اس حدیث کے متعلق اپنے عدم فہم کی وجہ سے یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس میں عموماً امام نووی کا قول پیش کیا جاتا ہے۔

اس قول یا خیال کے ازالہ کے لیے یاد رکھنا چاہیئے کہ علامہ ابن حجر ہیثمی نے اپنے الفتاویٰ الحدیثیہ صفحہ ۱۵۰ پر ان شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔

۱۔ وہ لکھتے ہیں:

قَدْ تَعَجَّبَ مِنْهُ شَیْخُ الْاِسْلَامِ فِی الْاِصَابَۃِ۔ کہ شیخ الاسلام (ابن حجر عسقلانی) نے نووی کی اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ اپنی کتاب اصابہ میں۔

۲۔" وَقَالَ اِنَّہٗ وَرَدَ عَنْ ثَلَاثٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَلَا یُظَنُّ بِالصَّحَابِیِّ اَنَّہٗ ھَجَمَ عَلٰی مِثْلِ ھٰذَا بِظَنِّہٖ"

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث تین صحابہ سے مروی ہے اور کسی صحابی کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے ایسی روایت صرف اپنے خیال سے بنالی ہو۔

۳۔ پھر علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ نے وہیں ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام درج کیے ہیں، جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے وہ حضرت انس، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر ہیں بلکہ ایک اور روایت اسی مضمون کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کا کچھ حصہ ابھی نقل کیا گیا ہے۔

پھر علامہ محمد بن علی الشوکانی، امام نووی کی اس جرح کے متعلق لکھتے ہیں:

وَھُوَ عَجِیْبٌ مِنَ النَّوَوِیِّ مَعَ وُرُوْدِہٖ عَنْ ثَلَاثَۃٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَکَاَنَّہٗ لَمْ یَظْھَرْ لَہٗ تَاْوِیْلُہٗ" (الفوائد المجموعۃ صفحہ ۱۴۴)

کہ تعجب ہے کہ نووی نے یہ بات کیسے کہہ دی حالانکہ یہ حدیث تین صحابہ سے مروی ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ امام نووی اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔

حضرت ملا علی القاری نے امام نووی کی اس جرح کے متعلق تین لفظ لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں:

"هُوَ تَعْلِيْلٌ عَلِيْلٌ" (مرقاۃ المفاتیح جزء ۵ صـ۳۹۵)

کہ یہ جرح خود کمزور ہے"

خلاصہ یہ کہ اس حدیث نے بصراحت ظاہر کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک "ختم نبوت" کے وہ معنی ہرگز نہیں جو عوام کے ذہن میں سمائے ہوئے ہیں ورنہ آپ کبھی یہ نہ فرماتے کہ اگر میرا لڑکا ابراہیم زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔

سوچیئے کہ خاتم النبیین کے معنوں پر وہ اجماع جس کے ہونے کا دعویٰ بار بار پیش کیا جاتا ہے ان آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے کیسے پایا جا سکتا ہے؛ حقیقت یہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلق نبی کے [illegible] پر کبھی اجماع ہی نہیں ہوا، اجماع ہونے کا دعویٰ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کیونکہ محققین علماء ایسے عقیدہ کے خلاف ہیں۔

پس عوام کی یہ خیالی تفسیر نہ قرآن کریم کے مطابق ہے نہ احادیث صحیحہ کے مطابق ہے اور نہ ہی صحابہ کرام، ائمہ اہل السنت والجماعت، اور حفاظ محدثین کے عقیدہ کے مطابق ہے۔

لغت عرب کی رو سے خاتم النبیین کے مختلف معانی جو ہمارے پہلے بزرگوں نے بیان کئے ہیں وہ درج کئے جا چکے ہیں ایک دو اور معنے بھی سن لیں۔

حضرت علامہ ابوالبقاء اپنی قابل قدر لغت کی کتاب کلیات میں ختم کے ماتحت لکھتے ہیں:

" (اَلْخَتْمُ) ..... وَهُوَ قَرِيْبٌ مِنَ الْكَتْمِ لَفْظًا لِتَوَافُقِهِمَا فِي الْعَيْنِ وَاللَّامِ وَكَذَا مَعْنًى"

کہ ختم اور کتم لفظی لحاظ سے بھی قریب ہیں اور معنی کے لحاظ سے بھی۔ لفظی لحاظ سے اس لیے کہ ان دونو لفظوں کے آخری دو حرف ت اور م برابر ہیں۔

پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ خاتم النبیین کے کیا معنی ہوئے۔

"وَالْاَحْسَنُ اَنَّهٗ مِنَ الْكَتْمِ لِاَنَّهٗ سَاتِرُ الْاَنْبِيَاءِ بِنُوْرِ شَرِيْعَتِهٖ كَالشَّمْسِ تَسْتَتِرُ بِنُوْرِهَا الْكَوَاكِبُ كَمَا اَنَّهَا تَسْتَضِيْءُ بِهَا"

کہ احسن معنی یہی ہیں کہ خاتم کا لفظ کتم سے ہے کیونکہ آپ اپنی شریعت کے نور سے سورج کی طرح تمام انبیاء کو ڈھانپنے والے ہیں تمام ستارے اس کے نور سے ڈھپ جاتے ہیں جیسے کہ وہ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

اس مفہوم کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال سورج کی سی ہے۔

۲۔ کہ تمام انبیاء آپ سے روشن ہیں جیسے کہ سیارے سورج سے۔

۳۔ کہ سورج کی موجودگی میں ستاروں کا وجود نظر نہیں آتا، لیکن

۴۔ جب سورج نظر نہ آئے تو ستارے اس کی روشنی ہم تک پہنچاتے ہیں۔

یہی وہ لوگ جو آپ سے روشنی حاصل کرتے ہیں ستاروں کی مانند ہیں اور ان میں سے ایک ستارہ چاند کی حیثیت رکھتا ہے جو سورج سے روشنی حاصل کرکے مخلوق خدا کو اس وقت روشن کرتا ہے جب سورج اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔

اس تفسیر کے لحاظ سے کسی امتی نبی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مبعوث ہونا کسی لحاظ سے ختم نبوت کے منافی نہیں اور ہرگز نہیں، کیونکہ اس کی روشنی اور نور درحقیقت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہی ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل اور عکس ہی ہے۔

حضرت محدث عبدالحق دہلوی نے فتوح الغیب کی فارسی زبان میں ایک شرح لکھی ہے اس میں ختم نبوت کو روحانی مدارج کا ایک انتہائی اعلیٰ درجہ بیان کیا گیا ہے لکھتے ہیں:

"نخست مرتبۂ ایمان است پس ازاں درجۂ علم، بعد ازاں ولایت بارلیت وصدیقیت و ہرچہ گویند درجات و مراتب ولایت، پس ازاں نبوت و رسالت و ذوالعزمیت و بعد از ہمہ ختمیت و محمدیت۔"

(شرح فتوح الغیب مقالہ نمبر ۵۶)

"کہ سب سے پہلا درجہ ایمان کا ہے پھر علم کا اس کے بعد ولایت،

بدلیت اور صدیقیت اور دیگر درجات و مراتب ولایت کا جو صوفیاء بیان کرتے ہیں اس کے بعد اور اوپر درجہ نبوت اور رسالت اور اولوالعزمی کا اور ان سب درجوں سے بعد میں درجہ ختمیت اور محمدیت کا ہے"

ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ یہ ختمیت اور محمدیت کا درجہ صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے نہ آپ سے پہلے کسی کو حاصل ہوا اور نہ آئندہ کسی کو حاصل ہوگا، البتہ جیسے پہلے انبیاء کا نور آپ سے ہے آئندہ آنے والے بھی آپ سے ہی نور حاصل کر سکیں گے، آپ کے فیض کے دروازے کھلے ہیں اور کھلے رہیں گے آپ کو چھوڑ کر یا آپ سے منہ موڑ کر کوئی روحانی فیض کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا، علامہ الصادی نے اپنے (حاشیہ الجلالین جزء ۲ صـ۱۴۱) پر لکھا ہے اور کیا خوب لکھا ہے:

"فَهُوَ بَابُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ وَ سِرُّهُ الْأَفْخَمُ وَالْوُصُوْلُ إِلَيْهِ وُصُوْلٌ إِلَى اللّٰهِ لِأَنَّ الْحَضْرَتَيْنِ وَاحِدَةٌ وَمَنْ فَرَّقَ لَمْ يَذُقْ لِلْمَعْرِفَةِ طَعْمًا"

"کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تک پہنچنے کے لیے بڑا دروازہ ہیں اس کا بڑا اہم سِر ہیں اور آپ کے پاس پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے پاس پہنچ گیا، کیونکہ دونو درگاہیں درحقیقت ایک ہیں اور جس نے ان دونو کو جدا سمجھا اس نے معرفت کا کوئی مزا نہیں چکھا"

سیدی محمد البکری الکبیر فرماتے ہیں:

مَا أَرْسَلَ الرَّحْمٰنُ أَوْ يُرْسِلُ — مِنْ رَحْمَةٍ تَصْعَدُ أَوْ تَنْزِلُ
فِيْ مَلَكُوْتِ اللّٰهِ أَوْ مُلْكِهِ — مِنْ كُلِّ مَا يَخْتَصُّ أَوْ يَشْمَلُ
إِلَّا وَطٰهَ الْمُصْطَفٰى عَبْدُهٗ — نَبِيُّهٗ مُخْتَارُهُ الْمُرْسَلُ
وَاسِطَةٌ فِيْهَا وَأَصْلٌ لَهَا — يَعْلَمُ هٰذَا كُلُّ مَنْ يَعْقِلُ
وَأَنْتَ بَابُ اللّٰهِ أَيُّ امْرِئٍ — أَتَاهُ مِنْ غَيْرِكَ لَا يَدْخُلُ

(شواهد الحق صـ۲۱۶)

"یعنی خدا تعالیٰ نے جو رحمت بھی بھیجی یا بھیجے گا، خاص ہو یا عام وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور ذریعہ سے ہی بھیجی جاتی ہے آپ واسطہ بھی ہیں اور ہر رحمت کا

اصل تھی۔ (یعنی باقی سب رحمتیں آپ کی رحمت کا ظل ہیں نا قل) اے محمد! تو اللہ کا دروازہ ہے جو بھی تجھے چھوڑ کر کسی اور راستہ سے آنا چاہیگا وہ خدا تک نہ پہنچ سکیگا۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے خاتم النبیین کے یہی معنے فرمائے ہیں فرماتے ہیں کہ

خاتم النبیین دو غرضوں کے لیے ارشاد ہوا ہے اول اس لیے کہ ظاہر کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام کمالات نبوت ختم ہوگئے ہیں کوئی ایسا کمال نہیں جو آپ کو حاصل نہ ہو اور کسی دوسرے کو حاصل ہوا ہو۔

دوم، اس لیے کہ ظاہر کیا جائے کہ آئندہ آنیوالے نبی آپ کی متابعت کی برکت سے ہی یہ منصب حاصل کر سکیں گے اور آپ کی شریعت کے تابع اور کامل امتی ہونگے اور آنے والے انبیاء گویا آپ کے روحانی فرزند ہونگے۔

فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالاتِ نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی جو ان کی امت سے باہر ہو بلکہ ہر ایک کو جو شرفِ مکالمہ الٰہیہ ملتا ہے وہ انہیں کے فیض اور انہیں کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ امتی کہلاتا ہے نہ کہ کوئی مستقل نبی" (چشمہ معرفت ص۹)

پھر فرمایا:

"خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھکر ہے اب بعد اس کے اور کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت میں خلل انداز نہیں جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا" (کشتی نوح ص۱۵)

پھر حضور فرماتے ہیں :

" غرض اس حصۂ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصۂ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی، کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے، تو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا، اس لیے خدا کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے ۔" (حقیقۃ الوحی صد ۳۹۱)

" یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کا اس امت کے لیے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کی رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے، لیکن قرآن شریف بجز نبی اور رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول سے ظاہر ہے پس مصفّی غیب پانے کے لیے نبی ہونا ضروری ہوا اور آیت انعمت علیهم گواہی دیتی ہے کہ اس مصفی غیب سے یہ امت محروم نہیں اور مصفی غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہ راست بند ہے اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس کے لیے محض بروز ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے ۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ فٹ نوٹ صد)

ان حوالجات سے روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کیوں کہا گیا؟

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک دو شبہات کا ازالہ کیا جائے۔

اول: بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ اگر خدا تعالیٰ آپکو خاتم النبیین قرار نہ دیتا تو شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی کر بیٹھتے، اس لیے خدا تعالیٰ نے خاتم النبیین فرما دیا تاکہ حضرت کو معلوم ہو جائے کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا، اب خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے اور اگر کوتاہی کی گئی تو پھر اس کی کوئی اور پورا نہیں کر سکیگا چنانچہ تفسیر غرائب القرآن میں ہے۔ لِاَنَّ النَّبِیَّ اِذَا عَلِمَ اَنَّ بَعْدَهٗ نَبِیًّا اٰخَرَ یَتْرُکُ بَعْضَ الْبَیَانِ وَالْاِرْشَادِ اِلَیْهِ بِخِلَافِ مَا لَوْ عَلِمَ اَنَّ خَتْمَ النُّبُوَّةِ عَلَیْهِ۔

ان مفسرین کے زعم میں وہ انبیاء جن کے بعد دوسرے انبیاء آتے رہے ہیں نعوذ باللہ خلقت کی نصیحت میں کوتاہی کرتے رہے ہیں اور تبلیغ کا پورا حق ادا نہیں کر سکے اور ہمیشہ اپنے بعد آنے والے انبیاء پر ٹالتے چلے آئے ہیں گویا خدا تعالیٰ نے ان انبیاء کی کوتاہیوں سے اکتا کر اس اندیشہ سے کہ مبادا یہ نبی بھی خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی نہ کر بیٹھے خاتم النبیین کا پیغام بھیجدیا اور جتلا دیا کہ اب انبیاء کا بھیجنا ہم نے موقوف کر دیا ہے کیونکہ وہ خلق اللہ کی نصیحت میں کوتاہی کرتے رہے ہیں اب تم آخری نبی ہو تمہارے بعد تو کوئی نبی نہیں آئیگا اگر تم نے بھی کوتاہی کی تو وہ کوتاہی قیامت تک چلی جائیگی اور تمہاری کوتاہی کو پھر کوئی پورا نہ کر سکے گا کیونکہ اب باب رسالت بند ہو چکا ہے اور تم آخری نبی ہو، بالفاظ دیگر یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (سورۃ المائدہ آیت ۷۰) کافی نہ تھا، حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کو یہ جتلانا پڑا کہ بس اب نبی نہیں آئیگا۔ اس لیے اب اے محمد! تبلیغ دین میں کوتاہی نہ کرنا۔

پس ختم نبوت کی یہ تفسیر کتنی لغو ہے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ایک نبی اللہ عیسیٰ کے آنے کی خود خبر دی ہے اور نبی کی ضرورت کو آئندہ زمانہ کے لیے تسلیم فرمایا ہے۔ پس یہ معنی نہایت ہی گھنونا خیال ہے اور غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ ان مفسرین کا شاید یہ خیال ان کے ذہنوں پر اس لیے غالب رہا کہ وہ انبیاء کو بھی عام لوگوں کی طرح ذمہ داری کا

احساس نہ رکھنے والے انسان سمجھتے رہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوم: بعض یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا روحانی باپ یقین کرتے ہیں اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی آجائے اور ہم اس کو مان لیں تو پھر وہ ہمارا روحانی باپ قرار پائیگا، اس طرح ہمارا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ جائیگا اور یہ بات ہر مخلص مسلمان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

یہ بات بھی کم فہمی کا نتیجہ ہے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کی اولاد بڑی ہو جاتی ہے تو ہر ایک ان میں شادی کرنا اور اپنا گھر بنانا ہے جب ان کے ہاں اولاد ہوتی ہے تو پوتوں اور پوتیوں اور نواسے اور نواسیوں کا تعلق اپنے دادا ابّا سے یا نانا ابّا سے کٹ نہیں جاتا، بلکہ وہ سارے اپنے جدامجد کی عزت کرتے اور اس سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسے کہ اپنے حقیقی باپ سے۔

روحانی سلسلہ میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق نبی ہوئے، کیا حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کو ماننے والوں کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کٹ گیا یا اور مضبوط ہوا؟ قرآن مجید تو اب بھی ابراہیم علیہ السلام کو مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (الاٰية) میں مسلمانوں کا باپ ہی قرار دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہزار سوا ہزار سال میں سینکڑوں انبیاء بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیئے گئے، بلکہ امام رازی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہزاروں انبیاء بھیجے گئے۔ (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۴۸) لیکن اس امت کا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے تو نہیں کٹا تھا۔یعنی جو یہودی ان انبیاء پر ایمان لاتے رہے ان کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منقطع نہیں ہوا تھا بلکہ اور زیادہ مضبوط ہوجاتا رہا کیونکہ وہ بھی یہود کو تلقین کرتے کہ وہ توراۃ پر زیادہ اخلاص سے عمل پیرا ہوں، حضرت داؤد پر ایمان لانے والوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ان کا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے کٹ چکا ہے۔نبی حزقیل اور نبی یرمیاہ کے متبعین نے کبھی نہیں کہا کہ ہم حزقیل یا یرمیاہ کی امت ہیں موسیٰ کی امت نہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک موسیٰ علیہ السلام کی تورات ہی واجب العمل رہی اور تورات کی پیروی کا دم بھرنے والے موسیٰ کی امت کہلانے پر ہی فخر کرتے رہے۔

ہمارے مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ جب تک شریعت اسلام نافذ رہے گی خواہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بذاتہٖ موجود نہ ہوں وہ زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی کہلائیگا۔ امام رازی فرماتے ہیں:

" وَمَا دَامَتْ اَوَامِرُهٗ نَافِذَةً فَالزَّمَانُ زَمَانُهٗ وَاِنْ كَانَ لَيْسَ هُوَ فِيْهِ " (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۵۹)

" کہ جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام نافذ رہینگے وہ زمانہ آپ کا زمانہ ہی ہوگا خواہ آپ خود اس میں موجود نہ ہوں "

اسی طرح جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ہر ایک نبی کا شریعت لانا ضروری ہے تبھی وہ حقیقی مطاع کہلائے گا وہ یہ کہتے ہیں:

" لَوْ كَانَ لَا يَدْعُوْا اِلَّا اِلٰى شَرْعِ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ لَمْ يَكُنْ هُوَ فِي الْحَقِيْقَةِ مُطَاعًا بَلْ كَانَ الْمُطَاعُ هُوَالرَّسُوْلُ الْمُتَقَدِّمُ الَّذِيْ هُوَ الْوَاضِعُ لِتِلْكَ الشَّرِيْعَةِ " (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۲۵۲)

کہ اگر کوئی رسول کسی پہلے رسول کی شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو درحقیقت وہ خود مطاع نہیں ہوگا بلکہ وہ گذشتہ رسول ہی مطاع ہوگا جس نے وہ شریعت لوگوں کے سامنے رکھی تھی "

پس امتی نبی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور فرزندِ جلیل ہے اگر دعوت دیگا تو یہی دعوت دیگا کہ آؤ! روحانی باپ سے وفاداری کا سلوک کرو اور خلوص اور نیک نیتی اور محبت سے اس کے حکموں کو بجا لاؤ اس کی اس دعوت پر لبیک کہنے والے کے متعلق یہ شبہ تک نہیں ہو سکتا کہ ان کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ جائیگا بلکہ اس کی دعوت کی غرض اور مقصد ہی یہ ہوگا کہ ہم سب دل وجان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ رہیں اور وابستگی میں ترقی کریں ۔ اس طرح جہاں ہم اس امتی نبی کی دعوت کو قبول کرینگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور محبت میں حقیقتاً فنا ہونیکی کوشش کرینگے کیونکہ وہ امتی نبی کا بھی باپ ہوگا اور ہمارا بھی باپ ہوگا اور وہ ہمیں ایسے شخص کی طرف کھینچ رہا ہوگا جو ہم سب کا باپ ہوگا۔

ممکن ہے کسی کو خیال گذرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت تو موجود ہے اور عیسائی

مسیح علیہ السلام کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی عزت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔
سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے بلکہ وہ تورات کی شریعت کے ہی متبع تھے، جیسا کہ (انجیل متی باب۵ آیت ۱۷) سے ثابت ہے۔ آپ نے اعلان کیا کہ:

"یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔"

اس واضح اعلان کے بعد کون منصف مزاج یہ کہنے کی جرأت کریگا کہ آپ نے توراۃ کو منسوخ کیا اور نئی شریعت پیش کی؟ البتہ ان پر ایمان لانے والے ایک بھیانک گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور بجائے اس کے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نبی اور رسول مانیں اور جو مقام خدا نے انہیں عطا فرمایا تھا اسی پر ہی انھیں کھڑا کریں انہوں نے انہیں خدا کا بیٹا بلکہ حقیقی خدا تسلیم کرنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے وہ امت موسویہ سے کٹ گئے۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی نئی شریعت پیش نہیں کی تھی اور نہ ہی توراۃ کے کسی حکم کو منسوخ کیا تھا، بلکہ یہی فرمایا کہ توراۃ پر عمل کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن کریم میں آیا ہے۔ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (سورہ آل عمران آیت ۵۰) اس کے معنی مفسرین نے یوں بیان فرمائے ہیں۔ حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

"(احدهما) إِنَّ الْأَحْبَارَ قَدْ وَضَعُوا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ شَرَائِعَ بَاطِلَةً وَنَسَبُوهَا إِلَى مُوسَىٰ فَجَاءَ عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَفَعَهَا وَأَبْطَلَهَا وَأَعَادَ الْأَمْرَ إِلَى مَا كَانَ فِي زَمَنِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ" (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص۴۵۳) کہ علماء یہود نے خود اپنی طرف سے بعض جھوٹی باتیں بنا رکھی تھیں اور انھیں موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا تھا سو عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ان سب باطل باتوں کا ابطال کیا اور جو بات موسیٰ علیہ السلام کے وقت رائج تھی اسے بحال کر دیا۔"

اسی طرح الکمالین شرح الجلالین میں لکھا ہے:

وَقَالَ وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ وَجَمَاعَةٌ "إِنَّ عِيسَىٰ كَانَ يُقِرُّ السَّبْتَ وَيَسْتَقْبِلُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ وَمَا غَيَّرَ شَيْئًا مِنَ التَّوْرَاةِ فَهُمْ فَسَّرُوا قَوْلَهُ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بِأَنَّهُ رَفَعَ شَرَائِعَ بَاطِلَةً اخْتَرَعَهَا الْأَحْبَارُ مِنْ

مسیح علیہ السلام کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی عزت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔
سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے بلکہ وہ تورات کی شریعت کے ہی متبع تھے، جیسا کہ (انجیل متی باب۵ آیت ۱۷) سے ثابت ہے۔ آپ نے اعلان کیا کہ:

"یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں"

اس واضح اعلان کے بعد کون منصف مزاج یہ کہنے کی جرأت کریگا کہ آپ نے تورات کو منسوخ کیا اور نئی شریعت پیش کی؟ البتہ ان پر ایمان لانے والے ایک بھیانک گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور بجائے اس کے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نبی اور رسول مانیں اور جو مقام خدا نے انہیں عطا فرمایا تھا اسی پر ہی انھیں کھڑا کریں انہوں نے انہیں خدا کا بیٹا بلکہ حقیقی خدا تسلیم کرنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے وہ امت موسویہ سے کٹ گئے۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی نئی شریعت پیش نہیں کی تھی اور نہ ہی تورات کے کسی حکم کو منسوخ کیا تھا، بلکہ یہی فرمایا کہ تورات پر عمل کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن کریم میں آیا ہے۔ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (سورۃ آل عمران آیت ۵۰) اس کے معنی مفسرین نے یوں بیان فرمائے ہیں۔ حضرت امام رازی فرماتے ہیں:

"(احدھما) إِنَّ الْأَحْبَارَ قَدْ وَضَعُوْا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ شَرَائِعَ بَاطِلَةً وَنَسَبُوْهَا إِلَى مُوْسَى فَجَاءَ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَفَعَهَا وَأَبْطَلَهَا وَأَعَادَ الْأَمْرَ إِلَى مَا كَانَ فِيْ زَمَنِ مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ" (التفسیر الکبیر جزء ۲ صفحہ ۴۵۳) کہ علماء یہود نے خود اپنی طرف سے بعض جھوٹی باتیں بنا رکھی تھیں اور انھیں موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا تھا سو عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ان سب باطل باتوں کا ابطال کیا اور جو بات موسیٰ علیہ السلام کے وقت رائج تھی اسے بحال کر دیا۔"

اسی طرح الکمالین شرح الجلالین میں لکھا ہے:

وَقَالَ وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ وَجَمَاعَةٌ إِنَّ عِيْسَى كَانَ يُقِرُّ السَّبْتَ وَيَسْتَقْبِلُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ وَمَا غَيَّرَ شَيْئًا مِنَ التَّوْرَاةِ فَهُمْ فَسَّرُوْا قَوْلَهُ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ أَنَّهُ رَفَعَ شَرَائِعَ بَاطِلَةً اِخْتَرَعَهَا الْأَحْبَارُ مِنْ

عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ" کہ حضرت وہب بن منبہ اور بزرگوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سبت (کے تقدس) کے قائل تھے اور بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور آپ نے توراۃ کا کوئی حکم نہیں بدلا۔ سو یہ بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ آپ نے ان باطل باتوں کو جو علماء یہود نے ایجاد کر رکھی تھیں اُٹھا دیا، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کوئی علیحدہ امت قائم نہیں کی تھی اور نہ ہی ان کے حقیقی پیرو اپنے کو امت موسویہ سے کٹا ہوا خیال کرتے تھے، موجودہ عیسائیوں کی حالت ان کی گمراہی کا نتیجہ ہے اور بے بنیاد ہے۔

بہرحال یہ بات واضح ہے کہ کسی امتی نبی کو ماننے یا اس کی اطاعت کرنے سے ہمارا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمزور بھی نہیں ہوگا چہ جائیکہ کٹ جائے۔

ایک سوال باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا تو پھر صرف آخری زمانہ میں نبی کیوں آیا ہے کیوں اس نبی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی عرصہ میں کوئی اور نبی نہ ہوا۔؟

اس کا جواب یہ ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (سورۃ الانعام آیت ۱۲۴) کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے۔ (یعنی کب اور کہاں ضرورت ہے) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دی تو یہ بھی ساتھ ہی بتا دیا کہ میرے اور اس کے درمیانی عرصہ میں کوئی اور نبی نہ ہوگا۔ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ نَازِلٌ (حدیث بخاری کتاب بدء الخلق)

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَۃَ رَبِّکَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَعِیْشَتَھُمْ (سورۃ الزخرف آیت ۳۲) کیا وہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں حالانکہ دنیا میں ان کا روزگار بھی ہم ہی نے تقسیم کیا ہوا ہے۔"

اسی طرح نبوت کا ذکر فرماتے ہوئے دنیا کو آگاہ فرمایا: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ (سورۃ الجمعہ آیت ۴) کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔"

پس کس کو بھیجا جائے، کب بھیجا جائے، کن حالات میں بھیجا جائے وغیرہ کا اختیار

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، ہاں ایک نبی اللہ کے جو مسیح اور امام مہدی کہلائیگا آنے کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیرہ چودہ سو سال پہلے ہی دیدی تھی، اس سے کسی مسلمان کو جو احادیثِ نبویہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، انکار کی گنجائش نہیں۔

میں پھر یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خاتم النبیین کے مشہور معنے جیسے معتزلہ اور جہمیہ اور عوام نے اپنا لیا ہے نہ قرآن مجید کے مطابق ہیں نہ احادیث صحیحہ کے مطابق ہیں اور نہ ہی اہل السنت والجماعت اور محدثین کی تحقیق کے مطابق ہیں، لیکن چونکہ دیر سے یہ غلط خیال پھیلتا چلا آیا ہے اس لیے اسے ہی عقیدہ کی حیثیت دیدی گئی۔ سچ ہے کہ

ہر کفر کہ کہنہ شد مسلمانی شد

(التاج المکلل ص ۳۱۷)

مولوی مودودی صاحب اور اجماع

میری یہ تحقیق نامکمل رہے گی اگر میں حضرت امام غزالیؒ کے اس قول کے متعلق کچھ بیان نہ کروں جو ان کی کتاب (الاقتصاد فی الاعتقاد) میں پایا جاتا ہے اور جسے مولوی مودودی صاحب اور ان کے منفقین نے پیش کر کے لوگوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اگر کوئی انسان خدا تعالیٰ کا خوف نہ رکھتا ہو اور اسے اپنے ہی خیال کی تائید کرنا منظور ہو تو وہ کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔

اس کے متعلق میرے واجب الاحترام بزرگ جناب قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے بہت تفصیل سے اپنی تصنیف "علمی تبصرہ" میں (جو مودودی صاحب کے "رسالہ ختم نبوت" کا ہی جواب ہے) روشنی ڈالی ہے میں نہایت خوشی اور شکریہ کے ساتھ اس مضمون کے بعض ضروری حصوں کو نقل کر دینا چاہتا ہوں اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ حق کی مخالفت میں بڑے بڑے صالح سمجھے جانے والے علماء بھی جادہ اعتدال سے کسقدر دُور جا پڑتے ہیں اور انہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ جو لوگ ان کی ایسی باتوں سے گمراہی کے گڑھے میں گر یں گے ان کا بوجھ بھی ان پر پڑیگا۔

پیشتر اس کے کہ آپ مکرم قاضی صاحب کا مضمون مطالعہ کریں پھر یہ یاد دہانی کرا دینا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کو چار دفعہ نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے اور پھر یہ بھی تصریح فرما دی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی طرف وحی نازل فرمائیگا (دیکھئے حدیث مسلم باب ذکر الدجال روایۃ النواس بن سمعان) مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنے والے کو امام مہدی اور حَکَم و عَدَل کی صفات سے بھی متصف قرار دیا ہے۔ پس وہ شخص جسے خدا تعالیٰ مہدی ٹھہراتا ہے اور اپنی مخلوق کے لیے حَکَم وعَدَل کے عہدہ پر فائز کرتا ہے وہ یقیناً یقیناً نبی ہی ہو سکتا ہے اسی لیے ائمہ اہل السنت والجماعت اور حفاظ محدثین کا یہی عقیدہ ہے کہ آنے والا مسیح نبی اللہ ہوگا، لیکن امتی نبی، نہ کہ مستقل یا مُشرِّع نبی، لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نبی نہ ہوگا اور نہ ہی اس پر وحی اُترے گی، لیجئے اب پڑھیئے کہ مکرم قاضی صاحب کیا فرماتے ہیں۔

"پس یہ دونوں باتیں کہ مسیح موعود نبی کی حیثیت میں مبعوث نہیں ہوگا اور اس پر وحی نازل نہیں ہوگی حدیث نبوی کے بھی خلاف ہیں اور علمائے امت کے عقیدہ کے بھی خلاف ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض علماء نے یہ دونوں باتیں کہاں سے اخذ کی ہیں کیونکہ خدا اور رسولؐ کے اقوال تو ان کا ماخذ نہیں ہو سکتے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مسیح موعود کا امتی نبی کی حیثیت میں آنا علمائے امت کو بجز مودودی صاحب مسلّم ہے اور یہ عقیدہ بموجب حدیث صحیح مسلم خاتم النبیین کے منافی نہیں اور آیت خاتم النبیین کے لازمی معنی آخری شارع اور مستقل نبی قرار پاتے ہیں نہ کہ محض آخری نبی جو بقول مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی محض ایک عامیانہ خیال ہے ہے نہ کہ اہل فہم کے معنی۔ پس مودودی صاحب کا رسالہ "ختم نبوت" ان کا کوئی علمی کارنامہ نہیں محض بعض سطحی خیالات کا مرقع ہے۔

امام غزالیؒ پر افترا

مودودی صاحب نے بعض حوالجات میں کتر و بیونت سے کام لیا ہے لیکن امام غزالی علیہ الرحمۃ کے حوالہ میں صریح تحریف سے بھی کام لیا ہے چنانچہ اپنے رسالہ کے صفحہ ۴۲ پر

مودودی صاحب نے امام غزالیؒ کی کتاب الاقتصاد صفحہ ۱۱۳ کے حوالہ سے ان کی طرف ذیل کی عبارت منسوب کی ہے :-

"امت نے بالاتفاق اس لفظ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے یہ سمجھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کسی نبی اور کسی رسول کے کبھی نہ آنے کی تصریح فرما چکے ہیں اور یہ کہ اس میں کسی تاویل و تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں ہے اب جو شخص اس کی تاویل کرکے اسے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے اس کا کلام محض بکواس ہے جس پر تکفیر کا حکم لگانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے متعلق تمام امت کا اجماع ہے"

(رسالہ ختم نبوت صفحہ ۲۴ - ۲۵)

جن الفاظ پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے یہ الفاظ امام غزالیؒ پر سراسر افتراء ہیں کیونکہ ان کی کتاب الاقتصاد صفحہ ۱۱۳ پر ہرگز ایسے الفاظ موجود نہیں جن کا ترجمہ یہ الفاظ ہو سکیں۔ پس مودودی صاحب نے احمدیوں کو خاتم النبیین کی نص کا مکذب اور کافر ٹھہرانے کے لیے امام غزالی کی طرف یہ الفاظ منسوب کرکے ان پر افتراء کیا ہے کیونکہ الاقتصاد میں کوئی ایسی عبارت موجود نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو سکے بلکہ اس عبارت سے کچھ پہلے امام غزالی تحریر فرماتے ہیں :-

"جو شخص حضرت ابوبکرؓ کے وجود اور ان کی خلافت سے انکار کرے اس کی تکفیر لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ اصول دین میں سے جن کی تصدیق ضروری ہے کسی اصل کی تکذیب نہیں ہے بخلاف حج اور نماز اور ارکانِ اسلام کے۔ ہم اسے اجماع کی مخالفت کی بناء پر کافر نہیں ٹھہرائیں گے کیونکہ ہمیں نظّام کو کافر ٹھہرانے میں بھی اعتراض ہے جو سرے سے اجماع کے وجود کا ہی منکر ہے کیونکہ اجماع کے قطعی حجت ہونے میں بہت شُبہ ہے۔"

جب اجماع کے منکر پر امام غزالی اجماع کے قطعی حجت ہونے میں شُبہ کی بناء پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے اور سرے سے اجماع کے وجود کے منکر کو بھی کافر نہیں ٹھہراتے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ آگے چل کر خود ہی لانبی بعدی کی تاویل کرنے والے کو نصّ کا مکذّب اور کافر ٹھہراتے؟ پس مودودی صاحب نے امام غزالی کی طرف منسوب کرکے جو عبارت نقل کی ہے اسکے خط کشیدہ الفاظ سراسر محرف ہیں اور امام غزالیؒ پر افتراء ہیں۔

ایک دینی عالم کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ حوالہ کے پیش کرنے میں اس قسم کی خیانت سے کام لے۔

مودودی صاحب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ مَیں نے اپنی سمجھ کے مطابق امام غزالیؒ کی تحریر کا مفہوم لکھا ہے کیونکہ تحقیقاتی کمشن کے سامنے دس سوالوں کے جواب میں وہ امام غزالیؒ کی (کتاب الاقتصاد صفحہ ۱۱۳) کی عربی عبارت میں بھی اسی تحریف کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ تحقیقاتی کمیشن کے سامنے انہوں نے عربی عبارت یوں پیش کی تھی جو اُن کے مطبوعہ تیسرے بیان میں بھی درج ہے۔

اِنَّ الاُمَّۃَ فہمت بالاجماع من ھٰذا اللفظِ انّہ اَفہمَ عدم النبیِّ بعدَہٗ ابداً وعَدَمَ رسول بعدہٗ وانّہ لیس فیہ تاویلٌ ولا تخصیصٌ وَمَنْ اَوَّلَہٗ بِتَخْصِیْصٍ فکلامہ من انواع الھذیان لا یمنع الحکم بتکفیرہٖ لانہٗ مکذبٌ لھٰذا النصّ الذی اجمعت الامۃ علی انّہ غیر ماؤّلٍ ولا مخصوصٍ۔“ (الاقتصاد صفحہ ۱۱۳)

اس عبارت میں بھی خط کشیدہ الفاظ محرّف ہیں اور امام غزالی کی کتاب الاقتصاد ص ۱۱۳ میں محولہ عبارت اس طرح موجود نہیں۔

غرض امام غزالیؒ نے ایسے شخص کو جو اجماع کا منکر ہو لیکن وہ اصل نص کو مانتا ہو اس جگہ نص کا مکذب قرار نہیں دیا۔ امام غزالی کے نزدیک تو مأوّل کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کیا مودودی صاحب یا ان کے حامیوں میں یہ جرأت ہے کہ وہ خط کشیدہ عبارت مودودی صاحب کے پیش کردہ الفاظ میں الاقتصاد سے دکھا سکیں؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔

واضح رہے کہ امت محمدیہ کا اجماع صرف اس بات پر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی نبی نہیں آ سکتا، آیت خاتم النبیین اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وغیرہ احادیث سے صرف شارع نبی کے انقطاع پر اجماعِ امت قرار دیا گیا ہے اور جماعت احمدیہ اس اجماع امت کو درست تسلیم کرتی ہے اور اس اجماع میں شریک ہے اور شارع نبی کی آمد کا کسی تاویل و تخصیص کے ساتھ جواز منافی ختم نبوت یقین کرتی ہے۔

آیت خاتم النبیین

اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں فرمایا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مُہر ہیں اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

مودودی صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ آیت سورہ احزاب کے پانچویں رکوع میں نازل ہوئی ہے اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے کفار و منافقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر طعن و تشنیع اور بہتان و افتراء کے طوفان اٹھا رہے تھے۔۔۔۔۔

ان کا اولین اعتراض یہ تھا کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے حالانکہ آپ کی اپنی شریعت میں بھی بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے اس کے جواب میں فرمایا گیا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں"۔ یعنی جس شخص کی مطلقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہوتا تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں"۔

مودودی صاحب کا بیان یہاں تک بالکل درست ہے مگر آگے وہ لکھتے ہیں:-

"ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اچھا اگر منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہے جب بھی اس کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لینا زیادہ سے زیادہ بس جائز ہی ہو سکتا تھا، آخر اس کا کرنا کیا ضرور تھا، اس کے جواب میں فرمایا گیا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی ان کے لیے ضروری

تھا کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کی حلت کے معاملہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں، پھر مزید تاکید کے لیے فرمایا۔ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ یعنی ان کے بعد کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک آنے والا نہیں ہے کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح ان کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی یہ کسر پوری کر دے لہٰذا یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ وہ خود ہی کر کے جائیں۔"
(رسالہ ختم نبوت صفحہ ۶-۷)

یہ دوسرا اعتراض جو کفار و منافقین کی طرف سے آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ پر وارد ہونا مودودی صاحب نے بیان کیا ہے اس کا چونکہ کوئی تاریخی ثبوت مودودی صاحب کے پاس نہ تھا اس لیے رسالہ ختم نبوت کے حاشیہ میں اسے سیاقِ کلام سے ماخوذ قرار دیا ہے مگر آج تک کسی مفسر کا ذہن سوائے مودودی صاحب کے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ سے یہ اعتراض پیدا ہونے کی طرف منتقل نہیں ہوا، بلکہ یہ سوال آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ سے صرف مودودی صاحب کے ذہن کی پیداوار ہے حالانکہ اگلے الفاظ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ دراصل اس سوال کا جواب بن ہی نہیں سکتے کہ چونکہ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اس لیے آپ کے لیے اس نکاح کا کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ سوال تو اس جواب کے بعد بھی باقی رہتا ہے کہ اگر آپ اللہ کے رسول و خاتم النبیین ہیں تو اس نکاح کے جائز ہونے کی صورت میں آپ کے لیے اس کا کرنا کیا ضروری تھا؟ یہ تو کوئی جواب نہیں کہ چونکہ آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں اس لیے آپ کے لیے یہ نکاح کرنا ضروری تھا۔ امت کے لیے ایسے نکاح کی حلت خدا تعالیٰ اپنے کلام میں بیان کر سکتا تھا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول سے اس کی حلت قرار دے سکتے تھے تو کرنا کیا ضرور تھا کا جواب رسول اللہ اور خاتم النبیین کے الفاظ نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ سے اس لیے بھی پیدا نہیں ہوتا کہ اس اعتراض کا جواب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح کیوں کیا ہے؟ جبکہ زید آپ کا

منہ بولا بیٹا تھا اللہ تعالیٰ آیت خاتم النبیین کے نزول سے پہلے خود ان الفاظ میں دے چکا تھا۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (احزاب ع ۵)

یعنی جب زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو ہم نے اس کا نکاح تجھ سے کرا دیا تا مومنوں کے دل میں اپنے منہ بولے بیٹوں کی ازواج سے نکاح کرنے میں جبکہ وہ انہیں طلاق دے دیں کوئی انقباض باقی نہ رہے۔

لہٰذا اس آیت کی موجودگی میں مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ سے کوئی کافر اور منافق یہ سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا کہ آخر اس نکاح کا کرنا کیا ضرور تھا کیونکہ اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی دے چکا تھا پس وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے الفاظ ایسے سوال کا جواب نہیں ہو سکتے۔

اگر اس کے باوجود مودودی صاحب کو اصرار ہو کہ کم از کم ان کے روشن دماغ میں تو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ سے زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ کی موجودگی میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے یہ نکاح کیوں کیا؟ تو ہم انکی خدمت میں عرض پرداز ہیں کہ انہوں نے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے الفاظ کا یہ ترجمہ کس بناء پر کیا ہے کہ "کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک آنے والا نہیں ہے" حالانکہ درکنار کے مفہوم کے لیے آیت ہذا میں کوئی لفظ موجود نہیں بلکہ یہ لفظ آپ نے خاتم النبیین کے اپنے مفروض اور خیالی مفہوم کو سہارا دینے کے لیے ترجمہ میں داخل کر دیا ہے اگر بالفرض اس جگہ مودودی صاحب کے خیال میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس نکاح کا کرنا کیا ضرور تھا؟ تو نکاح تو ایک شرعی مسئلہ تھا جسے ایک شارع نبی ہی اپنے قول یا فعل سے حل کر سکتا تھا اس لیے جواب میں "رسول اللہ" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ اس صورت میں آپ کی شرعی حیثیت کو بیان کرنے کے لیے سمجھے جا سکتے ہیں۔ رسول اللہ کے الفاظ ایک شارع رسول کی حیثیت ظاہر کرنے کے لیے اور خاتم النبیین

کے الفاظ نبیوں میں سے ایک اکمل شریعت لانے والے نبی کی حیثیت کو ظاہر کرنے کے لیے ہیں چنانچہ مودودی صاحب نے خود لکھا ہے :

"یعنی اُن (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ضروری تھا کہ جس چیز کو تمہاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کی حلّت کے معاملے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں" (رسالہ ختم نبوت صٓ)

جب اس غرض کے لیے بقول مودودی صاحب "رسول اللہ" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ لائے گئے تو صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ "رسول" سے مراد "شارع رسول" اور خاتم النبیین" سے مراد نبیوں میں سے شریعت کی ہر طرح سے تکمیل کر دینے والے نبی کے ہوئے جن کے بعد کوئی شارع نبی نہیں آسکتا بلکہ اگر آسکتا ہے تو ان کی خاتمیت کے فیض سے ہی اثر پذیر ہو کر ان کی شریعت کی پیروی کرنے کے بعد بحیثیت ایک امتی نبی ہی کے آسکتا ہے جیسا کہ مسیح موعود کا امتی نبی ہونا حدیثوں میں بھی مذکور ہے اور علماء امت کا بھی مذہب رہا ہے۔ مسیح موعود آپ کے بعد آنے والا بھی تھا اور امتی نبی بھی تھا، لہٰذا امتی نبوت ختم نبوت کے منافی نہیں۔ پس یہ سیاقِ کلام جو صرف مودودی صاحب کے دماغ کی پیداوار ہے اس نے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا بلکہ وہ اپنے مقصد میں سراسر ناکام رہے ہیں۔

اصل سیاق آیت

یہ بات ہم نے مودودی صاحب کے سیاق کو بطور فرضِ محال تسلیم کرکے جواباً لکھی ہے ورنہ اصل سیاق آیت یہ ہے کہ جب خدا نے فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ کہ محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو اس سے کافروں کے دلوں میں طبعاً یہی ایک سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ جب محمد رسول اللہ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو (معاذ اللہ) وہ ابتر اور لاوارث ہوئے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس فقرہ میں آپ کے باپ ہونے کی نفی مطلق طور پر نہیں کی گئی بلکہ جسمانی طور پر باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے ورنہ "رسول اللہ" اور "خاتم النبیین" ہونے کے لحاظ سے آپ معنوی

اور روحانی باپ ضرور ہیں۔ رسول اللہ ہونے کے لحاظ سے آپ امت کے باپ ہیں اور خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے آپ نبیوں کے بھی باپ ہیں نہ کہ مطلق آخری نبی۔

ہمارے پیش کردہ سیاق کی حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند بھی تائید کرتے ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"جیسے خاتم بفتح تا کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوتِ معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوتِ معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط آیت خاتم النبیین شاہد ہے کیونکہ اوصاف معروض اور موصوف بالعرض (یعنی دوسری نبوتیں اور دوسرے نبی) موصوف بالذات کی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) فرع ہوتے ہیں اور موصوف بالذات اوصافِ عرضیہ کی اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجیے۔" (تحذیر الناس صفحہ ۱۰-۱۱)

خاتم النبیین کے ان معنوں کا مفاد وہ یہ بتاتے ہیں:

"اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی (جو نبی آچکے) پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی بلکہ افرادِ مقدرہ (جن کا آنا تجویز کیا جائے) پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔"
(تحذیر الناس صفحہ ۲۸)

حقیقی لغوی معنی سے مودودی صاحب کا انکار

مولوی مودودی صاحب نے خاتم النبیین کے معنی آخری نبی بیان کرنے کے لیے عربی لغت کی کتابوں سے بعض حوالے پیش کیے ہیں مگر جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ حضرت مولوی محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے ایک قول کے مطابق آخری نبی کے معنیٰ کسی ذاتی فضیلت پر

دال نہیں بلکہ یہ خاتم النبیین کے عامیانہ معنے ہیں نہ اہلِ فہم کے معنے۔ اہلِ فہم کے معنے ان کے نزدیک یہ ہیں کہ جیسے خَاتَم بفتح تاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوگا۔" (تحذیر الناس صفحہ ۱۰)

گویا خاتم الانبیاء کے معنیٰ آپ کے نزدیک نبوت میں موثر وجود ہیں ان معنی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ لفظ ختم کے مصدری معنی میں صرف ایجاد کا مفہوم پایا جاتا ہے اور بنیادی طور پر موجد کے لیے صاحبِ کمال اور دوسروں سے افضل ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ مفرداتِ راغب میں جو لغتِ قرآنی کی مستند کتاب ہے، لکھا ہے:۔

"اَلْخَتْمُ وَالطَّبْعُ يُقَالُ عَلٰى وَجْهَيْنِ مَصْدَرُ خَتَمْتُ وَطَبَعْتُ وَهُوَ تَاْثِيْرُ الشَّيْءِ كَنَقْشِ الْخَاتَمِ وَالثَّانِيْ اَلْاَثَرُ الْحَاصِلُ مِنَ النَّقْشِ۔" (المفردات زیر لفظ ختم)

"کہ ختم اور طبع کی دو صورتیں ہیں، صورت اول مصدری معنوں کے لحاظ سے "مہر کے نقش کی طرح آگے اثر پیدا کرنا" ہے۔ یہ ختم کے مصدری اور حقیقی معنی ہیں اور دوسرے معنی اس کے نقش سے حاصل شدہ اثر کے ہیں اور یہ معنی ختم کے مصدری معنوں کا اثر ہیں۔"

پس مصدری یعنی لغوی معنی کے لحاظ سے خاتم الانبیاء حقیقی طور پر وہ شخص ہوگا جو اپنے بعد کمالاتِ نبوت میں موثر ہو یعنی اپنے ذریعہ نبوت کا اثر چھوڑے اور اس کے فیض سے لوگوں میں کمالاتِ نبوت پیدا ہوں اور حسب ضرورت نبوت کا منصب بھی مل سکے اور چونکہ ایسا صاحب کمال اللہ تعالیٰ نے صرف ایک شخص یعنی آنحضرتؐ کو ہی قرار دیا ہے اس لیے لازمی طور پر خاتم الانبیاء کا افضل الانبیاء ہونا اور آخر الانبیاء بمعنی آخری شارع اور مستقل نبی ہونا ضروری ہے۔ مطلق آخری نبی" خاتم الانبیاء" کے الفاظ کے صرف مجازی معنے تو ہو سکتے ہیں مگر حقیقی معنی نہیں اور اگر مجازی معنے لیے جائیں تو خاتم الانبیاء ان معنوں سے ذاتی طور پر دوسروں سے کوئی فضیلت نہیں رکھے گا کیونکہ محض آخری ہونا بالذات کسی فضیلت کو نہیں چاہتا۔

آگے مفرداتِ راغب میں اسی جگہ بندش اور بلوغ الآخر کے معنوں کو ختم کے مصدری معنوں سے تجوّز قرار دیا گیا ہے اور تفسیر بیضاوی کے حاشیہ پر خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر میں یہ نوٹ دیا گیا ہے:۔

"فَاِطْلَاقُ الْخَتْمِ عَلَى الْبُلُوْغِ وَالْاِسْتِيْثَاقِ مَعْنَى مَجَازِيٌّ"

(حاشیہ تفسیر بیضاوی)

یعنی لفظ ختم کا آخری اور بندش کے معنوں میں استعمال مجازی معنیٰ ہیں اور مجازی معنے تب مراد ہوتے ہیں جب حقیقی معنے محال ہوں ہم آیات قرآنیہ سے حقیقی معنوں کی تائید دکھا چکے ہیں۔

مودودی صاحب نے لغت سے جو حوالے پیش کئے ہیں وہ صرف ختم کے مجازی معنے بتاتے ہیں جیسے ختم الاناء و خاتم القوم وغیرہ کے معنی، مودودی صاحب کا حقیقی معنوں کو چھوڑ کر مجازی معنوں کی طرف رجوع کرنا ان کی کسی اچھی نیت اور تحقیق پر دال نہ ہونے کی وجہ سے عملاً حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتکِ شان اور خاتم الانبیاء کے حقیقی معنی سے انکار کے مترادف ہے لیکن وہ "بکف چراغ دارد" کی مثل کے مطابق الٹا جماعت احمدیہ کو منکرِ ختم نبوت قرار دے رہے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے لغتِ عرب کے حقیقی اور اصلی معنوں میں بھی خاتم النبیین یقین کرتی ہے اور ان معنوں کے بالتبع حضور علیہ السلام کو افضل النبیین اور آخری شارع اور آخری مستقل نبی بھی یقین کرتی ہے۔

مودودی صاحب کا افضل النبیّین کے معنوں سے انکار

لیکن مودودی صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کمالاتِ نبوت کی ایجاد اور اثر کے معنی سے انکاری ہیں اور اس کے معنی محض آخری نبی (جو صرف مجازی معنی ہو سکتے ہیں) لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء بمعنی افضل الانبیاء سے بھی انکار کر رہے ہیں چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں :-

"ایک دوسری تاویل اس گروہ نے یہ بھی کی ہے کہ "خاتم النبیین" کے معنی "افضل النبیین" کے ہیں یعنی نبوت کا دروازہ تو کھلا ہوا البتہ کمالاتِ نبوت حضور پر ختم ہو گئے ہیں، لیکن یہ مفہوم لینے میں بھی وہی قباحت ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔" (رسالہ ختم نبوت صفحہ ۹)

مقصود آپ کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالات کا ختم ہونا جس کے نتیجہ میں آپ کا افضل النبیین ہونا لازم آتا ہے ایسے معنی ہیں جو مودودی صاحب کے پیش کردہ سیاق کے خلاف ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے معنوں کی وجہ سے افضل النبیین ثابت ہوں یا نہ ہوں مودودی صاحب کی بلا سے، ان کا پیش کردہ خیالی اور مفروض سیاق ضرور درست رہنا چاہیئے، خواہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خوبیوں اور فضیلت پر پانی پھر جائے، حالانکہ اگر وہ ذرا غور و تامل سے کام لیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالات کا ختم ہونا اور آپ کا افضل النبیین ہونا ان کے مفروض سیاق کے بھی خلاف نہیں کیونکہ اس سے آپ آخری شارع نبی قرار پاتے ہیں۔

مودودی صاحب خاتم النبیین کے معنی آخر نبیوں کی مُہر مان کر لکھتے ہیں:

"عربی لغت اور محاورہ کے رو سے خاتم کے معنی ڈاکخانے کی مُہر کے نہیں جسے لگا لگا کر خطوط جاری کیئے جاتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے پر اس لیے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر جائے۔" (رسالہ ختم نبوت صـ۱۲)

لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لفافہ والی مہر لگ چکی ہے اور وہ لفافہ انبیاء کے اندر بند ہو چکے ہیں تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس بند لفافہ سے مُہر توڑے بغیر نکل کر امتِ محمّدیہ میں کیسے آسکتے ہیں؟ کیونکہ بقول اُن کے انبیاء کے لفافہ پر مہر بندش والی لگ چکی سو اندر کا نبی باہر نہیں آسکتا۔ جب تک مُہر ٹوٹ نہ جائے اور یہ مہر ٹوٹ نہیں سکتی، لہذا ان کا امت محمّدیہ میں اصالتاً آنا محال ہوا، ہاں لفافہ والی مُہر پہلے انبیاء پر لگ سکتی ہے اور وہ سب انبیاء مستقل نبی ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے امتی نبی پر تو خاتم النبیین کی مُہر بند کرنے کے لیے نہیں لگ سکتی بلکہ اس کی تصدیق اور اس کے جاری کرنے کے لیے ہی لگ سکتی ہے۔ فتوؤں پر علماء کی مہریں فتوؤں کو جاری کرنے کے لیے ہوتی ہیں نہ کہ انہیں بند کرنے کے لیے۔ ڈاکخانہ والی مُہر سے پہلے فتوؤں والی مہر کا رواج عام رہا ہے جو فتوؤں کو جاری کرتی یعنی مستند بناتی ہے آخر مودودی صاحب خاتم النبیین کی مُہر کا کیوں علماء کی فتوؤں والی متداول اور قدیم سے رائج مہر پر قیاس نہیں کرتے واضح رہے کہ ڈاکخانہ والی مُہر بھی عربی لغت اور محاورہ کے معنوں میں خاتم ہے نہ کہ

لغت و محاورہ عربی کے خلاف ۔ عربی لغت کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب محاورہ کے معنی ملاحظہ ہوں جو بالکل لغت کے مطابق ہیں۔

خاتم کے محاورات

امت کے اندر خاتم الاولیاء، خاتم الفقہاء، خاتم المحدثین اور خاتم الشعراء کا محاورہ شائع و ذائع ہے جس کے معنی کوئی عقلمند محض آخری ولی، محض آخری فقیہہ یا محض آخری محدث یا محض آخری شاعر نہیں لیتا، ایک شاعر کہتا ہے ؎

فُجِعَ الْقَرِیْضُ بِخَاتَمِ الشُّعَرَاءِ
وَغَدِیْرِ رَوْضَتِهَا حَبِیْبِ الطَّائِیْ

"یعنی شعر خاتم الشعراء اور اس کے باغ کے تالاب حبیب الطائی کی وفات سے دردمند ہو گیا ہے۔"

اس جگہ خاتم الشعراء کے معنی آخری شاعر نہیں کیونکہ یہی شعر کہنے والا خود بھی شاعر ہے جو اس وقت زندہ موجود تھا۔ اسی طرح خاتم الاولیاء کے معنے ہیں ایسا کامل ولی جس کے اثر اور فیض سے ولی پیدا ہوں اور خاتم الفقہاء اور خاتم المحدثین وہ اشخاص ہوں گے جن کے اثر اور فیض سے فقیہہ اور محدث پیدا ہوں اور خاتم الشعراء کے یہ معنے ہونگے کہ وہ ایسا باکمال شاعر ہے کہ جس کے اثر سے شاعر پیدا ہو سکتے ہیں۔

یہ معنی لفظ ختم کے مصدری لغوی معنی کے لحاظ سے ہیں اور افضلیت کے معنی ان معنوں کے بالتبع پیدا ہوتے ہیں اور ان حقیقی معنی کو لازم ہوتے ہیں اور خاتم النبیین میں آخریت کے معنی صرف اس حد تک مسلّم ہوں گے جو ان حقیقی معنی سے اختلاف نہ رکھیں اور ان کے متضاد نہ ہوں اور ان کے ساتھ جمع ہو سکیں، محض آخری نبی کے معنے چونکہ مجازی معنی ہیں اور خاتم النبیین کے مصدری حقیقی لغوی معنی سے تضاد رکھتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، ہاں آخری شارع اور آخری مستقل نبی ان معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ جب دنیا میں ایک ہی فرد حقیقی خاتم النبیین ہے تو ضروری ہے کہ وہ آخری شارع اور مستقل نبی بھی ہو اور آئندہ نبوت صرف اس کی پیروی اور فیض کے واسطہ سے مل سکے نہ کہ براہ راست اور اس کے فیض سے آئندہ ہونے والا صرف

امتی نبی کہلا سکتا ہو نہ کہ مستقل نبی، کیونکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم شریعت تامہ کاملہ مستقلہ الی یوم القیامہ لانے والے نبی ہیں نہ کہ ایسے آخری نبی جو شریعت تامہ کاملہ مستقلہ الی یوم القیامہ کی امتیازی حیثیت سے خالی ہو اور صرف نبوت عامہ کے لحاظ سے آخری نبی ہو۔

پس مودودی صاحب کو خاتم النبیین کے حقیقی معنوں سے انکار کر کے اور اس کے معنی محض آخری نبی کر کے اور ان کو حقیقی معنی سمجھ کر (حالانکہ یہ مجازی معنی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل النبیین ہونے سے بھی انکار کرنا پڑا ہے اور وہ ختم نبوت محمدیہ کے فیضان سے بھی منکر ہو رہے ہیں ؎

خشت اوّل چوں نہد معمار کج ؛ تا ثریا مے رود دیوار کج

چونکہ خاتم النبیین کے معنوں کی بنیاد ہی مودودی صاحب نے غلط رکھی ہے اس لیے جو عمارت اس پر انہوں نے تعمیر کی ہے وہ سرتا پا بھونڈی اور خاتم النبیین کی بزرگ شان کے منافی ہے کجا مودودی صاحب کے یہ معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گویا آخری بادشاہ کی طرح آخری نبی ہیں اور کجا ہمارے معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے لیے مُہر ہیں، یعنی روحانی شہنشاہ ہیں جن کی ماتحتی ہیں اور جن کی مہر ختمیت کی تاثیر و فیض سے رُوحانی بادشاہ بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم تو مودودی صاحب کے نزدیک ختم نبوت کے منکر ٹھہرے اور مودودی صاحب ختم نبوت کے حقیقی لغوی معنی کا انکار کر کے اور افضل النبیین کے معنوں کو رد کر کے اور فیضان نبوتِ محمدیہ کو بند قرار دے کر ختم نبوت کے ماننے والے ہیں گویا ختم نبوت اُن کے نزدیک نبوتِ محمدیہ کے فیضان کی بندش کا نام ہے اور خاتم النبیین آپ کی افضلیت برانبیاء پر دال نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؂

حضرت مولانا رُوم علیہ الرحمۃ تو فرماتے ہیں ؎

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود ؛ مثلِ او نے بود نے خواہند بود
چونکہ در صنعت برد استاد دست ؛ نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے خاتم ہیں کہ سخاوت یعنی فیض پہنچانے میں نہ آپ کی مثل کوئی ہوا ہے اور نہ ہو گا جب کوئی استاد کاریگری میں اپنا کمال دکھاتا ہے تو کیا اسے مخاطب تو نہیں کہتا کہ اس پر کاریگری ختم ہو گئی ہے۔ پس خاتم النبیین کے حقیقی معنی ہیں نبوت کا فیض پہنچانے میں کامل کاریگر نبی۔ (مثنوی مولانا روم جلد ۶ صفحہ ۱۹)

پھر وہ آپ کا فیض یوں بیان فرماتے ہیں:۔

مکر کن در راہ نیکو خدمتے ٭ تا نبوت یابی اندر امتے

"یعنی نیکی کی راہ میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ایسی خدمت بجالا کہ تجھے اُمت کے اندر نبوت مل جائے۔" (مثنوی جلد ۱ صفحہ ۵۳)

پس خاتم النبیین کے حقیقی معنی نبی تراش ہیں اور افضل النبیین اور آخری شارع اور آخری مستقل نبی ہونا ان معنی کے توابع اور لوازم ہیں، نحوی لحاظ سے لٰکن سے پہلے منفی جملہ ہو جیسا کہ آیت زیر بحث میں ہے تو اس کے بعد جملہ مثبت مفہوم رکھتا ہے۔ پس وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا جملہ منفی مفہوم نہیں رکھتا لہٰذا اس کے معنی محض آخری نبی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا مفہوم منفی ہے جو یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پس خاتم النبیین کے مثبت معنی اس جگہ نبی تراش ہیں اور اوپر کے باقی معانی اس کے لوازم ہیں جو مثبت و منفی ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپکو افاضۂ کمال کے لیے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا، یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ رُوحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔"

(حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۷)

کیا مودودی صاحب امام راغب اصفہانی کے ان معنوں کو جھٹلا سکتے ہیں کہ "ختم" مصدر کے لغوی معنی "تاثیر الشیٔ" اور "اثر حاصل" ہیں اور باقی تمام معانی محض مجازی ہیں؟

حدیث آخر الانبیاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں وارد ہے:۔

اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ

دوسری احادیث نبویہ لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نبیا اور اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ اور اَبُوْبَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ میں جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا امکان قرار دیا ہے

تو حدیث مندرجہ عنوان کی یہی تشریح ہو سکتی ہے کہ جن معنوں میں مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آخری مسجد ہے انہی معنوں میں آپ آخر الانبیاء ہیں، جس طرح مسجد نبوی کے بعد ایسی مساجد کا بنانا جائز ہے جن کا وہی قبلہ ہو جو مسجد نبوی کے ماتحت ہونے کی وجہ سے جائز ہو گا اسی طرح آپ نے اپنے تیئں انہی معنوں میں آخر الانبیاء قرار دیا ہے کہ آپ کے مقابل میں کوئی نبی نہیں آ سکتا مگر آپ کے تابع نبی آ سکتا ہے جس کی وہی شریعت ہو جو آپ کی شریعت ہے۔

مودودی صاحب تین مسجدوں، مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں عبادت کے زیادہ ثواب پر مذکورہ حدیثوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"حضورؐ کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ اب چونکہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اس لیے میری اس مسجد کے بعد دُنیا میں کوئی چوتھی مسجد ایسی بننے والی نہیں ہے جس میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں سے زیادہ ہو اور جس کی طرف نماز کی غرض سے سفر کر کے جانا درست ہو"

(رسالہ ختم نبوت صفحہ ۲ حاشیہ)

جب مودودی صاحب کے نزدیک "آخر المساجد" کا یہ مطلب ہے کہ ایسی کوئی مسجد نہ بنے گی جس میں عبادت کا ثواب مسجد نبوی سے زیادہ ہو تو اس لحاظ سے "آخر الانبیاء" کے یہ معنے ہوئے کہ اب ایسا کوئی نبی نہیں ہو گا جس کا درجۂ نبوت اور شانِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ سے بڑا ہو، پس جس طرح مسجدِ نبوی کے بعد کی مساجد ثوابِ عبادت میں مسجدِ نبوی سے کم درجہ کی ہونگی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو نبی آئے گا وہ آپ سے کم درجہ کا ہو گا۔ اسی لیے احادیثِ نبوی میں مسیح موعود کو نبی اللہ بھی قرار دیا گیا ہے اور اُمتی بھی۔

مودودی صاحب بتائیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں آخر الانبیاء تھے کہ آپؐ مطلق آخری نبی ہیں تو آپؐ نے مسیح موعود کو کیوں نبی اللہ قرار دیا اور اوپر کی تین حدیثوں میں اپنے بعد کیوں امکانِ نبی تسلیم فرمایا؟

مسیلمہ کذاب سے لڑائی کی وجہ

مودودی صاحب "صحابہ کرامؓ کے اجماع" کے عنوان کے ماتحت اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۳

پر لکھتے ہیں:

"صحابہ نے جس جرم کی بناء پر اُن (مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں نافل) سے جنگ کی تھی وہ بغاوت کا جُرم نہ تھا بلکہ یہ جرم تھا کہ ایک شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور دوسرے لوگ اس کی نبوت پر ایمان لائے یہ کارروائی حضور کی وفات کے فوراً بعد ہوئی ہے۔ ابوبکر صدیق رض کی قیادت میں ہوئی ہے اور صحابہ کی پوری جماعت کے اتفاق سے ہوئی اجماع صحابہ کی اس سے زیادہ صریح مثال شاید ہی کوئی ہو"

(رسالہ ختم نبوت ص ۲۳)

مودودی صاحب کا یہ دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے کیونکہ صحابہ نے جس جرم کی بناء پر مسیلمہ کذاب سے جنگ کی وہ یقیناً بغاوت کا جُرم تھا نہ کہ دعویٰ نبوت کا جرم مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کر رکھا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بناء پر اُس پر چڑھائی نہ کی تو حضرت ابوبکر رض اور صحابہ کرام رض اس بناء پر اُس پر کیسے چڑھائی کی جرأت کر سکتے تھے۔ مودودی صاحب کا یہ بیان اسلامی تاریخ کے سراسر خلاف ہے اور انہوں نے تاریخی حقائق کو چھپانے کی کوشش کی ہے ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسیلمہ باغی تھا اور اس کے ساتھی حربی مُرتد تھے یعنی اسلامی اسٹیٹ (حکومت) کی بغاوت کے جرم کے مرتکب ہو چکے تھے اس لیے ان سے محارب کفار کا سا سلوک کیا گیا نہ کہ مسلمان باغیوں کا سا، چنانچہ "تاریخ طبری مترجم اُردو مطبوعہ حیدرآباد دکن کے حصہ اوّل جلد چہارم کے چند کوائف ملاحظہ ہوں۔

۱- مسیلمہ نے بغاوت کی تھی (ص ۹۳)

۲- چالیس ہزار کا لشکرِ جرار تیار کیا تھا (ص ۱۰)

۳- اس نے کہا کہ میں اپنی اور سجاح کی فوج کے ساتھ تمام عرب پر قبضہ کروں گا۔ (ص ۱۰)

۴- اسلامی حکومت کے اندر یمامہ میں خود خراج وصول کرتا تھا (ص ۱۰)

۵- علاوہ ازیں تاریخ الخمیس جلد ۱ ص ۱۷۷ پر لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے حجر و یمامہ سے آپ کے مقرر کردہ والی ثمامہ بن اثال

کو نکال دیا تھا اور خود ان کا حاکم بن گیا تھا۔

پس صحابہؓ نے مسیلمہ کذاب اور اس کے قبیلہ بنو حنیفہ کے خلاف محض ارتداد کی بناء پر جنگ نہیں کی بلکہ بغاوت کے جرم کی وجہ سے جنگ کی تھی کیونکہ مسیلمہ باغی تھا اور بنو حنیفہ محض مرتد نہ تھے بلکہ حربی مرتد تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس وقت جن قبائل عرب سے لڑائی کا حکم دیا ان میں ایسے قبائل بھی تھے جن میں کوئی مدعی نبوت موجود نہ تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعلان کے مطابق سب ایسے لوگوں سے جنگ میں یکساں سلوک کیا گیا یعنی انہیں اسیر بنایا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا گیا۔ مسیلمہ کذاب کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا خصوصی اعلان نہیں فرمایا تھا کہ اس کے دعوئ نبوت کی وجہ سے اس کے خلاف چڑھائی کی جا رہی ہے۔

ہمارا چیلنج

ہمارا چیلنج ہے کہ اگر مودودی صاحب سچے ہیں تو وہ ایسا خصوصی اعلان پیش کریں جس سے صحابہ کا اس بات پر اجماع ثابت ہو خواہ سکوتی اجماع ہی ثابت ہو کہ مسیلمہ کذاب پر ہم اُس کے دعوئ نبوت کی وجہ سے چڑھائی کر رہے ہیں وہ باغی نہیں۔

مسیلمہ تشریعی نبوّت کا مدّعی تھا

واضح ہو کہ مسیلمہ کذاب تشریعی نبوت کا مدّعی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدِ مقابل ہو کر نبوت کا دعویٰ کر رہا تھا، لہٰذا اگر کوئی ایسا اعلان بالفرض محال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے موجود بھی ہوتا تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ استدلال ہو سکتا تھا کہ صحابہؓ تشریعی نبوت کے دعویٰ کو ختمِ نبوت کے منافی سمجھتے تھے اس لیے تشریعی نبوت کا دعویٰ بھی چڑھائی کے موجبات میں سے ایک موجب تھا اور دوسرا موجب اس کی بغاوت تھی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسیلمہ کذاب تشریعی نبوت کا مدّعی تھا۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں :-

"اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا اور شراب اور زنا کو حلال قرار دیا۔ فریضۂ نماز کو ساقط کر دیا، قرآن مجید کے مقابلہ میں سورتیں لکھیں۔ پس شریر اور مفسد لوگوں کا گروہ اس کے تابع ہو گیا"۔
(حجج الکرامہ ص۲۳۴ ترجمہ از فارسی)

یہی مضمون طبری جلد اول ص۵۸۹ پر موجود ہے۔ پس مسیلمہ تشریعی نبوت کا مدعی ہونے کی وجہ سے کافر تھا اور اسلامی حکومت کی بغاوت کی وجہ سے اس پر چڑھائی کی گئی اور اس سے محارب کفار کا سلوک کیا گیا۔

حضرت ابو بکرؓ کی احتیاط

تاریخ طبری مترجم اردو جلد اول حصہ چہارم ص۶۷ پر لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکر کو ہدایت فرمائی تھی:۔

"ان مرتدین پر حملہ کرنے سے پہلے ان کے گاؤں کے باہر اذان دینا۔ اگر وہ بھی اذان و اقامت کہیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے"۔

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کمال احتیاط تھی کہ مسیلمہ کذاب اور ان کے ساتھیوں میں اسلامی اذان و اقامت کے پائے جانے پر آپ نے اُن سے جنگ کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ کجا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ حزم و احتیاط اور کجا مودودی صاحب کی یہ ظالمانہ حرکت کہ وہ احمدیوں کو اذانیں دینے، قبلہ رُخ ہو کر اسلامی نمازیں پڑھنے اور پانچ بنائے اسلام پر ایمان رکھنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرنے کے باوجود مسیلمہ کذاب کی طرح جو تشریعی نبوت کا مدعی تھا، مرتد قرار دیکر واجب القتل ٹھہرانا چاہتے ہیں۔

اس موقعہ پر ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے اس بیان کو پڑھ کر بھی مودودی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب تشریعی نبوت کا مدعی نہیں تھا بلکہ امتی نبوت کا دعویدار تھا اور اس نے اسلامی اسٹیٹ کی کوئی بغاوت نہیں کی تھی بلکہ وہ اس کے ماتحت ایک پُرامن شہری کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا؟

مفسرین کے اقوال

اجماعِ امت کے عنوان کے ماتحت مودودی صاحب نے مفسرین کے اقوال

خاتم النبیین کے معنی میں پیش کر کے اس بات پر اجماع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ ساری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، ان کا یہ دعویٰ اجماع باطل ہے کیونکہ تیرہ[۱۳] مسلّمہ بزرگوں کے اقوال سے ہم دکھا چکے ہیں کہ آیت خاتم النبیین اور احادیثِ نبویہ میں صرف تشریعی نبوت کا انقطاع مراد ہے امت کے اجماع کا دعویٰ اگر کیا جائے تو صرف اس بات پر کیا جا سکتا ہے کہ علماء سابقین کا صرف تشریعی اور مستقل نبوت کے انقطاع پر اجماع ہے اور اس اجماع میں جماعت احمدیہ بھی شامل ہے۔

جن مفسرین کے اقوال مودودی صاحب نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی مودودی صاحب کا ہم خیال نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ مسلوب النبوۃ ہو کر آئیں گے چنانچہ ان میں سے حضرت امام علی القاریؒ تو صاف لکھتے ہیں :-

"عیسیٰ علیہ السلام کے نبی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو کر احکام شریعت کے بیان کرنے اور آپ کے طریق کو پختہ کرنے میں کوئی منافات موجود نہیں خواہ وہ یہ کام اس وحی سے کریں جو اُن پر نازل ہو۔"

(ترجمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۶۴)

اور علامہ الوسی مفسر قرآن اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں :

"فَهُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ وَرَسُولٌ قَبْلَ الرَّفْعِ وَفِي السَّمَاءِ وَبَعْدَ النُّزُولِ اَيْضاً" (روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۴۱)

"یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام رفع سے پہلے بھی نبی اور رسول ہیں، آسمان میں بھی نبی اور رسول ہیں اور نزول کے بعد بھی نبی اور رسول ہیں۔"

ان اقوال کی موجودگی میں مودودی صاحب کس طرح علماء امتِ محمدیہ کا اس پر اجماع ثابت کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے تابع اُمتی نبی کا آنا بھی آیت خاتم النبیین کے منافی ہے؟

صدارت اور نبوّت

مودودی صاحب عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے متعلق لکھتے ہیں :

"اُن کا آنا بلا تشبیہہ اسی نوعیت کا ہوگا جیسے ایک صدر ریاست کے دَور میں کوئی سابق صدر آئے اور وقت کے صدر کی ماتحتی میں مملکت کی کوئی خدمت انجام دے۔ ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک صدر کے دَور میں کسی سابق صدر کے محض آجانے سے آئین نہیں ٹوٹتا۔"

(رسالہ ختم نبوت صفحہ ۵۶)

اس عبارت میں مودودی صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سابق صدر سے عملاً تشبیہہ بھی دیتے ہیں مگر آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ بلا تشبیہہ ایسا لکھ رہے ہیں، گویا "اسی نوعیت کا ہوگا جیسے" کے الفاظ آپ کی لغت میں تشبیہہ کا فائدہ نہیں دیتے خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ علماء امت، جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعد از نزول بھی نبی اللہ قرار دیتے چلے آئے ہیں مگر نبیٔ نائب کی حیثیت میں۔ پس جس طرح ایک صدر کے دَور میں ایک نائب صدر کا وجود خلاف آئین نہیں ہوتا، اسی طرح خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں آپ کے کسی امتی کا نبیٔ نائب کی حیثیت میں آنا بھی منافیٔ خاتم النبیین نہیں۔ یہ بات ہر کوئی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ صدر کے ساتھ کسی نائب صدر کا وجود کسی طرح بھی خلاف آئین نہیں۔

کیا مودودی صاحب صدر کی موجودگی میں نائب صدر کو خلاف آئین قرار دے سکتے ہیں۔

مودودی صاحب کے نزدیک نبی کی حقیقت

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"محض اصلاح کے لیے نبی دنیا میں کب آیا ہے کہ آج صرف اس کام کے لیے وہ آئے؛ نبی تو اس لیے مقرر ہوتا ہے کہ اس پر وحی کی جائے اور وحی کی ضروریات یا تو کوئی نیا پیغام دینے کے لیے ہوتی ہے یا پچھلے پیغام کی تکمیل کرنے کے لیے یا اس کو تحریفات سے پاک کرنے کے لیے۔"

(رسالہ ختم نبوت صفحہ ۳۶)

نبی کی یہ تینوں صورتیں تشریعی نبی کی ہیں نبی کی چوتھی صورت جو انہوں نے اس سے پہلے صفحہ ۳۵ پر بیان کی ہے یہ ہے کہ

"ایک نبی کے ساتھ اس کی مدد کے لیے ایک اور نبی کی حاجت ہو"
اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں :-

"اگر اس کے لیے کوئی نبی درکار ہوتا تو وہ حضورؐ کے زمانے میں آپؐ کے ساتھ مقرر کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ مقرر نہیں کیا گیا تو یہ وجہ بھی ساقط ہو گئی۔
(رسالہ ختم نبوت ص۳۶)

اس کے متعلق عرض ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مودودی صاحب کی بیان کردہ پہلی تینوں صورتوں میں سے جو تشریعی نبوت کی صورتیں ہیں کسی صورت میں بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ جماعت احمدیہ انہیں ایسا نبی یقین کرتی ہے۔ چوتھی صورت مودودی صاحب کے نزدیک ساقط ہے۔ اب پانچویں صورت کے متعلق سنیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح مسلم کی حدیث میں جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے مسیح موعود کو چار دفعہ نبی اللہ قرار دیا ہے اور اس پر وحی کا نزول بھی بیان فرمایا ہے۔ شارع نبی تو کوئی آ نہیں سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نبی ہوا نہیں تو یہ پانچویں قسم کی نبوت اگر اصلاح خلق کے لیے نہیں ہے جو مسیح موعود کو حاصل ہوگی تو مودودی صاحب بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو صاحب وحی اور نبی اللہ کیوں قرار دیا ہے؟ مطلق نبوت کے ارتفاع پر جب امت کا اجماع نہیں تو اب پانچویں قسم کا جو نبی آئے گا وہ اصلاح کے لیے نہیں ہوگا تو اور کس غرض کے لیے ہوگا؟ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں:

"فَاِنَّ مُطْلَقَ النُّبُوَّةِ لَمْ تَرْتَفِعْ اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ"
(الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۲ بحث ۳۳)

"پس بے شک مطلق نبوت نہیں اٹھی صرف تشریعی نبوت اٹھی ہے"

امید ہے کہ مودودی صاحب اب اپنے مضمون پر نظر ثانی کر کے اپنے خیالات میں اصلاح فرمائیں گے اور یہ تسلیم کر لیں گے کہ محض اصلاح کے لیے بھی نبی آ سکتا ہے۔

بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو نبی آئے وہ سب اصلاح خلق کے لیے مبعوث ہوتے رہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ

اَلَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا ۔ مائدہ رکوع ۷)

" یعنی بیشک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے، اس تورات کے ذریعہ کئی نبی جو خدا تعالیٰ کے فرماں بردار تھے یہودیوں کے لیے بطور حَکَم کام کرتے تھے "

مسیح موعود کی شان میں بھی حدیث نبوی میں حَکَمٌ و عَدْلٌ کے الفاظ وارد ہیں اگر حکمیت اصلاحِ خلق کے مترادف نہیں تو مودودی صاحب یوں سمجھ لیں کہ پانچویں قسم کا نبی بشانِ حکمیت، آنا ہے اور مسیح موعود کی نبوت بھی جو حدیثوں میں بیان ہوئی ہے وہ بھی بشانِ حکمیت ہے۔ پس بشانِ حکمیت نبی کا آنا جبکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہو، نبوت کی ایسی قسم ہے جو آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں، اگر یہ منافی ختم نبوت ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ مسیح موعود کو اُمتی نبی قرار دیتے نہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے نبیوں کی طرح اُسے امتِ محمدیہ میں حَکَم کی حیثیت میں آنے والا بیان فرماتے۔ فتدبروا یا اولی الابصار؛

مزید تبصرہ

مودودی صاحب نے اپنے "رسالہ ختم نبوت" میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کی کتاب "الاقتصاد" کا ایک حوالہ اس بات کے ثبوت میں پیش کیا تھا کہ امام صاحب موصوف آیت، خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کی تاویل وتخصیص کے قائل کو کافر قرار دیتے ہیں، مودودی صاحب نے امام غزالیؒ کی طرف اپنے بیان میں تحقیقاتی کمیشن کے سامنے دس سوالوں کے جواب میں یہ حوالہ عربی زبان کا پیش کیا تھا اور رسالہ ختم نبوت میں اسی عربی عبارت کا ترجمہ پیش کیا تھا وہ عبارت معہ ترجمہ یہ تھی:۔

"اِنَّ الْاُمَّۃَ فَھِمَتْ بِالْاِجْمَاعِ مِنْ ھٰذَا اللَّفْظِ اَنَّہٗ اَفْھَمَ عَدَمَ النَّبِیِّ بَعْدَہٗ اَبَدًا وَ عَدَمَ رَسُوْلٍ بَعْدَہٗ وَاَنَّہٗ لَیْسَ فِیْہِ تَأْوِیْلٌ وَ تَخْصِیْصٌ فَکَلَامُہٗ مِنْ اَنْوَاعِ الْھَذَیَانِ لَا یَمْنَعُ الْحُکْمُ بِتَکْفِیْرِہٖ لِاَنَّہٗ مُکَذِّبٌ لِھٰذَا النَّصِّ الَّذِیْ اَجْمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی اَنَّہٗ غَیْرُ مُأَوَّلٍ وَلَا مَخْصُوْصٍ

(الاقتصاد صـ ۱۱۳)

اس کا ترجمہ از مودودی صاحب

"امت نے بالاتفاق اس لفظ لا نبی بعدی سے یہ سمجھا ہے کہ نبی صلی اللہ وسلم اپنے بعد کسی نبی اور کسی رسول کے کبھی نہ آنے کی تصریح فرما چکے ہیں اور یہ کہ اس میں کسی تاویل وتخصیص کی کوئی گنجائش نہیں ہے اب جو شخص اس کی تاویل کر کے اسے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے اس کا کلام محض بکواس ہے اس پر تکفیر کا حکم لگانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے متعلق تمام امت کا اجماع ہے۔"

(رسالہ ختم نبوت صـ ۲۵،۲۶)

ہم نے اپنے جوابی رسالہ "علمی تبصرہ" میں لکھا تھا:۔

جن الفاظ پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے یہ الفاظ امام غزالیؒ پر سراسر افتراء ہیں کیونکہ ان کی کتاب الاقتصاد صفحہ ۱۳۰۔۱۴ پر ہرگز ایسے الفاظ موجود نہیں جن کا ترجمہ یہ الفاظ ہو سکیں۔" (علمی تبصرہ صفحہ ۲۹)

اس جگہ ہم نے مودودی صاحب سے سوال کیا تھا:۔

"کیا مودودی صاحب یا ان کے حامیوں میں یہ جرأت ہے کہ وہ خط کشیدہ عبارت مودودی صاحب کے پیش کردہ الفاظ میں الاقتصاد سے دکھا سکیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔"

چونکہ ہماری طرف سے یہ پُرزور چیلنج تھا کہ مودودی صاحب امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کردہ خط کشیدہ عبارت الاقتصاد سے دکھائیں اور ہم نے تحدّی سے کہا تھا کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، لہٰذا مودودی صاحب نے اس کے بعد اپنے اس رسالہ ختم نبوت کا مضمون اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں سورۃ احزاب کی تفسیر کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کرتے ہوئے امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کردہ عبارت درج کرنے کی بجائے الاقتصاد کی اصل عبارت درج کردی ہے مگر اس میں وہ خط کشیدہ فقرات موجود نہیں جو مودودی صاحب نے رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے اپنے پیش کردہ بیان میں درج کئے تھے۔ اب مودودی صاحب کے اصل عبارت کو الاقتصاد سے پیش کرنے سے ظاہر ہو گیا کہ ان کی محرّفہ عبارت الاقتصاد میں موجود نہ تھی اور یہ محرّفہ عبارت رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے اپنے بیان میں درج کرکے مودودی صاحب نے پبلک اور عدالت کو محرّفہ عبارت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کرکے دھوکا دیا تھا، ضمیمہ تفہیم القرآن میں الاقتصاد کی اس عبارت کو درج کرتے ہوئے مودودی صاحب نے اس کے صفحہ ۱۴۶ پر فٹ نوٹ میں لکھا ہے:

"امام غزالی کی اس رائے کو ہم ان کی اصل عبارت کے ساتھ اس لیے نقل کر رہے ہیں کہ منکرین ختم نبوت نے اس حوالہ کی صحت کو بڑے زور شور سے چیلنج کیا ہے۔"

اس عبارت سے مودودی صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ الاقتصاد سے اصل عبارت پیش کرکے گویا انہوں نے ہمارے اس چیلنج کو غلط ثابت کر دیا ہے جو ہماری طرف سے بڑے

زور شور سے کیا گیا تھا وہ ہیں منکرین ختم نبوت قرار دینے میں تنابز بالالقاب سے کام لے رہے ہیں کیونکہ جماعت احمدیہ آیت خاتم النبیین کے اجماعی معنوں کو تسلیم کرتی ہے، کیونکہ امتِ محمدیہ کا اجماع خَاتَمَ النَّبِیّٖن اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنوں پر اگر قرار دیا جائے تو اس کا مفہوم علمائے اُمّت کے نزدیک صرف یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی اور مستقل نبی نہیں آسکتا، اور یہی عقیدہ جماعت احمدیہ کا ہے۔ پس اگر مودودی صاحب جماعت احمدیہ کو منکرینِ ختم نبوت قرار دیں تو انہیں ان سب بزرگوں کو منکرین ختمِ نبوت قرار دینا پڑے گا جن کی عبارتیں ہم قبل ازیں اس رسالہ میں نقل کر چکے ہیں،

بہر حال مودودی صاحب نے ضمیمہ سورۂ احزاب میں امام غزالی کا جو حوالہ نقل کیا ہے اس میں

"ان الامة فهمت بالاجماع من هذا اللفظ انه افهم عدم النبي بعده ابدًا وعدم رسولٍ بعده وانه ليس فيه تاويل ولا تخصيص

کے بعد کی یہ عبارت

فكلامه من انواع الهذيان لا يمنع الحكم بتكفيره لانه مكذبٌ لهذا النص الذی اجمعت الامة على انه غير ماقل ولا مخصوص۔

جو انہوں نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے بیان میں امام غزالی کی طرف منسوب کی تھی مودودی صاحب کے ضمیمہ سورہ احزاب مندرجہ تفسیر تفہیم القرآن میں موجود نہیں، اسی عبارت کا ترجمہ مودودی صاحب نے اپنے رسالہ ختم نبوت میں یہ درج کیا تھا:

"اب جو شخص اس کی تاویل کر کے اسے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے اس کا کلام محض بکواس ہے جس پر تکفیر کا حکم لگانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اس نصّ کو جھٹلا رہا ہے جس کے متعلق تمام امت کا اجماع ہے۔"

(رسالہ ختم نبوت صؔ)

ہم امام غزالی کی کتاب الاقتصاد کے رو سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک اجماع کو حجّتِ قاطعہ ماننے میں بہت شبہات ہیں اس لیے وہ اجماع کے انکار کی بناء پر کسی کو کافر

قرار نہیں دیتے بلکہ نظام معتزلی کو کافر قرار دیا جاتے پر بھی انہیں اعتراض ہے جو مسئلہ ختم نبوت کے اجماع کے منکر ہیں اور نص کی تاویل کرنے والے کو بھی وہ نص کا مکذب قرار نہیں دیتے تو پھر آیت خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تاویل کرنے والے کو وہ کیسے کافر قرار دے سکتے تھے۔ پس مودودی صاحب کے ضمیمہ میں پیش کردہ اصل عبارت نے بھی مودودی صاحب کی صحافتی دیانت اور امانت کا پردہ چاک کر دیا ہے اور رسالہ ختم نبوت اور ضمیمہ سورۃ احزاب سے امام غزالی علیہ الرحمۃ کی الاقتصاد کے پیش کردہ دونوں عبارتوں کا تقابل اور موازنہ کرنے والے کے سامنے یہ بات آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے امام غزالی کے حوالہ سے مودودی صاحب کی پیش کردہ عبارت سراسر محرف تھی اور اس عبارت کا حضرت امام غزالی علیہ رحمۃ کی طرف منسوب کرنا مودودی صاحب کا امام غزالیؒ پر سراسر افتراء تھا۔

پس مودودی صاحب ضمیمہ سورۃ احزاب میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کی الاقتصاد سے اصل عبارت پیش کرکے ہمارے چیلنج سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے بلکہ انہوں نے دراصل ہمارے چیلنج کے مقابلہ میں تو ہتھیار ڈال دیئے ہیں، مگر شکست کو چھپانے کے لیے ضمیمہ سورۃ احزاب کے فٹ نوٹ میں انہوں نے یہ عبارت لکھ دی ہے کہ

> "امام غزالی کی اس رائے کو ہم ان کی اصل عبارت کے ساتھ نقل کر رہے ہیں کہ منکرین ختم نبوت نے اس حوالہ کی صحت کو بڑے زور شور سے چیلنج کیا ہے۔"

مگر تحریف چھپائے سے چھپ نہیں سکتی، چنانچہ ہم اب بھی بڑے زور سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ

> مودودی صاحب کے رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کردہ ان کی امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کردہ عبارت ان کے ضمیمہ سورۃ احزاب میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کی پیش کردہ عبارت میں موجود نہیں اور رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کردہ ہر دو عبارتیں محرف ہیں اور مودودی صاحب کی صحافتی دیانت و امانت کا ماتم کر رہی ہیں۔

جناب مودودی صاحب نے اب سورۃ احزاب کی تفسیر کے ساتھ ضمیمہ میں الاقتصاد کی جو عبارت

قرار نہیں دیتے بلکہ نظام معتزلی کو کافر قرار دیا جانے پر بھی انہیں اعتراض ہے جو حدیث و اجماع کے منکر ہیں اور نص کی تاویل کرنے والے کو بھی وہ نص کا مکذب قرار نہیں دیتے تو پھر آیت خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تاویل کرنے والے کو وہ کیسے کافر قرار دے سکتے تھے۔ پس مودودی صاحب کے ضمیمہ میں پیش کردہ اصل عبارت نے بھی مودودی صاحب کی صحافتی دیانت اور امانت کا پردہ چاک کر دیا ہے اور رسالہ ختم نبوت اور ضمیمہ سورۃ احزاب سے امام غزالی علیہ الرحمۃ کی الاقتصاد کے پیش کردہ دونوں عبارتوں کا تقابل اور موازنہ کرنے والے کے سامنے یہ بات آئینہ کی طرح سامنے آ جاتی ہے کہ رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے امام غزالی کے حوالہ سے مودودی صاحب کی پیش کردہ عبارت سراسر محرف تھی اور اس عبارت کا حضرت امام غزالی علیہ رحمۃ کی طرف منسوب کرنا مودودی صاحب کا امام غزالیؒ پر سراسر افتراء تھا۔

پس مودودی صاحب ضمیمہ سورۃ احزاب میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کی الاقتصاد سے اصل عبارت پیش کر کے ہمارے چیلنج سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے بلکہ انہوں نے دراصل ہمارے چیلنج کے مقابلہ میں تو ہتھیار ڈال دیئے ہیں، مگر شکست کو چھپانے کے لیے ضمیمہ سورۃ احزاب کے فٹ نوٹ میں انہوں نے یہ عبارت لکھ دی ہے کہ

> "امام غزالی کی اس رائے کو ہم ان کی اصل عبارت کے ساتھ نقل کر رہے ہیں کہ منکرین ختم نبوت نے اس حوالہ کی صحت کو بڑے زور شور سے چیلنج کیا ہے۔"

مگر تحریف چھپائے سے چھپ نہیں سکتی، چنانچہ ہم اب بھی بڑے زور سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ

> مودودی صاحب کے رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کردہ ان کی امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کردہ عبارت ان کے ضمیمہ سورۃ احزاب میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کی پیش کردہ عبارت میں موجود نہیں اور رسالہ ختم نبوت اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کردہ ہر دو عبارتیں محرّف ہیں اور مودودی صاحب کی صحافتی دیانت و امانت کا ماتم کر رہی ہیں۔

جناب مودودی صاحب نے اب سورۃ احزاب کی تفسیر کے ساتھ ضمیمہ میں الاقتصاد کی جو عبارت

درج کی ہے اس میں ٹیبی تحریف سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے اس کا ترجمہ بھی بگاڑ دیا ہے۔
بہرحال وہ عبارت مع اُن کے ترجمہ کے درج کی جاتی ہے:-

"لو فتح هذا الباب (ای باب انکار کون الاجماع حجة)
انجر الی امور شنیعة وهو ان قائلاً لو قال یجوز ان
یبعث رسول بعد نبینا محمد صلی الله علیه وسلم فیبعد
التوقف فی تکفیره ومستند استحالة ذلك عند
البحث یستمد من الاجماع لا محالة فان العقل لا یحیله
وما نقل من قوله لا نبی بعدی ومن قوله تعالیٰ خاتم
النبیین فلا یعجز هذا القائل عن تاویله فیقول خاتم
النبیین اراد به اولوا العزم من الرسل، فان قال النبیین
عام فلا یبعد تخصیص العام وقوله لا نبی بعدی لم
یرد به الرسول وفرق بین النبی والرسول والنبی اعلیٰ
مرتبة من الرسول الی غیر ذالك ومن اوله بتخصیص
فکلامه من انواع الهذیان فهذا وامثاله لا یمکن ان
ندعی استحالته من حیث مجرد اللفظ فانا فی تاویل
ظواهر التشبیه قضینا باحتمالات ابعد من هذه
ولم یکن ذالك مبطلاً للنصوص ولکن الرد علیٰ هذا
القائل ان الامة فهمت بالاجماع من هذا اللفظ ومن
قرائن احواله انه افهم عدم نبی بعده ابداً وعدم
رسول الله ابداً وانه لیس فیه تاویل ولا تخصیص فمنکر
هذا لا یکون الا منکر الاجماع -

(الاقتصاد فی الاعتقاد المطبعة الادبیة مصر صفحہ ۱۱۴)

اگر یہ دروازہ (یعنی اجماع کو حجت ماننے سے انکار کا دروازہ) کھول دیا جائے
تو بڑی قبیح باتوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے مثلاً اگر کہنے والا کہے کہ ہمارے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول کی بعثت ممکن ہے تو اس کی تکفیر میں تامل

نہیں کہا جا سکتا، لیکن بحث کے موقعہ پر جو شخص اس تکفیر میں تامّل کو ناجائز ثابت کرنا چاہتا ہو اسے لامحالہ اجماع سے کام لینا پڑیگا کیونکہ عقل اس کے عدم جواز کا فیصلہ دیتی ہے اور جہاں تک نقل کا تعلق ہے اس عقیدے کا قائل لانبی بعدی اور خاتم النبیین کی تاویل کرنے سے عاجز نہ ہوگا۔ وہ کہے گا کہ خاتم النبیین سے مراد اولوالعزم رسولوں کا خاتم ہونا ہے اور اگر کہا جائے کہ النبیین کا لفظ عام ہے تو عام کو خاص قرار دے دینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ ہوگا اور لانبی بعدی کے متعلق وہ کہہ دے گا کہ لارسول بعدی تو نہیں کہا گیا اور رسول اور نبی میں فرق ہے اور نبی کا مرتبہ رسول سے بلند تر ہے۔ غرض اس طرح کی بکواس بہت کچھ کی جا سکتی ہے اور محض لفظ کے اعتبار سے ایسی تاویلات کو ہم محال نہیں سمجھتے بلکہ ظواہر تشبیہ کی تاویل میں ہم اس سے بھی زیادہ بعید احتمالات کی گنجائش مانتے ہیں اور اس طرح کی تاویلیں کرنے والے کے متعلق ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ نصوص کا انکار کر رہا ہے لیکن اس قول کے قائل کی تردید میں ہم کہیں گے کہ امت نے بالاتفاق اس لفظ (یعنی لانبی بعدی) سے اور نبی کے احوال کے قرائن سے یہ سمجھا ہے کہ حضور کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے بعد نہ کبھی کوئی نبی آئے گا نہ رسول نیز امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس میں کسی تاویل و تخصیص کی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے شخص کو منکر اجماع کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

جناب مولوی مودودی صاحب نے شروع عبارت میں ولو فتح ھذا الباب کے آگے بریکٹ میں جو یہ الفاظ لکھے ہیں "ای باب انکار کون الاجماع حجۃ" یہ الاقتصاد کے الفاظ نہیں۔ یہ الفاظ دراصل مودودی صاحب کے خود ساختہ ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے سیاق کلام میں تحریف کر دی ہے۔ امام غزالی یہ بتا رہے تھے کہ اجماع کے انکار کی وجہ سے ہم کسی کو کافر قرار نہیں دیں گے، ہمیں تو نظام معتزلی کو بھی کافر قرار دینے پر اعتراض ہے جو سرے سے اجماع کے وجود ہی کے منکر ہیں کیونکہ اجماع کے حجت ہونے میں بہت سے شبہات ہیں اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ لو فتح ھذا الباب لانجر الی امور شنیعۃ یعنی اگر اجماع کو حجت قرار دیکر اس کے انکار پر تکفیر کا دروازہ کھول دیا جائے تو یہ بہت سی

خرابیاں پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔

مودودی صاحب نے اس اصل سیاقِ کلام کو نظر انداز کرکے اس سیاقِ کلام کے برعکس بریکٹ کی عبارت اپنے پاس سے گھڑ کر امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرف یہ مضمون منسوب کرنا چاہا ہے کہ اگر اجماع کے حجت ہونے سے انکار کا دروازہ کھول دیا جائے تو بڑی قبیح باتوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے، حالانکہ امام غزالی علیہ الرحمۃ اس کے برعکس اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اجماع کو حجت قرار دیکر تکفیر کا دروازہ کھول دیا جائے تو اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی پس مودودی صاحب نے امام موصوف کے کلام میں خود ساختہ بریکٹ بڑھا کر اس کے سیاق کو بگاڑنے میں سراسر تحریف سے کام لیا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ تو اجماع کو حجت اس لیے نہیں مانتے کہ ان کے نزدیک اس کے حجت ہونے میں بہت سے شبہات ہیں اور اس جگہ یہ بتا رہے ہیں کہ اس کے حجت ہونے کا دروازہ کھولنے پر اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی، پھر مثال کے طور پر وہ ایک خرابی کا یوں ذکر فرماتے ہیں کہ مثلاً اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول کی بعثت جائز ہے تو اجماع کو حجت قرار دینے کی وجہ سے ناقل) اس کی تکفیر میں توقف نہیں ہوسکے گا، یہ ترجمہ ہے فیبعد التوقف فی تکفیرہٖ کا جس سے مراد ان کی یہ ہے کہ رسول کی آمد کے محال ہونے پر اجماع قرار دیکر اگر اس اجماع کو حجت قرار دیا جائے تو پھر رسول کی آمد کو جائز قرار دینے والے کو فوراً کافر قرار دینا پڑے گا، مگر مودودی صاحب نے اس عبارت کا ایسا ترجمہ کردیا ہے جس کا مفہوم یہ بن جاتا ہے کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ایسے شخص کی تکفیر میں تامل کو جائز نہیں رکھا اور انہوں نے یہ فتویٰ دیدیا ہے کہ وہ شخص ایسا کہنے سے بلا تامل کافر ہو جائے گا، پس فیبعد التوقف فی تکفیرہٖ کہ "اس کی تکفیر میں تامل نہیں کیا جا سکتا۔" اصل سیاق کلام کے لحاظ سے درست ترجمہ نہیں بلکہ تحریف معنوی کا ارتکاب ہے، امام غزالی کا مطلب یہ ہے کہ اجماع کو حجت قرار دینے کی صورت میں ایسے شخص کو فوراً کافر قرار دے دیا جائے گا حالانکہ یہ امر تشنیع اور خرابی ہے جو اجماع کو حجت قرار دینے سے پیدا ہوگی اور ایسے شخص کی تکفیر پر منتج ہوگی حالانکہ ایسے شخص کو کافر قرار دینا مناسب نہیں کیونکہ اجماع کا حجت ہونا خود مشتبہ ہے۔

اس عبارت کے بعد امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں :۔

"ومستند استحالۃ ذٰلک عند البحث یستمد من

الاجماع لا محالة - فان العقل لا يحيله وما نقل فيه من قوله
لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ ومن قوله تعالیٰ خاتم النبیین فلا یعجز هذا
القائل عن تاویله "

اس عبارت کا ترجمہ سیاق کے لحاظ سے یہ ہے کہ تکفیر میں توقف کو اس موقعہ پر محال قرار دینے پر اصرار کرنے والا بحث کے وقت ناچار اجماع سے حجت پکڑے گا کیونکہ عقل تو رسول کا آنا محال قرار نہیں دیتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا نبی بعدی اور اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النّبیّین کی تاویل سے وہ شخص جو رسول کی آمد کے جواز کا قائل ہے عاجز نہیں ہوگا۔

مودودی صاحب نے اس عبارت کا سیاق اپنی تحریف سے بدل دینے کی وجہ سے اس جگہ مستنبد کے لفظ کی بجائے مستبعد کا لفظ تحریف کرکے لکھدیا ہے تا یبْعُدُ التَّوَقُّفُ فِیْ تَکْفِیْرِہٖ کا جو غلط ترجمہ انہوں نے کیا ہے اس سے اگلی عبارت کا جوڑ قائم ہو جائے پھر اس سے اگلی عبارت فَاِنَّ الْعَقْلَ لَا یُحِیْلُهٗ کا درست ترجمہ یہ ہے کہ عقل رسول کی آمد کو محال قرار نہیں دیتی، مگر مودودی صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں "کیونکہ عقل اس کے عدم جواز کا فیصلہ دیتی ہے" مودودی صاحب کے تبدیل کردہ سیاق کے لحاظ سے ان کے غلط ترجمہ کا یہ مفہوم بن رہا ہے کہ عقل تکفیر میں توقف کے عدم جواز کا فیصلہ دیتی ہے گویا عقل تکفیر کو جائز قرار دے رہی ہے، لیکن اگلی عبارت کا مودودی صاحب کا یہ صحیح ترجمہ "جہاں تک نقل کا تعلق ہے اس عقیدے کا قائل لا نبی بعدی اور خاتم النبیین کی تاویل کرنے سے عاجز نہ ہوگا" اُن کے فَاِنَّ الْعَقْلَ لَا یُحِیْلُهٗ کے غلط ترجمہ کو رد کر رہا ہے اور صحیح ترجمہ یہ بنتا ہے کہ عقل تو رسول کی آمد کو محال قرار نہیں دیتی، رہی نقل لا نبی بعدی اور خاتم النّبیّین کے الفاظ سو ان کی تاویل میں ایسا شخص عاجز نہیں ہوگا جو رسول کی آمد کے جواز کا قائل ہے اور چونکہ تاویل کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جا سکتی اور عقلاً بھی رسول کا آنا محال نہیں اس لیے رسول کی آمد کو محال ثابت کرنے والا اس شخص کی تکفیر کے لیے اجماع امت کو پیش کریگا جس کے حجت ہونے کے بارہ میں امام موصوف بہت سے شبہات قرار دے چکے ہیں، چنانچہ آگے اس شخص کی تاویلات پیش کرکے مودودی صاحب کے ترجمہ کے مطابق امام غزالی بتاتے ہیں:-

"محض لفظ کے اعتبار سے ہم ایسی تاویلات کو محال نہیں سمجھتے بلکہ ظواہر تشبیہ کی تاویل میں ہم اس سے بھی زیادہ بعید احتمالات کی گنجائش مانتے ہیں اور اس طرح کی تاویلیں کرنے والے کے متعلق ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ نصوص کا انکار کر رہا ہے۔"

پس مودودی صاحب کے اس ترجمہ سے بھی ثابت ہے کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ "تاویل کرنے والے کو نص کا مکذب نہیں جانتے کہ اس کی تکفیر جائز ہو کیونکہ امام غزالی اس سے پہلے وضاحت سے الاقتصاد میں لکھ چکے ہیں کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والے فرقوں کو جو کسی نص کی تاویل کریں نص کا مکذب قرار دیکر کافر نہیں ٹھہراتے۔

اس کے بعد کی عبارت میں امام غزالی علیہ الرحمۃ لکن الرد علی ھذا القائل سے لے کر فمنکر ھذا لا یکون الا منکر الاجماع تک یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اس بحث میں رسول کی آمد کے قائل کی تردید میں رسول کی آمد کو محال قرار دینے والا بحث کنندہ یہی کہے گا کہ امت نے بالاتفاق اس لفظ یعنی لا نبی بعدی اور خاتم النبیین سے یہ سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے بعد کبھی کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور نہ کبھی رسول آئے گا اور اس میں کوئی تاویل اور تخصیص نہیں۔ سو اس صورت میں اس امر کا انکار کرنے والا صرف اجماع کا منکر ہوگا۔

اب اجماع کے منکر کے متعلق امام غزالی علیہ الرحمۃ محولہ عبارت سے پہلے بتا چکے ہیں کہ اسکے حجت ہونے میں بہت سے شبہات ہیں اور اس کو حجت قرار دے کر اس کا انکار کرنے والے کی تکفیر جائز نہیں کیونکہ ہمیں تو نظام معتزلی کی تکفیر پر بھی اسی وجہ سے اعتراض ہے جو سرے سے اجماع کے وجود کا منکر ہے۔

پس مودودی صاحب اس عبارت سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ کے نزدیک خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کی تاویل کرنے والا اجماع کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہوگا اور اس کی تکفیر میں تامل جائز نہیں ہوگا مگر یہ نتیجہ وہ ان کی عبارت کے سیاق میں لفظی اور معنوی تحریف سے نکال رہے ہیں۔ حالانکہ امام غزالی علیہ الرحمۃ کی محولہ عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا مودودی صاحب کا امام موصوف پر افتراء عظیم ہے۔ پہلے مودودی صاحب نے رسالہ ختم نبوت میں اور تحقیقاتی کمیشن کے سامنے بیان میں ان کی محولہ عبارت میں خطرناک

تحریف کی تھی۔ اب تیسری مرتبہ ضمیمۂ تفسیر سورہ احزاب میں ان پر یہ افتراء باندھ رہے ہیں حالانکہ ان کی عبارت سے ایسے شخص کی تکفیر کا مضمون اخذ کرنا الاقتصاد کی عبارتوں کی رُوح کو کچلنے اور اس صداقت کا خون کرنے کے مترادف ہے جسے امام غزالی علیہ الرحمۃ الاقتصاد میں پیش کر رہے ہیں کہ تاویل کرنے والے کو نصّ کا مکذب اور کافر قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ وہ اجماع کے منکر کو کافر قرار دینا چاہتے ہیں کیونکہ اجماع کے حجت ہونے میں بہت سے شبہات ہیں۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ تو الاقتصاد میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے کی وجہ سے کافر قرار دیا جانے سے محفوظ ہوں گے ان کے نزدیک کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل مسلمان کو مذکورہ وجوہ سے کافر قرار دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ واضح رہے کہ جماعت احمدیہ خاتم النبیین کے حقیقی معنے ختم کے لغوی معنے تاثیر الشیئ اور اثر حاصل کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کے ظہور میں مؤثر ذریعہ مان کر بلا تاویل و تخصیص خاتم النبیین یقین کرتی ہے اور یہی معنے حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اصل اور مقدم معنے قرار دیئے ہیں اور آخری نبی ہونے کو ان معنیٰ کے لوازم میں سے قرار دیا ہے۔

اب اگر خاتم النبیین کے معنے مجازی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق آخری نبی قرار دیا جائے اور لا نبی بعدی میں لَا نفی جنس کا قرار دیکر یہ معنے کئے جائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے جواز کے لیے ان ہر دو نصوص میں تاویل یا تخصیص کے بغیر چارہ نہیں ہوگا اگر یہ قول درست ہو کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ خاتم النبیین اور لا نبی بعدی میں تاویل و تخصیص نہیں تو حضرت عیسیٰ نبی اللہ علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کا جواز نکالنا ان نصوص کی تاویل و تخصیص ہی ہوگا لہٰذا اس فتویٰ کی زد میں مودودی صاحب بھی آتے ہیں جو سابق نبی کی حیثیت میں مسیحؑ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے کے قائل ہیں کیونکہ حدیث لا نبی بعدی میں لا نفی جنس کا ہے جو اپنے عام معنوں کے لحاظ سے علی الاطلاق نئے اور پرانے نبی کی آمد میں روک ہوگا۔ پس خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کی موجودگی میں پرانے نبی کی آمد کا جواز نکالنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علی الاطلاق آخری نبی ہونے کے منافی ہے اس لیے علماء کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی صورت میں

ان نصوص کی تاویل و تخصیص کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے لا نبی بعدی کی تاویل علماء نے یہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شارع نبی نہیں آ سکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد میں لا نبی بعدی کی حدیث روک نہیں، کیونکہ وہ بقول ان علماء کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہو کر آئیں گے اور آپ کے امتی ہونگے۔ یہ اگر تاویل یا تخصیص نہیں تو اور کیا ہے۔

اس جگہ یا تو لا نبی بعدی میں نبی کے عموم کو خاص مفہوم دیکر توڑا گیا ہے یا لفظ نبی کی تاویل تشریعی نبی کی گئی ہے، یہی حال خاتم النبیین کے معنی مطلق آخری نبی ترک کرکے تاویل و تخصیص سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا جواز نکالنے کا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے میں آخری نبی ہیں یا شریعت لانے میں آخری نبی ہیں۔ یہ معنی النبیین کے عموم کی سراسر تخصیص ہیں۔ پس یہ سب تاویل و تخصیص کرنے والے بموجب فتوے مودودی صاحب کافر قرار پائے اور خود مودودی صاحب بھی اپنے اس فتویٰ کی زد میں ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ امت کا اجماع صرف اس بات پر ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی اور مستقل نبی نہیں آ سکتا امت محمدیہ میں مسیح موعود نبی اللہ غیر تشریعی نبی ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بھی۔ اس اجماع میں جماعت احمدیہ شریک ہے ہمیں اختلاف زمانۂ حال کے علماء سے مسیح موعود کی صرف شخصیت میں ہے اس کے اس منصب پر آنے میں اختلاف نہیں کہ وہ ایک پہلو سے نبی ہوگا اور ایک پہلو سے امتی ایسے نبی کا آنا علماء نے ختم نبوت کے منافی نہیں جانا۔

پس جماعت احمدیہ کو ختم نبوت کا منکر اور اجماع امت کا منکر قرار دینا محض مودودی صاحب کا افتراء ہے ؛

ہماری گزارش

ہماری گزارش اس موقعہ پر یہ ہے کہ مودودی صاحب نے مسلمانوں کو جو امید دلائی ہے کہ موجودہ ریاست فلسطین میں سے کوئی یہودی مسیح موعود کے دعویٰ کے ساتھ کھڑا ہوگا جو دراصل دجال ہوگا اور اسے قتل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر آئینگے یہ امید کبھی پوری نہ ہوگی کیونکہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ مسیح موعود بروقت امت محمدیہ میں ظاہر

ہو چکا ہے لہٰذا اب کوئی مسیح آسمان سے نہیں آئے گا۔ خدا کے مقرر کردہ مسیح پاک پیشگوئی فرماتے ہیں کہ:

"مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اُتریگا، ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مرینگے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی مَرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مریگی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر چکا اور دُنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ آج تک آسمان سے نہیں اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخمریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

یہودی اور مسلمان کا مکالمہ

اس جگہ ایک مباحثہ کا اندراج بہت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے یہ مباحثہ ایک یہودی عالم سلیمان اور ایک مسلمان کے درمیان ہوا جسے ہمارے محترم بزرگ مولانا عبید اللہ صاحب بسمل مرحوم نے سنا اور اپنی کتاب "حق الیقین" میں درج فرما دیا، غور کیجیے، فرماتے ہیں:

تخمیناً پینتالیس سال کا عرصہ ہوا ہے کہ سلیمان یہودی جو عبرانی زبان کا فاضل اور عربی سے واقف تھا امرتسر میں آنکلا، ایک روز میرے مواجہ میں مولوی ابراہیم حسین یانی پتی عربک ہیڈ ٹیچر گورنمنٹ سکول امرتسر سے جو مذہب امامیہ کے پیش نماز تھے گفتگو کرنے لگا، اتفاقاً الیاس مسیح بھی اس وقت موجود تھا۔

سلیمان کہنے لگا: مولوی صاحب آپ نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بائبل سے کس طرح ثابت کرتے ہیں؟

مولوی صاحب نے عہد نامہ عتیق کی کتاب استثناء میں سے یہ درس پیش کیا:-

"خداوند خدا تیرے لیے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا، تم اس کی طرف کان دھریو" (ب ۱۸) اور کہا کہ چونکہ بنی اسرائیل میں جیسا کہ اسی کتاب استثناء کے آخر میں درج ہے۔ "موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا اور حسب وعدہ اٹھنا ضروری تھا، اس لیے خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ اس کے بھائیوں بنی اسماعیل سے نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ برپا کر کے اپنا وعدہ پورا کیا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ یعنی ہم نے تمہاری طرف رسول تم پر گواہی دینے والا بھیجا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔"

سلیمان کہنے لگا: تم نبی عرب کو مثیل موسیٰ کس طرح قرار دے سکتے ہو؟ کیونکہ ہم بوجہ

ہو چکا ہے لہٰذا اب کوئی مسیح آسمان سے نہیں آئے گا۔ خدا کے مقرر کردہ مسیح پاک پیشگوئی فرماتے ہیں کہ:

"مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اُتریگا، ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مرینگے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی مَرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مریگی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی، تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر چکا اور دُنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ آج تک آسمان سے نہیں اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھُولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

ہو چکا ہے لہٰذا اب کوئی مسیح آسمان سے نہیں آئے گا۔ خدا کے مقرر کردہ مسیح پاک پیشگوئی فرماتے ہیں کہ :

"مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اُتریگا، ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مرینگے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی مرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مریگی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر چکا اور دُنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ آج تک آسمان سے نہیں اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

سرآمد انبیاء بنی اسرائیل ہونے کے حضرت موسیٰ کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ جیساکہ آپ کی تفسیر مجمع البیان میں درج ہے اور آپ بوجہ آخر انبیاء ہونے کے نبی عرب کو خاتم النبیین کہتے ہو۔
"سرآمد انبیاء" ہونا باعث فضیلت ہے۔ آخر انبیاء ہونے میں کون سی فضیلت ہے؟ یہ الباس مسیح عیسوی مذہب ہے، نہ آپ سے تعلق رکھتا ہے نہ ہم سے اس سے پوچھ لو کہ ملاکی نبی تمام انبیاء بنی اسرائیل سے آخری نبی ہیں، مگر ان کو نہ یہود اور نہ نصاریٰ کوئی حضرت موسیٰ کا ہم رتبہ نہیں جانتا۔ تم آخری نبی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل یا ہم رتبہ کس دلیل سے مانتے ہو؟ اور اگر آخری نبی ہونا ہی فضیلت ہے تو آپ بھی یہود اور نصاریٰ کی طرح یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ شہزادہ مسیح آنے والا ہے۔ پس آخری نبی مسیح ہوگا نہ نبی عرب!

دوئم: ہم حضرت موسیٰ کو رحمة للعلمین کہتے ہیں اور آپ نبی عرب کو بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہو، مگر حضرت موسیٰ کا رحمة للعلمین ہونا تو اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ نبوت کا دروازہ جو خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جیساکہ قرآن میں ہے کہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡبِیَآءَ بنی اسرائیل کے منہ پر کھولے۔

برخلاف اس کے نبی عرب بنی اسماعیل اور بزعم آپ کے دیگر اقوام دنیا کے منہ پر رحمت کا دروازہ بند کر گئے ہیں۔

عالم کے منہ پر باب نعمت الہٰی کے بند کرنیوالے کو مقابل باب نعمت الہٰی کے کھولنے والے کے کیا فضیلت ہو سکتی ہے؟

سوئم: ہم حضرت موسیٰ کو سید المرسلین کہتے ہیں تم اسی خطاب سے نبی عرب کو یاد کرتے ہیں مگر حضرت موسیٰ اور ان کی توراة اور ان کی شریعت کے تابع تو ہزارہا انبیاء بنی اسرائیل میں ہوتے چلے آئے ہیں جس کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىۃَ فِیۡہَا ہُدًی وَّ نُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِہَا النَّبِیُّوۡنَ، لیکن بنی اسماعیل سے کون سا نبی نبی عرب کی شریعت کا تابع ہوا، جس کی وجہ سے تم نبی عرب کو حضرت موسیٰ کا مثیل اور ہم مرتبہ اعتقاد کرتے ہو۔

چہارم: حضرت موسیٰ کی افضلیت کی تصدیق تو ہزارہا انبیاء بنی اسرائیل نے کی ہے اور خود نبی عرب نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے مگر آپ از راہ کرم کسی نبی کا نام بتائیں جس نے کھلے لفظوں میں نبی عرب کی تصدیق افضلیت کی ہو۔

پنجم: حضرت موسیٰ کی نبوت کی شہادت انبیاء بنی اسرائیل اور انبیاء بنی اسماعیل ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ اس نبی کا نام لیں کہ جس نبی نے نبی عرب کی نبوت کی شہادت دی ہو۔ پھر نبی عرب کو آپ حضرت موسیٰ کا مثیل کیونکر کہہ سکتے ہو۔

اگر یہ کہو کہ ہمارے علماء امت انبیاء بنی اسرائیل جیسے تھے انہوں نے تصدیق کی ہے تو یہ بات ہرگز قابل پیش کرنے کے نہیں ہے کیونکہ علماء بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ کی نسبت شہادت دی ہے، علماء کا مقابلہ علماء سے ہونا چاہیئے نہ کہ انبیاء سے۔

دوم۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور علماء غیر معصوم ہوتے ہیں، غیر معصوم کی شہادت معصوم کی شہادت کے سامنے کیا وقعت رکھتی ہے اور اگر کہو کہ ہمارے آئمہ کرام اگرچہ انبیاء نہیں تھے مگر انبیاء سے افضل تھے جیسے کہ آپ کے امامیہ مذہب کے علماء کا اعتقاد ہے۔ اول تو یہ عقیدہ قرآن شریف کے برخلاف ہے۔ قرآن شریف نے اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ کہہ کر انبیاء کے مراتب کو اول بیان کیا ہے اور یہ اولیت افضلیت کی دلیل ہے۔

سوم: اگر غیر نبی، نبی سے افضل ہوتا ہے تو امم سابقہ میں اس کی نظیر پیش کرو۔" اس دلخراش تقریر کو سنکر مولوی صاحب مبہوت رہ گئے اور میرا سینہ قلق سے بھر گیا، ازاں بعد اکثر علماء فحول کے سامنے میں نے اس تقریر کو پیش کیا، بعض نے تو یہ جواب دیا ہے ؎

ہرکس کہ بقرآن د خبر زو نہ رہی
آنست جوابش کہ جوابش نہ رہی

بعض سنکر خاموش رہ گئے، لیکن میرا قلق اس وقت رفع ہوا جب جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے دعوئ نبوت فرما کر خاتم النبیین کے حقیقی معنوں کا یوں انکشاف فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم النبیین ہیں کہ ایک تو کمالات نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانیوالا رسول نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو بلکہ وہ امتی کہلاتا ہے نہ مستقل نبی۔"

آخری درخواست

میں نے یہ مختصر سی کتاب اس نیت سے لکھی ہے کہ شاید کوئی سعید روح اسے پڑھے اور ہدایت حاصل کرے۔

اے میرے مولا! میں نے یہ کام صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو اسے قبول فرما اور اسے لوگوں کے لیے موجب ہدایت بنا تو مجھے اپنی رضا سے نواز اور میری خطاؤں اور غلطیوں کو معاف فرما، اے میرے آقا میں تیرا ایک عاجز بندہ ہوں اور تیرے رحم اور فضل کا محتاج ہوں۔

اور قارئین سے میری درخواست ہے کہ اسے غور سے پڑھیں اور دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو سیدھی راہ دکھائے اور اس پر چلاتا چلا جائے، حتّٰی کہ ہم اس کی درگاہ میں رسائی حاصل کرلیں، ہمیں نفس مطمئنہ حاصل ہو اور اس کے افضال و رحمتوں کے وارث ٹھہریں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

میرے پیارے بھائیو!

۱۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اَلنُّبُوَّۃُ الَّتِیْ ھِیَ اَعْظَمُ الْمَنَاصِبِ الْاِنْسَانِیَّۃ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۳۳۱) کہ انسانیت کا سب سے بڑا منصب نبوت ہے۔

۲۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اِنَّ اَعْلٰی مَرَاتِبِ الْبَشَرِ اَنْ یَکُوْنَ کَامِلاً فِی نَفْسِہٖ مُکَمِّلاً لِغَیْرِہٖ وَ ھُمُ الْاَنْبِیَاءُ" (تفسیر الخازن جزء ۶ ص۲۳) کہ سب سے بڑا مرتبہ انسان کے لیے یہ ہے کہ وہ خود بھی کامل ہو اور دوسرے کو بھی کامل بنانیوالا ہو اور یہ نبی ہی ہیں۔

۳۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ ھُمُ الْاَنْبِیَاءِ (تفسیر ابن کثیر جزء ۴ ص۲۸۳) کہ حقیقی اور اعلیٰ طبقہ السابقون کا نبی ہیں۔

۴۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ یقین کا تیسرا اعلیٰ درجہ حق الیقین اَلثَّالِثُ لِلْاَنْبِیَاءِ (الفتاوی الحدیثیہ ص۲۶۴) انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔

۵۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اِنَّ اَکْمَلَ النَّاسِ فِی الْمَحَبَّۃِ وَالْاِیْمَانِ ھُمْ

آخری درخواست

میں نے یہ مختصر سی کتاب اس نیت سے لکھی ہے کہ شاید کوئی سعید روح اسے پڑھے اور ہدایت حاصل کرے۔

اے میرے مولا! میں نے یہ کام صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو اسے قبول فرما اور اسے لوگوں کے لیے موجب ہدایت بنا تو مجھے اپنی رضا سے نواز اور میری خطاؤں اور غلطیوں کو معاف فرما، اے میرے آقا میں تیرا ایک عاجز بندہ ہوں اور تیرے رحم اور فضل کا محتاج ہوں۔

اور قارئین سے میری درخواست ہے کہ اسے غور سے پڑھیں اور دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو سیدھی راہ دکھائے اور اس پر چلاتا چلا جائے، حتیٰ کہ ہم اس کی درگاہ میں رسائی حاصل کر لیں، ہمیں نفس مطمئنہ حاصل ہو اور اس کے افضال و رحمتوں کے وارث ٹھہریں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

میرے پیارے بھائیو!

۱۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اَلنُّبُوَّۃُ الَّتِیْ ھِیَ اَعْظَمُ الْمَنَاصِبِ الْاِنْسَانِیَّۃ (التفسیر الکبیر جزء ۷ صفحہ ۳۳۱) کہ انسانیت کا سب سے بڑا منصب نبوت ہے۔"

۲۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اِنَّ اَعْلٰی مَرَاتِبِ الْبَشَرِ اَنْ یَّکُوْنَ کَامِلًا فِیْ نَفْسِہٖ مُکَمِّلًا لِغَیْرِہٖ وَھُمُ الْاَنْبِیَاءُ" (تفسیر الخازن جزء ۶ صفحہ ۲۳) کہ سب سے بڑا مرتبہ انسان کے لیے یہ ہے کہ وہ خود بھی کامل ہو اور دوسرے کو بھی کامل بنانے والا ہو اور یہ نبی ہی ہیں۔"

۳۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ ھُمُ الْاَنْبِیَاءُ (تفسیر ابن کثیر جزء ۴ صفحہ ۲۸۳) کہ حقیقی اور اعلیٰ طبقہ السابقون کا نبی ہیں۔"

۴۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ یقین کا تیسرا اعلیٰ درجہ حق الیقین اَلثَّالِثُ لِلْاَنْبِیَاءِ (الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۲۶۳) انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔

۵۔ یہ مانی ہوئی بات ہے اِنَّ اَکْمَلَ النَّاسِ فِی الْمَحَبَّۃِ وَالْاِیْمَانِ ھُمُ

الانبیاء (شرح العقائد النسفیہ ص۱۴۸) کہ محبتِ الٰہی اور ایمان میں اکمل انسان نبی ہی ہوتے ہیں۔"

۶۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ مُنْعَمْ عَلَیْهِمْ میں "اَفْضَلُ الْخَلْقِ هُمُ الْاَنْبِیَاءُ (التفسیر الکبیر جزء ۳ ص۲۵۹) سب سے اعلیٰ و افضل نبی ہیں۔"

۷۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اکمل امام نبی ہوتا ہے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ آیت ۱۲۴) کہ اے ابراہیم میں تجھے امام (جامع نبوت) بنانے والا ہوں۔"

۸۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ علم معرفت میں کامل نبی ہی ہوتا ہے "وَاُولُو الْعِلْمِ وَهُمُ الْاَنْبِیَاءُ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۵۳۹)

۹۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اعلیٰ درجہ کا داعی اِلَی اللہ نبی ہوتا ہے: اِنَّ نُفُوْسَهُمْ اَقْوٰی قُوَّةً وَاَرْوَاحُهُمْ اَصْفٰی جَوْهَرًا فَكَانَتْ تَاثِیْرَاتُهَا فِیْ اِحْیَاءِ الْقُلُوْبِ الْمَیِّتَةِ وَاِشْرَاقِ الْاَرْوَاحِ الْكَدِرَةِ اَكْمَلَ فَكَانَتْ دَعْوَتُهُمْ اَفْضَلَ (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۳۵۸)

۱۰۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اکمل خلیفہ وہ ہے جو خلافت کے ساتھ نبوت بھی رکھتا ہو (التفسیر الکبیر جزء ۶ ص۳۰۱)

۱۱۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اَقْرَبُ اِلَی اللہِ نبی ہی ہوتا ہے: وَعِبَادُ اللہِ الَّذِیْنَ كَلَّمَهُمُ اللہُ وَكَلَّمُوْهُ وَاَرْسَلَهُمْ لِتَكْمِیْلِ عِبَادِهٖ فَكَمَّلُوْا اَقْرَبُ اِلَی اللہِ تَعَالٰی (التفسیر الکبیر جزء ۷ ص۶۸۵)

۱۲۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اَلنُّبُوَّةُ اَعْظَمُ مَرَاتِبِ الْمُلْكِ (التفسیر الکبیر جزء ۲ ص۴۲۴) و (الخازن جزء ۱ ص۲۸۱) کہ حکومت کا بہت بڑا رتبہ نبوت ہے۔"

۱۳۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے نبی کے سوا کوئی دوسرا معصوم نہیں مانا گیا ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نبوت کا دروازہ کلیتہً بند کر دیا گیا ہے اور کسی امتی کو تا قیامت نبوت کا مرتبہ نصیب نہ ہو گا خواہ وہ مرتبہ امتی نبی کا ہی ہو

تو کیا بالفاظ دیگر وہ یہ نہیں کہہ رہا ہوگا کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام نعمتوں سے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے ہمیشہ کے لیے محروم کر دی گئی!! اور کیا یہود کا یہ قول جو انھوں نے مسلمانوں کو کہا تھا صحیح ثابت نہ ہوگا؟

یہود نے ایک دفعہ مسلمانوں کو کہا تھا: وَاللّٰهِ مَا نَعْلَمُ اَهْلَ دِيْنٍ اَقَلَّ حَظًّا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْكُمْ (التفسیر الکبیر جزء ۳ صفحہ ۲۲۴) کہ اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ کوئی مذہبی آدمی اتنا کم نصیب والا ہو، جتنے تم ہو۔

آخر کونسی خوبی ہے جو امت اسلام میں پائی جاتی ہے اور دوسروں میں نہیں پائی جاتی، وہ کونسی بات ہے جس کی بناء پر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ امت خیر الامم ہے، خالی دعویٰ ہی تو کافی نہیں ہوتا اور نہ ہی محض دعویٰ سے کسی کو تسلی ہو سکتی ہے؟

ہمارے علماء

ہو سکتا ہے یہاں کوئی کہہ دے کہ ہمارے علماء وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ ذرا بتائیے تو سہی کہ کونسی انبیاء کی خصائل اور صفات ہیں جو ان میں پائی جاتی ہیں اور جنھیں پیش کر کے اغیار کے منہ بند کئے جا سکتے ہیں، کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جس سے خدا تعالیٰ یقینی وحی سے ہمکلام ہوتا ہو، کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جسے خدا تعالیٰ غیبی اخبار سے مطلع فرماتا ہو، کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جسکے ذریعہ خدا تعالیٰ اپنی قدرت کے نمونے ظاہر کرتا ہو، کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جس کے فیض اور روحانیت سے لوگوں کے دل منور ہو رہے ہوں، اگر کوئی نہیں اور یقیناً کوئی نہیں تو انھیں وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب (منہاج العابدین صفحہ ۴۲-۴۱) پر فرماتے ہیں کہ اَمنگیں جلد بازی حسد اور تکبر " اِنَّهَا عَلَى الْقُرَّاءِ خَاصَّةً " کہ یہ چار بیماریاں علماء میں خاص طور پر پائی جاتی ہیں۔ " اِذْ هِيَ تَعْتَرِي سَائِرَ النَّاسِ عُمُوْمًا وَالْقُرَّاءَ خُصُوْصًا۔"

آگے لکھتے ہیں:

" وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَا اَخَافُ عَلٰى دِيْنِيْ اِلَّا الْقُرَّاءَ وَالْعُلَمَاءَ۔ کہ مجھے صرف علماء سے ڈر ہے کہ وہ میرا خون کریں گے۔" لوگ ان کی یہ بات سنکر حیران ہوئے تو انھوں نے کہا: مَا اَنَا قُلْتُهٗ اِنَّمَا قَالَهٗ اِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ۔ کہ یہ

بات صرف مَیں نے ہی نہیں کہی بلکہ ابراہیم نخعی نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔“

پھر حضرت ثوری نے فرمایا:

”فَلَوْ خَالَفْتُ اَوَدَّ هُمْ لِيْ فِيْ رُمَّانَةٍ فَاَقُوْلُ اِنَّهَا حُلْوَةٌ وَيَقُوْلُ اِنَّهَا حَامِضَةٌ“ مَا اَمِنْتُهُ اَنْ يَسْعٰى بِدَمِيْ اِلٰى سُلْطَانٍ جَائِرٍ“ کہ علماء میں سے وہ شخص جو مجھ سے بہت محبت رکھتا ہے اگر میں اس کے خلاف کہوں کہ مثلاً ”یہ انار میٹھا ہے اور وہ کہے کہ میٹھا نہیں کھٹا ہے تو مجھے ڈر رہے گا کہ کہیں وہ میرا خون پینے کے لیے کسی ظالم بادشاہ کے پاس میرے خلاف شکایت نہ کر دے۔“

پھر امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

” وَعَنِ الْفُضَيْلِ اَنَّهُ قَالَ لِابْنِهِ اِشْتَرِلِيْ دَارًا بَعِيْدَةً مِّنَ الْقُرَّاءِ مَالِيْ وَلِقَوْمٍ اِنْ ظَهَرَتْ مِنِّيْ زَلَّةٌ هَتَكُوْنِيْ وَاِنْ ظَهَرَتْ عَلَيَّ نِعْمَةٌ حَسَدُوْنِيْ۔“ کہ حضرت الفضیل سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ میرے لیے مکان خرید کرو، لیکن علماء سے دور ہو، فرمایا میں ان سے کوئی تعلق نہیں چاہتا کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر مجھ سے کوئی لغزش ہوئی تو میری ہتک اور بے عزتی کرینگے اور اگر میرے پاس کوئی نعمت ہو اور انہیں پتہ چل جائے تو حسد کرینگے۔“

ہمارے لیے بشارت

پھر کیا کہا جائے کہ اسلام نے ہمیں محرومی ہی محرومی کا پیغام دیا؟ کیا تمام نعمتوں اور رحمتوں کے دروازے ہمارے لیے ہمیشہ ہمیش تک بند کر دیئے گئے؟

نہیں اور ہرگز نہیں! یہ ہمارے بھائیوں کی غلط فہمی ہے، خدا تعالیٰ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں بشارت دیتا ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا (سورۃ الاحزاب آیت ۴۷) کہ مومنوں کو بشارت دے کہ ان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل مقدر ہے۔“ پھر ہم کیوں اپنے کو محروم خیال کریں، خدا تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور جو اس دروازہ کا قصد کریگا وہ ضرور خدا تعالیٰ کے فضل سے حصہ پائیگا۔

آؤ، میں تمہیں خوشخبری دوں کہ اس وقت بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے حصہ وافر پا رہے اور دکھائی دے رہے ہیں کہ اسلام کے خدا کی طرف آؤ کہ وہ رحیم و کریم ہے

جو اس سے مانگتا ہے وہ پاتا ہے اور جو اس کے دَر پر آتا ہے ناکام نہیں پھرتا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ رسول ہے، جو اس کے دامن کو پکڑتا ہے وہ نامراد نہیں رہتا۔ سنو کہ خدا کا بندہ تمہیں پکار رہا ہے۔

"مَیں تمام لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب آسمان کے نیچے اعلیٰ اور اکمل طور پر زندہ رسول صرف ایک ہے یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اسی ثبوت کے لیے خدا نے مجھے مسیح کر کے بھیجا ہے۔ جس کو شک ہو وہ آرام اور آہستگی سے مجھ سے یہ اعلیٰ زندگی ثابت کرائے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو کچھ عذر بھی تھا مگر اب کسی کے لیے عذر کی جگہ نہیں کیونکہ خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ تا میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے اور زندہ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، دیکھو میں آسمان اور زمین کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ باتیں سچ ہیں اور خدا وہی ایک خدا ہے جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں پیش کیا گیا ہے اور زندہ رسول وہی ایک رسول ہے۔ جس کے قدم پر نئے سرے سے دنیا زندہ ہو رہی ہے، نشان ظاہر ہو رہے ہیں، برکات ظہور میں آ رہے ہیں غیب کے چشمے کھل رہے ہیں پس مبارک وہ جو اپنے تئیں تاریکی سے نکالے والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔"

(اشتہار ۲۵ رمئی ۱۹۰۰ء مطابق ۲۵ محرم ۱۳۱۸ھ بروز جمعہ)

یہ خدا کا بندہ امام مہدی اور مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر سنو کہ وہ کیا فرماتے ہیں:

"اس تاریکی کے زمانہ کا نُور مَیں ہوں، جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائیگا، جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لیے تیار کئے ہیں، مجھے اس نے بھیجا ہے کہ تا میں امن اور حلم کے ساتھ دنیا کو سچے خدا کی طرف رہبری کروں اور اسلام میں اخلاقی حالتوں کو دوبارہ قائم کروں اور مجھے اس نے حق کے طالبوں کی تسلّی پانے کے لیے آسمانی نشان بھی عطا فرمائے ہیں اور میری تائید میں اپنے عجیب کام دکھائے ہیں اور غیب کی باتیں اور آئندہ کے بھید جو خدا تعالیٰ کی کتابوں کی رو سے صادق کی شناخت

کے لئے اصل معیار ہے میرے پر کھولے ہیں اور پاک معارف اور علوم مجھے عطا فرمائے ہیں۔ (دیباچہ تریاق القلوب صـ۱۳)

آخر میں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی دعا دوبارہ پیش کرتا ہوں۔ آؤ ہم بھی اس دعا میں حضور کے ساتھ شریک ہو جائیں تاکہ ہم بھی خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے وارث ٹھہریں حضور دعا فرماتے ہیں:

"اے میرے قادر خدا! میری عاجزانہ دعائیں سن لے اور اس قوم کے کان اور دل کھول دے اور ہمیں وہ وقت دکھا کہ باطل معبودوں کی پرستش دنیا سے اٹھ جائے اور زمین پر تیری پرستش اخلاص سے کی جائے اور زمین تیرے راستبازوں اور موحد بندوں سے ایسی بھر جائے جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اور تیرے رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور سچائی دلوں میں بیٹھ جائے۔ آمین۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۱۴۳)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خادم سلسلہ عالیہ احمدیہ

خاکسار

محمد صادق ولد برکت اللہ

(سابق رئیس التبلیغ انڈونیشیا و ملیشیا و سنگاپور)

شکریہ: میں اپنے محترم بزرگ قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری کا بہت ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں مجھے بہت سی مفید نصائح سے نوازا۔ فجزاھم اللہ خیراً۔